

Rs. 60/-

خصوصی شمارہ
اجتہاد و تقلید

ملک انجمن
ماہنامہ
جلد نویں

APRIL 2007

انشروبو

اجتہاد و تقلید پر صغیر کے مختلف مکاتب فکر کے نمائندوں سے متبادل خیالات

اجتہاد و تقلید پر صغیر کے مختلف مکاتب فکر کے نمائندوں کا دلچسپ تحریری مباحثہ
تقلید یا شرعیت یا شرعیت یا شرعیت

شافعی

مالکی

حنفی

حنبل

شرعیت محمدی

وہابیائی تحریک
فقہ حنفی کی تدوین کی طرف علم کا اتنا
تقلید یعنی بحیثیت نوعیت اور ضرورت
سودی حکومت کی نظریات علی کا دور جو غیر غیر تقلید
امام اعظم اور علم یا الحدیث
امام اعظم یا حدیث علی کا دور امتدادی خدا
تقلید شوق یا صغر
تقلید اللہ اور مسلمہ تقلید
تقلید کی مخالفت ایک تحقیقی و تنقیدی جائزہ
تقلید امکا الجماعی موقوف
تقلید اجتہاد تک

برصغیر کے ائمہ و علماء عرب کی حاکمیت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ترجمہ کی سہولت ہے ذوق طلب میں ہے

تو پڑھنے والے تو ان ہی دینی اہم کتابوں کا ہے

ملک انجمن ماہنامہ جامعہ نو

فیض الحائریں حضرت علامہ شاہ عظیم الدینی پشاور

رئیس القلم حضرت علامہ ارشد بن القادر دینی نور اللہ تبارک

پانچواں دور اپریل ۲۰۰۷ء ۵۴/۵۵ واں جام

ربیع الاول - ربیع الآخر ۱۴۲۸ھ

مراسلت و ترسیل زر کا پتہ

ملت کا ترجمان
ماہنامہ
جامعہ نو
۲۲ میا محل جامع مسجد دہلی
Tele Fax: 011 23281418

**MILLAT KA TARJAMAN
JAAM-E-NOOR** Monthly
422 Matia Mahal, Jama Masjid, Delhi - 6
Ph : (Off) 011- 23281418, 9313783691
E-mail: editor@jaamenoor.com
E-mail: info@jaamenoor.com
website: www.jaamenoor.com

خصوصی آگاہی: کسی بھی قسم کی قانونی اور عدالتی چارہ جوئی صرف دہلی کی عدالت میں قابل سماعت ہوگی (ادارہ)

مدیر اعلیٰ	خوشنتر کھڑا
میر اعلیٰ	قمر احمد شرفی مصباحی
مدیر	ذیشان احمد مصباحی
معاون مدیر	رفعت رضا نوری
سرکولیشن منیجر	محمد عارف فیضی
اشتہار منیجر	غلام قادر فیضی
مارکیٹنگ منیجر	محمد اسرائیل فیضی
ترجمین کار	کوشمستانی
ترجمین کار	منظر سبحانی
آپریٹر	محمد فہم
کاتب	عبد المجید فیضی
کمپوزنگ	جامعہ نو کمپوزرز

عام اشتہار:	15/=
نور سالانہ:	170/=
قیمت پاکستان میں:	20/=
بیرون ملک (ہوائی ڈاک)	30\$ امریکی ڈالر
20\$ پونڈ	
لائف ممبر شپ (اندرون ملک)	5000/=
لائف ممبر شپ (بیرون ملک)	300\$ امریکی ڈالر

ڈرافٹ
MILLAT KA TARJAMAN
JAAM-E-NOOR Monthly
کھلیں

مختصر یہ دیا مضمون رہائی نے اشارہ قیمت پر تنگ پریس 2229/A
کے لیے یہ دیا مضمون، اللہ کنواں، دہلی سے طبع کر کے آفس مہاشا ملیت کا
تعداد 422 میا محل، جامع مسجد، دہلی - ۶ سے شائع کیا

انتساب

ان مجتہدین امت کے نام جنہوں نے اصول شریعت وضع کر کے امت کے لیے بے شمار آسانیاں پیدا کر دیں

ان بلند قامت علما کے نام جنہوں نے ائمہ اربعہ کی تقلید پر اتفاق کر کے شیرازہ ملت کو متحد رکھا

(زر)

ان محققین کے نام جو نئے حالات میں شریعت کے انطباق کے لیے مخلصانہ کوشاں ہیں

خوشتتر نورانی

مَشْمُورَات

اداریہ

5

خوشتر نورانی

تحریک ہدایت: جس نے امت کی مذہبی و سیاسی وحدت کا خاتمہ کر ڈالا

باب (۱)

12

قاضی فضل احمد مصباحی

قیاس و اجتہاد کی حقیقت و ضرورت

19

مفتی آل مصطفیٰ مصباحی

اجتہاد و مجتہدین کے مختلف طبقات

25

مفتی محمود اختر قادری

مہدوسات میں اجتہاد کا وجود

31

مفتی ارشاد احمد ساحل سہراوی

تجدد اصول کی تدوین کی طرف اہل علم کا التفات

42

مولانا یونس اختر مصباحی

تقلید فقہی: حقیقت، نوعیت اور ضرورت

47

ڈاکٹر امجد رضا امجد

تقلید امت کا اجماعی موقف

53

مولانا سلمان رضا ازہری

تقلیدی مخالفت: ایک تحقیقی و تقلیدی جائزہ

61

ذیشان احمد مصباحی

اجتہاد سے تقلید تک

71

پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد

تقلید شوق یا ضرورت؟

باب (۲)

انٹرویو

اجتہاد و تقلید پر برصغیر کے مختلف مکاتب فکر کے نمائندوں سے تبادلہ خیالات

78

جماعت اہل سنت

ڈاکٹر محمد احمد مصباحی

78

اہل حدیث

ڈاکٹر ابو بابت خلیفہ

78

اسلامی مرکز

ڈاکٹر سعید الدین خان

78

دیوبندی جماعت

ڈاکٹر سعید محمد نعمانی

تحریری مباحثہ

اجتہاد و تقلید پر برصغیر کے مختلف مکاتب فکر کے نمائندوں کا دلچسپ تحریری مباحثہ

97

جماعت اہل سنت

ڈاکٹر سعید الدین خان

102

جماعت اہل حدیث

ڈاکٹر سعید الدین خان

104	دلیوبندی جماعت	مولانا وارث مظہری
106	جماعت اسلامی	مولانا شفیق مونس
107	جماعت اہل سنت	مولانا کونکب نورانی ادکاروی (پاکستان)

مذاکرہ

109	شام کے نامور عالم دین شیخ سعید رمضان البوطی کی ایک غیر مقلد عالم سے علمی گفتگو ترجمہ: مولانا نعمان احمد ازہری
-----	--

اظہار خیالات

114	تقلید و اجتہاد پر علماء و دانشوران کی گرانقدر آراء
-----	--

باب (۳)

124	مولانا نفیس احمد مصباحی	امام اعظم ابوحنیفہ کا علمی مقام اور اجتہادی خدمات
137	مولانا ذکی اللہ مصباحی	امام مالک کی علمی و اجتہادی خدمات
145	ڈاکٹر عبدالحکیم ازہری	امام شافعی کی علمی و اجتہادی خدمات
148	مولانا انوار احمد بغدادی	امام احمد بن حنبل کی علمی و اجتہادی خدمات

باب (۴)

161	مولانا منظر الاسلام ازہری	امام اعظم کے مخالفین اور ان کے الزامات کا تحقیقی جائزہ
172	مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری	امام اعظم اور عمل بالحدیث
179	ڈاکٹر سعید عظیم اشرف جاسی	شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا نظریہ تقلید و اجتہاد
190	مولانا کوثر امام قادری	ائمہ حدیث اور تقلید
195	مولانا رفعت رضا نوری	علمائے تفسیر اور تقلید
209	مسانید امام اعظم	مولانا ولشاد احمد قادری
215	مولانا ملک الظفر سہسرای	امام اعظم کے مخالفین کے الزامات پر ایک نظر

باب (۵)

226	مولانا فیضان المصطفیٰ قادری	غیر مقلدین کی بنیاد کتاب وسنت یا ائمہ مجتہدین سے خاصیت؟
235	وقار احمد ندوی	سعودی حکومت کے نظریات اور عملی کردار
247	علامہ کامل سہسرای قدس سرہ	شبید تازی کی تربیت کہاں ہے؟
250	مولانا سید سیف الدین اصدقی	تحریک وہابیت: چند دستاویزی تناظر میں

”تقلید“ پر گمازن رہتے ہوئے کتاب و سنت کی پاس داری کر رہے تھے۔ مختصر یہ کہ مغرب سے آل سعود کی سیاسی معاہدہ غلامی نے جہاں اسلامی ریاستوں کے اتحاد کو کمزور کر کے اپنا جج اور بے دست و پا بنا دیا ہے وہیں آل شیخ کی نظریاتی تحریک نے ملت میں کئی فرقوں کو جنم دیا، جو فرقے ایک دوسرے سے پیدا ہوئے اور مذہبی تشدد میں ہر دوسرا پہلے والے کو مات دیتا گیا، انہی فرقوں میں آج عالم عرب میں سلفیہ (وہابیہ) اور برصغیر میں اہل حدیث (غیر مقلدین) کے نام سے معروف ہیں۔ یہ بھی وقت کا ایک منطقی خیزالیہ ہے کہ اپنی عدوی قوت سے خوب اچھی طرح واقف ہوتے ہوئے بھی انھیں ملت اسلامیہ کی نمائندگی کا دعویٰ ہے اور انتشار و افتراق کی ایک مسلسل معلوم اور مربوط تاریخ رکھتے ہوئے بھی یہ اتحاد ملت پر نعرہ زن ہیں۔ حالاں کہ ملت کے زخمی وجود کو کرید کرید کر آج انھوں نے ایک ایسے ناسور کی شکل دے دی ہے جو منہدم ہونے کا نام نہیں لیتا۔

دوسرا منظر:- اٹھارہویں صدی میں دو غیر مقلدین ابن سیف نجدی اور محمد حیات سندھی کی تعلیمی و فکری تربیت کے نتیجے میں شیخ نجدی کی متشددانہ تحریک ابن تیمیہ کے فکری منہج پر شروع ہوئی، جس منہج نے چودھویں صدی عیسوی میں پہلی بار اسلام کے آٹھ سو سالہ متواتر منہج میں سیندھ لگا کر اہل اسلام میں غیر مقلدیت کا بالکل نیا اور غیر فطری شوشہ چھوڑا، ابن تیمیہ کا نظریہ اس وقت اس لیے پھل پھول نہ سکا کہ اس کے ہاتھ میں صرف دوات و قلم تھے، لیکن اس نظریے کو جب ابن عبدالوہاب نے اپنایا تو اس کے ایک ہاتھ میں بے لگام قلم تھا تو دوسرے ہاتھ میں ابن سعود کی دی ہوئی نیکی کی تلوار، جس نے جزیرہ عرب میں انتشار و افتراق اور ظلم و عدوان کی ایک نئی تاریخ رقم کی۔ شیخ نجدی نے جزیرہ عرب میں جو آگ لگائی تھی اس کی پلٹیں پلٹیں ممالک تک تو پہنچ گئی تھیں، لیکن برصغیر ابھی محفوظ تھا، مگر ہندوستان کے کچھ لوگوں نے شیخ نجدی کے فکری بطن سے جنم لینے والے معروف غیر مقلد عالم قاضی شوکانی کی شاگردی اختیار کی، اس تحریک کی آٹھ برصغیر تک پہنچ گئی۔ یہ وہ دور تھا جب تحریک آزادی ہند اپنے پورے شباب پر تھی اور اسلامیان ہند متحد ہو کر برطانوی حکومت کے انخلاء کا منصوبہ بنا رہے تھے۔ اٹھارہویں صدی میں آل سعود اور آل شیخ نے اقتدار کی ہوس میں ترکی کی اسلامی حکومت کے خلاف انگریزی فراموشی اور اطالوی طاقتوں سے معاہدہ کر کے عرب کے خوش گوار ماحول میں زیر ہگول دیا اور برصغیر میں اسی تحریک کے پروردہ برطانوی حکومت سے ساز باز کر کے برصغیر کی اجتماعی تحریک آزادی کو ناکام کرنے کی کوششیں کیں، یہاں تک کہ غیر مقلد عالم محمد حسین بنالوی نے برطانوی سامراج کے خلاف علمائے ہند کے دیے گئے فتویٰ جہاد کو حرام قرار دیا اور اس مسئلے پر اپنے برطانوی آقاؤں کی خوشنودی کے لیے الاقتصادی مسائل السجہاد نام کی کتاب تصنیف کی۔ برصغیر کے مسلمانوں میں افتراق و انتشار کی یہ پہلی بڑی ضابطہ کوشش تھی۔ عرب میں ظلم و عدوان کا بدترین کردار اور برصغیر کے سوا اعظم کے خلاف اس تحریک کے چند علماء کی غداری نے ان کے لیے ہندوستان میں عرصہ حیات تنگ کر دیا تھا، اسی وجہ سے انھوں نے حکومت انگلشیہ سے اپیل کی کہ ان کا نام بدل کر وہابی سے ”اہل حدیث“ رجسٹرڈ کر لیا جائے۔ (دیکھیے اشاعت السنۃ: شمارہ ۲، جلد نمبر ۱۱) بعد میں انہوں نے اپنے آپ کو اہل حدیث اور سلفی کہلا کر دنیا کو یہ تاثر دینا چاہا کہ ان کا شجرہ شریعت عہد رسالت سے مربوط ہے، حالاں کہ پہلے انہوں نے اپنے آپ کو موحّد کہا، پھر محمدی، پھر غیر مقلد، پھر وہابی اور پھر اہل حدیث اور سلفی کہلانے لگے، اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں ایسی کوئی بھی مثال نہیں پیش کی جاسکتی کہ کسی مذہبی جماعت کو اپنی شناخت رجسٹرڈ کرانے کے لئے کسی عیسائی اور فرقہ کی حکومت کی مہر کی ضرورت پڑی ہو اور اس نے اتنے نام اور رنگ و روپ بدلے ہوں۔

تیسرا منظر:- یہ حقیقت واضح ہے کہ اہل حدیث کا قبلہ فکر شیخ نجدی ہیں اور قبلہ نماشاہ اسماعیل اور اہل دیوبند کے قبلہ حاجات بھی شیخ نجدی ہیں اور قبلہ نماشاہ اسماعیل، یہ دونوں مکاتب فکر ایک عرصے تک ہم خیال، ہم پیالہ اور ہم نوا رہے اور ان دونوں پر بنی فیضان آل سعود کی بارش ہوتی رہی، جس کے نتیجے میں ان کے ادارے، مدارس، تنظیمیں اور افراد راتوں رات آسمان سے باتیں کرنے لگے۔ بات وہاں سے خراب ہوئی جب اہل دیوبند پر آل سعود کی نوازشات کے دروازے کچھ زیادہ ہی کشادہ ہونے لگے تو ہندوپاک کے اہل حدیث نے اس دروازے کو بند کرنے کے لئے ایک ضخیم کتاب عربی میں لکھی، جس کا نام الدیوبندیۃ عقائدھا و فکرها رکھا اور جزیرہ عرب میں اپنے قبلہ فکر کی بارگاہ میں پیش کر دیا۔ اس کتاب میں اہل حدیث نے اس راز سر بست سے پردہ اٹھانے کی کوشش کی کہ ان کے عقائد بھی وہی ہیں جو بریلویوں کے ہیں، یہ خفی مقلد ہیں اور اپنے ہزرگوں سے استعانت اور استغاثہ کے قائل بھی، اس طرح یہ دور خے عقائد کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں۔ بات غلط بھی نہیں تھی، پھر کیا تھا اہل دیوبند پر انعام و اکرام کی بارش روک دی گئی اور حلقہ دیوبند قسط سالی سے گزرنے لگا۔ گہری نیند میں سوتے تھے ان کے تاریک کمرے میں اچانک تیز روشنی کر دی جائے تو

وہ سمجھتا ہے کہ آفتاب نکل آیا ہے، اس انتشار، اختلال اور ہواس پاختگی کے وقت اسے، بقول رشید احمد صدیقی ”دیوبند میں پری کا حسن و جمال معلوم ہوتا ہے، بغور ہفتا و سالہ پر تازمین شانزدہ سالہ کا دھوکہ ہوتا ہے اور دیر میں حرم کا تقدس دکھائی دینے لگتا ہے۔“ اہل دیوبند کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا، برسوں پہلے سواد اعظم سے کٹ کر اپنی الگ راہ بنانے کی پاداش میں انہیں عمومی برکتی کا جو سامنا رہا، اگر آل سعود نے سہارا نہ دیا ہوتا تو انہیں اپنا وجود بھی سنبھالنا مشکل ہو جاتا۔ جہاں عوامی چندے کے لالے پڑے ہوں وہاں ریال اور ڈالر کی بارش ہونے لگے تو پھر ظاہر ہے کہ آل شیخ کا تشدد بھی صحاب رحمت اور آل سعود کا ظلم و جبر بھی ناصحانہ اور پدرانہ شفقت کے سوا اور کیا لگیں گے؟ اب حال یہ ہے کہ جماعت اہل حدیث اور اہل دیوبند سوتن کے رول میں ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہیں اور ان کے آپسی بیان، رد اور جواب الجواب پر مشتمل درجنوں کتابیں دستیاب ہیں، ان کے مطالعہ کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ان کے آپسی اختلافات کی بنیاد مادی منفعت کے سوا کچھ بھی نہیں۔ دونوں کے لڑ پیچ کے مطالعے کے بعد آپ پر بھی یہ واضح ہو جائے گا کہ دونوں ہی آل شیخ اور آل سعود پر اپنی مسلکی و عویداری کی بڑھ چڑھ کر دلیل پیش کر رہے ہیں اور ایک دوسرے کو ان سے الگ کرنے کی کوشش میں سرگرم ہیں، جب کہ دونوں کی جہت قبلہ اور مرکز عقیدت ایک ہی ہے۔ حسب ذیل تین اقتباسات ملاحظہ ہوں:

الدیوبندیہ عقائدھا و فکرھا میں اہل دیوبند کے بارے میں اہل حدیث لکھتے ہیں:

”یہ علمائے دیوبند بریلویوں سے خائف رہتے ہیں، بلکہ ان کے سامنے کانپتے رہتے ہیں اور محمد بن عبد الوہاب کو گالیاں دیتے ہیں اور انہیں بڑا بھلا کہتے ہیں۔“

اسی ”الدیوبندیہ“ کے جواب میں دیوبند کے ایک پرانے فارغ البوک غازی پوری نے وقفہ مع اللامذہبۃ فی شبہ القارۃ الہندیہ لکھی، اس کتاب کی تقریظ میں نور الدین نور اللہ اعظمی قاسمی کہتے ہیں کہ:

”آج کل اس نو لے (اہل حدیث) کی سب سے بڑی آرزو یہ ہے کہ شیخ محمد بن عبد الوہاب کی جماعت سلفیہ میں ان کا انضمام ہو جائے، لیکن مشکل یہ ہے کہ ان کے بزرگوں نے اس جماعت کے لئے بطور شعار جو عقائد وضع کیے ہیں وہ اس آرزو کی تکمیل میں سب سے بڑی رکاوٹ بن رہے ہیں، مگر یہ آرزو اس قدر زرخیز اور گہرا ہے کہ اس کے لئے تفریق بھی کرنا پڑے تو سودا سستا ہے۔“ (ص: ۱۳)

ایک جگہ اور فرماتے ہیں: ”اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے عربوں کو جو زبردست اقتصادی خوشحالیوں کا خزانہ مرحمت فرمایا ہے اور اس خزانے کے ساتھ دعوت اسلام اور عقیدہ توحید کی نشر و اشاعت کے سچے جذبے سے جوش مارنا ہوا دل ان کے سینوں میں رکھا ہے، مزید جو دوسرے محبوب و صف سے بھی حصہ وافر عطا کیا ہے۔“ (ص: ۱۶)

قارئین ان تینوں اقتباسات کے بین السطور سے میرے دعوے کی تصدیق کریں گے۔

چوتھا منظر: نجدی تحریک کا اگر سرسری مطالعہ بھی کیا جائے تو بات واضح ہو جائے گی کہ جن مسائل کو لے کر امت میں فتنہ کھڑا کیا گیا، قتل و غارت گری کی گئی اور مسلمانوں کو خانوں میں بانٹا گیا ان میں اکثر اصولی نہیں، فروعی تھے، خواہ وہ توسل و استعانت ہو یا پھر دوسرے فقہی مسائل۔ یہ تمام مسائل خیر القرون سے امت مسلمہ کے معمول رہے، جن پر علماء کا اجماع ہوا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ”سب سے بہتر زمانہ میرا ہے، پھر اس کے بعد کا زمانہ، پھر اس کے بعد کا زمانہ۔“ انہی زمانوں میں ائمہ اربعہ پیدا ہوئے اور پردہ فرما گئے، گویا خیر القرون میں پیدا ہوئے اور خیر القرون میں وصال فرمائے اور ان چاروں کے ماخذ قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس ہی تھے جو عہد رسالت اور عہد صحابہ میں بھی تھے، جن کے اصول و ضوابط پر اعتبار کرتے ہوئے دنیا کے کروڑوں مسلمان صدیوں سے ان کی تقلید اور علماء اتباع کرتے رہے، لیکن شیخ نجد اور ان کے متبعین کے نزدیک ایسا کرنے والے چودہ سو سال کے سارے مسلمان (جن میں کبار محدثین و مفسرین بھی ہیں، اولیائے صالحین بھی ہیں اور غوث و اقطاب بھی) کافر ہیں، جو فوت ہو گئے وہ کفر پر مبرے اور جو زندہ ہیں وہ واجب القتل ہیں۔ یہاں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ آج بھی دنیا کے نواے فیصد مسلمان ائمہ اربعہ میں کسی نہ کسی کے مقلد و متبع ہیں، جو ان کے عقیدے اور تحریک کے مطابق کفر و شرک کا ارتکاب کر رہے ہیں اور واجب القتل ہیں۔ سوال یہ اٹھتا ہے کہ جب سارے مسلمان ہی واجب القتل ٹھہرے تو پھر یہ بات بات پر کس امت کے اتحاد کے لیے نعرہ زن رہتے ہیں؟ برسوں

پہلے اس تحریک نے امت میں جو انتشار و افتراق کا بیج بویا تھا آج اس کے نتیجے میں ملت اسلامیہ ہر شعبہ میں زوال سے دوچار ہے، عالم اسلام کی وحدت ٹوٹ چکی ہے، مشرق وسطیٰ کے مسلمان زخموں سے چور چور ہیں، مسلمانوں کی اقتصادی قوت ورلڈ بینکوں میں گروی رکھی ہوئی ہے اور علوم نبویہ میں تحریف کا سلسلہ جاری ہے تاکہ روح محمدی مسلمانوں کے جسموں سے نکال دی جائے۔ ایسے میں آج وقت تھا کہ فروعی مسائل پر ایک دوسرے کے جیب و گریباں پر ہاتھ ڈال کر اپنی مردانہ قوت آزمانے کی بجائے ملت کے امہات المسائل پر مسلمان اپنی نگاہ مرکوز رکھیں، لیکن برسوں پہلے جس بھیانک اور ناقابل تلافی جرم کا ارتکاب کر کے انھوں نے ملت کو انحطاط سے دوچار کیا تھا، اسے آج بھی یہ دہرانے پر مصر ہیں اور احیائے سنت کے نام پر رفیع الدین، قرأت خلف الامام، آمین بالجبر، آٹھ رکعت ترواح، ننگے سر نماز اور طلاق کے عدد و معدود جیسے فروعی مسائل پر مرنے مارنے کو تیار ہیں اور صرف یہی نہیں بلکہ دین کی محفنا اور تشددانہ تعبیر کرنے والے یہ جنتی کبار محدثین، مفسرین اور ائمہ مجتہدین کا علمی قدناپنے کے لئے بھی ہمیشہ تیار رہتے ہیں۔ پوری دنیا بالخصوص برصغیر کا گاؤں گاؤں، قصبہ قصبہ اور شہر شہر ان کی بتائی ہوئی دین کی سیاسی اور مادی تعبیر میں اس قدر الجھ گیا ہے کہ انہیں اسلام کا چودہ سو سالہ علمی و فکری سرمایہ سمندر کا خناب لگنے لگا ہے، جس کا نہ کوئی وزن ہے، نہ جہت ہے اور نہ اس میں کوئی استقراء، ایسے میں آج ان سے یہ سوال کرنے کو جی چاہتا ہے کہ کیا امت کو وحدت کی ایک لڑی میں پرونے کا یہی محمدی بیج ہے؟ اور کیا دوسری صدی ہجری سے آج تک ابن تیمیہ اور محمد بن عبدالوہاب کے علاوہ اسلام کی وہ تمام قدآور شخصیتیں و دین کی صحیح تشریح نہ کر سکیں جن کی صدیوں سے امت تقلید و اتباع کرتی چلی آ رہی ہے؟

پردہ کرتا ہے:- یہ حقیقت دو اور دو چار کی طرح بالکل واضح ہے کہ ہر شخص اپنے مسلک، عقائد و نظریات کی پیروی اور تبلیغ، حق اور صحیح سمجھ کر کرتا ہے کہ ان عقائد میں کسی طرح کا تضاد اور منافقت نہیں ہے، مگر آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ وہابیائی تحریک یا بالفاظ دیگر اہل حدیثیائی تحریک نے جن امور کو زوال امت سے تعبیر کر کے قتل و غارت گری اور تکفیری مہم چلائی تھی اور آج بھی وہ اس تحریک میں سرگرم عمل ہیں، انہیں امور کے وہ خود بھی بڑے سچے پکے عامل ہیں، بس فرق ہے تو اتنا کہ دنیا کے کروڑوں مسلمان خیر القرون کے ائمہ مجتہدین کی تقلید و اتباع کرتے ہیں اور یہ آٹھویں صدی ہجری کے بعد کے سخت گیر علماء، مثلاً ابن تیمیہ، ابن قیم اور قاضی شوکانی کے پکے مقلد ہیں جنہوں نے سواد اعظم سے یکسر ہٹ کر دین کی ایک نئی تعبیر پیش کی۔ استعانت کے یہ قائل ہیں، استغاثہ کرتے ہیں اور توسل ان کا عمل ہے۔ مثلاً نمونہ از خروارے، چند مثالیں حاضر ہیں:

تقلید کو شرک سے تعبیر کرنے والے یہ اہل حدیث بہت سے مسائل میں ابن تیمیہ کو اپنا امام تسلیم کرتے ہوئے ان کی پیروی کرتے ہیں، مثال کے طور پر بعد رحال، آٹھ رکعت ترواح اور تین طلاق کے مسائل کو لے لیجیے۔ عہد رسالت سے لے کر آٹھ سو سالوں تک علماء، حدیث شریف رحال کا مفہوم (جس میں مسجد نبوی، مسجد حرام اور مسجد قدس کے سفر کے لیے کہا گیا ہے) یہی سمجھتے رہے کہ ان تینوں مسجدوں کی زیارت کی تاکید کی گئی ہے، لیکن ان مقامات کی تاکید کا مطلب دوسرے مقامات کی زیارت کی نفی نہیں ہے، مگر آٹھ سو سالوں کے بعد ابن تیمیہ نے اس حدیث کا مفہوم یہ نکالا کہ مزارات و مقابر اور آثار کی زیارت حرام بلکہ شرک و کفر ہے۔ ابن تیمیہ کے اس نظریے کی تقلید اور تبلیغ آج تک غیر مقلدین اہل حدیث کر رہے ہیں۔ اب ان سے کون پوچھئے کہ تقلید جاہل کا بدترین جرم کر کے جو شرک وہ کر رہے ہیں، ایسے میں انہیں کس مقتل میں لے جا کر قربان کیا جائے؟ اسی طرح حدیث عائشہ، جس میں آٹھ رکعت صلوٰۃ اللیل کا ذکر ہے، عہد رسالت سے لے کر آج تک صحابہ، تابعین، تابعین اور کبار علماء نے یہی سمجھا کہ اس سے مراد تہجد کی رکعتیں ہیں، لیکن آٹھ سو سال کے بعد ابن تیمیہ نے اسے ترواح کی رکعت مان کر امت مسلمہ کے سامنے پہلی بار اس حدیث کا بالکل اجنبی مفہوم پیش کیا۔ اس کے بعد سے لے کر آج تک غیر مقلدین اہل حدیث آٹھ رکعت ترواح پر نہ صرف عامل ہیں بلکہ بیس رکعت پڑھنے پر لڑنے مارنے پر آمادہ ہیں۔ تقلید کا اتنا جنون تو ہمارے موروثی مقلدین کے یہاں بھی نہیں ہے کہ وہ امام اعظم کے کسی قول کو ترک کرنے پر اپنی آستینیں چڑھالیں۔ اسی طرح وقوع طلاق میں عدد کا مسئلہ ہے، عہد صحابہ سے آٹھ سو سالوں تک خیر القرون کے تمام اہل اہل حدیث، مفسرین، شارحین اور بعد کے ادوار کے علماء تین طلاق کو تین ہی مانتے رہے، لیکن آٹھ سو سالوں کے بعد ابن تیمیہ نے تین طلاق کو تین ماننے سے انکار کرتے ہوئے تین پر ایک طلاق کا شوشہ چھوڑا۔ اس کے بعد سے آج تک تمام غیر مقلدین اسی نظریے کی تقلید سختی سے کرتے چلے آ رہے ہیں، شاید اسی منظر میں ایک مشہور غیر مقلد عالم الوہاب و حید الزماں نے کہا تھا کہ:

”ہمارے اہل حدیث بھائیوں نے ابن تیمیہ، ابن قیم اور شاہ ولی اللہ اور مولوی اسحاق صاحب کو دین کا ٹھیکہ ارجح کر رکھا ہے جہاں کسی مسلمان نے ان بزرگوں کے خلاف کسی قول کو اختیار کیا بس اس کے پیچھے پڑ گئے اور برا بھلا کہنے لگے۔ بھائیو! ذرا غور تو کرو اور انصاف کرو جب تم نے ابو حنیفہ، شافعی کی تقلید چھوڑی تو ابن تیمیہ اور ابن قیم اور شوکانی جو ان سے بہت متاخر ہیں ان کی تقلید کی کیا ضرورت ہے؟“

(حیات وحید الزماں، بحوالہ تقلید، ص: ۱۵)

ناطقہ سرنگریاں ہے اسے کیا کہیے؟

اللہ کے نبیوں اور ولیوں سے توسل، ان سے مدد چاہنا اور ان کی بارگاہ میں استغاثہ کرنا صدیوں سے علماء، صوفیہ اور امت اسلامیہ کا معمول تھا اور ہے، لیکن اس معمول کو ابن تیمیہ، ابن عبد الوہاب نجدی اور ان کے پیروکار شرک و کفر کہتے ہیں اور اسی استغاثہ و توسل کو لے کر سعودیہ میں شیخ نجد نے ابن سعود کی مدد سے تمام کبار صحابہ، محدثین، اہمات المؤمنین اور اولیاء کا مٹین کی قبروں پر بے رحمی سے بلند و زچلا کر برابر کر دیا، جب کہ درون خانہ حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے اماموں سے توسل بھی کرتے ہیں، استغاثہ بھی کرتے ہیں اور استغاثہ بھی۔ مشہور غیر مقلد عالم نواب صدیقی حسن خاں اپنے آقاؤں کو پکارتے ہوئے یوں گویا ہوتے ہیں:

”قبلہ دیں مددے کعبہ ایمان مددے ابن قیم مددے قاضی شوکان مددے

حیرت ہے کہ اللہ کے مقرب نبیوں اور ولیوں سے استغاثہ کیا جائے تو وہ شرک ٹھہرے اور ماضی قریب کی متنازع ترین شخصیتوں سے یہی غیر مقلدین استغاثہ چاہیں تو وہ عین اسلام ہو جائے؟ خدایا! یہ کیسی دوپٹا گئی اور دورخی شریعت ہے؟ بات کچھ نہیں بس اتنی سی ہے کہ سواد اعظم نے اپنی طبیعتوں کو مزاج محمدی کے مطابق ڈھال کر احمد مجتہدین کے بتائے ہوئے خطوط پر قرآن و سنت کی پاسداری کرتے رہے اور ان لوگوں نے اپنے مزاج و طبیعت کے مطابق دین کو ڈھال کر دنیا کے سامنے اس کا ایک ایسا نیا جغرافیہ پیش کیا جس کی پیچیدگیوں میں الجھ کر آج تک وہ خود اپنا نشان منزل تلاش نہ کر سکے ہیں اور شاید یہی بنام ”توحید“ ان کے سیاسی اور مادی ڈرامے کا ڈراپ سین ہے۔

اہل حدیث / غیر مقلدین کی اسی دوپٹا گئی کو بے نقاب کرنے اور اہل سنت کو بیدار کرنے کے لیے ہم نے یہ خصوصی شمارہ نکالنے کا ارادہ کیا۔ اس سلسلے میں اس سعودی لٹریچر نے مزید ہمیز کا کام کیا جو عوام و خواص اور طلبہ و اساتذہ میں مفت تقسیم کیا جاتا ہے اور اس میں بیک وقت انتشار امت پر مرثیہ خوانی بھی ہوتی ہے، اتحاد کی آرزو بھی ہوتی ہے اور احمد مجتہدین کی توہین و تذلیل اور عامۃ المسلمین کی ٹیغ بھی۔ اس کے لیے جب ہم نے اپنی ٹیم سے مشورہ کیا تو سب نے یہ کہا کہ اپنی پوری کوشش یہ ہونی چاہیے کہ ہمارا اسلوب معروضی ہو اور ہمارا مقصد مخالفین کی زباں بندی کی بجائے اصل مسئلے کی علمی توضیح و تفہیم۔ خصوصی شمارے کو متوازن بنانے کے لیے موافقین و مخالفین کی آراء اور اعتراضات و بوجہ بھی شامل کیے گئے تاکہ قارئین کے سامنے بحث کا ہر پہلو آجائے، اس کے باوجود اگر بعض حضرات اس نیک کوشش کو افتراق و انتشار کا نام دیں تو ہم انہیں معذور سمجھیں گے، کیونکہ ایسے لوگ ریت پر اتحاد امت کا کل تعمیر کر رہے ہیں۔ ہدانا اللہ وایاہم

اس خصوصی شمارہ میں ہمارے کرم فرماؤں نے قدم قدم پر ہماری معاونت کی۔ تعاون کی نوعیتیں مختلف تھیں، کسی نے اس خصوصی شمارے میں مضمون لکھ کر تعاون کیا، کسی نے نہ لکھنے کا عذر پیش کر کے تعاون کیا، کسی نے اشتہارات دیکر تعاون کیا، کسی نے واہ واہ کر کے تعاون کیا، کسی نے ناگواری کا اظہار کر کے تعاون کیا، بہر حال ہم ان تمام حضرات کا دل کی اتھاہ گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتے ہیں۔ جی چاہتا ہے کہ میں اپنے عزیز دوست مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری، مولانا قمر احمد اشرفی، مولانا سجاد عالم مصباحی، مولانا ذیشان احمد مصباحی، مولانا ملک الطفر سہرانی اور مولانا منظر الاسلام ازہری کا بھی خصوصی شکریہ ادا کروں، لیکن میں ایسا کرونگا نہیں، کیونکہ شکریہ ان کا ادا کیا جاتا ہے جو مہمان ہوتے ہیں اور یہ لوگ تو میزبان ہیں۔ آخر میں، میں مولانا انیس اشرفی، مولانا امجد علی قادری، مولانا ذوالفقار برکاتی، مولانا علاء الدین رضوی اور ڈاکٹر غلام جابر حسینی کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جنہوں نے ممبئی کی سرزمین پر اس نمبر کی اشاعت کے لیے خصوصی توجہ فرمائی۔ ☆☆

مکتبہ جام نور دہلی کی نئی اور اہم مطبوعات منظر عام پر

رکس القلم علامہ ارشد قادری کے سحرانگیز قلم سے نکلے ہوئے تاریخ ساز اداریوں کا مجموعہ

نوائے قلم

صفحات: ۱۲۰ قیمت: ۲۰/روپے

ماہنامہ جام نور کے قلم نگیز و بے باک اداریوں کا حسین انتخاب

قلم کی جسارت

صفحات: ۳۵۰ قیمت: ۱۰۰/روپے

مسئلہ توسل و استعانت کی تحقیق

احقاق حق

علامہ فضل رسول قادری بدایونی قدس سرہ ترجمہ، تخریج، تحقیق: مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری
صفحات: ۱۵۵ قیمت: ۶۰/روپے

سلگتے مسائل پر ملک و بیرون ملک کے ممتاز علماء، ادبا اور دانشوران سے جام نور کے لیے گئے انٹرویوز کی کتابی صورت

روبرو

صفحات: ۳۵۶ قیمت: ۱۳۰/روپے

فتاویٰ نعیمیہ

اقادات: حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی
صفحات: ۲۲۶ قیمت: ۷۰/روپے

خواتین کے لیے بارہ تقریریں مرتبہ: نسیم فاطمہ

صفحات: ۳۸۳ قیمت: ۱۰۰/روپے

ازدواجی زندگی کے آداب المعروف بہ: تحفہ شادی از قلم: حکیم محمد اسلم شاہین قادری عطاری
صفحات: ۲۰۰ قیمت: ۶۵/روپے

آٹھ صد سالہ پیش گوئی حضرت نعمت اللہ شاہ ولی رحمۃ اللہ علیہ مولف و مترجم: حافظ محمد سرور چشتی نظامی
صفحات: ۸۰ قیمت: ۲۵/روپے

بزم غوث اعظم

اقادات: حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
صفحات: ۲۸۸ قیمت: ۸۵/روپے

حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ اور ہم تالیف: ڈاکٹر سید محمد عامر گیلانی

صفحات: ۹۶ قیمت: ۲۵/روپے

سفر آخرت

مولف: مولانا محمد نعیم نوری
صفحات: ۳۸ قیمت: ۱۵/روپے

تحفہ دلہن

مولف: حکیم محمد اسلم شاہین عطاری
صفحات: ۲۰۸ قیمت: ۶۵/روپے

امام احمد رضا قادری مخالفین کی نظر میں

مولف: مولانا محمد کاشف اقبال مدنی
صفحات: ۶۳۰ قیمت: ۲۰/روپے

ان کے علاوہ قرآن پاک، پارے جات، علمائے اہل سنت کی تصوف، عقائد اور اصلاح معاشرہ پر مشتمل نایاب کتابیں دستیاب ہیں مزید نہیں القلم حضرت علامہ ارشد قادری علیہ الرحمہ کی تمام تصنیفات بھی ہم سے طلب کر سکتے ہیں جام نور کی ان قیمتی اور انوکھی مطبوعات کے لیے پہلی فرصت میں اپنا آرڈر بک کرائیے

باب

۱

تفہیم و تعبیر

قیاس و اجتہاد کی حقیقت و ضرورت	قاضی فضل احمد مصباحی	◀
اجتہاد و مجتہدین کے مختلف طبقات	مفتی آل مصطفیٰ مصباحی	◀
عہد رسالت میں اجتہاد کا وجود	مفتی محمود اختر قادری	◀
فقہ و اصول کی تدوین کی طرف اہل علم کا التفات	مفتی ارشاد احمد ساحل بہرامی	◀
تقلید شخصی: حقیقت، نوعیت اور ضرورت	مولانا یحییٰ اختر مصباحی	◀
تقلید: امت کا اجماعی موقف	ڈاکٹر امجد رضا امجد	◀
تقلید کی مخالفت: ایک تحقیقی و تنقیدی جائزہ	مولانا سلمان رضا ازہری	◀
اجتہاد سے تقلید تک	ذیشان احمد مصباحی	◀
تقلید: شوق یا ضرورت؟	پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد	◀

قیاس اجتہاد کی حقیقت و ضرورت

”قَسَّ النعل بالنعل“ نعل کا نعل کے ساتھ اندازہ کرو۔ اور اصطلاح شرع میں فرغ کو اصل کے ساتھ حکم و علت میں برابر کر دینے کو قیاس کہا جاتا ہے۔ اصل کو مقیس علیہ اور فرغ کو مقیس اور جو چیز قدرے مشترک طور پر دونوں میں پائی جاتی ہے اسے علت مشترکہ اور جو اثر مرتب ہوتا ہے اسے حکم کہتے ہیں۔

قیاس واجتہاد میں کوئی فرق نہیں بلکہ یہ ایک ہی شے کے دو نام ہیں۔ جیسا کہ امام شافعی علیہ الرحمہ کی مشہور کتاب ”الرسالہ“ میں ہے۔
”قال فما القیاس؟ اهو الاجتہاد؟ ام هما مقترقان؟ قلت هما اسمان لمعنی واحد“

(الرسالہ، الجزء الثالث، القیاس)
مشہور حنفی فقیہ امام سرخسی کے نزدیک قیاس کو مجازاً اجتہاد کہہ دیا جاتا ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں۔

”ویمسى ذلك اجتہاداً مجازاً ایضاً لان ببذل المجہود يحصل هذا المقصود۔“

(اصول السرخسی، الجزء الثاني ص ۱۳۳)

قیاس کی حیثیت:- صحابہ کرام، تابعین عظام، ائمہ مجتہدین اور سلف صالحین نے ہر زمانہ میں قیاس پر عمل کیا ہے اور غیر منصوص مسائل میں قیاس واجتہاد ہی کے ذریعہ حکم شرع کو ظاہر و واضح کیا ہے، البتہ اصحاب ظواہر کے نزدیک قیاس اس قابل نہیں کہ اس کے ذریعہ منصوص کا حکم غیر منصوص تک متعدی کیا جاسکے۔ اور جہاں تک حکم شرع کا مسئلہ ہے تو قیاس کو اس میں کوئی دخل نہیں، بلکہ اس باب میں قیاس پر عمل بالکل باطل ہے۔ اصحاب ظواہر میں سب سے پہلا شخص جس نے صحابہ و تابعین اور مجتہدین صالحین کے خلاف قول کیا ابراہیم نظام ہے۔ اس شخص نے سلف صالحین کو محض اس لیے طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا کہ سلف صالحین قیاس سے استدلال کرتے تھے اور اسے شرعی دلیل جانتے تھے۔ پھر بغداد کے بعض متکلمین نے ابراہیم نظام کے قول کا اتباع کیا لیکن ان لوگوں نے

یہ امر مسلم ہے کہ ہر حکومت کیلئے قوانین و ضوابط کا مجموعہ ضرور ہوتا ہے جس کے ماتحت حکومت کا نظم و نسق برقرار رہتا ہے۔ لیکن سر دست ہم روئے زمین پر انسانی حکومت کی نہیں، خدائی حکومت کی بات کرتے ہیں اور خدا کی زمین پر سلامتی کا راستہ صرف اسلام ہے، یہ وہ دین ہے جو دنیا سے آقا اور غلام، گورے اور کالے، عربی اور عجمی کی تمیز مٹاتا ہے اور عدل و انصاف کے تقاضے صرف اس آئین کی بالادستی سے پورے ہو سکتے ہیں جو طاقور اور کمزور، ادنیٰ اور اعلیٰ، امیر اور غریب کا امتیاز مٹا سکتا ہے۔ اسلامی حکومت اور دین الہی کے قوانین کا پہلا مجموعہ قرآن عظیم ہے اور اس کی تفصیلات کا دوسرا مجموعہ احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

قرآن کریم اور احادیث کریمہ کی روشنی میں جو مسائل مسلمانوں کی راہ عمل معین کرنے کیلئے مرتب ہوئے ہیں انہی مسائل کے مجموعہ کا نام فقہ ہے، فقہ میں ان کے علاوہ ایسے مسائل شرعیہ بھی ملیں گے جو قرآن کریم اور احادیث کریمہ میں صراحتہ موجود نہیں، بلکہ وہ یا تو اجماع سے ثابت ہیں یا پھر قیاس واجتہاد کے ذریعہ اخذ کیے گئے ہیں۔ بایں ہمہ اجماع اور قیاس کی بنیاد قرآن کریم کے شہ پاروں اور احادیث کریمہ کے ذخائر میں ضرور ملے گی۔

الفرض اسلامی حکومت اور نظام مملکت کا سارا دار و مدار کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجماع امت اور قیاس پر ہے۔

یوں تو فقہ اسلامی کا اصل ماخذ قرآن کریم و سنت اور اجماع ہی ہیں کہ یہی مثبت حکم ہیں اور قیاس کو بھی ضمنی ماخذ میں شمار کر لیا گیا ہے، گو کہ یہ مثبت حکم نہیں مظهر حکم ضرور ہے۔ اس وقت چونکہ قیاس واجتہاد ہی ہماری فکری و فہمی جولانگہ ہے، اس لیے ذیل میں ہم صرف قیاس واجتہاد کی حقیقت و ضرورت کا قدرے تفصیل سے جائزہ لیں گے۔

قیاس واجتہاد کی حقیقت:- بطور بالا میں اس بات کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ فقہ اسلامی میں قیاس کی حیثیت چوتھے درجہ کی ہے۔ قیاس کا معنی لغت میں اندازہ کے ہیں، چنانچہ عرب میں کہا جاتا ہے

اکثر معتزلہ نظام کی تکفیر پر متفق ہیں، حاظ وغیرہ مٹھی بھر قدر یہ نے اس کا اتباع کیا۔ لیکن انہوں نے بھی بعض گمراہیوں میں اس کی مخالفت کی اور کچھ نے مزید گمراہیوں کا اضافہ کر دیا۔ اکثر مشائخ معتزلہ نے اس کی تکفیر کی۔ انہی میں اس کے ماموں ابوالہندیل ہیں، جنہوں نے اپنی مشہور کتاب ”الرد علی النظام“ میں اس کی تکفیر کی۔ جہاں نے بھی متعدد مسائل میں اس کی تکفیر کی، جس کی تفصیل ابونصور بغدادی نے لکھی ہے۔ نظام کے رد میں اس کی ایک کتاب بھی ہے۔ نظام کی تکفیر کرنے والوں میں اسکانی کا نام بھی ہے جس نے نظام کی تکفیر میں کتاب لکھی اور اس کے بیشتر مسائل میں اس کی تکفیر کی، رہی وہ کتابیں جو نظام کی تکفیر میں اہل سنت نے لکھیں تو ان کی تعداد خدا ہی کو معلوم۔ شیخ ابوالحسن اشعری کی نظام کی تکفیر میں تین کتابیں ہیں۔ فلاسی کے متعدد کتب و رسائل ہیں اور قاضی ابوبکر باقلانی کی ایک ضخیم کتاب ہے، جس میں نظام کے متعدد اصول کا رد کیا گیا ہے۔“

جۃ الاسلام امام غزالی علیہ الرحمہ نے بھی ”المستصفی“ ج ۲، ص ۲۳۶/۲۳۷، بحث قیاس کے اوائل میں ”نظام معتزلی“ کی خباثت کا ذکر کیا ہے۔

مفتیین قیاس کے دلائل:۔ جمہور علماء جو قیاس کو حجت اور دلیل شرع مانتے ہیں وہ اپنے موقف پر تین قسم کے دلائل قائم کرتے ہیں۔ (۱) کتاب (۲) سنت (۳) دلیل معقول۔ ان تینوں قسم کے دلائل کا ایک اچھا خاصہ ذخیرہ ان کے کلام میں پایا جاتا ہے، یہاں ان سب کا احاطہ مضمون کی طوالت کا باعث ہوگا، اس لئے ہم یہاں قدر معتد بہ حصہ کے بیان ہی پر اکتفا کریں گے۔

کتاب: (۱) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”فاعتبروا یا اولی الابصار“ (آل عمران) اے بصیرت والو عبرت حاصل کرو۔ اس آیت میں ”اعتبار“ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اعتبار کا معنی شئی کے حکم کو اس کی نظیر کی طرف لوٹا دینا ہے، یہی وجہ ہے کہ جس اصل سے اس کے نظائر کو ملایا جاتا ہے اسے عبرت کہتے ہیں۔ چنانچہ اللہ عز و جل کا ارشاد ہے۔

”ان فی ذلک لعبرة لا ولی الا بصار“

اعتبار کے اسی مفہوم کا نام قیاس ہے، تو ثابت ہو گیا کہ اس آیت میں قیاس کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

سلف صالحین پر تہربا بازی سے اجتناب کرتے ہوئے یہ کہا کہ صحابہ کرام نے قیاس کے ذریعہ جو احکام اور فیصلے اخذ فرمائے وہ درحقیقت احکام نہیں، بلکہ دو فریق کے درمیان صلح و مصالحت کے لیے اپنی رائے کا اظہار ہے۔ جس کا حکم شرع سے کوئی علاقہ نہیں۔ لہذا صحابہ کرام کے اس اظہار رائے کو قیاس کی حجت ہونے کی دلیل بنانا درست نہیں۔

اس کے بعد اک ایسا شخص آیا جو شریعت کے مسائل سے بالکل غافل، بلکہ علماء کی زبان میں کہیں تو متجاہل، جس کا نام داؤد اصہبانی ہے، اس نے اس کی زحمت ہی گوارہ نہ کی کہ علمائے مابین نے کیا کہا ہے اور ان کی مراد کیا ہے، نکتہ قیاس پر عمل کو باطل قرار دیا اور کہہ دیا کہ قیاس حجت ہے ہی نہیں اور نہ احکام شرع میں اس پر عمل جائز ہے۔ بعد کے زمانے میں جن لوگوں نے داؤد اصہبانی کا اتباع کیا انہیں اصحاب غلو ہر کہا جاتا ہے۔ ان میں سے بعض نے ذرا ہمت جٹائی اور افترا پردازی اور بہتان طرازی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنے مذہب کو حضرت قتادہ مسروق وابن سیرین رضی اللہ عنہم جمعین جیسے اہل علم تابعین سے منسوب کر دیا، العیاذ باللہ۔ اس کی پوری تفصیل اصول السرخسی اور فقہ اہل العراق وحدہ شہم میں دیکھی جاسکتی ہے۔

نظام کے افکار و خیالات:۔ ابراہیم نظام مذہباً معتزلی تھا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے خلاف براہمہ کے اقوال نظام کو بہت پسند تھے، لیکن تموار کے خوف سے ان کے اظہار کی جسارت نہ کرتا تھا، یہاں تک کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات مثلاً انشقاق قمر، نکتہ یوں کا کلمہ پڑھنا، انگلیوں کے درمیان سے چشمہ کا بہہ نکلتا، ان سب کا انکار اس لئے کیا کہ انکار نبوت کی راہ ہموار ہو جائے۔ اس کی نشوونما اچھے ماحول میں نہ ہوئی اور نشست و برخاست بھی کچھ اچھے لوگوں کے ساتھ نہ تھی۔ جس کا اثر اس کے ذہن و دماغ پر پڑا اور بہت سے بنیادی عقائد کا انکار کر دیا۔ (الفرق بین الفرق ص: ۸۹/۸۰)

نظام کے تعلق سے علماء کی رائے:۔ منکرین قیاس کے موسس اول ابراہیم نظام یا وجود یکہ مذہباً معتزلی تھا، اس کے گندے عقائد کی وجہ سے اکثر معتزلیوں نے بھی اس کی تکفیر کی۔ رہے اہل سنت و جماعت کے وہ علماء و مشائخ جنہوں نے نظام کی تکفیر کی وہ حد شمار سے باہر ہیں۔ کتاب ”فقہ اہل العراق وحدہ شہم“ کے محشی ”الفرق بین الفرق“ کے ص ۹۱ تا ۹۲ سے اخذ کرتے ہوئے بطور اختصار لکھتے ہیں۔

قیاس سے من حیث الظاہر علم حاصل ہوتا ہے اور بس۔ چنانچہ اصول
مصرحی ۲، ص ۱۲۹ میں ہے۔

اگر کوئی سوال کرے کہ یہ درست کیسے ہو سکتا ہے، جبکہ قیاس کو تو
خود آپ بھی موجب علم نہیں مانتے؟ مجتہد کبھی خطا پر ہوتا ہے اور کبھی
درستی پر؟ تو ہم اس کا جواب یہ دیں گے کہ اجتہاد سے مجتہد کو بظاہر ایسا علم
ضرور حاصل ہو جاتا ہے، جس سے اس کا دل مطمئن ہو جاتا ہے۔ اگرچہ
وہ اجتہاد کے ذریعہ یہ نہیں جانتا کہ قطعی طور پر حق کیا ہے؟ اس کی نظیر خدا
کے اس فرمان میں موجود ہے: فان علمتموهن مؤمنات - کیوں
کہ اس میں ظاہری علم ہی مراد ہے۔

الرسالة، الجزء الثالث کے بحث قیاس میں ہے۔
”وعلم اجتہاد بقیاس علی طلب اصابة فذلک حق
فی الظاهر عند قیاسہ لا عند العامة من العلماء ولا یعلم
الغیب فیہ الا اللہ۔“

سنت: (۱) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بحالت صوم
عورت کے بوسہ کے تعلق سے حکم شرعی دریافت فرمایا تو اللہ کے رسول
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جواباً ارشاد فرمایا۔

”ارایت لو تمضمضت بماء ثم مسحته اکان
یضرک“ یعنی بھلا بتاؤ تو سہی کہ اگر تم پانی سے کلی کرو پھر اسے پھینک
دو تو کیا یہ تمہارے روزہ کو نقصان پہنچائے گا؟

اس حدیث شریف میں قیاس کی تعلیم دی گئی ہے کہ منہ میں پانی
داخل کرنے سے پینے کا راستہ کھل جاتا ہے، باوصف اس کے پینا نہیں
پایا جاتا ہے، ٹھیک اسی طرح روزہ کی حالت میں بوسہ لینے سے قضاء
شہوت کے راستے کھل جاتے ہیں، لیکن صرف اسی سے قضاء شہوہ نہیں
ہو جاتی ہے۔ تو جس طرح منہ میں پانی داخل کرنے سے روزہ فاسد نہیں
ہوتا جب تک کہ طلق کے نیچے نہ اترے بوسہ لینے سے بھی روزہ فاسد نہ
ہوگا۔ جب تک انزال نہ ہو جائے۔

(۲) قبیلہ خثعم کی ایک عورت نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
سے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے والد بہت ضعیف ہیں، سواری پر سفر
نہیں کر سکتے ہیں، ان پر حج فرض ہو گیا ہے، کیا میں ان کی طرف سے حج
ادا کروں؟ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً ارشاد فرمایا۔

”ارایت لو کان علی ابیک دین اکنت تقضیہ؟“

(۳) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ”ولسود وہ الی الرسول
واولی الامر منهم لعلمہ الذین یستنبطونہ منهم۔“

اس آیت میں استنباط کا معنی قیاس کے ذریعہ نص سے علت کا
استخراج ہے، اب یہ استخراج علت یا تو اس لئے ہوگا کہ نص کے حکم اس
کے نظائر تک متعدی کر دیا جائے اور یہی عین قیاس ہے یا اس لئے کہ
اس سے طہانیت قلب حاصل ہو جائے، اور طہانیت قلبی اسی وقت
حاصل ہوگی جب اس علت اور لم پر انسان مطلع ہو جائے جو نص میں حکم
کی بنیاد ہے۔ اور ایسا اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شریعت ظاہرہ کو
آنکھوں کا نور اور شرح صدور بنایا۔ ارشاد ہے۔ ”افمن شرح اللہ
صدورہ للإسلام فهو علی نور من ربہ۔“ (الزمر)

جس طرح آنکھ موجود چیز کو بینائی سے دیکھتی ہے، ٹھیک اسی طرح
قلب غیر موجود چیز کو غور و فکر سے دیکھتا اور ارک کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے
کہ جو غور و فکر سے کام نہیں لیتا اس کے بارے میں اللہ عزوجل ارشاد
فرماتا ہے۔ ”فانہا لاتعمی الابصار ولكن تعمی القلوب الی
فی الصدور۔“ (الحج)

پھر آنکھ سے دیکھ کر کسی چیز کے بارے میں آدمی کو جو اطمینان
حاصل ہوتا ہے، خبر کے ذریعہ سن کر اتنا اطمینان نہیں ہوتا، اسی کی طرف
اشارہ کرتے ہوئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”لیس الخبر کالمعاينة۔“ (خبر مشاہدہ کی طرح نہیں ہے۔)
یہی معاملہ رویت قلب کا بھی ہے کہ جب معنی متصوص میں غور
و فکر کرنے کے بعد اس پر اطلاع پا جائے تو مکمل استخراج صدر اور
طہانیت قلب حاصل ہو جاتا ہے، تو اس غور و فکر سے روکنا اور یہ کہنا کہ
نص میں حکم کی علت اور سبب کی تلاش و جستجو میں نہ پڑو، ایک طرح سے
اس استخراج صدر اور طہانیت قلب کا حاصل کرنے کے ذریعہ کو ختم کر دینا
ہے جو اللہ تعالیٰ کے ارشاد ”لعلمہ الذین الایة“ سے ثابت ہے۔

شبیہ: استخراج واستنباط بلنظ و دیگر قیاس واجتہاد موجب علم نہیں
ہے، بلکہ مجتہد غلطی بھی ہوتا ہے اور مصیب بھی، پھر یہ کہنا کیسے درست ہوگا
کہ مجتہد معانی متصوص میں غور و فکر کر کے علم و اطمینان حاصل کر لیتا ہے۔

ازالہ شبہ: یہ صحیح ہے کہ قیاس موجب علم نہیں ہے مگر اجتہاد کے
ذریعہ بظاہر ایسا علم حاصل ہو جاتا ہے جو اطمینان قلب کا باعث ہو، اگر
چہ اجتہاد سے اس بات کا یقینی علم حاصل نہیں ہوتا کہ یہی حق ہے۔ یعنی

تمہیں بھی قتل و جلاوطنی میں مبتلا ہونا پڑے گا۔ جس طرح وہ کفار مبتلا ہوئے اور قیاس شرعی اسی تامل کی نظیر ہے کہ حکم عقوبت کو علت عداوت کی وجہ سے ان کفار معبودین سے ہر بصیرت والے کے حال کی طرف منتقل کر دیا جائے۔ جس طرح مقیس علیہ سے حکم کو مقیس تک متعدی کر دیا جاتا ہے۔ تو اس طور پر قیاس کی حجت دلیل معقول سے ثابت ہوگئی۔

مکرمین قیاس کے دلائل:- جو لوگ قیاس کے منکر ہیں اور اسے حجت شرعیہ نہیں مانتے وہ بھی اپنے موقف پر تین طرح سے دلائل قائم کرتے ہیں۔ (۱) کتاب (۲) سنت (۳) دلیل معقول۔

کتاب:- (۱) اللہ عزوجل کا ارشاد ہے۔

”اولم یکفہم انا انزلنا علیک الکتب بتلی علیہم“

(العنکبوت)

(کیا انہیں کافی نہیں ہے کہ ہم نے ان پر ایسی کتاب اتاری جو ان پر تلاوت کی جاتی ہے۔)

اب اگر کسی مسئلہ میں قیاس کی طرف رجوع کیا جاتا ہے تو اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ کتاب اللہ کا حکم وہاں کافی نہیں ہے، اور یہ فرمان الہی کے خلاف ہے۔

(۲) ارشاد الہی ہے۔

”ونزلنا علیک الکتب تبیاناً لکل شئ“۔ (النحل)

یعنی ہم نے تم پر ایسی کتاب اتاری جس میں ہر چیز کا روشن بیان ہے۔

نیز ارشاد ہے: ”ما فرطنا فی الکتب من شئ“۔ (الانعام)

نیز ارشاد ہے: ”ولا رطب ولا یابس الا فی کتب مبین“۔ (الانعام)

ان آیتوں میں اس بات کا واضح بیان ہے کہ تمام چیزیں کتاب

اللہ میں اشارۃ دلالت اقتضاء نصاً موجود ہیں۔ اور قیاس کی طرف

مراجعت کا معنی یہ ہے کہ وہ حکم کتاب اللہ میں موجود نہیں۔ حالانکہ یہ

بات اللہ عزوجل کے ارشاد کے واضح خلاف ہے۔

(۳) ارشاد الہی ہے۔

”یا ایہا الذین آمنوا لاتقدموا بین یدی اللہ

ورسولہ“۔ (الحجرات)

نیز ارشاد ہے: ”ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولیک

ہم الکافرون“۔ (المائدہ)

لعلنا نعم قال فذین اللہ احق۔ یعنی اگر تیرے باپ پر قرض ہے تو تم سے ادا کرتی؟ کہاں ہاں! فرمایا تو اللہ کا دین ادا کیلئے کے زیادہ احق من سب ہے۔

یعنی جو حج ان کے ذمہ باقی ہے وہ دین ہے، لہذا اس کی طرف سے حج بدل ادا کرو۔ اس حدیث میں قیاس کی تعلیم اور رائے پر عمل کرنے کا طریقہ بیان کیا گیا ہے۔

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”المہرۃ لیست بنجسة لانہا من الطوافین علیکم

والطوافات“۔

یعنی بی بی کا جو ٹھکانا پاک نہیں ہے، یہ تو تمہارے گھروں میں چکر لگانے والے جانوروں میں سے ہے۔

اس حدیث میں بھی قیاس کی تعلیم ہے کہ وہ وصف جو تخفیف حکم میں موثر ہے وہ طواف ہے اور عموم بلوی اور ضرورت کی وجہ سے ان جیسے جانوروں کے جو ٹھکانے کو ناپاک نہیں کہا جائے گا۔

(۴) جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف مبلغ اور قاضی بنا کر بھیج رہے تھے، آپ نے

حضرت معاذ سے فرمایا! اے معاذ کس چیز سے فیصلہ کرو گے؟ حضرت

معاذ نے جواب دیا اللہ تعالیٰ کی کتاب یعنی قرآن کریم سے، حضور نے

ارشاد فرمایا اگر تم نے کتاب اللہ میں اس مسئلہ کا حل نہ پایا تو کیا کرو گے؟

حضرت معاذ نے عرض کیا اس وقت رسول اللہ کی سنت سے مسئلہ کا حل

تکالوں گا، پھر حضور نے پوچھا اگر تم نے رسول کی سنت میں بھی اس کا حل

نہ پایا تو کیا کرو گے؟ حضرت معاذ نے فرمایا اس وقت میں اپنی رائے

سے اجتہاد کروں گا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کے

قول کو درست قرار دیتے ہوئے فرمایا۔

”الحمد للہ الذی وفقی رسولہ رسولہ لما یرضی بہ

ورسولہ“۔ (اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے اپنے رسول کے قاصد کو اس

بات کی توفیق بخشی جس سے اس کے رسول راضی ہیں۔)

دلیل معقول:- قیاس کے حجت ہونے پر عقلی دلیل یہ ہے کہ

”اعتبار“ یعنی امثال میں غور و فکر، نص قرآن واجب ہے۔ یعنی کفار تکذیب

اور عداوت رسول کی وجہ سے قتل و جلاوطنی پر مجبور ہونے، تو اب اس میں

غور و فکر کا حکم ہوا کہ اے بصیرت والو تم اپنے حالات کے درپے رہے تو

ان آیتوں کا مفاد یہ ہے کہ اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو، اور جس نے اللہ کے نازل کیے ہوئے کلام کے مطابق حکم اور فیصلہ نہ کیا وہی کافر ہیں۔ تو اب اجتہاد و قیاس کے مطابق عمل کرنا اللہ اور اس کے رسول پر سبقت لے جانے کے مترادف ہے۔ یوں ہی قیاس کے مطابق حکم کرنا اللہ عز و جل کے نازل کردہ احکام کے علاوہ حکم کرنا ہے جو کفر و فسق ہے۔

احادیث کریمہ: (۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”لم یزل بنو اسرائیل علی طریقۃ مستقیمۃ حتی کثرو فہم اولاد السبا یا ففاسوا مالہم یکن بما قد کان فضلوا واضلوا۔“ (یعنی بنی اسرائیل سیدھے راستے پر قائم تھے یہاں تک کہ ان میں قیدیوں کی اولاد زیادہ ہو گئی تو انہوں نے گزشتہ چیزوں پر آئندہ چیزوں کا قیاس کیا، خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔)

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ”تعلم ہذہ الامۃ برہۃ بالکتاب ثم برہۃ بالسنة ثم برہۃ بالرأی فاذا فعلوا ذلک ضلوا۔“

یعنی نہ امت کبھی کتاب اللہ کے مطابق عمل کرے گی، کبھی سنت کے مطابق پھر کبھی قیاس واجتہاد کے مطابق عمل کرے گی۔ جب وہ ایسا کریں تو وہ گمراہ ہو گئے۔

(۳) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

”ایاکم واصحاب الراۃ فانہم اعداء الذین اعیتہم السنة ان یحفظوها فقالوا برأیہم فضلوا واضلوا۔“

یعنی تم قیاس کرنے والوں سے بچو کہ وہ دین کے دشمن ہیں، وہ سنت کو تو اپنے حافظہ میں محفوظ رکھ سکے اور قیاس واجتہاد سے کہنا شروع کر دیا۔ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کر دیا۔

دلیل معقول:۔ قیاس کے منکرین اپنے دعویٰ پر جو عقلی دلائل قائم کرتے ہیں وہ دو قسم کے ہیں۔ (۱) دلیل عقلی من حیث الدلیل (۲) دلیل عقلی من حیث المدلول۔

دلیل عقلی من حیث الدلیل:۔ یہ ہے کہ قیاس کی اصل میں شبہ ہے، اس لئے کہ جس وصف و علت کے ذریعہ حکم کو متحد کیا جاتا ہے وہ علت بذات خود منصوص نہیں ہے۔

دلالت النص، اشارۃ النص، اقتضاء النص کسی سے وہ ثابت بھی نہیں ہے۔ اور قیاس واجتہاد کے نتیجہ میں جو حکم ایجاب یا اسقاط، تحلیل یا تحریم کی صورت میں ہوگا وہ محض حق اللہ ہوگا اور اس بات کی قطعی کوئی گنجائش نہیں کہ حق اللہ کو ایک ایسے طریقہ سے ثابت کیا جائے جس میں شبہ موجود ہو۔ کیوں کہ صاحب حق کمال قدرت سے متصف ہے اور اس کی شان اس سے بہت بلند و بالا ہے کہ عجز اس کی طرف منسوب ہو، یا وہ اپنے حق کے اثبات میں ان چیزوں کو محتاج ہو جن میں شبہ ہے۔ اور قیاس میں اس قسم کے شبہ کا انکار بھی نہیں کیا جاسکتا ہے کہ قیاس بالاتفاق علم یقینی کا افادہ نہیں کرتا، اور جب قیاس سے علم یقینی کا افادہ نہیں ہوتا تو وہ بحکم قرآن منہی عنہ ہوگا۔ جیسا کہ اللہ عز و جل کافر مان ہے۔

”ولا تغف مالیس لک بہ علم۔“ (بنی اسرائیل)

جس کا تجھے علم نہیں اس کی ٹوہ میں نہ پڑو۔

”ولا تقولوا علی اللہ الا الحق۔“ (النساء)

اللہ کے بارے میں سچی بات ہی کہو۔

دلیل معقول من حیث المدلول:۔ احکام شرع اللہ کی طاعت

و عبادت ہی کے لیے ہیں اور طاعت و عبادت کی معرفت میں قیاس واجتہاد کو کوئی دخل نہیں، یہی وجہ ہے کہ قیاس واجتہاد سے اصل عبادت اثبات جائز نہیں۔ اور ایسا اس لئے ہے کہ اللہ کی طاعت، اظہار

عبودیت اور انقیاد و تسلیم ہی میں منحصر ہے۔ اور جو حکم تعبدی ہوتا ہے مقتضائے قیاس پر اس کی بنیاد نہیں ہوتی ہے بلکہ وہ بطور ابتلا ہوتا ہے۔

چنانچہ ہمیں ایسے بھی احکام ملتے ہیں جن کا قیاس واجتہاد سے اصلاً اور اک نہیں ہوتا، جیسے نماز میں رکعتوں کی تعداد، عقوبات میں سزاؤں

کی مقدار، بلکہ بعض احکام تو ایسے ہیں جو یکسر قیاس واجتہاد کے خلاف جاتے ہیں اور جب صورت حال یہ ہے تو احکام کی معرفت قیاس واجتہاد سے کیوں کر ممکن ہے؟ ایسی صورت میں قیاس پر عمل کرنا عمل بالعلم نہیں عمل بالجمل کہلائے گا۔

منکرین کے دلائل کا جواب:۔ منکرین کا استدلال میں اللہ تعالیٰ کے اس قول ”ولم یکفہم“ کو پیش کرنا درست نہیں، اس لئے کہ

ہم کتاب اللہ کو کافی و دوائی یقیناً مانتے ہیں لیکن قیاس واجتہاد کے ذریعہ استخراج کردہ حکم اگر کتاب اللہ میں نصاً و صراحۃً موجودہ نہیں مگر اشارۃً ضرور موجود ہوتا ہے چونکہ قیاس واجتہاد اسی اعتبار کا نام ہے جس کا حکم

بالرأی الذی فیہ موافقة هوی النفس والی ذلک اشار فی قوله اعیتهم السنة ان یحفظوها۔“

(اصول السرخی ج ۲ ص ۱۳۳)

(حضرت عمر کی قیاس کرنے کی بات اظہر من الشمس ہے، اسی سے واضح ہو جاتا ہے کہ رائے کی خدمت سے ان کی مراد ایسی رائے ہے جو نص کے مخالف ہو یا نص ہوتے ہوئے اس سے اعراض کرنے اور ہوائے نفس کی موافقت میں قیاس واجتہاد میں مشغول ہونے کی مذمت ہے۔ اس کی طرف ان کے ارشاد اعیتهم السنة میں اشارہ بھی ہے۔)

یوں ہی بعض منکرین قیاس نے یہ جو کہا ہے کہ صحابہ کرام کا قیاس واجتہاد پر عمل الزام حکم کے لیے نہ تھا بلکہ یہ دو فریق کے درمیان مصالحت کی صورت کا اظہار تھا، یہ بات بالکل بے بنیاد ہے بلکہ خلاف واقعہ ہے۔ اس لیے کہ صحابہ کرام نے جہاں بھی صلح و مصالحت کی صورتیں نکالیں ہیں وہاں اس کی صراحت بھی کردی ہے اور جہاں صلح و مصالحت کا لفظ مذکور نہیں یا وہاں بطور خاص لفظ قضاء و حکم مذکور ہے تو اس سے مراد الزام حکم ہی ہے، اور کیوں نہ ہو کہ عمل بالقیاس کی بعض صورتیں بصورت فتاویٰ تھیں۔ اور ہمارے زمانے میں مفتی مفتی کو حکم مسئلہ بتاتا ہے، شاذ و نادر ہی ایسا ہوتا ہوگا کہ مفتی مسئلہ کا حکم نہ بتا کر صلح و مصالحت کی دعوت دیتا ہو، ٹھیک یہی صورت حال زمانہ صحابہ میں بھی تھی، لہذا صلح و مصالحت والی بات علی العموم درست نہیں ہے بلکہ بعض صورتوں میں صحابہ کرام کا قیاس واجتہاد ان مسائل میں بھی ہوا ہے جہاں دو فریق میں یا ہم خصوصیت کا کوئی مسئلہ ہی نہیں، جیسے عبادات، طلاق، عتاق وغیرہ۔ تو جن لوگوں نے یہ کہا کہ صحابہ کرام کا قیاس بطور صلح تھا یہ اختراعی بات ہے۔ جیسا کہ اصول السرخی ج ۲ ص ۱۳۲ میں ہے۔

”ومن قال منهم ان القول بالرأی کان من الصحابة علی طریق التوسط والصلح دون الزام لحکم فهو مکابر جاحد لما هو معلوم ضرورة لان الذين نقلوا الينا ما احتجوا به من الرأی فی الاحکام قوم عالمون عارفون بالفرق بین القضاء والصلح فلا یظن بهم أنهم اطلقوا لفظ القضاء فیما کان طریق الصلح بان الم یعرفوا الفرق بینهما او قصدوا التبلیس۔“

(جو یہ کہتے ہیں کہ صحابہ کا قیاس کرنا بطور صلح و مفاہمت تھا، الزام

آیت کریمہ ”فاعتبروا الایہ“ میں دیا گیا ہے۔ تو ظاہر ہو گیا کہ جو حکم قیاس واجتہاد کا نتیجہ ہو وہ کتاب اللہ کے حکم کے موافق ہی ہوگا۔ اسی سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ قیاس واجتہاد کے ذریعہ جو حکم شرع ظاہر ہوگا وہ اللہ عزوجل کے قول ”نبینا لکل شئی“ کے تحت داخل ہوگا، اور وہ حکم کتاب اللہ میں نص یا دلالت، اشارہ یا اقتضاء ضرور موجود ہوگا کہ یہ قیاس واجتہاد اسی اعتبار کا دوسرا نام ہے جس کا حکم خود اللہ عزوجل نے دیا ہے۔ اسی سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ قیاس واجتہاد پر عمل اللہ اور اس کے رسول پر سبقت لے جانے کے مترادف نہیں ہے، بلکہ درحقیقت وہ اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی بجا آوری ہے، اور اس طریقہ پر چلنا ہے جس کی تعلیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو دی ہے۔ یعنی احکام شرع سے باخبر ہونے کا کیوں کہ ہم غیر مخصوص مسائل میں علت موثرہ کے ذریعہ حکم ثابت کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ علت ہمارے قیاس واجتہاد سے موثر نہیں ہوتی بلکہ وہ اللہ عزوجل ہے کہ موثر بنانے سے موثر ہے۔ ہمارے قیاس واجتہاد کا صرف اتنا دخل ہے کہ اصل کے منجملہ اوصاف میں سے علت موثرہ کو منتخب کر کے اس کی تاثیر فرع میں ظاہر کر دیتے ہیں ہاں! البتہ منکرین نے یہ کہہ کر کہ ”عمل بالقیاس باطل ہے“ خود اپنے لئے اللہ اور اس کے رسول پر تقدیم و سبقت کا اشارہ دے دیا ہے، اس لیے کہ یہ لوگ اپنے اس قول کو ”عمل بالقیاس باطل ہے۔ نص میں صراحت کہیں نہیں دکھا سکتے اور استنباط کو یہ جائز ہی نہیں قرار دیتے کہ اس کے ذریعہ نص کے اشارہ پر اطلاع ہو سکے تو ان لوگوں کا یہ قول بلا دلیل رہ گیا، اور احکام میں یہ بلا دلیل عامل ٹھہرے۔ الامان والحفظ۔

اور جہاں تک ان احادیث کا سوال ہے جنہیں منکرین نے بزع خویش اپنے موقف کی تائید میں ذکر کیا ہے تو ان میں حقیقہ علی الاطلاق قیاس واجتہاد کی مذمت نہیں بیان کی گئی ہے بلکہ ان سے مراد یہ ہے کہ وہ قیاس واجتہاد مذموم ہے جو خواہش نفس کی متابعت میں ہو یا وہ رائے مذموم ہے جس سے مقصود نص کا رد و انکار ہو، لیکن وہ قیاس واجتہاد جس سے ہمارے بیان کردہ طریقہ کے مطابق اظہار حق مقصود ہو وہ مذموم نہ ہوگا۔ چنانچہ اصول سرخی میں ہے۔

”واما عمر رضی اللہ عنہ فالقول عنہ بالرأی اشهر من الشمس وبہ یتبین ان مراده بذم الرأی عند مخالفة النص او الاعراض عن النص فیما فیہ نص والاشتغال

حکم کے لیے نہیں تھا تو وہ مکابر و مجاہد ہے۔ کیوں کہ بدیہی طور سے یہ معلوم ہے کہ جن لوگوں نے صحابہ کے اجتہادات ہم تک نقل کر کے پہنچائے ہیں، وہ قضاء و صلح میں فرق سے آگاہ و آشنا تھے، اس لیے یہ تصور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ اس فرق کو نہ سمجھ سکے اور صلح کو قضا کہہ دیا اور نہ یہ کہہ سکتے کہ انہوں نے تلمیس سے کام لیا۔

دلیل معقول کا جواب یہ ہے کہ قیاس واجتہاد کے ذریعہ حکم ظاہر ہوگا تو وہ ہمارے نزدیک حق ہوگا، اگرچہ عند اللہ اس کا حق ہونا ہمیں یقینی طور پر معلوم نہ ہو جیسے وہ شخص جس پر جہت قبلہ مشتبہ ہو تو بعد تحری جس طرف رائے بتی اس طرف رخ کر کے نماز پڑھنا اس پر لازم ہوگا اور اس صورت میں یہ قطعاً ضروری نہیں کہ حقیقت میں جہت قبلہ بھی وہی ہو۔ حق العباد اور حق اللہ میں فرق ساقط الاعتبار ہے کہ آخر جو جہت قبلہ مطلوب ہے وہ بھی خالص حق اللہ ہی ہے مگر اس کے لئے علم یقینی حقیقی ضروری نہیں۔

اب رہ گئی یہ بات کہ بعض احکام عقل و قیاس کے خلاف ہوتے ہیں، وہاں قیاس واجتہاد کی گنجائش کیوں کر ہوگی؟ تو اس سلسلہ میں ہمارا موقف بالکل صاف اور بہت ہی واضح ہے کہ اگر امر غیر معقول اعمنی ہو تو وہاں بذریعہ قیاس حکم کو متعدی کرنا جائز نہیں، بلکہ دیگر وہاں عمل بالقیاس جائز ہی نہیں لہذا اس کے ذریعہ استحالة پیش کرنا اور قیاس واجتہاد کا یکسر انکار کرنا حق و صداقت سے بہت دور ہے۔

یہاں تک ہم نے متبعین و منکرین کے اقوال و دلائل قدرے شرح و ربط کے ساتھ پیش کر دیے اور ساتھ ہی منکرین کے دلائل کا مستفادہ تجزیہ بھی پیش کر دیا۔ اب قارئین کے لئے یہ فیصلہ کرنا بڑا آسان ہے کہ حق کس جماعت کے ساتھ ہے۔

قیاس کب جہت ہے؟۔ یہ ہرگز نہ سمجھنا چاہیے کہ قیاس ہر جگہ اور ہر حال میں جہت ہے، بلکہ قیاس کی صحت کے لئے کافی وافی شرائط ہیں۔ پھر قیاس واجتہاد ہر کس و نا کس کا وظیفہ نہیں بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ عالم کتاب و سنت ہو، جو احکام فرائض و واجبات کی شکل میں ہیں ان سے باخبر ہو، ناخ و منسوخ، اقوال سلف، اجماع امت، اختلاف ناس اور زبان عرب کا عالم ہو، ساتھ ہی کامل غور و فکر سے کام لے۔ اس وقت اجتہاد و قیاس جہت ہے اور اس پر عمل واجب ہے۔ چنانچہ امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

قیاس وہی کرتے جس کے پاس آلہ قیاس موجود ہو، اور یہ کتاب

اللہ کا علم ہے، جس میں فرض و ادب، ناخ و منسوخ، عام و خاص اور توجیہ کی معرفت شامل ہے، اسی طرح مختل آیتوں کی سنت رسول سے تاویل کی اہلیت ہو۔ اور اگر سنت میں نہ ملے تو اجماع مسلمین سے اس کی تاویل کرے اور اگر اجماع بھی نہ ہو تو قیاس کرے اور کسی کے لیے بھی قیاس کرنا اس وقت تک جائز نہیں جب تک وہ مذکورہ بالا امور سے واقف نہ ہو۔ یعنی سنت رسول، ارشادات سلف، اجماع و اختلاف اور زبان عرب۔ اسی طرح سالم العقل ہو، مشتبہ امور میں فرق کرنے والا ہو اور پورے غور و فکر کیے بغیر غلطی میں رائے نہ قائم کرتا ہو، مخالفین کی باتیں سننے سے گریز نہ کرتا ہو، اس لیے کہ مخالف کی باتیں بسا اوقات مشتبہ کرنے والی ہوتی ہیں۔ (الرسالہ الجزء الثالث، بحث القیاس)

اجتہاد اور عصر حاضر کے غیر مقلدین:۔ غیر مقلدین زمانہ شعوری یا اشعوری طور پر نظام معتزلی کی تقلید میں گرفتار ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ اجتہاد و قیاس کی وجہ سے ائمہ مجتہدین کی شان میں گستاخی کا محاذ کھول رہے ہیں۔ اس کے باوصف میاں نذیر حسین دہلوی جو غیر مقلدوں کے امام ہیں وہ قیاس واجتہاد کو جہت اور اقوال ائمہ کو حق و صواب قرار دیتے ہیں۔ حالاں کہ ان کی یہ بات پوری جماعت اہل حدیث کے لئے خاصی حیران کن ہے۔ وہ اپنے ایک فتویٰ میں رقم طراز ہیں:

”جیسے ائمہ اربعہ کا قول ضلالت نہیں ہو سکتا، ایسے ہی کسی مجتہد کا مذہب بدعت نہیں ٹھہر سکتا، جو ایسا کہے وہ ضیث خود بدعتی اور رہبان پرست ہے۔“

ائمہ اربعہ کے علاوہ وہ کون مجتہدین ہیں جن کا قول ضلالت نہیں، اس کی وضاحت بھی میاں نذیر حسین نے خود ہی کر دی ہے۔ لکھتے ہیں:

”امام الحرمین، جتہ الاسلام غزالی، وکیا ہر اسی وابن سمان وغیرہم ائمہ محض انتساب میں شافعی تھے اور حقیقتاً مجتہد مطلق۔“

پھر مزید لکھتے ہیں: ”بے شک جو مصنف مزاج ہے وہ ہرگز امام شعرائی کے منصب کامل واجتہاد میں کام نہیں کر سکتا۔“

میاں نذیر حسین دہلوی کا یہ قول ان غیر مقلدین کے لئے تا زیادہ عبرت ہے جو اجتہاد و قیاس کو باطل اور تقلید کو شرک و بدعت قرار دیتے ہیں، بلکہ ایک طرح سے ان لوگوں کے لئے یہ دعوت فکر بھی ہے کہ

”اجتہاد و قیاس“ کا جہت ہونا ہی حق و صواب ہے اور اسے باطل کہنا گمراہی و ضلالت ہے۔ ☆ ☆ ☆

اجتہاد و مجتہدین کے مختلف طبقات

من قبل نفسه من غير حمل على كتاب او سنة (۲)
اور اصطلاح اصول میں اجتہاد نام ہے کسی فقہی کا حکم شرعی ظنی
کے حاصل کرنے میں طاقت صرف کرنے۔ الاجتہاد بذل الطاقة
من الفقيه في تحصيل حكم شرعي ظني (۳)
اور قیاس کا معنی ہے اندازہ کرنا، علی یا لام کے صلہ کے ساتھ
ہو تو ”نمونہ پر اندازہ کرنے“ کے معنی میں آتا ہے (۴) اور شریعت میں
کسی فرع شی کو اصل مسئلہ کے ساتھ حکم و علت میں لاحق کرنے کو کہتے
ہیں القیاس فی السلعة التقدير و فی الشرع تقدير الفرع
بالاصل فی الحكم و العلة (۵)

اجتہاد و قیاس کی حیثیت :- یہ بات تو طے شدہ ہے کہ جب کسی
مسئلے میں قرآن کریم یا سنت ثابتہ کوئی قطعی اور دو ٹوک فیصلہ صادر
فرماوے تو پھر کسی کے لئے اجتہاد و قیاس کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔
اجتہاد کی ضرورت وہاں پیش ہوتی ہے جہاں قرآن و سنت میں صریح و
منطوق اور واضح قطعی حکم نہ ملے اور اجماع امت بھی نہ ہو، ایسی صورت
میں اجتہاد و قیاس کا حجت شرعیہ ہونا صحابہ کرام و تابعین اور ہر زمانے
کے علمائے امت کے نزدیک مسلم ہے۔ اور یہ چاروں مکاتب فکر حنفی،
شافعی، مالکی، حنبلی اور ان سے منسلک اہل سنت و جماعت کا اتفاق مسئلہ
ہے۔ یہ اتفاق کرنے والے حدیث پاک کے مطابق ”ملت واحدة“ کے
حامل اور ”ما انا علیہ و اصحابی“ کے صحیح مصداق ہیں۔ یہ بات
بھی ملحوظ رکھنے کی ہے کہ اجتہاد و قیاس کسی حکم مستقل کے اثبات کے لئے
تئیں ہوتے بلکہ دراصل قرآن و سنت میں جو احکام عام عقول کے لحاظ
سے غیر ظاہر ہیں، متعلقہ پیش آمدہ مسئلے میں انھیں ظاہر کرنے کے لئے
ہوتے ہیں۔ بلطف و بکرم یہ مظہر حکم ہیں نہ کہ مثبت حکم، اس لئے عامہ
اصولیین نے فرمایا:

القیاس حجة من حجج الشرع يجب العمل به عند
انعدام ما فوقه من الدلیل فی الحادثة و هذا مذهب جميع

اجتہاد و قیاس کی شرعی حیثیت مانی جاتی ہے اور یہ فقہ کے
ان چار دلائل و اصول میں سے ہے جو فقہ کی بنیاد و اساس ہیں اور جن
پر فقہی احکام و مسائل کی پوری عمارت کھڑی ہے۔ شریعت کے وہ
چار دلائل علی الترتیب کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اجماع امت
اور قیاس مجتہد ہیں۔ اجتہاد و قیاس کی حیثیت پورے طور پر گوکہ اصل کی
نہیں، فرعیت کی بھی ہے، لیکن اس کا فرعی ہونا اسی لحاظ سے ہے کہ اس
کا بنیادی ماخذ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ہیں، یہی وجہ ہے کہ مستند
ارباب لغت نے جہاں اجتہاد کا لغوی معنی بیان فرمایا ہے اسی ضمن میں
اس کے مرادی مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے کتاب و سنت کو ماخذ
و مرجع بھی قرار دیا ہے۔

اجتہاد و قیاس کا معنی :- اجتہاد از روئے لغت جہد بمعنی ”طاقت
و مشقت“ سے ماخوذ ہے، بعض لوگوں نے اس کے مفہوم میں مشقت و
طاقت اٹھانے میں انتہا کو پہنچنا بھی بتایا ہے، تاج العروس میں ہے:

الجهد بالفتح الطاقة، قال ابن الاثير وهو بالفتح
المشقة، وقيل المبالغة والغاية، وبالنضم الوسع والطاقة.
الاجتهاد افعال من الجهد والطاقة وفي التهذيب الجهد
يلوغك غاية الامر الذي لا يالو ا على الجهد فيه (۱)

لسان العرب لولام علامہ ابن منظور (۶۳۰ھ ۷۱۱ھ) میں
اجتہاد کا مرادی مفہوم یہ بتایا ہے کہ حاکم کے پاس پیش آنے والے
مسائل کو بطور قیاس کتاب و سنت پر پیش کرنا نہ کہ اپنی ذاتی رائے جو
کتاب و سنت کی روشنی میں نہ ہو، علامہ ابن منظور اپنی شہرہ آفاق
لغت میں لکھتے ہیں:

الاجتهاد و السجهد بذل الوسع و فی حدیث معاذ
اجتهد برأی۔۔۔ الاجتهاد بذل الوسع فی طلب الأمر و هو
الفعال من الجهد الطاقة و المراد به رد القضية التي تعارض
للحاکم بطريق الكتاب و السنة و لم يرد الرأى الذى رآه

ہوئے ان کے سینے پر دست مبارک سے تھپکی دی اور شکر الہی بجالا کر خوشی و مسرت کا اظہار فرمایا۔

حدیث خثعمیہ: قبیلہ شعم کی ایک عورت جس کا نام اسماء بنت عمیس ہے حضور اقدس ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ میرے باپ بہت بوڑھے ہو چکے ہیں اور ان پر حج واجب ہے مگر وہ سواری پر بیٹھنے کی بالکل طاقت نہیں رکھتے تو کیا میں اگر ان کی جانب سے حج کروں تو یہ کافی ہوگا، حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

أرأیت لو کان علی ابیک دین فقضیت أما کان یجزيک فقال بلی فقال علیہ السلام فدين الله أحق بالقضاء.

بھلا بتاؤ تو کہ اگر تمہارے باپ پر قرض ہو اور تم اسے ادا کرو تو کیا یہ کافی نہ ہوگا؟ اس عورت نے کہا کیوں نہیں، تو حضور اقدس ﷺ نے فرمایا اللہ کا دین (قرض) ادا کئے جانے کے زیادہ لائق ہے۔

غور کیجیے تو راجح بالا حدیث پاک میں علت جامعہ کی بنیاد پر اجتہاد کرنے کا واضح اشارہ موجود ہے کہ اس ارشاد رسول میں شیخ فانی کے حق میں حج کو حقوق مالیہ سے ملحق کیا گیا۔ حقوق مالیہ کو مقیمس علیہ اور حق حج کو مقیمس قرار دیا گیا۔ اس قسم کی روایت صحیح بخاری و نسائی میں بھی ہے، امام نسائی نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی جو روایت نقل فرمائی ہے اس میں یہ ہے کہ سائل مرد تھا جس نے اپنے باپ کے بدلے حج کرنے کی اجازت طلب کی تھی۔ تو حضور ﷺ یہ ارشاد فرمایا:

أفرايت لو كان عليه دين فقضيته أكان مجزاً قال نعم قال فحج عن ابیک (۸)

اور نسائی ہی میں فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنی ماں کے بدلے حج کرنے کی بابت پوچھا جس پر حضور اقدس ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا۔ الغرض ان متعدد واقعات میں ایک چیز قدرے مشترک کے طور پر مستفاد ہے کہ "اجتہاد و قیاس" نہ صرف جائز و روا ہے، بلکہ اہل فہم و ادب علم کو اجتہاد کی ترغیب و تلقین بھی کی گئی ہے۔

امام بخاری نے کتاب الاعتصام میں جو باب باندھا ہے اس باب سے بھی اس امر کا ثبوت ملتا ہے، "باب من شبه أصلاً معلوماً بأصل مبين قد بين الله حكمها ليفهم به السائل" یہ باب ہے اس

الصحابۃ و التابعین و علماء الکرام فی کل عصر خلافا لبعض اهل الاهواء كالشيعة و الخوارج (۶)

احادیث و آثار میں تو حجت قیاس و اجتہاد پر ایسے واضح اور کثیر وافر دلائل موجود ہیں جن کا انکار دعویٰ اسلام و ایمان رکھتے ہوئے نہیں کیا جاسکتا۔ خود قرآن کریم میں اس کے ثبوت پر دلائل موجود ہیں۔

حدیث معاذ: حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کردہ حدیث تو زبان زد خواص اور بڑی واضح ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ ابن جبل کو یمن کا قاضی و حاکم بنا کر بھیجا تو بطور امتحان آپ نے جو سوال فرمایا اور حضرت معاذ نے جواب عرض کیا وہ حدیث کی متعدد کتابوں میں مذکور ہے۔ ترمذی، ابوداؤد، دارمی میں یہ حقیقت مروی ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

كيف تقضى اذا عرض لك قضاء قال اقصى بكتاب الله، قال فان لم تجد في كتاب الله قال فبسنة رسول الله ﷺ، قال فان لم تجد في سنة رسول الله ﷺ قال اجتهد برأى ولا آلو، قال فضرب رسول الله ﷺ على صدره و قال الحمد الذي وفق رسول رسول الله لصابر رضي به رسول الله (۷)

ترجمہ: حضور اقدس ﷺ نے فرمایا جب تمہیں کوئی معاملہ درپیش ہو تو کس طرح فیصلہ کرو گے؟ عرض کیا کہ کتاب اللہ سے فیصلہ کروں گا، فرمایا اگر تم اللہ کی کتاب میں نہ پاؤ؟ عرض کیا تو رسول اللہ ﷺ کی سنت کی روشنی میں فیصلہ کروں گا۔ فرمایا اگر رسول اللہ کی سنت میں بھی نہ پاؤ؟ عرض کیا: اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور کوئی نام نہ کروں گا۔ راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے سینے پر اپنا دست کرم مارا اور فرمایا حمد ہے اللہ عز و جل کی جس نے رسول اللہ کے رسول کو اس کی توفیق دی جس سے اللہ کے رسول راضی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو سوال کیا اور انھوں نے جو جواب عرض کیا وہ کسی کی وساطت سے نہیں بلکہ براہ رست اور بالمشافہ ہوا، اجتہاد و قیاس اگر کوئی شجر ممنوعہ ہوتا تو صاحب شریعت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام حضرت معاذ کے اظہار اجتہاد پر تکبیر فرماتے، ناراضگی ظاہر کرتے، منع فرماتے مگر نہ تکبیر فرمائی، نہ منع کیا بلکہ آپ نے حضرت معاذ کے اس جواب کی تقویت و تائید فرماتے

عدت بھی ہے اور اس کے لیے میراث بھی، روای کہتے ہیں قبیلہ اشج کے کچھ لوگ وہاں موجود تھے انھوں نے کھڑے ہو کر یہ گواہی دی کہ اے عبد اللہ ابن مسعود آپ نے جیسا فیصلہ کیا رسول اللہ ﷺ نے بھی ہمارے قبیلے کی ایک عورت بروہ بنت واشق کے متعلق ایسا ہی فیصلہ فرمایا تھا۔ حضرت عبد اللہ ابن مسعود اس سے بہت خوش ہوئے، وجہ یہ تھی کہ ان کا فیصلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کے مطابق ہوا۔

حضرت عبد اللہ ابن مسعود نے یہ حکم صحابہ کرام کی موجودگی میں دیا اور اپنے قیاس و اجتہاد سے دیا، کسی نے انکار نہیں فرمایا، بلکہ اس فیصلے کی تائید بھی اسی مجلس میں ہو گئی۔ کیا منکرین قیاس و اجتہاد کے لئے اب انکار کی کوئی گنجائش باقی ہے۔

اثر عبد الرحمن:۔ نئے پیش آمدہ مسئلے میں اجتہاد کی شرعاً اجازت ہی کی بناء پر اہل صحابہ کرام نے حضور اقدس ﷺ کی ظاہری حیات کے بعد نہ صرف یہ کہ اجتہاد فرمایا، بلکہ اجتہاد کرنے کا حکم بھی دیا۔ تاکہ جن کے اندر مجتہدانہ صلاحیت ہے وہ پیش آمدہ قضیہ میں اجتہاد سے کام لیں اور شرعی حکم و فیصلہ صادر فرمائیں۔ اس تعلق سے اثر عبد الرحمن ابن یزید میں حضرت عبد اللہ ابن مسعود کا یہ واضح ارشاد موجود ہے، جب لوگوں نے ان سے بکثرت سوالات شروع کئے تو فرمایا کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ نہ ہم یہاں ہوں گے نہ میرا فیصلہ ہوگا، پھر فرمایا:

من عرض له منكم قضاء بعد اليوم فليقتضي بما في كتاب الله فان جاءه امر ليس في كتاب الله فليقتضي بما قضى به نبيه ﷺ فان جاءه امر ليس في كتاب الله وقضى به نبيه ﷺ فليقتضي بما قضى به الصالحون فان جاءه امر ليس في كتاب الله وماقضا به نبيه ﷺ ولاقضا به الصالحون فليجتهد براءه ولايقول اني أخاف واني أخاف فان الحلال بين والحرام بين وبين ذلك أمور مشبهات قدع ما يريبك الى ما لا يريبك، قال ابو عبد الرحمن هذا الحديث حديث جيد جيد۔ (۱۲)

ترجمہ: جب آج کے بعد کسی کے سامنے فقہا کا کوئی معاملہ درپیش ہو تو وہ کتاب اللہ کی روشنی میں فیصلہ کرے، اگر کوئی ایسا معاملہ درپیش ہو جو کتاب اللہ میں نہ ملے تو رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کے مطابق فیصلہ کرے اور اگر ایسا مسئلہ ہو جو نہ تو کتاب اللہ میں ملے نہ ہی رسول اللہ کا

ہم سے جو کسی معلوم قاعدہ و اصل کو ایسے قاعدے سے تشبیہ دے جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے بیان فرمادیا ہے تاکہ مسائل اسے سمجھ لے۔

پھر درج بالا مضمون کی حیثیت ذکر کی ہے، اس سے دین و شریعت میں سوچ بوجھ رکھنے والا ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اجتہاد و قیاس شجر ممنوعہ نہیں، اس کی تائید درج ذیل اثر سے بھی ہوتی ہے۔

اثر ابن مسعود:۔ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہما فقہاء صحابہ میں سے ہیں اور بڑی عظمت شان کے مالک ہیں، ان سے پوچھا گیا ایک عورت کا انتقال ہو گیا جب کہ اس عورت کا نہ مہر مقرر ہوا تھا اور شترن و شوہر میں قربت ہوئی تھی تو ایسی عورت کو کتنا مہر ملے گا؟ اس تعلق سے دوسرے صحابہ بھی ایک مہینہ تک غور و فکر کرتے رہے پھر حضرت عبد اللہ ابن مسعود نے فرمایا۔

اجتهد فيها برأئي فان كان صواباً فمن الله و ان كان خطأ فمن ابن ام عبيد (کسی بہ عن نفسه) فقال أرى لها مهر مثل نساء ها، لا وكس ولا شطط۔ (۹)

نسائی کی روایت میں ہے: سأقول فيها بجهد رأئي فان كان صواباً فمن الله وحده لا شريك له و ان كان خطأ فمضى و من الشيطان — و الله و رسوله منه براء أرى ان اجعل لها صداق نساء ها لا وكس ولا شطط ولها ميراث و عليها العدة اربعة أشهر و عشرأ قال و ذلك بسمع اناس من اشجع فقاموا فقالوا نشهد انك قضيت بما قضى به رسول الله ﷺ في امرأه متايقال لها بروح بنت و اشق قال فما ربي عبد الله فرح فرحة يومئذ الا باسلامه۔ (۱۰)

ابوداؤد کی روایت میں بھی یہی مضمون ہے، اس کے اخیر میں یہ ہے: ففرح ابن مسعود فرحاً شديداً حين وافق قضاءه قضاء رسول الله ﷺ۔ (۱۱)

ان سب روایتوں کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود نے فرمایا: اس مسئلے میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اگر یہ اجتہاد درست ہو تو یہ من جانب اللہ ہے جو وحدہ لا شریک ہے اور اگر اس میں غلطی ہو تو یہ میری جانب سے ہے اور شیطان کی جانب سے، اللہ اور اس کے رسول اس سے بڑی ہیں۔ پھر فرمایا، اس عورت کے لیے مہر مثل (اس جیسی عورتوں کا مہر) کا حکم کرتا ہوں جس میں کمی ہو نہ زیادتی، اور اس پر

اظہار کے لئے، اور جہاں تک علت حکم کے شبہ کی بات ہے تو ہمارے خلاف نہیں کیوں کہ ہم قیاس سے ثابت شدہ حکم کو واجب ثل مانتے ہیں نہ کہ فرض اعتقادی۔

مذکورہ بالا حوالوں سے واضح و آشکار ہے کہ قیاس و اجتہاد و حجت شرعیہ میں جس کی پشت پر قرآن و احادیث کی مہریں ثبت ہیں۔ لہذا اجتہاد کو قرآن و سنت کے معارض سمجھنا ایک باطل نظریہ ہے۔

شرائط اجتہاد:۔ اجتہاد کی بنیادی شرط یہ ہے کہ مجتہد کو احکام سے متعلق قرآنی آیات و نصوص کا بھرپور علم ہو، لغوی و شرعی معنی کے ساتھ اس کے تمام وجوہ سے واقفیت ہو، تائخ و منسوخ کا پورا علم رکھتا ہو، اسی طرح احکام سے متعلق سنت رسول اللہ کا علم اسانید و اقسام کے ساتھ تفصیلاً ہو، قیاس کے وجوہ و طرق اور شرائط سے بھی بھرپور واقفیت ہو، نیز نحو و صرف، معانی و بلاغت وغیرہ میں پوری مہارت ہو و شروط الاجتہاد ان یحوی علم الکتاب معانیہ اللغویۃ و الشرعیۃ و وجوہ النسی قلنا من الخاص و العام و الامرو النہی، و علم السنۃ بطرقہا المذكورۃ فی اقسامہا و ان یعرف وجوہ القیاس بطرقہا و شرائطہا۔ (۱۳)

ایسے اجتہادی صفت کے حامل مجتہد کو احکام کے استخراج و استنباط کی اجازت ہے کہ وہ اپنے غالب رائے سے حکم کا استنباط کرے مگر اس کا یہ اجتہادی حکم یقینی نہ ہوگا یعنی ہوگا اور خطا و صواب دونوں کا احتمال رکھے گا، اس لیے علمائے اصول نے فرمایا:

و حکم الاصابۃ یغالب الراۃ ذون البیقین حتی قلنا ان المجتہد یخطی و یشیب (۱۴)

البتہ اگر مجتہد استخراج حکم میں خطا بھی کر جائے جب بھی اسے اجتہادی جدوجہد کا ایک اجر ملے گا اور استنباط کردہ مسئلہ کے صحیح و درست ہونے کی صورت میں دو اجر ملے گا۔ ایک اصابت رائے کا دوسرے اجتہادی کاوش کا۔ یہ حکم حضور اقدس ﷺ کے درج ذیل ارشاد گرامی سے ماخوذ ہے:

”اذا حکم الحاکم فاجتہد و اصاب فله اجران، و اذا حکم فاجتہد و اخطأ فله اجر واحد (۱۵)

اس حدیث سے اجتہاد میں خطا و صواب دونوں کے احتمال کا ثبوت ہوتا ہے اور ساتھ ہی اجتہاد کے جواز کا بھی۔

فیصلہ ملے تو نیکو کار اہل علم نے جو فیصلے کیے ہیں اس کے متعلق فیصلہ کرے اور اگر کتاب اللہ، سنت رسول اللہ و اقوال صلحاء میں بھی نہ ملے تو اپنی رائے سے اجتہاد کرے۔ اور یہ نہ کہے کہ میں خوف کھاتا ہوں، میں ڈرتا ہوں، کیوں کہ حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور حلال و حرام کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں، تو جس میں شک ہو اسے چھوڑ کر غیر مشکوک کو اپنائے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول سے اجتہاد و قیاس کا بھرپور ثبوت فراہم ہوتا ہے علم و دیانت کے ساتھ غیر مقلدین بھی اگر غور کریں تو حقیقت واضح ہو جائے گی۔ اس حدیث کے تعلق سے ابو عبد الرحمن کہتے ہیں یہ حدیث بہت عمدہ ہے۔ اگر غور کیجیے تو واضح ہوتا ہے کہ جن معاملات میں ابھی وحی نازل نہ ہوئی تھی ان میں خود رسول اللہ ﷺ نے بھی اجتہاد فرمایا جس کی ایک طویل تفصیل ہے، احادیث پر گہری نظر رکھنے والے اچھی طرح اخذ کر سکتے ہیں۔

محققین اہل فقہ و اصول نے قرآن کریم کی بعض آیتوں سے قیاس و اجتہاد پر بطور اشارۃ اخص استدلال فرمایا ہے، قرآن مجید میں فرمایا، فاعتبروا یا اولی الابصار، اعتبار کا معنی ہے شئی کو اس کی نظیر کی طرف پھیرنا، تو آیت کا معنی یہ ہوا کہ شئی کو اس کی نظیر پر قیاس کرو۔ یہ قیاس عام ہے، حکم عام ہے جس کے عموم میں اصول پر فروع شرعیہ کا قیاس بھی داخل ہے کیوں کہ سورہ اگرچہ خاص ہے جو کفار کی عقوبتوں سے متعلق ہے مگر حکم عام ہے۔ اجتہاد و قیاس کے منکرین پہلے صرف شیعہ و خوارج تھے مگر اب غیر مقلدین و حبابہ بڑی شد و مد سے انکار کرتے ہیں۔

منکرین اپنے دعویٰ کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ قرآن کریم کے بارے میں ہے، ”ثمیناً لکل شئی“ قرآن میں ہر چیز کا روشن بیان ہے تو پھر قیاس کی کیا ضرورت ہے؟ نیز یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے بنی اسرائیل کے قیاس کی مذمت کی جیسا کہ داری و بزار کی روایت میں ہے، پھر یہ کہ جسے حکم کی علت قرار دیا جاتا ہے وہ مقام شک میں ہے یقین سے نہیں کہا جاسکتا ہے کہ یہی علت حکم ہے۔

پہلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ قیاس کتاب و سنت کے حکم کا مزاحم ہوتا تو یہ دلیل دی جاری ہو سکتی تھی، قیاس و اجتہاد تو کتاب اللہ کے حکم کا مظہر و کاشف ہے۔ اسرائیلیوں کے قیاس کی مذمت اس لئے کی گئی کہ ان کا قیاس تعنت و سرکشی کے طور پر تھا اور مجتہدین کا قیاس حکم شرعی کے

مجتہدین کے طبقات :- مجتہد فقہاء کے چھ طبقات ہیں :

(۱) مجتہد مطلق مستقل / مجتہد فی الشرع : یہ وہ حضرات ہیں جو شرائط اجتہاد کا جامع ہونے کی وجہ سے تمام اجتہادی احکام کے استخراج کا مکمل راہ دہ رکھتے ہیں اور استنباط مسائل کے لئے قواعد و اصول وضع کرتے ہیں۔ یہ اصول و فروع کسی میں تقلید کے محتاج نہیں ہوتے جیسے سراج الامہ کا شرف الغمہ سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۸۰۰ھ/۱۵۰ھ) سیدنا امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۹۰ھ/۱۷۹ھ) سیدنا امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۱۵۰ھ/۲۰۴ھ) سیدنا امام احمد ابن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۱۶۴ھ/۲۴۱ھ)

یہ وہ چار ائمہ مطلق اور مجتہد فی الشرع ہیں جن کی پوری دنیا کے اہل سنت پیروی و تقلید کرتے ہیں۔ امام اعظم کی تقلید کرنے والے کو حنفی، امام شافعی کی تقلید کرنے والے کو شافعی، امام مالک کی تقلید کرنے والے کو مالکی، امام احمد ابن حنبل کی تقلید کرنے والے کو حنبلی کہتے ہیں۔ یہ وہ چار ائمہ مذاہب ہیں جن کی پیروی و تقلید کرنے والے سوا اعظم اہل سنت و جماعت ہیں اور یہی فرقہ ناجیہ ہے۔ اس کے علاوہ فرقے جہنمی ہیں۔

علامہ سید احمد طحاوی فرماتے ہیں :

و هذه الطائفة الناجية قد اجتمعت اليوم في مذاهب اربعة وهم الحنفيون و المالكيون و الشافعيون و الحنبلون و رحمهم الله و من كان خارجا عن هذه الاربعة في هذا الزمان فهو من اهل البدعة و النار. (۱۶)

”اور یہ فرقہ ناجیہ فی زماننا چار مذاہب میں جمع ہو گیا ہے جنہیں حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی کے نام سے جانا جاتا ہے تو جو اس زمانے میں ان چاروں میں سے کسی کی تقلید نہ کرے وہ بدعتی اور جہنمی ہے۔“

(۲) مجتہد فی المذہب / مجتہد مطلق غیر مستقل :- یہ وہ مجتہد مطلق ہیں جو اصول و قواعد میں مجتہد فی الشرع کی تقلید کرتے ہیں اور فروعی مسائل میں خود استنباط و استخراج پر قدرت رکھتے ہیں، کسی کی تقلید نہیں کرتے، فروعی مسائل میں اپنے استاذ کے مقررہ قواعد کی روشنی میں احکام کا استخراج فرماتے ہیں۔ جیسے قاضی الشرق والغرب حضرت امام ابی یوسف رحمۃ اللہ علیہ (۱۸۳ھ) حضرت امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۱۸۹ھ) حضرت عبداللہ ابن مبارک (۱۸۱ھ) و جملہ تلامذہ امام

ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو معتقدین اصحاب حنفیہ کہلاتے ہیں۔

(۳) مجتہد فی المسائل :- یہ وہ حضرات ہیں جو اصول و فروع دونوں میں اپنے امام کے مقلد ہوتے ہیں اور اصول و فروع کسی میں امام کی مخالفت کی طاقت نہیں رکھتے اور وہ مسائل جن میں امام سے کوئی صریح روایت نہیں ان کا استنباط اپنے امام کے اصول موضوعہ اور مسائل مستخرجہ کو سامنے رکھتے ہوئے کرتے ہیں۔

اس میں اکابر متاخرین حنفیہ کا طبقہ ہے جیسے ابوبکر احمد خضاف (۲۶۱ھ) امام ابو جعفر طحاوی (۲۲۱ھ) ابوالحسن کرخی (۳۳۰ھ) شمس الامتہ طحاوی (۳۵۶ھ) شمس الامتہ سرخسی (۳۸۳ھ) فخر الاسلام بزوی (۳۸۲ھ) فخر الدین قاضی خان (۵۹۲ھ) وغیرہم۔

(۴) اصحاب تخریج :- جو اجتہاد و استنباط مستقل کی قدرت تو نہیں رکھتے یہاں تک کہ امام کے غیر مصرح مسائل کو بھی اصول موضوعہ اور مسائل مستخرجہ سے معلوم کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ البتہ امام کے قول مجمل کی تفصیل اور قول محتمل کی تعیین اپنی فہم و رائے سے کرنے کی قدرت رکھتے ہیں۔ جیسے ابوبکر رازی البصاص (۳۷۰ھ) اور ان کے ہم رتبہ فقہاء علیہم الرحمۃ والرضوان۔

(۵) اصحاب ترجیح :- یہ وہ حضرات ہیں جو فقہات میں اصحاب تخریج کی بہ نسبت کم درجے کے حامل ہیں، یہ حضرات اپنے امام سے منقول چند روایات میں سے بعض کو ترجیح دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ مثلاً وہ کہتے ہیں : هذا أولى، هذا أصح رواية. هذا أوضح، هذا أوفق للقياس، هذا أوفق للناس، جیسے ابوالحسن قدوری (۴۲۸ھ) علامہ برہان الدین مرغینانی صاحب حدادیہ (۵۹۳ھ) وغیرہما۔

(۶) اصحاب تمیز :- یہ وہ حضرات ہیں جو ظاہر الروایۃ، ظاہر مذہب اور روایت نادرہ میں فرق کرنے کی قدرت رکھتے ہیں۔ اسی طرح قول ضعیف اور قول قوی اور اقویٰ میں امتیاز کر سکتے ہیں۔ نیز مقبول و مردود اقوال میں فرق کر سکتے ہیں جیسے اصحاب متون معتبرہ جیسے صاحب کتر عبداللہ ابن احمد شافعی (۷۰۱ھ) صاحب مختار عبداللہ ابن محمود موصلی (۸۳۷ھ) وغیرہما۔

راقم نے فقہاء کے درج بالا طبقات کی مختصر تفصیل خاتم الفقہاء علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۵۲ھ) کے مقدمہ شامی

- ”شرح عقود رسم المفتی“ سے اخذ کی ہے۔ بعض علماء نے بعض حضرات مجتہدین کو ان کے مراتب عالیہ کے پیش نظر نیچے درجہ کے بجائے اوپر درجہ میں شامل فرمایا ہے جس پر بحث و گفتگو کی گنجائش ہے لیکن اختصار کی خاطر میں نے صرف علامہ شامی کی تصریح ذکر کی۔
- اس طرح علامہ شامی نے ایسے مقلدین کو فقہاء کے ساتویں طبقہ میں شمار فرمایا جن کے اندر اجتہاد کی صلاحیت نہ ہو، وہ صرف نقل اقوال سے فرماتے ہوں چوں کہ ہم نے مجتہدین کے طبقات کا عنوان دیا ہے اس لئے اس طبقہ کا خصوصی ذکر نہیں کیا، بعض حضرات نے طبقہ فقہاء کی تعداد پانچ بھی بتائی ہے جس سے ان کی مراد ایسے فقہاء ہیں جو اجتہاد مطلق کے درجہ پر فائز نہیں اور اصحاب تمیز کے درجہ سے کمتر درجہ میں نہیں۔

ماخذ و مراجع

- (۱) تاج العرویں جلد دوم، ص: ۳۳۰، لایا ماحب الدین محمد مرتضیٰ الحسین الواسطی اصفیٰ
- (۲) لسان العرب لایا ماحب علامہ ابن منظور ۶۳۰ھ - ۷۱۱ھ ص: ۳۹۶ ج ۲
- (۳) فتاویٰ الرحمن ج ۲، ص: ۳۰۴ - مطبوعہ بیروت
- (۴) عامہ لغت
- (۵) نور الانوار، ص: ۲۸۸، باب القیاس
- (۶) فصول الجواشی، ص: ۳۱، باب القیاس
- (۷) مشکوٰۃ، ص: ۳۲۲، باب العمل فی القضاء
- (۸) نسائی، ج ۲، ص: ۲۵۹، کتاب آداب القضاء
- (۹) ترمذی ابو داؤد و نسائی، واری
- (۱۰) نسائی، ج ۲، ص: ۳۰۷، کتاب الزکاح
- (۱۱) ابو داؤد و نسائی، ص: ۲۸۸، کتاب الزکاح، ترمذی، ج ۱، ص: ۱۳۶، باب الزکاح و ابواب الرضاع مطبوعہ مجلس برکات مبارک پور
- (۱۲) نسائی، ج ۲، ص: ۲۶۰، کتاب آداب القضاء
- (۱۳) نور الانوار، ص: ۲۵۰، فتاویٰ الرحمن
- (۱۴) فتاویٰ الرحمن، نور الانوار
- (۱۵) مشکوٰۃ بحوالہ بخاری و مسلم، ص: ۳۲۳، باب العمل فی القضاء
- (۱۶) حاشیہ الطحاوی علی الدرر ج ۲، ص: ۱۵۳

مولانا حج و زیارت ٹورز، آکولہ

تجربہ کار عالم دین کی رہنمائی میں صحیح ارکان کی ادائیگی کے ساتھ حج و عمرہ کی سعادت حاصل کرنے کے لیے رابطہ کریں۔

بکنگ و دیگر معلومات کے لیے رابطہ کا پتہ

مولانا عقیل احمد مصباحی

خطیب و امام: کچھی مسجد، آکولہ (مہاراشٹر) فون: 072-43297060 موبائل: 0923650021

عقائد، تصوف اور اصلاح معاشرہ پر مشتمل علمائے اہل سنت کی تمام کتابیں، قرآن پاک سادہ و ترجمہ اعلیٰ حضرت

نیز بریلی شریف کے تبرکات حاصل کرنے کا واحد مرکز

نوری کتب خانہ

دکان نمبر ۱ کچھی مسجد، محمد علی چوک، آکولہ (مہاراشٹر)

فون: 072-43297060 موبائل: 0923650021

عہد رسالت میں اجتہاد کا وجود

ابھی یہاں تک کہ مستقبل میں پیدا ہونے والے مسائل میں انہوں نے مسلمانوں کو مستقل اجتہاد سے مستغنی بھی کر دیا، لیکن یہ سمجھنا کہ عہد رسالت میں اجتہاد کی کسی اعتبار سے نہ ضرورت تھی نہ ہی اجتہاد ہوا صرف ایک تخمینی خیال ہے واقعہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

ہاں! اس موقع پر یہ سوال ہو سکتا ہے کہ اجتہاد و قیاس کے لیے کتاب و سنت کی بھرپور معرفت ایک بنیادی شرط ہے ”مسلم الثبوت“ میں ہے:

”شرائط الاجتهاد معرفة الكتاب متنا ومعنى وحكما ومعرفة السنة معنى وسندا“ الخ (طوابع الرحمت، ص ۶۰۳) یعنی کتاب اللہ کی عبارت و معنی اور حکم کا جاننا نیز احادیث رسول کے معنی و سند کا جاننا اجتہاد کے شرائط میں سے ہے، تا کہ مجتہد کا اجتہاد کسی حکم منصوص کے خلاف نہ ہو، لہذا زمانہ رسالت میں اجتہاد کی گنجائش نہیں ہونی چاہیے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بنفس نفیس تشریف فرما ہونا بمنزلہ نص ہے کہ تمام احکام شرع کا حل آپ سے حاصل ہو سکتا تھا تو اگر آپ کے ہوتے ہوئے قیاس یا اجتہاد کی اجازت دی جائے تو ایک بڑا فساد یہ لازم آئے گا کہ معرفت احکام کے قریب تر اور قوی ترین ذریعہ کو چھوڑ کر کسی ایسے طریقہ کا اختیار دیا جا رہا ہے جس میں احتمال خطا بھی موجود ہے۔

اس سوال پر معمولی غور کے بعد بھی یہ حقیقت کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ عہد رسالت میں اجتہاد کی اجازت دینے میں اس خرابی کا احتمال تو اس وقت ہوتا جب کہ احتمال خطا باقی رہ جاتا اور یہ بات قرین قیاس نہیں ہے کہ وحی کا سلسلہ جاری ہو اور خطائے اجتہاد پر تنبیہ نہ کی جائے۔

علاوہ ازیں وحی معرفت احکام کیلئے قوی ترین ذریعہ اسی وقت ہے جبکہ معرفت وحی کا موقع ہو اور حکم دریافت کرنے والے صحابی بارگاہ رسالت میں حاضر ہوں، لیکن اگر صحابی بارگاہ رسالت سے اتنی بعید مسافت پر ہوں کہ مسئلہ دریافت کرنے کا انہیں موقع ہی نہ ملے تو ان

کلام الہی اور احادیث نبویہ کی روشنی میں ائمہ مجتہدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا قیاس و اجتہاد فرمانا ایک اجماعی مسئلہ ہے، لیکن اسے باطل قرار دینا اور بدعت سینہ و گمراہی ٹھہرانا ایسے لوگوں کا شیوہ ہے جو ابن تیمیہ اور ابن قیم جیسے لوگوں کے اقوال پر ایسا عقیدہ رکھتے ہیں اور ایسی اندھی تقلید کرتے ہیں گویا ان کے نزدیک ان کے اقوال کے نصوص قطعہ کا درجہ رکھتے ہیں، بلکہ بسا اوقات ان کے اقوال کے مقابل نص قطعی کو بھی رد کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔ یہ لوگ سیدھے سادھے، کم علم، صحیح العقیدہ مسلمانوں کو پرہکانے اور دغلانے کے لیے اس کذب و افتراء سے ذرہ برابر بھی نہیں شرماتے کہ ائمہ مجتہدین کا اجتہاد بدعت و بے اصل ہے، قرآن و سنت سے نہ اس کی اجازت ہے اور نہ ہی عہد رسالت و عہد صحابہ میں اس کی کوئی نظیر ملتی ہے۔ غیر مقلدین کے اس دعوے کی قلعی کھولنے کے لیے نیز صحیح العقیدہ مسلمانوں کے اطمینان قلبی اور عقیدہ کے استحکام و ثبات کی خاطر یہاں ہم دلائل و براہین سے ثابت کریں گے کہ عہد رسالت میں بھی بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اجتہاد کی اجازت تھی اور انہوں نے بوقت ضرورت اجتہاد و قیاس فرمایا، جس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سرزنش فرمانے یا ناپارہنگی ظاہر کرنے کی بجائے تائید و تصویب فرمائی اور خطا واقع ہونے کی صورت میں اس کی نشاندہی فرمائی اور صحابہ کرام کو اجتہاد سے قطعاً منع نہ فرمایا۔

عام طور سے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اجتہاد و قیاس کی ابتدا عہد رسالت کے بعد ہوئی ہے، عہد رسالت میں نہ اجتہاد ہوتا تھا نہ ہی اجتہاد کی ضرورت تھی، کیونکہ وہ نزول وحی کا دور تھا اور صحابہ کرام تمام تر احکام و مسائل کو کتاب اللہ اور احادیث کی تصریحات سے جان لیتے تھے تو انہیں قیاس و اجتہاد کی ضرورت ہی کیا تھی۔

یہ خیال اس حد تک تو صحیح ہے کہ اجتہاد کی ضرورت عہد رسالت کے بعد ہوئی اور اہل اجتہاد نے اس منصب کو باقاعدہ عہدہ طور پر نبھایا

کے لئے قوی ترین اور قریب تر وسیلہ معرفت قیاس واجتہاد ہی ہے اور احتمالی خطا بھی مضرت نہیں۔

یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ عہد رسالت کے اجتہادات میں احتمال فساد سے تحفظ کے ساتھ ہی ساتھ صحابہ کرام کی اجتہادی تربیت کا عظیم فائدہ بھی مضمر ہے جس کے نتیجے میں فقہ کا مستقبل نہایت تابناک ہو گیا اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاحب لیاقت صحابہ کرام کو مخصوص حالات میں اجتہاد کی اجازت دے رکھی تھی چنانچہ حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو صراحتاً اجازت تفویض فرمائی (اصول السرخسی ج: ۲، ص: ۱۳۰)

اجتہاد صحابہ: ہماری معلومات کے مطابق صحابہ کرام کی اجتہادی تربیت تین حصوں میں تقسیم کر دی گئی تھی (الف) مشاورت (ب) اجتہاد بوقت ضرورت۔ (ج) انصوص احکام کی تاویل۔

ان میں سے ہر ایک کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے:

(الف) مشاورت: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اصحاب رائے صحابہ سے بعض ایسے امور میں مشورہ فرماتے تھے جن سے حکم شرع بھی متعلق ہوتا تھا۔ قرآن حکیم میں اس مشاورت کا حکم اس طرح دیا گیا، و مشاور ہم فی الامر قرآن حکیم کا یہ حکم اس بات کی دلیل ہے کہ بوقت مشاورت صحابہ کرام کو اپنے قیاس واجتہاد کی روشنی میں مشورہ دینے کا پورا حق حاصل تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ ان مشوروں میں سے کسی ایک ہی کو ترجیح دے کر ماسوا کو خطایا غیر اولی قرار دے دیا جاتا۔

چنانچہ بدر کے قیدیوں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے دریافت فرمایا کہ ان قیدیوں کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ آپ کی قوم و قبیلہ کے لوگ ہیں میری رائے میں انہیں فدیہ لیکر چھوڑ دیا جائے اس سے مسلمانوں کو قوت بھی پہنچے گی اور کیا عجب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو اسلام نصیب کرے۔ حضرت عمر سے دریافت فرمایا کہ تمہاری کیا رائے ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ نہیں! قسم اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں میری وہ رائے نہیں جو ابوبکر کی ہے، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کفر کے سردار اور سر پرست ہیں، میری رائے یہ ہے کہ آپ ان پر ہمیں مقرر فرمائیں، تو علی کو عقیل پر مسلط فرمائیں کہ وہ اس

کی گردن ماریں اور مجھے میرے فلاں رشتہ دار پر مقرر فرمائیں کہ میں اس کی گردن مار دوں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق کا قول پسند فرمایا یعنی فدیہ ہی لینے کی بات طے پائی اور جب فدیہ لیا گیا تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

‘ماکان لنسبی ان یکسون لہ اُسری حتی یبشحن فی الارض’ (الحی قوله تعالیٰ) حلالا طیباً۔ (الانفال: ۶۷)

کسی نئی کو لائق نہیں کہ کافروں کو زندہ قید کرے جب تک زمین میں ان کا خون خوب نہ بہاے۔

یونہی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ جب مسلمان مدینہ طیبہ آئے تو جمع ہو کر نماز کا اندازہ لگا لیتے تھے، نمازوں کی اذان نہیں دی جاتی تھی، ایک دن صحابہ کرام نے اس سلسلہ میں مشورہ کیا بعض نے کہا کہ عیسائیوں کے ناقوس کی طرح ناقوس بنا لو، بعض نے کہا کہ یہود کے بگل کے مثل بگل بناؤ، تب حضرت عمر نے فرمایا کہ کسی کو نماز کی منادی کرنے کے لیے کیوں نہیں مقرر کر رہے ہو؟ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یا بطلال قم فناد بالصلوة۔ (بخاری ج: ۱ ص: ۸۵/مسلم، ج: ۱ ص: ۱۶۳)

اس مشاورت میں حضرت عمر نے اپنے اجتہاد سے یہود و نصاریٰ کا طریقہ اعلان اختیار کرنا پسند فرمایا اور اعلان نماز کا مشورہ بھی اپنے اجتہاد سے دیا، پھر حضور نے اسے پسند بھی فرمایا۔

(ب) اجتہاد بوقت ضرورت: صحابہ کرام کو کسی سفر میں یا کسی اور جگہ جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما نہ ہوتے فوری اجتہاد کی ضرورت پیش آتی کیونکہ بعد مسافت اور حکم کی بخلت کی وجہ سے انہیں فوراً دربار رسالت سے مراہضت کا موقع نہ مل پاتا تھا اس لیے صحابہ کرام کو ایسے مواقع پر اجتہاد کی اجازت تھی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن کا والی اور قاضی مقرر کرتے وقت ارشاد فرمایا:

”کیف تقضی اذا عرض لک قضاء قال اقضی بکتاب اللہ قال فان لم تجد فی کتاب اللہ قال بسنة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فان لم تجد فی سنة رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال اجتهد برائی

کے ساتھ پیش قدمی کرنے کا اشارہ و کنایہ ہے۔

اس اختلاف پر مطلع ہونے کے بعد سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کی بھی ملامت نہیں فرمائی، یہ اس پر دلیل ہے کہ مجتہد پر کوئی گناہ نہیں، خواہ مصیب ہو یا خاطی، بلکہ ان دونوں اجتہادات میں سے کسی ایک کا انکار نہ فرمانا اس بات کی بھی دلیل ہے کہ مجتہد کو اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کرنا واجب ہے، اگرچہ اس کے اجتہاد میں خطا واقع ہو، کیونکہ قاعدہ کے مطابق اس موقع کے دونوں اجتہادوں میں سے ضرور ایک ہی صواب ہوگا اور دوسرا خطا، مگر چونکہ یہ حکم مخصوص موقع ہی کے لیے تھا اور وہ موقع باقی نہ رہا اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کی خطا سے اجتہادی کا اظہار بھی ضروری نہ سمجھا، لہذا یہاں اس سوال کی گنجائش نہیں کہ حضور نے کسی کی خطا کا اظہار کیوں نہ کیا؟

(۲) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ”دو شخص سفر میں گئے، نماز کا وقت آگیا اور ان کے پاس پانی بھی نہ تھا، لہذا انہوں نے پاک مٹی سے تیمم کر کے نماز ادا کر لی پھر وقت ہی میں پانی دستیاب ہو گیا تو ان میں سے ایک نے وضو کر کے نماز کا اعادہ کر لیا، اور دوسرے نے اعادہ نہیں کیا، پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر یہ ماجرا ذکر کیا، تو جنہوں نے وضو کر کے اعادہ نہیں کیا تھا ان سے آپ نے فرمایا ”أصبحت السنة واجزأتک صلا تک“ تو نے سنت پالی اور تیری نماز صحیح رہی، اور جن صاحب نے وضو کر کے نماز کا اعادہ کر لیا تھا ان سے فرمایا ”لک الاجر صرتین“ تجھے دو ہزار ثواب ہے۔

اس حدیث میں ایک صحابی نے یہ اجتہاد کیا کہ تیمم کر کے نماز ادا کر لینے کے بعد وقت ہی میں پانی مل جانے پر وضو کر کے اعادہ نہیں ہے، کیونکہ آیت تیمم مطلق ہے، اس میں بعد ادا کے صلاۃ پانی ملنے یا نہ ملنے کی کوئی شرط نہیں ہے۔

دوسرے صحابی کو یہ شبہ ہوا کہ ”تیمم کا جواز پانی نہ ملنے کی صورت میں ہے“ گو اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ پورے وقت میں پانی ملنا معتذر ہونے کی صورت میں تیمم ہے، اس لیے تقاضائے احتیاط یہی ہے کہ نماز کا اعادہ کر لیا جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اول کی تصویب کے ساتھ دوسرے کو بھی سراہا، اس سے یہ معلوم ہوا کہ مجتہد کو جب دلیل سے واضح

والا الوقال فضررب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صدری وقال الحمد لله الذی وفق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔“

(ترمذی، ج: ۱، ص ۱۵۹، باب ما جاء فی القاضی کیف یقضی لہذا ص: ۱۶۰ باب الاجتہاد)

جب تمہارے پاس کوئی مقدمہ آئے گا تو کس طرح فیصلہ کرو گے؟ انہوں نے کہا، کتاب اللہ سے، فرمایا اگر کتاب اللہ میں نہ پاؤ تو، عرض کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے، فرمایا اگر سنت میں بھی نہ پاؤ تو، عرض کیا کہ اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور اس میں غفلت کو دخل نہ دوں گا، ”معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (بطور تحسین) میرے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے کہ جس نے رسول اللہ کے قاصد کو وہ توفیق دی جس سے اللہ کا رسول راضی ہے۔

اب ذیل میں بوقت ضرورت صحابہ کرام کے اجتہاد کی چند نظیریں پیش کرتے ہیں۔

(۱) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ غزوۂ احزاب کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی بھی نماز عصر نہ پڑھے مگر قیلۃ بنی قریظہ میں، تو ابھی راستہ ہی میں تھے کہ وقت عصر ہو گیا، ان میں سے بعض نے کہا کہ ہم بنی قریظہ ہی میں پہنچ کر نماز پڑھیں گے، بعض نے کہا کہ ہم یہیں نماز پڑھیں گے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ نہیں تھی کہ بنی قریظہ سے پہلے اگر وقت آجائے تو بھی نہ پڑھنا، جب یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کی گئی تو آپ نے کسی کو بھی ملامت نہ کی۔

(بخاری، ج: ۳، ص: ۵۹۱، کتاب المغازی)

جن صحابہ کرام نے راستہ میں نماز نہیں پڑھی تھی، ان کا اجتہاد یہ تھا کہ یہاں ”نہی“ حقیقت پر محمول ہے، لہذا خروج وقت میں کوئی حرج نہیں اور وقت سے تاخیر کر کے نماز پڑھنے کی جو ”نہی“ وارد ہے وہ ”نہی اول“ ہے اور یہ ”نہی ثانی“ ہے اور ”نہی ثانی“ کو ”نہی اول“ پر ترجیح ہوتی ہے، گویا یہ نہی ایک مخصوص وقت کے لیے نسخ ہے اور وہ صحابہ کرام جنہوں نے راستہ ہی میں نماز عصر ادا کر لی تھی، ان کا اجتہاد یہ تھا کہ یہاں ”نہی“ حقیقت پر محمول نہیں ہے بلکہ بنی قریظہ کی جانب تیزی اور سرعت

ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بھی صحابہ کرام کا اجتہاد واقع ہے۔ (فتح الباری ج: ۱، ص: ۳۰۳)۔

(ج) نصوص احکام کی تاویل:- اجتہاد کی تعریف اس طرح کی

گئی ہے ”الاجتہاد بذل الطاقة من الفقیہ فی تحصیل حکم

شرعی ظنی (مسلم الثبوت مع فواتح الرحموت ۶۰۳)

یعنی حکم شرعی ظنی کی تحصیل میں فقیہ کا پوری کوشش کرنا اجتہاد ہے۔

اس تعریف سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ احکام شرعیہ کے تعلق

سے بعض نصوص قرآنیہ کی تاویل و تخصیص بھی اجتہاد ہی میں داخل ہے۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ عہد رسالت میں صحابہ کرام سے اس طرح

کے اجتہادات وقوع پذیر ہوئے ہیں یا نہیں؟

حالانکہ انہیں تفصیل و تاویل دریافت کرنے کے مواقع میسر تھے،

پھر بھی ان کے یہاں نصوص کی تاویلات کی مثالیں نظر آتی ہیں، اس کی

ایک وجہ یہ بھی تھی کہ انہیں کثرت سوال سے روک دیا گیا تھا، چنانچہ

ارشاد ربانی ہے ”یا ایہا الذین آمنوا لا تسئلوا من الشیاء ان

تبدلکم تسؤلکم“ اے ایمان والو! ایسی باتیں نہ پوچھو جو تم پر ظاہر کی

جائیں تو تمہیں بری لگیں۔

لہذا یہ حضرات وقت ضرورت تاویل و تخصیص وغیرہ میں اجتہاد کا

عمل جاری رکھتے تھے، اور اس کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ اجتہادی

صلاحیتوں کو بروئے کار لانے میں انہیں ملکہ حاصل ہو جائے اور اس کام

میں ان کی مکمل تربیت بھی ہو جائے۔ کیونکہ بعض تاویلات کی تصویب

بارگاہ رسالت سے ہو جاتی اور بعض کی خطا ظاہر کر دی جاتی اور بعض کو

اپنے حال پر چھوڑ دیا جاتا جو تصویب ہی کے زمرے میں آتی ہے۔

یہاں ذیل میں اب ہم صحابہ کرام سے احکام شرعیہ سے متعلق

تاویل نصوص کی چند مثالیں پیش کرتے ہیں، ان مثالوں سے یہ بھی

معلوم ہو جائے گا کہ نصوص قرآنیہ میں صحابہ کرام کی اجتہادی تاویلات

میں سے کس کو بارگاہ رسالت سے تصویب ملی اور کس کو خطا قرار دیا گیا۔

(۱) حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ”غزوہ

ذات سلاسل کی ایک سرورات میں مجھے احتلام ہو گیا، مجھے خوف ہوا

کہ کہیں غسل کرنے سے ہلاک نہ ہو جاؤں، لہذا تیمم کر کے اپنے

ساتھیوں کو نماز پڑھا دی۔ لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس

بات کا ذکر کیا۔

نتیجہ نہ ملے تو احتیاطی پہلو پر عمل کرے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ”مجہد کو اگر

دو ہرا کام کرنا پڑے تو دہرے اجر کا اس وجہ سے مستحق ہوا کہ اس نے

دونوں عمل ایک ہی نیت سے کیے تھے“ (لکل امری ماوئی“

(۳) حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں

”حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں ایک شخص

حاضر ہوا اور عرض کیا ”میں حالت جنابت میں پانی نہ پاؤں تو کیا

کروں؟ میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اے

امیر المؤمنین! کیا آپ کو یاد نہیں؟ کہ ہم اور آپ سفر میں تھے (اور ہم

دونوں کو جنابت لاحق ہوئی) آپ نے نماز نہیں پڑھی اور میں نے مٹی

میں خوب لوٹ لگائی پھر نماز ادا کر لی، میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا ”انما کان یکفیک

ہکذا فضرب النبی ﷺ بکفیک الارض و نفع فیہما ثم

مسح بہما وجہہ و کفیک“ تم کو اس طرح کافی تھا، پھر حضور نے

اپنے دونوں مبارک ہاتھ زمین پر مارے اور ان پر پھونک ماری پھر انہیں

منہ اور ہاتھ پر پھیر لیا (بخاری ج: ۱، ص: ۲۸، مسلم ج: ۱، ص: ۱۶۱، ابوداؤد ج: ۱، ص: ۵۳، ترمذی ج: ۱، ص: ۶۷)

اس حدیث سے واضح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد

مبارک میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین قیاس و اجتہاد

کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس گمان پر توقف کیا

کہ تیمم صرف وضو کا نائب ہے، جنابت کے لیے جائز نہیں، اور حضرت

عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے یہ قیاس فرمایا کہ وضو کے بدلے میں

وضو ہی کی ہیئت پر تیمم کا حکم ہے تو غسل کے بدلے میں غسل ہی کی

ہیئت پر تیمم ہوگا۔

لہذا اس بنیاد پر پورے جسم پر خاک مل لی۔ لیکن سرکار نے اس پر

سرزنش نہیں فرمائی۔ جس سے واضح و ظاہر ہے کہ مجہد کا اجتہاد اگر صواب

و درست نہ ہو، اسے ملامت نہ کی جائے گی اور اس اجتہاد پر عمل کرنے

سے اعادہ بھی لازم نہیں۔

(فتح الباری ج: ۱، ص: ۳۳، ابوداؤد لمعات ج: ۱، ص: ۲۶۳)

حدیث مذکور کی شرح میں امام ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں

”و استفاد من هذا الحديث وقوع اجتہاد الصحابة فی

زمان النبی صلی اللہ علیہ وسلم“ اس حدیث سے یہ استفاد ہوتا

جن لوگوں نے رضی صحابی کو غسل کا حکم دیا تھا انہوں نے آیت کریمہ **فلم تجدوا ماء فتيمموا صعيدا طيبا** (تم پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمم کرو) کا مطلب اپنے اجتہاد سے یہ اخذ کیا کہ آیت کے ظاہر الفاظ کا معنی یہ ہے کہ جواز تیمم کے لیے پانی کا نہ ملنا شرط ہے، اور جب تک پانی موجود ہے تو انہیں تیمم کی اجازت نہیں مل سکتی۔ اس اجتہاد کا حاصل یہ ہے کہ **لم تجدوا ماء** کا یہی معنی لیکر رضی صحابی کو غسل کا حکم دیا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تاویل کو رد فرمادیا کہ پانی نہ ہونے ہی کے ساتھ تیمم کا جواز خاص نہیں، بلکہ اگر پانی موجود ہو مگر استعمال میں ہلاکت یا مرض کا پورا خطرہ بھی ہے تو بھی تیمم جائز ہے۔

یعنی **لم تجدوا ماء** سے لغوی معنی مراد نہیں ہے پانی پر قدرت نہ ہونا مراد ہے خواہ اس کی وجہ یہ ہو کہ پانی مفقود ہے یا یہ کہ پانی کے استعمال سے شدت مرض یا ہلاکت کا خطرہ ہے۔ چنانچہ حضرت عمرو بن عاص نے بھی یہی سمجھا تھا اور حضور نے اپنے تیمم سے اس کی تائید بھی فرمادی تھی۔ صحابہ کرام سے اس قسم کے اجتہادات کی مثالیں حدیث کی کتابوں کو تلاش کرنے کے بعد وافر مقدار میں جمع کی جاسکتی ہیں۔

صحابہ کی اجتہادی تربیت کے ضمن میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ احادیث بھی پیش کی جاسکتی ہیں جن میں احکام شرع کا بیان اجتہاد کے انداز میں کیا گیا ہے اس سلسلہ میں دو حدیثیں بطور ثبوت ذکر کرتے ہیں۔

(۱) حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ قبیلہ جہینہ کی ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میری ماں نے حج کی نذر مانی تھی مگر وہ حج نہ کر سکی اور اس کا انتقال ہو گیا تو کیا میں اس کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟ تو سرکار نے فرمایا **”حجی عنها أرأيت لو كان على أمك دين أكت قاضية أقتوا الله فالله أحق بالوفاء“** اس کی جانب سے حج کرو بتاؤ کہ اگر تمہاری ماں پر کوئی قرض ہوتا تو کیا تم اسے ادا نہ کرتیں؟ تو اللہ کا فریضہ ادا کرو کہ (اوروں سے) ادائیگی میں اللہ کا حق ظاہر ہے۔ (بخاری شریف ج ۱ ص ۲۵۰)

حج بدل کی ادائیگی واجب ہونے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کو بطور نظیر ذکر فرمایا کہ جو کام اپنے ذمہ آئے اس کی ادائیگی

آپ نے فرمایا، اے عمرو! تم نے جنابت کی حالت میں اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھا دی؟ میں نے غسل نہ کرنے کا سبب بیان کیا، اور عرض پر داز ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی میں نے سنا ہے:

”ولا تقتلوا أنفسكم ان الله كان بكم رحيمًا“ (۲۹/۴) اپنی جانوں کو ہلاک مت کرو بیشک اللہ تم پر مہربان ہے۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خشک فرمایا اور کچھ کہا نہیں (ابوداؤد ج ۱ ص ۵۶) یعنی عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے آیت کریمہ **”ولا تقتلوا أنفسكم“**

کو عموم اطلاق پر جاری رکھ کر تیمم کا جواز اخذ کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس استنباط و اجتہاد کو رد نہ فرمایا بلکہ تسم فرمایا اور یہ استنباط و اجتہاد کے صحت کی تائید و تصویب ہے۔

اس حدیث سے بالکل واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ عہد رسالت میں اجتہاد جائز تھا جیسا کہ اس حدیث کی شرح میں امام ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: **”وفيه جواز الاجتهاد في زمن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم“** اور یہ حدیث دلائل کرتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اجتہاد جائز تھا۔

(۲) حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں گئے، تو ہم میں سے ایک شخص کو پتھر لگنے سے سر میں زخم ہو گیا، پھر اسے احتلام ہو گیا تو اس نے ساتھیوں سے دریافت کیا کہ کیا تم میرے لئے تیمم کی اجازت پاتے ہو؟ ان لوگوں نے کہا، تمہارے لئے تیمم کی اجازت نہیں پاتے، تم پانی پر قادر ہو۔ لہذا انہوں نے غسل کیا، جس کی وجہ سے ان کی وفات ہو گئی۔

جب ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ کو اس واقعہ کی خبر دی گئی۔ آپ نے فرمایا

”قتلوه قتلهم الله الا سئلوا اذا لم يعلموا فان شفاء لعى السؤال انما كان يكفيه ان يتيمم ويعصب على حرقه حرقه ثم يمسح عليها وغسل سائر جسده“

انہیں خدا غارت کرے، اسے انہوں نے مار دیا، جب جانتے نہ تھے تو پوچھ کیوں نہ لیا، کیونکہ بے علمی کا علاج پوچھ لینا ہی ہے، اسے تیمم لائی تھا اور اپنے زخم پر کپڑا لپیٹ کر اس پر ہاتھ پھیر لیتا اور باقی جسم صاف کرتا۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۵۶)

الزم ہوتی ہے جیسے لوگوں کا قرض تو اللہ کا جو قرض بند ہے پر ہے اس کی ادائیگی اور زیادہ اہم ہے۔

(۲) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں نے نشاط میں روزہ کی حالت میں بوسہ لے لیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری دی اور عرض کیا کہ آج مجھ سے ایک بہت بڑی بات ہو گئی ہے کہ روزہ کی حالت میں میں نے بوسہ لے لیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَرَأَيْتَ لَوْ تَمَضَّمْتُ بِمَاءٍ وَأَنْتَ صَائِمٌ فَقُلْتُ لَا بَأْسَ بِذَلِكَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقِيمَ. تم بتاؤ کہ اگر روزہ کی حالت میں پانی سے کلی کر لیتے تو کیا ہوتا میں نے عرض کیا اس میں کوئی حرج نہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو اس میں کیوں (حرج ہوگا) (طحاوی کتاب الصوم ج ۱ ص ۳۳۳) بوسہ کے مقصد صوم نہ ہونے پر پانی سے کلی کرنے کو بطور نظیر پیش فرمایا کہ جس طرح پانی سے کلی کرنا روزہ کے فساد کا سبب نہیں ہے اسی طرح منہ سے بوسہ لے لینا بھی مقصد صوم نہیں علت مشترکہ یہ ہے کہ

دونوں میں منافی صوم (کھانا پینا اور سماع) کا معنی نہ پایا گیا۔ کبھی کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیان نظائر کے ساتھ ساتھ احکام کا ذکر اسی لئے فرماتے تھے کہ باصلاحیت صحابہ کو نظائر و ملل کے ذریعہ اجتہاد کرنے کا طریقہ ہاتھ آ جائے، بارگاہ رسالت کی کامیاب ترین تربیت سے فیض یاب ہونے والے صحابہ کرام نے عہد رسالت کے بعد تمام نئے پیدا ہونے والے مسائل میں بے انکار تکبیر اجتہاد و قیاس سے کام لیا اور اپنے تلامذہ و اصحاب کو باصلاحیت اجتہاد کی تربیت بھی دی جس کا سلسلہ فقہ کی تدوین و تہذیب، تفصیل و تنویب اور اصول استنباط کے تعین تک پہنچا اور احکام شرع کے اصول و فروع کا عظیم ترین خزانہ اجتہاد ہی کی بدولت پردہ غیب سے منصف شہود پر آیا۔

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مقدس میں اجتہاد کی تربیت نہ دی گئی ہوتی تو اجتہاد کی شرعی راہیں متعین کرنا تقریباً معجزہ ہوتا بالفاظ دیگر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ عہد رسالت میں صحابہ کا اجتہاد کرنا اجتہاد کے دلیل شرعی ہونے کا علمی ثبوت بھی ہے اور بعد والوں کے لیے اجتہاد کے قواعد و شرائط کی قیمتی دستاویز بھی ہے۔ ☆☆☆☆

سرزمین گلبرگہ (دکن) سے اب جلد ہی شائع ہونے جا رہا ہے

ماہنامہ طلوع سحر گلبرگہ

- جس میں فکر اسلامی کی تعبیر و تشریح
- حالات حاضرہ پر تبصرہ و جائزہ
- اصلاح فکر و اعتقاد پر مشتمل تحریریں
- ادبی و شعری نگارشات و تحقیقات

اور بہت سے علمی، ادبی، سیاسی، سماجی اور تاریخی مضامین شامل ہوں گے

نوٹ: قانونی کارروائی کی جا رہی ہے، اس کے بعد بہت ہی جلد پابندی وقت کے ساتھ جاری ہو جائے گا۔ انشاء اللہ

ایڈیٹر: مولانا کاشف رضا مصباحی

صلاح کار: مولانا جاوید اختر مصباحی

رابطہ کا عارضی پتہ: المصباح کتاب گھر، درگاہ روڈ، گلبرگہ (کرنٹک)

فقہ و اصول کی تدوین کی طرف اہل علم کا التفات

اسلام جب حرا کی آغوش سے نکل کر پھیلا تو اس کی کرنوں نے نہاں خانہ دل روشن کر دیے۔ آفتاب رسالت کی موجودگی میں کسی فن کے حضور رزانوے ادب تہہ کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ وحی الوہیت اور نطق نبوت ہر مسئلہ کا شافی علاج تھی۔ البتہ دور دراز کے علاقوں میں تبلیغ اسلام کے لیے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دو صورتیں تجویز کی تھیں۔ کتاب و سنت سے براہ راست استفادہ یا پھر ان کی روشنی میں مسئلہ کا عقلی استنباط جس نے آگے چل کر اسلامی فنون بالخصوص فقہ و اصول کی تدوین کے لیے راہیں ہموار کیں۔

یہاں پر ایک سوال کٹھن ذہن پر ابھرتا ہے کہ کتاب و سنت کے ہوتے ہوئے فقہ و اصول کی تدوین اور ان کے قواعد کے انضباط کی ضرورت کیا ہے؟ قرآن حکیم میں ہر خشک و تر کا بیان ہے، سارے اصول و ضوابط موجود ہیں۔ قرآنی اصول کی جامع تشریحات احادیث مبارکہ میں مکمل طور سے ملتی ہیں۔ اللہ اور رسول نے ہر ہر قدم پر امت مسلمہ کو رہنما اصول دیے ہیں تو پھر ایک نئے فن کی تدوین اور اس کے ہاتھوں میں امت مسلمہ کی زمام دینے کی ضرورت کیا ہے؟ جلیل اللہ کے ہوتے ہوئے کسی عبقری کی نیاز مندی کا قلاوہ اپنی گردن میں کیوں ڈالا جائے؟ کتاب و سنت کے سرچشمہ شیریں کے ہوتے ہوئے کسی اور سمت رخ کرنے کا جواز کہاں پیدا ہوتا ہے؟ یہ سوالات ہماری ایمانی حس کے تقاضے ہو سکتے ہیں۔ ان کا واضح اور مفصل جواب کثیر صفحات اور وسیع اوقات چاہتا ہے۔ لیکن ذیل کی چند سطروں میں اس کی واجبی وضاحت ضرور پیش کی جائے گی۔

یہ جہان فطرتاً تغیر پذیر اور مائل بہ ارتقا ہے۔ کائنات کا یہ ارتقائی سفر اس وقت تک جاری رہے گا، جب تک اس کی قبائے وجود مکمل طور سے تار تار نہ ہو جائے۔ کل یوم فی شان (رب کائنات ہر دن ایک نئی شان سے جلوہ گر ہوتا ہے) کی جلوہ گری کائنات کے ذرے ذرے میں سمائی ہوئی ہے۔ جو سماں کل تھا، وہ آج نہیں، جو آج ہے وہ کل نہیں

رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منہرے اور بات دور کو دنیا نے جب الوداع کہا تو اسلام بجزو برکی و مسعول کو اپنی جہتوں سے ہم کنار کرنے کے لیے بے تاب تھا۔ جمش اسامہ کی رواغی سے عراق و ایران کی سرحدیں مملکت اسلام میں ضم کرنے کی طرح ڈالی۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گرامی دور خلافت تک خاصے مذاہب اسلام کی آغوش رحمت میں آ گئے۔ توسیع کا یہ سلسلہ دراز رہا اور عہد عباسیہ میں مسلم سلطنتیں ہر قابل رشک نعمت سے سرفراز ہو چکی تھیں۔

تہذیب و ثقافت کا انضمام اور ملک و قوم کے تادلے اپنے ساتھ بہت سے مسائل بھی لاتے ہیں اور مسائل بھی۔ مسائل و وسائل کے مجموعہ بہت سی طرفہ سامانیوں کا سرچشمہ ہوتے ہیں۔ زبان پر سان چڑھتی ہے، منت نے الفاظ درآدہ ہوتے ہیں، نئی تہذیبیں جنم لیتی ہیں، افکار نو کا نجوم ہوتا ہے، نئے نولے آداب و فنون سے آگاہی ہوتی ہے۔ نیا سماج، نئے لوگ، نیا ماحول، نیا انداز، سب کچھ نیا نیا سا، اس اچھوتے ماحول میں اسلام اور اہل اسلام کو جذب [Adjust] ہونے کے لیے فکر و عمل کے طور طریقوں میں خاص تر اش خراش کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ نئی ضرورت نئی اصطلاحات، نئے فنون، نئے علوم و آداب کی ایجاد و تدوین کی اصل محرک ہوتی ہے۔

اسلام دین فطرت ہے، اس لیے اس کے اصول و مبادی اور قوانین و آداب ہر قدم پر مزاج فطرت کا خاص خیال رکھتے ہیں، اسلام صرف ان پہلوؤں سے دامن کشاں گزرتا ہے، جن سے فطرت کا کچھ نہ کچھ آلودگیوں کا شکار ہوتا ہو۔ فطرت کی مثبت حوصلہ افزائی اور منفی گوشوں پر قدغن اسلام کا ایسا دلکش امتیاز ہے، جو اپنے آپ میں منفرد ہے، اسلام کائنات کی ہر خوبی کو اپنا سرمایہ سمجھتا ہے۔ الحکمة ضالۃ المومنین / الحکیم فحیث وجدھا فھو الحق بیھا (مشکوٰۃ، کتاب العلم، رواہ ابو ہریرہ) اسلام کی اسی کشادہ قلبی نے اسے آفاقی وحشی عطا کی ہیں۔

لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام
 دیناً (المائدہ: ۵) ترجمہ: آج کے دن میں نے تمہارا دین تمہارے
 لیے مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور تمہارے لیے دین اسلام کو
 منتخب کر لیا) کی مہر ثبت ملتی ہے۔ اس کے جتنے اصول و ضوابط تھے، مکمل
 ہو چکے، دین تکمیل کے مرحلے سے گزر چکا، کتاب و سنت کا لازوال
 سرچشمہ امت مسلمہ اور سعید دنیا کی پیاس بجھاتا رہے گا۔ ہر خشک و
 تر کتاب و سنت کی وسعتوں میں ساچکے۔ اب اس ضابطہ خالق کائنات
 میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکے گی۔ پھر قدرت کے ان اصولوں کا کیا ہوگا،
 جنہیں تبدیلیاں ہی راس آتی ہیں، یہ تغیر پذیر کائنات اسلام کے غیر
 متبدل اور اہل مزاج کا ساتھ کیسے دے سکے گی؟ آئے دن طوفانوں کی
 مانند جو مسائل امٹتے رہتے ہیں، ان کا کیا ہوگا؟ اسلام عرب سے
 نکل کر، بحر و بر کی وسعتوں میں پھیلے گا تو یہ بھانت بھانت کے سماج،
 بولیاں، روایتیں، رسمیں، تہذیبیں اسلام سے کس طرح مانوس ہوں گی۔
 کیا اسلام کائنات کی ان تمام رنگارنگیوں کو دفن کر دے گا یا انہیں بھی
 اپنے ساتھ لے کر چلے گا۔ نئے سماج، نئے وقت اور نئے حالات کی
 تبدیلیوں کو اسلام کی میزان پر کیوں کر تولی جاسکے گا۔ اگر مزاج اور
 ماحول کی ان تبدیلیوں کو نظر انداز کر دیا جائے تو دنیا اس کی تقدس مآب
 آغوش میں کیسے ساکے گی۔ اس طرح کے نہ جانے کتنے سوالات ہیں
 جو دماغ کی زیریں سطح پر ابھرتے رہتے ہیں۔ جبکہ اسلام ابدی اور لافانی
 مذہب ہے، اسے ہر زمانے کی قیادت کرنی ہے۔

غرض بے ثبات دنیا کی بوقلمونی، حالات کی رنگارنگی، زمانے کی
 تبدیلیاں فطرت کے تیکھے نقوش ہیں، جنہیں بہر صورت رونما ہونا ہے
 اور اسلام کی عالمگیر ابدیت بھی اپنی جگہ مسلم ہے۔ ایک مسلسل تغیرات کا
 خواہاں ہے اور دوسرا مکمل استقلال کا، دونوں قدرت کے بنائے ہوئے
 اصول ہیں، جن کی نہ تعلیل ہو سکتی ہے، نہ انہیں توڑا جاسکتا ہے۔ اسلام
 کے شاداب اور مستحکم اصول اور یہ نگار خانہ کائنات دونوں قیامت تک
 سدا بہار رہیں گے۔ پھر ان دونوں کو ہم آہنگ کرنے کی صورت کیا ہے؟
 اس خلیج کو پالنے، اس گپ (Gap) کو ختم کرنے اور ان دونوں مختلف
 جہتوں کو مانوس کرنے کی صرف ایک راہ ہے، جسے اجتہاد کہتے ہیں اور
 اسی نشان منزل کی توجہ کے لیے فقہ و اصول کی تدوین عمل میں آئی۔ بات
 ذرا مبہم سی رہ گئی۔ کتاب و سنت کے ارشادات سے اعتبار دیتے ہوئے

رہے گا۔ معاشرے کے دہرے دہرے وجود میں یہ تبدیلیاں اور
 ترقیاں بہت واضح انداز سے محسوس کی جاسکتی ہیں۔ یہاں تک کہ مظاہر
 فطرت جو ایک سے دیکھتے چلے آ رہے ہیں، ان کی جلوہ گری بھی ایک سی
 نہیں ہوتی۔ پورے سورج بظاہر اسی مشرق سے نکلتا ہے اور اسی مغرب
 میں ڈوبتا ہے۔ لیکن اہل علم جانتے ہیں کہ اس کی جائے طلوع ہر دن
 بدلتی رہتی ہے اور مقام غروب بھی ہر دن تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ سرد و گرم
 موسم، لمبی اور چھوٹی رتیں، سرد و نجوم اور بادلوں کی آنکھ بچولیاں، چاند اور
 سورج کی داغداریاں (گہن)، رتوں کی بھیکتی سوکھتی پٹلیں، حکومتوں
 کے بدلتے زاویے، ثقافتوں کے بتاؤ لے، سمنی پھیلتی سرحدیں، فطرت کا
 اصول درشتاں ہیں، قانون قدرت کا مزاج سمجھاتی ہیں، حرکت و عمل پر
 آمادہ رکھتی ہیں، زمانے کی سیدھی رفتار کا ساتھ دینے پر ہمیز کرتی ہیں۔
 یہ بتاتی ہیں کہ انجماد و قفل کا زندگی سے بھرپور اس شاداب ہنستی بولتی
 کائنات سے دور کا واسطہ نہیں۔ جو فطرت کا یہ مزاج نہیں سمجھے گا، اس کی
 گھومتی بدلتی تیز رفتار کا ساتھ نہیں دے گا، وہ پس منظر میں چلا جائے گا
 اور زمانہ اس سے دامن جھٹک کر بہت برق رفتاری سے آگے بڑھتا چلا
 جائے گا۔ چاہے وہ شخص ہو یا تحریک، مذہب ہو یا تمدن، علم ہو یا انداز
 عمل۔ اسلام جب دین فطرت ہے تو وہ فطرت کی ان رواں دواں
 تبدیلیوں اور تغیر آشنا مزاج سے دامن کش کیسے ہو سکتا ہے؟ اسلام تو
 قیامت تک اس دنیا کا ہدم و ہم ساز سدا بہار رہنما مذہب ہے، اس لیے
 اس کا انجماد و قفل سے بھلا کیا رابطہ ہو سکتا ہے؟ ہاں! اس کی اپنی ٹھوس، غیر
 متزلزل اور مستحکم بنیادیں ہیں، اس کا اپنا دلکش و پاکیزہ دائرہ کار ہے۔ وہ
 دنیا کے دامن میں نہیں سمٹتا بلکہ دنیا کو اپنی مقدس آغوش میں سمیٹتا ہے۔

اس تغیر مآب کائنات کے پس منظر میں اب دنیاوی اصول و
 قوانین کی حدیں، ماتحتیں اور کیفیتیں ملاحظہ کیجیے۔ کسی ملک کا قانون
 ہو، ہر نصف صدی کے بعد اس پر نظر ثانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ کئی
 دفعات نکالنی پڑتی ہیں۔ بہت سی شقیں داخل کرنی ہوتی ہیں اور کسی میں
 جزوی ترمیم (Amendment) جگہ پاتی ہے، حالات اور کیفیات
 کے منظر نامے جوں جوں تبدیل ہوتے ہیں، اصول و قوانین کے کیونوں
 بھی رخ بدلتے رہتے ہیں۔ قوانین کی یہ توسیعیاتی کیفیت ایسی روشن
 ہے کہ مزید وضاحت کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔

اب اسلام کے قانونی رخ کو دیکھتے ہیں تو اس پر الیوم اکملت

اسی کی مختصر وضاحت پیش ہوتی ہے۔

نہیں ہو سکتیں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مبارک بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے علم کے دو برتن حاصل کیے ہیں، ایک کو بیان کرتا ہوں، اگر دوسرا بیان کروں، تو میرا یہ گلا کاٹ دیا جائے۔ (بخاری شریف ۱/۲۳۳) ارشادات نبوت کی تعلیم کے لیے ان نفوس قدسیہ کی تشریحات مطلوب ہیں، جن کی پر نور نگاہیں جمال نبوت کے دیدار سے جگمگ جگمگ کرتی ہیں، جن کے دل انوار نبوت سے روشن روشن ہیں، جن کی سماعتیں الفاظ نبوت کی لذت چشیدہ ہیں، جنہوں نے براہ راست مہبط وحی سے وحی ناطق اور غیر ناطق کو سنا، سمجھا اور دل میں بسایا ہے، جو بارگاہ رسالت کے مزاج شناس تھے، اگر حضرات صحابہ کی رہنمائی کے بغیر کوئی احادیث کے سرچشمے سے فیض اٹھانا چاہے تو تھوکریں اس کا مقدر ہیں۔ کیوں کہ اہل محفل ہی میر محفل سے مکاحقہ، واقفیت رکھتے ہیں، یونہی افکار صحابہ کے ذخائر ان کے حاضر باش، حضرات تابعین کے توسط سے سمجھیں۔

کوئی بھی قانون ایسا جامع نہیں ہو سکتا کہ وہ ایک دوسرے کے سارے حالات و معاملات، وسائل و مسائل کا حکم واضح کر سکے، چہ جائیکہ وہ سارے زمانوں کے حالات اور معاملات کا احاطہ کر سکے۔ قانون، ہمیشہ ایک کسوٹی ہوتا ہے، حالات اور معاملات کو اس پر پیش کر کے پرکھا جاتا ہے، اس پیش کش اور اس کے نفاذ کے لیے کارپردازان قانون کو فکر و تدبیر اور سلیقہ مندی سے کام لینا پڑتا ہے۔ قانون کی سطح عموماً سہل ہوتی ہے۔ لیکن وہی قانون دیرپا اور رائج ہو پاتا ہے، جس کے اندر Flexibility ہوتی ہے اور زمانے کے مزاج کو ایک حد تک ملحوظ رکھتے ہوئے اس کے نفاذ کی کوشش کی جاتی ہے۔ بے لوج اور کرجت، ایک رخ مزاج رکھنے والا قانون یا قواعد نوٹ جاتا ہے یا پھر اسے توڑ دیا جاتا ہے۔ اسلام ابدی اور لازوال مذہب ہے اور قیامت تک کے درد مندوں کا چارہ ساز، اس لیے اس کے سارے اصول فطرت سے ہم آہنگ اور اس کے مزاج کا خاصا خیال رکھتے ہیں، ان میں نرم خوئی، چک داری اور ہر حال اور ماحول میں ضم (Adjust) ہونے کی بھرپور صلاحیت موجود ہے، ان میں بے تکاپن اور کرجتگی نہیں ہے۔ لیکن اسے ہر حال، ماحول اور زمانے کے تقاضوں سے ہم آہنگ کر کے نافذ کرنے کے لیے اعلیٰ اسلامی شعور کی ضرورت ہے، جو ان جامع اصولوں اور زمانے کے تقاضوں سے ہم آہنگ کر کے نافذ کرنے کے لیے اعلیٰ

کتاب اللہ میں یقیناً ساری چیزوں کا بیان ہے لیکن اس کے اصول جامع، مختصر اور گہرے گہرے ہیں، جن تک ہم آپ تو کجا حضرات صحابہ بھی رسول محتشم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بیان فرمودہ تشریح کیلئے تھے۔ سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سورہ بقرہ کی تحسیم دھائی سال میں حضور سے مکمل فرمائی۔ تکمیل کے بعد خوشی میں عذاب کی شاندار ضیافت کا اہتمام فرمایا۔ حضرت فاروق اعظم خود فصیح عرب تھے، انہیں قرآنی متن کو سمجھنے کے لیے کسی کے تعاون کی ضرورت نہ لگتی تھی، پھر آپ حضور سے دھائی سال دھائی پارے کی تعلیم میں کیا سیکھے رہے، کیا صرف لفظوں کے معانی؟ نہیں بلکہ وہ اسرار قرآنی اور رموز بانی جو نور الہی سے روشن دلوں کو عطا ہوتے ہیں، انہیں اسرار کے گہرے قرآنی سمندر کی نشاندہی یہ حدیث پاک فرماتی ہے کہ اگر سارے سمندر روشنائی اور سارے درخت قلم بنا دیے جائیں اور ان سے قرآن حکیم کے اسرار و عجائب قلم بند ہوں پھر بھی وہ ختم نہ ہوں گے۔ قرآن حکیم کا معاملہ صرف متن کے ظاہری رخ تک محدود ہوتا تو پھر ان کے ثبات الٰہیہ کیسے ہو سکتے تھے۔ قرآن حکیم اسرار و معانی کا نا بیدا کرنا سمندر ہے، جس کی شکاری ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ اس کے لیے ایک مخصوص معیار کا علم، نور الہی سے روشن سینہ، مشکوٰۃ نبوت کی ہر بخش ضیاءوں سے ستیزی اور خاص کر توفیق الہی سے سرفرازی ضروری ہے، جسکی وہ قرآن میں چھپے کائنات اور ماورائے کائنات کے اسرار دریافت کر سکتا ہے۔ یہ معیار فقہائے صحابہ کو حاصل تھا، ارشادات نبوت کے قیمتی خزانوں کے امین ہیں، اسی لیے اسلام کا یہ مسلم اصول ہے کہ قرآن حکیم کو صرف متن قرآن اور لفظوں کی پرکھ سے نہیں سمجھا جاسکتا۔ اس کے لیے احادیث مبارکہ کی پر نور رہنمائی ضروری ہے۔ اس کے بغیر جو قرآن کو سمجھنا چاہے، مگر یہی اس کا مقدر ہے۔

اب احادیث مبارکہ کی معنوی گہرائی کی سمت توجہ کی جائے تو اس پر ارشاد رسالت جگمگاتا نظر آتا ہے: اوتینت بسجوامع حکم۔ مجھے مختصر اور جامع کلمات کا مجوزہ عطا کیا گیا۔ مجوزہ وہی چیز ہے جو مافوق الفطرت ہو، جو دوسروں کا مقدور نہ ہو، جسے حضور نے امتیاز پیش فرمایا ہو۔ اس کا صاف مطلب ہے کہ حضور کے ارشادات معانی و مفاتیح کی گہری تہیں رکھتے ہیں، جو بیک رنگہ منکشف

کے سبب وہ امت کے لیے آسانی کا سبب بنتے ہیں، اس لیے امت مسلمہ میں انہیں ایک خصوصی امتیاز نصیب ہوتا ہے اور اس کی بدولت وہ اسلامی قائد، رہنما، امام اور قابل اقتداء شخصیت بناتے ہیں اور یہ بات بالکل ظاہری ہے کہ امتیازات چاہے وہ جس رخ کے ہوں، بہر طور قابل تقلید و احترام ہوتے ہیں اور ایسے افراد قبول عام سے بہر طور سرفراز ہوتے ہیں۔ اس لیے ائمہ مجتہدین کی تقلید کو دین سے جدا کسی فکر کی پیروی سمجھنا عقل و فہم کا دیوالیہ پن ہے۔ حضرات ائمہ جیسے افراد تو امت مسلمہ کا انتخاب ہوتے ہیں اور قرآن حکیم کے ارشاد کی روشنی میں امت کے رہنما، ارشاد دہانی ہے:

فلو لا نفر من کل فرقتهم طائفة لیتفقہوا فی الدین و لیسذروا قومہم اذارجعوا الیہم لعلہم یحذرون (التوبة: ۱۲۲) تو کیونہ ہو کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور واپس آ کر اپنی قوم کو ڈرسان، اس امید پر کہ وہ بچیں۔ ایسے فقیہ افراد کو قرآن حکیم نے قائدانہ منصب عطا کیا ہے۔

احادیث مبارکہ میں ایسی خوبیوں والے افراد کو بہت سراہا گیا ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من یؤد اللہ بہ خیر ینفقہ فی الدین (مشکوٰۃ کتاب العلم) جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے، اسے دین کی سمجھ اور فقاہت عطا کر دیتا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے: نعم الرجل الفقیہ فی الدین ان احتجج الیہ نفع و ان استغنی عنہ اغنی نفسہ۔ کتنا اچھا ہے وہ شخص جو دین کا فقیہ ہو، اگر کوئی اس کے پاس دینی حاجت لے کر حاضر ہو تو وہ اس کی مدد کرے اور اگر اس سے دنیا بے نیازی کا معاملہ رکھے تو وہ بھی اپنے آپ کو بے نیاز بنالے۔ تیسری حدیث پاک میں ہے: فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد (رواہ ابن عباس مشکوٰۃ، العلم) ایک فقیہ شیطان کی جان پر ہزار عابد سے زیادہ گرانبار ہے۔

یہ امتیازات اللہ اور رسول کی بارگاہ سے ایک فقیہ اور مجتہد کو عطا ہوئے ہیں، اس لیے ان کی قیادت قدسیہ یقیناً قابل احترام اور لائق تقلید ہیں۔ اصول دین کی تفہیم کے لیے نئے نئے اچھے طریقے ایجاد کرنا، جن سے مقاصد دین پورے ہوتے ہوں، مطلوب شریعت بھی

اسلامی شعور کی ضرورت ہے، جو ان جامع اصولوں سے نئے نئے مسائل کے احکامات برآمد کر سکے۔ اسی شعور کی قوت کو ملکہ اجتہاد کہتے ہیں۔ قرآن و سنت میں دین اسلام کی تکمیل کا یہی مطلب ہے کہ اسلام کے سارے بنیادی احکام اور لازمی اصول مکمل ہو چکے۔ الحلال ما احل اللہ و الحرام ما حرم اللہ و ما سکت عنہ فہو معفو عنہ (حلال وہ چیز ہے جسے اللہ نے حلال ٹھہرایا اور حرام وہ چیز ہے جسے اللہ نے حرام ٹھہرایا اور جس کے بارے میں کوئی حکم وارد نہیں ہے، وہ مباح ہے) ان بنیادی اصولوں میں کوئی ترمیم نہیں ہو سکتی۔ لیکن ماحولیات کے بدلاؤ سے جو حالات رونما ہوتے ہیں، ان کی اسلامی اصولوں کی روشنی میں تفہیم ضرور ہو سکتی ہے۔ فقہ و اصول یہی کارنامہ انجام دیتے ہیں، ملکہ اجتہاد یہی فرض ادا کرتا ہے، فقہا الگ سے ہٹ کر کچھ نہیں کہتے۔ وہ نور خدا سے منور دل رکھتے ہیں، علم لدنی کے شرف سے سرفراز ہوتے ہیں، اسلامی اصول و مصادر کا گہرا شعور رکھتے ہیں، وہ نئے حالات کو کتاب و سنت کے معیار پر پیش کر کے ان کی زیریں سطحوں سے اس کا شرعی حکم برآمد کر لیتے ہیں، جہاں تک عام نگاہوں کی رسائی نہیں ہوتی، جیسے دنیاوی ایجادات کرنے والے افراد کا نکات فطرت کا گہرا مشاہدہ کر کے عام نگاہوں سے چھپے راز دریافت کر لیتے ہیں، پھر انہیں عوام کے لیے مفید بنا کر دنیا کے سامنے پیش کر دیتے ہیں۔ ساری دنیا اس سے بے تکلف فائدہ اٹھاتی ہے۔ لیکن ایسے موجدین، خالق نہیں ہوتے بلکہ منظم ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کی ایجادات بھی قدرت کا کرشمہ ہی کہی جائیں گی اور اللہ کی ملکیتیں ہی شمار ہوں گی۔ البتہ ایسے موجدین مادی دنیا کے قائد اور محسن ضرور سمجھے جائیں گے۔ پونہی ائمہ مجتہدین شریعت کا گہرا شعور رکھنے کی وجہ سے نئے معاملات کی تفہیم کا فریضہ اسلام کی سطح سے انجام دیتے ہیں۔ شریعت کے مصداق کی روشنی میں انہوں نے ایسے اصول ایجاد کیے ہیں، جن کی روشنی میں حالات و معاملات کا اسلامی فہم آسان ہو جاتا ہے، اور پوری دنیا ان کے اخذ کردہ نتائج کی روشنی میں اسلامی قوانین پر سہولت کے ساتھ عمل پیرا ہو جاتی ہے۔ اہل دنیا کو خود احکام اخذ کرنے اور استنباط کرنے کی زحمات گوارہ نہیں کرنی پڑتیں، نہ وہ اس کے اہل، یہ ائمہ مجتہدین اس ترتیب و استنباط کے سبب شائع نہیں ہو جاتے، بلکہ شریعت کے خادم ہی رہتے ہیں۔ البتہ اعلیٰ سطح کی اسلامی خصوصیات

ہے۔ صحیح حدیث جریر بن عبد اللہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہے:

مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سَنَةً حَسَنَةً فَلَهُ أَجْرُهَا وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أَجْوَرِهِمْ
(مشکوٰۃ، کتاب العلم ص: ۲۵)

جو شخص اسلام میں کوئی اچھا طریقہ ایجاد کرے، اس ایجاد کا ثواب ملے گا اور اس کے بعد جتنے لوگ اس پر عمل کریں گے، ان سب کا بھی وہی ثواب اس موجد کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا اور لطف یہ ہے کہ ان پر عمل پیرا لوگوں کے ثواب میں کوئی کمی واقع نہ ہوگی۔

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ ایسے فنون و آداب، اطوار و عادات کو برتنا جو نئے ہوں، لیکن دین سے متعلق ہوں، اس کے مقاصد و مصلحتیں میں مفید ہوں اور ان سے اسلام کے کسی متعین اصول کی نفی نہ ہوتی ہو، فرمان رسول اور مزاج شریعت کے مطابق ہے، یہی وہ بنیادی

ہدایت ہے جو اسلام کے بنیادی اصولوں کو حالات و زمانہ کے اعتبار سے ایڈجسٹ کرنے میں معاون ثابت ہوتی ہے اور زمانے کے تغیرات کو بہت سہولت، نرمی Flexibility اور سیلیقے سے برتی ہے۔ قرآن حکیم کی جمع و ترتیب، علوم قرآن اور فنون حدیث کی تدوین یہ سب کچھ بعد کی چیزیں ہیں اور مفسرین اسلام کی پاکیزہ ذہنوں کی ایجاد۔ حضرات ائمہ

مجتہدین اس حدیث کے بہترین مصداق ہیں، وہ امت مسلمہ کے سامنے ایسے بہتر طریقے پیش کر گئے، جن کی برکتوں سے ہزار سال کے بعد بھی دنیا مستفید ہو رہی ہے۔ اگر وہ اور ان کے یہ عظیم الشان کارنامے نہ ہوتے تو آج امت مسلمہ کس مشقت سے دوچار ہوتی، ہم

آپ اس کا اندازہ نہیں کر سکتے، لیکن ائمہ مجتہدین کی یہ ایجاد فنون کتاب و سنت کے سرچشمے سے ہی مستفاد ہے۔ جس طرح قرآن حکیم کی جمع و ترتیب، احادیث مبارکہ کی تدوین عہد رسالت کے بعد کی چیزیں ہیں

لیکن ان کا سرا عہد رسالت میں موجود تھا۔ کیونکہ خود حضور قرآن حکیم کو چھڑوں پر، کھجور کی چھالوں پر لکھواتے باضابطہ کاتبین وحی متعین تھے، جو حضور کی بیان فرمودہ ترتیب کے مطابق آیات و سورتوں کو لکھتے جاتے۔

کتابت حدیث کا بھی قرآن جیسا نہ سہی لیکن اہتمام ضرور تھا، اس لیے بعد میں جمع قرآن اور تدوین حدیث کا کارنامہ مشائخ نبوت کے مطابق تھا اور خود ان کے پس پروردگار الہی مشیت اور ایزدی تائید کا فرما بھی۔ ٹھیک اسی طرح فقہ و اصول اور اجتہاد و تقلید کا نقطہ آغاز بھی عہد

رسالت کی ہی دین ہے اور ان کی جڑیں کتاب و سنت کے سمندرِ وحی سے پانی لیتی ہیں۔

یہ حدیث اہل علم کے درمیان کافی شہرت رکھتی ہے کہ ۱۱ھ میں حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو ارشاد فرمایا: معاذ! تم امت مسلمہ کے مسائل کا فیصلہ کیسے کرو گے؟ عرض کی: یا رسول اللہ! کتاب اللہ کی روشنی میں، حضور نے فرمایا: اگر وہ حکم صراحتاً اس میں نہ ملے تو؟ عرض کیا: آپ کے ارشادات کی روشنی میں، فرمایا: اگر میری حدیث میں کچھ تمہیں وہ حکم دستیاب نہ ہو تو؟ عرض کیا: یا رسول اللہ! اجتہاد بوائی ولا آلو۔ میں بے تکلف کتاب و سنت کی روشنی میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ رسول محتشم کا چہرہ اس جواب سے کھل اٹھا، حضرت معاذ کے مبارک سینے پر دست کرم پھیرتے ہوئے فرمایا:

الحمد لله الذي وفق رسول الله لصاير رضی
به رسول الله - اللہ تعالیٰ کا بے پناہ شکر و احسان کہ اس نے اپنے رسول کے ترجمان کو ایسی اچھی فکر کی توفیق دی، جس سے اس کا رسول راضی ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم (مشکوٰۃ - کتاب الامارہ)

اس حدیث کا روشن مفہوم یہی ہے کہ فقہ و اجتہاد وقت کی ضرورت ہے اور اسلام کی تقسیم کا شائد ارڈر ہے، جسے بارگاہ نبوت کی بھر پور تائید حاصل ہے اور اسی کے ذریعہ اسلام کے مستحکم اصول ہر زمانے کے تقاضوں کی تسکین کا سامان بنتے ہیں۔ یہی نرمی اسلامی قوانین کو قبول و وام اور ہر ماحول میں انضمام کا سہرا عطا کرتی ہے۔

عہد رسالت کے بعد عہد صحابہ کی روش بھی فقہ و اصول کی بنیاد میں مستحکم کرتی نظر آتی ہے۔ سیدنا فاروق اعظم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دور خلافت میں صحابی رسول حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (گورنر) کو ایک طویل فرمان بھیجا، جس میں یہ ہدایت بھی تھی:

الفهم الفهم في ما يختلج في صدوركم مما لم
يلغك في القرآن والسنة - اعرف الامثال والا شياء ثم
قس الامور عند ذلك فاعمد الى احبها الى الله واشبهها
بالحق في ما ترى (تاریخ علم فقہ مفتی سید عظیم الاحسان، ڈھاکہ
ص: ۱۲) اچھی طرح سمجھ کر فیصلہ کرو با خصوص اس مسئلہ میں جو تمہارے

دونوں (حدیث اور فقہیت) کو حاصل کیا۔ (الخیرات الحسان ص: ۶۷)
جس طریقے سے قرأت قرآنی کے لہجوں میں اختلاف کی وجہ سے
اہل عجم کا اس آسانی صحیفے میں الجھنا تدوین قرآن کا سبب بنا، حضرات
صحابہ کا تسلسل کے ساتھ دنیا سے رخصت ہونا اور ان کے روادے میں
اختلاف تدوین حدیث کا باعث تھا، وضع حدیث کے فتنے سے
احادیث کے سرمائے کو محفوظ کرنے کے لیے اسماء الرجال کا فن مدون
ہوا۔ اسی طرح کتاب و سنت کے معانی کی تفہیم میں اختلاف فقہائے
صحابہ کے فتاویٰ میں اختلاف اور کتاب و سنت سے مسائل کے استنباط
کے طریقوں میں اختلاف نے ایسی فضا پیدا کی، جس کی وجہ سے اسلام
کے ہمدردوں کو ایسے اصول استنباط وضع کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی،
جن کی روشنی میں آسانی کے ساتھ مسائل کے احکام دریافت کیے جا
سکیں اور درست فیصلے تک پہنچا جاسکے۔

حضرات تابعین کی اخیر صفوں نے فقہ و اصول کی تدوین کی سمت
توجہ فرمائی اور اس کا روان سعادۃ کی سرخیل، امام الائمہ، سراج اللامۃ
کاشف الغمۃ، سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کی ذات قدسی صفات ہے، جن کے نور باطن سے آج بھی دنیا
درخشانیوں کی سوغات حاصل کر رہی ہے۔ حضرت امام مزنی شافعی رحمۃ
اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

”ابو حنیفۃ اول من دون علم الفقہ وافرودہ بالنالیف من
بین الاحادیث النبویۃ و بوبہ فیداً، با لطہارۃ ثم بالصلوۃ ثم
بساتر العبادات ثم المعاملات الی ان ختم الکتاب بالموارث
و فقہا فی ذلک مالک بن انس و فقہا ابن جریج و هشام

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تدوین فقہ میں اولیت
کا مقام حاصل ہے جنہوں نے اس علم کو احادیث نبویہ سے اخذ کر کے الگ
ممتاز فن کی شکل عطا کی اور اس کے ابواب متعین کیے۔ سب سے پہلے
باب طہارت کے مسائل رقم کیے، پھر نماز کے پھر ساری عبادات کے ان
کے بعد معاملات کے، یہاں تک کہ میراث کے مسائل پر فقہی ابواب کا
اختتام فرمایا۔ اسی طرز تدوین و ترتیب کو بعد میں حضرت امام مالک بن
انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر حضرت ابن جریج اور حضرت ہشام قدس سرہما
نے اختیار فرمایا (تاریخ علم الفقہ - عمیم الاحسان)

فقہی مسائل کے استنباط اور اس فن کی تدوین کا انداز شورائی تھا،

دل میں تردد کا سبب بن رہا ہو، قرآن و سنت سے وہ بات تم کو معلوم نہ
ہوئی ہو، ایسے موقع پر ملتے جلتے ایک دوسرے سے مشابہ مسائل کو پہنچا نو
پھر اس وقت مسائل میں قیاس سے کام لو اور جو جواب تم کو اللہ کے
نزدیک پسندیدہ اور حق سے زیادہ قریب نظر آئے، اس کو اختیار کرو۔

علیکم بسنتی و سنتہ الخلفاء الراشدین (تم پر میری
سنت اور خلفائے راشدین کے طریقوں کی پیروی لازم ہے) کی روشنی
میں ان دونوں بیانات سے خوب اندازہ ہوتا ہے کہ حضرات ائمہ نے
فقہ و اصول کی تدوین کر کے اپنے لیے اور ساری امت کے لیے کیسی
سعادت کا سامان کیا ہے اور امت مسلمہ کی کیسی و بگیر کی فرمائی ہے۔

فقہ و اصول کتاب و سنت کے عصری تقاضوں کی کیسی خدمت
کرتے ہیں اور ان پر کتاب و سنت کا فیض بارسائے ان کس طرح سایہ
کننا ہے۔ اس کا اندازہ اسی بات سے کیجیے کہ فقہ و اصول کی چار
بنیادیں ہیں (۱) کتاب اللہ (۲) سنت رسول اللہ (۳) اجماع (۴) اور
قیاس۔ ان میں کتاب و سنت تو بنیادی مصادر ہیں اور اجماع و قیاس
کتاب و سنت کی تائید سے مزین اور مستفاد۔ اجتہاد صرف اس صورت
میں ہوتا ہے، جب کسی مسئلے کا حکم کتاب و سنت میں صراحتاً نظر نہ آئے تو
نظائر و امثال پر اس مسئلے کو پیش کر کے اس کا شرعی حکم دریافت کر لیتے
ہیں۔ اس لیے فقہ و اصول کی تدوین اور ایجاد و مشائے شریعت کی تکمیل کی
خاطر مشیت الہی کی تائید سے عمل میں آئی۔ اس کے بغیر اسلامی احکام کی
مکمل تفہیم ناممکن ہے۔ حضرت امام سلیمان اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ زبر
و دست محدث اور حضرت امام اعظم کے استاذ ہوتے ہیں۔ حضرت امام
اعظم آپ سے بہت مانوس تھے، ایک مرتبہ آپ حضرت اعظم کی محفل
میں حاضر تھے، کسی شخص نے حضرت امام اعظم سے کچھ مسائل دریافت
کیے، انہوں نے امام اعظم سے پوچھا کہ آپ ان مسائل کے بارے میں
کیا کہتے ہیں، حضرت امام اعظم نے ان سب مسائل کے شرعی احکام
بیان فرما دیے۔ اما اعظم نے حیرت سے پوچھا: یہ کہاں سے کہتے ہو؟
فرمایا: آپ ہی کی بیان کردہ ان احادیث سے اور وہ احادیث سندوں
کے ساتھ بیان فرمادیں۔ امام اعظم نے فرما: بس بس! میں نے آپ
سے جتنی حدیثیں سو دن میں بیان کیں، آپ نے وہ سب ایک دن میں
سنائیں۔ میں نہیں جانتا تھا کہ آپ ان احادیث پر عمل کرتے ہیں۔
اے گروہ فقہا! تم طیب ہو اور ہم محدثین عطار اور اے نوجوان! تم نے

باب میں ممتاز تصنیف کی شکل میں حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تحریر فرمودہ ”الرسالۃ“ سامنے آیا، جسے خاصی شہرت ملی، یہاں تک کہ ابن خلدون جیسے محقق کو یہ گمان ہو گیا کہ اس فن کی تدوین کا سہرا حضرت امام شافعی کے سر ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”اصول فقہ پر سب سے پہلے امام شافعی نے قلم اٹھایا اور اپنا مشہور الرسالۃ قلم بند کیا، جس میں اوامر و نواہی، بیان و خبر، فتح و علت القیاس کے حکم وغیرہ پر بحثیں کیں، پھر فقہائے حنفیہ نے مسموٰۃ کتابیں تالیف کیں، جن میں اصول فقہ کے قواعد و ضوابط و وضاحت و تفصیل کے ساتھ مقرر و مدون کیے اور دوسری طرف متکلمین نے بھی اسی طرح کی کتابیں تصنیف کیں۔۔۔۔۔۔ غرض فقہائے حنفیہ کو فقہی بار کیوں پر دسترس اور مسائل فقہیہ سے اصول فقہ کے قواعد و قوانین اخذ کرنے میں ید طولیٰ حاصل ہے۔ (تاریخ افکار و علوم اسلامی - راغب طباخ ۲/۳۰) لیکن مشہور شافعی مورخ ابن خلدون اس فن کی تدوین کا سہرا حضرت امام ابو یوسف کے سر باندھتے ہیں۔ ان کا بیان دیکھیے:

”سب سے پہلے انہوں نے (امام ابو یوسف) فقہ حنفی سے متعلق اصول فقہ کی تحریری بنیاد رکھی اور مسائل کا املا کرایا اور ان کی اشاعت ہوئی اور تمام اطراف اور بلاد و امصار میں امام ابو حنیفہ کا علم پھیل گیا۔ (تاریخ افکار و علوم اسلامی راغب طباخ ۲/۳۳)

حضرات محققین نے خوب فرمایا:

”فقہ کی کاشت سیدنا عبد اللہ مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمائی حضرت علقمہ نے اس کی آبیاری کی، حضرت ابراہیم نخعی نے اس کھیتی کو کاٹا، حضرت حماد نے اس کی بھوسا اتاری، حضرت امام اعظم نے اسے باریک پیسا، حضرت امام ابو یوسف نے اسے گوندھا اور حضرت امام محمد بن حسن شیبانی نے اس کی روٹیاں پکا لیں۔ اب ساری امت ان دروٹیوں سے شکم سیر ہو رہی ہے“ (فتاویٰ ملک العلماء ص ۲۳)

اجتہاد و تدوین فقہ کے سارے معاملات محض کتاب و سنت کی تفہیم اور مسائل حیات کی اسلامی تشریح اور تحلیل کے لیے عمل میں لائے گئے اور کتاب و سنت کی روشنی میں احکام شریعت بتائے گئے۔ البتہ خدا واد شعور شریعت اور تفقہ کی نعمت سے ضرور استفادہ رہا، اس لیے یہ کارنامے تو ان بزرگوں کے ہیں۔ لیکن یہ سارے احکام علوم نبوت کا فیضان اور کتاب و سنت اور شریعت کے احکام ہی شاربوں گے۔ ان کی

کسی ایک فقہی باب کے مسائل اٹھائے جاتے، ایک ایک مسئلہ قرآن و حدیث کے معیار پر پرکھا جاتا۔ گرما گرم بحثیں ہوتیں، اس محفل بحث و استنباط میں ہر ایک کوشمولیت کی اجازت نہیں بلکہ اسلامی علوم کے اعلیٰ ماہرین اور نور باطن سے سرفراز ایسے تقدس مآب چالیس افراد اس تدوین بورڈ میں شامل تھے جو اپنی نظیر آپ تھے اور ہر ایک درجۂ اجتہاد پر فائز۔ قول فیصل حضرت امام اعظم کا ہوتا، اس مجلس تدوین کے استناد کے لیے مشہور محدث حضرت کبج بن الجراح کا یہ بیان کافی ہے۔

”کیف یقدر ابو حنیفۃ ان یخطی ومعه مثل ابی یوسف وزفر ومحمد فی قیاسہم واجتہادہم ومثل یحییٰ بن ابی زائدۃ وحفص بن غیاث وحبان ومندل فی حفظہم للحدیث ومعرفتہم بہ والقاسم بن معن یعنی ابن عبد الرحمن بن عبد اللہ بن مسعود فی معرفتہ باللغۃ والعربیۃ وداؤد بن نصیر الطائی وفضیل بن عیاض فی زہدہما وورعہما فمن کان اصحابہ هؤلاء وجلسائہ لم یکن لیخطی لانہ ان اخطا ردوہ الی الحق (جامع المسانید ص ۳۳) امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کام میں غلطی کیسے باقی رہ سکتی ہے، جبکہ واقعہ یہ تھا کہ ان کے ساتھ ابو یوسف، زفر اور محمد جیسے لوگ قیاس و اجتہاد کے ماہر موجود تھے اور حدیث کے باب میں یحییٰ بن زکریا زائدہ، حفص بن غیاث حبان اور مندل جیسے ماہرین حدیث ان کی مجلس میں شریک تھے اور لغت و عربیت کے ماہرین میں قاسم بن معن یعنی عبد الرحمن بن عبد اللہ بن مسعود کے صاحبزادے جیسے حضرات شریک تھے۔ اور داؤد بن نصیر طائی اور فضیل بن عیاض جیسے لوگ تقویٰ و ورع اور زہد و پرہیز گاری رکھنے والے موجود تھے، تو جس کے رفقاء کا راور ہم نشین اس قسم کے لوگ ہوں، وہ غلطی نہیں کر سکتا۔ کیوں کہ غلطی کی صورت میں صحیح امر کی طرف یہ لوگ یقیناً واپس کر دیتے ہوں گے۔

فقہ و اصول دونوں کی تدوین کا آغاز ساتھ ہی ہوا کیونکہ اصول کی روشنی میں ہی مسائل کا استخراج ہوتا ہے لیکن ممتاز فن کی حیثیت سے اصول نے اپنی شناخت و رابعد میں بنائی۔ حضرت امام اعظم کے ممتاز مجتہد تلامذہ سیدنا امام ابو یوسف اور امام محمد نے اصول فقہ کے باب میں تحریریں چھوڑی ہیں۔ حضرت امام مالک نے بھی موطا میں اس فن کے بعض قواعد کی جانب واضح اشارات دیئے ہیں۔ لیکن اصول فقہ کے

عمل برائہ الیٰ یومنا ما یقارب اربع مائۃ و خمسین سنۃ و فیہ اول دلیل علی صحتہ“ (المغنی ص: ۸۰)
اگر اس مذہب حنفی میں اللہ تعالیٰ کی قبولیت کا راز پوشیدہ نہ ہوتا تو نصف یا اس کے قریب مسلمان اس مذہب کے مقلد نہ ہوتے۔ ہمارے زمانے تک، جس کو امام صاحب سے تقریباً ساڑھے چار سو برس کا عرصہ ہوتا ہے، ان کی فقہ کے مطابق اللہ وحدۃ کی عبادت ہو رہی ہے اور ان کی رائے پر عمل ہو رہا ہے۔ یہ اس مذہب کے عند اللہ مقبول اور صحیح ہونے کی شائد دلیل ہے۔“

سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ (م: ۱۵۰ھ) کے علاوہ امام مالک بن انس (م: ۹۷ھ) امام محمد بن ادریس شافعی (م: ۲۰۴ھ) امام احمد بن حنبل (م: ۲۴۱ھ) حضرت سفیان ثوری (م: ۱۶۱ھ) امام لیث بن سعد (م: ۱۷۵ھ) امام ابو ثور (م: ۲۴۰ھ) امام عبد الرحمن بن عمر اوزاعی (م: ۱۵۷ھ) نامور مجتہد فقہاء گزرے ہیں، یہ سبھی ائمہ قرآن و حدیث کے بہترین شوارہ، احادیث طیبہ کے زبردست ماہر، علم و ادب کے امام، زہد و تقویٰ کے نورانی منارے ہیں، جن سے دنیا پر سطح پر رہنمائی حاصل کرتی رہی۔ یہ بے نفس بزرگ کوئی ایسی بات دین و اسلام کے تعلق سے کیسے فرما سکتے ہیں، جو قرآن و حدیث کے خطوط سے ہٹ کر ہو، جبکہ ان کا امتیاز ہے کہ مخلوق خدا میں سب سے زیادہ خشیت الہی انہیں کا حصہ ہے۔ انما یخشى الله من عباده العلماء۔ حضرت امام اعظم کا صاف ارشاد ہے: اذا صاح الحدیث فهو مذہبی جب کوئی حدیث صحت سند کے ساتھ دستیاب ہو جائے تو وہی میرا مذہب ہے۔ حضرت امام شافعی نے مکہ معظمہ میں ایک مرتبہ فرمایا:

”جو چاہو، مجھ سے دریافت کرو، میں تمہیں کتاب اللہ سے اس کی خبر دوں گا۔“ (فصائل قرآن مشمولہ کنز الایمان ص: ۹۰) حضرت امام غزالی ایک فقیہ کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”فقیہ وہ ہے جو دنیا سے دل نہ لگائے اور آخرت کی طرف ہمیشہ راغب رہے، دین میں کامل بصیرت رکھتا ہو، طاعات پر مداومت اپنی عادت بنا لے، کسی حال میں بھی مسلمانوں کی حق تلفی پر واہشت نہ کرے، مسلمانوں کا اجتماعی مفاد ہر وقت اس کے پیش نظر ہو، مال کی طمع نہ رکھے، آفات نفسانی کی باریکیوں کو پہچانتا ہو، ٹھل کو فاسد کرنے والی چیزوں سے بھی باخبر ہو، راہ آخرت کی گھائیوں سے واقف ہو، دنیا کو حقیر سمجھنے کے

بیرونی اللہ اور رسول کے حکم کی پیروی ہی کہی جائے گی۔ انہیں اسلام سے الگ کسی غیر کی اقتدا سمجھنا سراسر نادانی ہے اور اسلامی فہم و شعور سے بے جا گئی۔ حضرات ائمہ اسی لیے تو ہمارے مقتدہ اور مقدس پیشوا ہیں کہ یہ حضرات بارگاہ خدا اور رسول سے زیادہ قرب رکھتے ہیں۔ ان کا قرب الہی دیکھنا ہے تو حضرت امام اعظم کی حیات مبارکہ کا روشن ورق ہی ملاحظہ کر لیں۔ آپ حضور کی بشارت ہیں، ہمارے ممتاز محدثین کے بالواسطہ یا بلاواسطہ استاذ ہیں۔ آپ کے تلامذہ میں چالیس ایسے جلیل الشان تھے جو منصب اجتہاد پر فائز تھے اور قرب خدا کی اعلیٰ منزل میں رکھتے تھے۔ آپ نے چالیس سال تک عشا کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی، چالیس سال اس طرح روزہ دار رہے کہ کسی کو خبر تک نہ ہو سکی۔ رمضان مقدس میں اسکتھ ختم قرآن کرتے۔ ایک ختم دن میں، ایک رات میں اور ایک پورے مہینے کی تراویح میں۔ آپ سوہ ۱۰ بار خواب میں رب تبارک و تعالیٰ کے دیدار سے شرف ہوئے۔ قاضی بغداد عمارہ بن حسن نے آپ کو اخیر غسل دیا۔ غسل دیتے جاتے اور یہ کہتے جاتے تھے، واللہ تم سب سے بڑے فقیہ، سب سے بڑے عابد، سب سے بڑے زاہد تھے، تم میں تمام خوبیاں جمع تھیں، تم نے اپنے جانشینوں کو مایوس کر دیا ہے کہ وہ تمہارے مرتبے کو پہنچ سکیں۔ (نزہۃ القاری ۱/ ۱۶۳) اجلۃ کو لیائے کرام جیسے حضرت ابراہیم بن اوجہم، حضرت شتق بن حنفی، حضرت معروف کرفی، حضرت بایزید بسطامی، حضرت فضیل بن عیاض، حضرت عبد اللہ بن مبارک ولی، حضرت وکیع بن جراح، حضرت شیخ الاسلام ابو بکر بن وراق، حضرت سلطان الہند خواجہ سید معین الدین حسن چشتی اجمیری سحری حنفی رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے آپ کی اقتدا کو باعث فخر جانا۔ آپ جلیل الشان تابعی ہیں جنہوں نے متعدد صحابہ کرام کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔ اسی تقدس اور طہارت کا اثر تھا کہ آپ کی دینی فکر اور شرعی خدمات کو ایسا قبول عام حاصل ہوا کہ دو تہائی اسلامی دنیا آپ سے شرف نیاز رکھتی ہے اور حنفی کا لقب ان کے لیے باعث افتخار اور دین و دنیا کا سرمایہ سعادت ہے۔ صاحب مجمع البحارین (اتوا می شہرت یافتہ ہندی شافعی محدث اور فقیہ علامہ محمد طاہر مفتی (م: ۸۶ھ) نے ”المغنی“ میں بہت پیاری بات فرمائی ہے۔

”قلو لم یکن للہ سر خفی فیہ لما جمع لہ شطر الاسلام او ما یقاربہ علی تقلیدہ حتی عبد اللہ بفقہہ و

گم ہوتے چلے گئے۔ جب ان کے ذخائر افکار اور مستطیل مسائل ساری ضروریات حیات اور اسلامی گوشوں کو محیط ہو کر محفوظ ہی نہیں رہے تو بھلا امت اسے اپنائے گی کیسے؟ جبکہ رائج چاروں فقہی مذاہب اپنی مکمل تفصیلات کے ساتھ سارے فقہی ابواب پر محیط ہو کر اب بھی جوں کے تو محفوظ ہیں، بلکہ آئے دن ان کے ذخائر میں اضافہ ہی ہوتا جاتا ہے۔ بلا مبالغہ ہر فقہی مذہب کی تفصیلات اور تشریحات پر مشتمل اب تک لاکھوں کتابیں لکھی جا چکی ہیں، اس لیے ساری صحیح العقیدہ دنیا ان چاروں مذاہب کے دائرے میں کھٹی سٹائی ہے۔

رہ گئی قرآن و حدیث کی شاہراہ سعادت تو وہ قیامت تک ہر زمانے میں امت کے لیے کشادہ ہے، اس کا در کبھی بند نہیں ہوا۔ لیکن ان سمندروں سے تب و تاب والے گہرے شین نکالنے والے اہل ظرف عرصے سے مفقود ہیں۔ ان کی مجتہدانہ شجاعت کے لیے جس معیار کا علمی شعور چاہیے وہ اہل نظر کی نگاہ میں تیسری صدی ہجری کے بعد سے دستیاب نہیں۔ اگر رب قادر کوئی ایسا بندہ پیدا کر دے، جو ان تمام گوشوں پر حاوی ہو جو اجتہادی صلاحیت کے لیے درکار ہوتے ہیں تو وہ بے تکلف اجتہاد کر سکتا ہے۔

حضرت ائمہ مجتہدین عہد رسالت سے قرب کی بدولت جو انشراح صدر رکھتے تھے، اس کے دستیاب ہونے کی تو اب کوئی صورت ہی نہیں ہے، لیکن کتاب و سنت کی جیسی واقفیت اور علوم و آداب کے جن گوشوں کی ابھی ابھی نشاندہی ہوئی، کیا اب کوئی ایسا انفرادی ہے، جو ان فنون و آداب سے واجبی سی واقفیت بھی رکھتا ہو چہ جائیکہ ان میں اسے مہارت کی گیرائی حاصل ہو، پھر بہت سے ایسے علوم ہیں، جو زمانے کی تہوں میں دفن ہو کر رہ گئے اور اہل علم انہیں اپنے سینوں میں لے کر قبر کی آغوش میں جا سوائے، خود حدیث پاک اس بات کی نشاندہی فرماتی ہے کہ جوں جوں قیامت کا زمانہ قریب آتا جائے گا، علم کی گہرائی کم ہوتی جائے گی۔ ارشاد رسالت ہے:

ان الله لا يقبض العلم انتزاعا ينتزعه من العبادو لكن يقبض العلم بقبض العلماء (مشکوٰۃ شریف، ص: ۲۵)

اللہ تعالیٰ بندوں سے علم کی گہرائی کو یوں نہیں ختم کرے گا کہ ان کے دلوں سے علم چھین لے بلکہ جیسے جیسے علماء دنیا سے اٹھتے جائیں گے، ان کا علم بھی ان کے ساتھ رخصت ہوتا جائے گا (پھر بعد میں ان کا

ساتھ ساتھ اس پر قابو پانے کی قوت بھی اپنے اندر رکھتا ہو، سفر و حضر اور جلوت و خلوت میں ہر وقت دل پر خوف الہی کا غلبہ ہو (احیاء العلوم)

ایک غیر مجتہد فقہ کے جب یہ اوصاف مطلوب ہیں تو پھر مجتہد فقہ کے لیے اوصاف کی کیسی کوالٹی مطلوب ہوگی، اس کا ہر باشعور شخص اندازہ کر سکتا ہے، اس لیے ان ائمہ کرام کے سارے معاملات اللہ اور رسول کی رضا میں گم ہیں۔ وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے۔ گفتہ او گفتہ اللہ بود، ان کا امتیاز ہے۔ یہ حضرات یا تو قرآن حکیم سے نور لیتے ہیں یا حدیث پاک سے روشنی۔ پھر اپنی بصیرت آشنا ظرف نگاہی سے علوم شریعت کی غواصی کر کے امت مسلمہ کے لیے آسانیاں فراہم کرتے ہیں۔ ان کی اقتدا ایسے نفوس قدسیہ کی پیروی ہے جس کی دعا ہر نماز میں کی جاتی ہے: اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم یہ انعامات الہیہ سے سرفراز حضرات ہیں، جن کی اقتدا کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ واتبع سبیل من اناب الی و کونوا مع الصادقین اسی گروہ کے اشارے ہیں، اس لیے ان کی اطاعت دراصل حکم الہی کی تعمیل ہے۔ وہ بے نصیب لوگ ہیں جو ان حضرات سے دامن کشاں گزرتے ہیں۔

یہاں اس گوشے کی وضاحت کر کے اپنی بات مکمل کرتا ہوں کہ جب کتاب و سنت کے سرچشمے قیامت تک تازہ اور رواں دواں ہیں تو پھر قرآن اول اور ثانی کے ائمہ مجتہدین کی پیروی ہی کیوں کی جائے۔ بعد کے دور میں بھی تو اہل اجتہاد پیدا ہوں گے جو دور حاضر کے نت نئے مسائل کو اپنی خداداد صلاحیتوں کی روشنی میں حل کرتے ہیں۔ ساری دنیا چار فقہی مذاہب حنفی شافعی مالکی حنبلی میں ہی کیوں محدود رہے۔ اس سلسلے میں پہلے یہ بات ذہن نشین کر لی جائے کہ دوسری صدی ہجری میں صرف چار فقہی مذاہب ہی نہیں تھے اور حضرات ائمہ مجتہدین میں ائمہ اربعہ کا ہی شمار نہیں ہوتا تھا بلکہ بیسوں کا بڑا اسلام ایسے تھے جو منصب اجتہاد پر فائز تھے بلکہ کئی ایک دیگر ائمہ کے مذاہب پھیلے بھی۔ کوفہ میں حضرت سفیان ثوری، مصر میں امام لیث، بغداد میں ابو ثور، اندلس اور دمشق میں امام اوزاعی کے متبعین پائے جاتے تھے لیکن ان حضرات ائمہ کو تسلسل کے ساتھ متبعین دستیاب نہیں ہو سکے کہ ان کا مذہب ہمارے دور تک پہنچتا، نہ ان کے افکار کو ان کے اخلاف نے تحریری طور سے منضبط کیا، اس لیے ان ائمہ کے فقہی مسائل رفتہ رفتہ زمانے کی تہوں میں

کوئی جانشین اور ان جیسا علم والا نہیں پیدا ہوگا۔ اس طور سے علم کی گہرائی رفتہ رفتہ ختم ہوتی جائے گی)

جب اجتہاد کی بنیادی شرطیں ہی مفقود ہیں تو پھر اجتہاد کا جواز ہی کیا رہ جاتا ہے؟ لیکن پھر دوسرا سوال اٹھ کھڑا ہوتا ہے کہ جب اجتہاد امر کا فی سطر پر نہ سہی، عملی سطح پر ہی کم ہے تو پھر منت مئے پیش آنے والے مسائل کا کیا ہوگا، انہیں کون حل کرے گا؟ یہاں تو پھر وہی جمود نکل آیا جسے دور کرنے کے لیے فقہ و اصول کی تدوین ہوتی تھی اور اسلامی قوانین کا Flexibile رخ سامنے آیا تھا۔ اس کی توضیح یہ ہے کہ مجتہد مطلق کی شرطیں تو صدیوں سے مفقود ہیں لیکن ائمہ کے متعین کردہ اصول استنباط کی روشنی میں آنے والے مسائل کی تشریح کرنے والے اصحاب بصیرت پیدا ہوتے رہے اور ہوتے رہیں گے، جو اپنی مومنانہ فراست سے امت کے درد کا علاج پیش فرماتے رہیں گے۔ اسی لیے اہل نظر نے فقہائے کرام کے سات طبقات متعین کیے ہیں:

۱۔ مجتہد فی الشرع / مجتہد مطلق مستقل: یہ فقہائے اسلام کا وہ طبقہ ہے جنہیں اصولی قواعد کی تائیس، کتاب و سنت، اجماع اور قیاس سے فرعی احکام کے استنباط کی ذاتی سطح پر استعداد حاصل ہو، اور وہ اصول و فروع میں کسی کی تقلید کے محتاج نہ ہوں۔ جیسے سراج الامۃ امام اعظم ابو حنیفہ (م ۱۵۰ھ) امام مالک (م ۱۷۹ھ) امام شافعی (م ۲۰۴ھ) امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) وغیرہ)

۲۔ مجتہد فی المذہب / مجتہد مطلق غیر مستقل: یہ ایسے فقہاء ہوتے ہیں جن میں مجتہد مطلق کی ساری صلاحیتیں موجود ہوتی ہیں لیکن وہ خود کو اصول میں کسی مجتہد مطلق کا تابع رکھتے ہیں اور ان کے بنائے ہوئے اصول کی روشنی میں کتاب و سنت، اجماع اور قیاس سے مسائل کے استخراج کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ یعنی اصول میں مقلد ہوتے ہیں اور فروع میں مجتہد۔ جیسے حضرت امام ابو یوسف (م ۱۸۳ھ) امام محمد (م ۱۸۹ھ) امام عبد اللہ بن مبارک (م ۱۸۱ھ) وغیرہ ثلاثہ امام اعظم قدس سرہ ارحم۔

۳۔ مجتہد فی المسائل / مجتہد مقید: ایسے فقہاء اس زمرے میں آتے ہیں جو اصول و فروع دونوں میں مجتہد مطلق کے تابع ہوں اور ان کے وضع کردہ اصول و فروع کی روشنی میں ایسے مسائل کا استنباط کر سکتے ہوں، جن کے بارے میں ائمہ مذہب سے کوئی روایت نہیں ملتی۔ جیسے امام

ابوبکر خفاف (م ۲۶۱ھ) امام ابو جعفر طحاوی (م ۳۲۱ھ) امام ابوالحسن کوفی (م ۳۲۰ھ) شمس الامۃ حلوانی (م ۴۵۶ھ) شمس الامۃ سرخسی (م ۵۰۰ھ) امام فخر الاسلام بزدوی (م ۴۸۲ھ) امام فخر الدین قاضی خاں (م ۵۹۳ھ) ۴۔ اصحاب تخریج: حضرات فقہاء کا یہ طبقہ اجتہاد و استنباط مستقل کی قدرت نہیں رکھتا، البتہ ائمہ مذہب کے وضع کردہ سارے اصول و فروع پر گہری نگاہ ہوتی ہے، جس کی روشنی میں یہ عمل کی تشریح، مشکل کی یسین مثالوں کے حوالے سے کر سکتے ہیں۔ حضرت امام ابوبکر احمد بن علی رازی (م ۵۴۰ھ) اسی طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔

۵۔ اصحاب ترجیح: یہ حضرات اصحاب تخریج سے مکتہ فقہیت کے حامل ہوتے ہیں اور ائمہ مذہب سے منقول روایات میں سے اصول و فروع کی روشنی میں بعض کو بعض پر ترجیح دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ جیسے امام ابوالحسن قدوسی (م ۴۲۸ھ) صاحب ہدایہ امام ابوالحسن علی بن ابی بکر فرغانی مرغینانی (م ۵۹۳ھ) وغیرہ۔

”ہذا الولی، هذا اصح، هذا اوضح، هذا اوفق للقیاس، جیسے اقوال ان کی پہچان ہوتے ہیں۔“

۶۔ اصحاب تمیز: فقہاء کا یہ گروہ مذہب کے قوی اور ضعیف، مقبول اور مردود اقوال میں تمیز کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ظاہر المراد یہ اور نادر روایات کے درمیان امتیاز کی قدرت ان میں موجود ہوتی ہے، جیسے اصحاب متون معتبرہ مثلاً صاحب منہار، صاحب وقایہ، صاحب مجمع وغیرہ۔ ۷۔ مقلد محض: جن میں مذکورہ بالا کوئی صلاحیت موجود نہ ہو، ایسے حضرات کا ذاتی قول قابل عمل نہیں ہوتا، بس یہ ائمہ مذہب کے اقوال نقل کر سکتے ہیں، جیسے موجودہ دور کے بیشتر صاحبان فقہ۔

(فتاویٰ ملک العلماء: ۲۵-۲۶)

ان میں ایسے ایسے افراد شامل ہیں، جن کی جوتیوں کی خاک بھی آج کے غیر مقلدین کو نصیب نہیں لیکن ان سب فضائل و کمالات کے باوجود یہ حضرات، ائمہ اربعہ میں سے کسی نہ کسی کے مقلد ہی رہے۔ خود حضرت امام بخاری جنہیں چھ لاکھ احادیث مبارکہ ان کے رجال اور اسناد کی ساری جزئیاتی تفصیلات کے ساتھ یاد تھیں، سیدنا امام شافعی کے مقلد تھے، تو یہ غیر مقلد حضرات بخاری شریف کی تین سائے تین ہزار احادیث کی زیارت کر کے اجتہاد کے دعویدار کیوں کر بن سکتے ہیں؟ یہاں حضرت علامہ ارشد القادری کا یادگار جملہ یاد آتا ہے کہ ”حضرت امام

الحسبيون رحمهم الله تعالى و من كان خارجا عن هذه
الاربعة في هذا الزمان فهو من اهل البدعة والنار (حاشیہ
الطحاوی علی الدرر ۳/۵۳، کتاب الذبائح)

امت کائنات یافتہ طبقہ اب حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی چار مذاہب
میں منحصر ہے۔ جو اس زمانے میں اس چار گروہ سے خارج ہو وہ بد
مذہب ہے اور جہنم کا مستحق۔“

اللہ تعالیٰ ہمیں دین و شریعت کی نعم، پختہ شعور، حسن ادب اور
گرامی توفیق سے سرفراز فرمائے اور ہدایت یافتہ حضرات کی صفوں میں
باقی رکھے۔ آمین ﴿﴾

بخاری، بخاری شریف لکھ کر بھی مقلد ہی رہے اور یہ غیر مقلد صاحبان
بخاری شریف کو الماریوں میں جا کر مجتہد بنے پھرتے ہیں۔“ غیر مقلدین
کی فکری بے بسی اس بات سے بھی نمایاں ہے کہ وہ جو بھی کہتے ہیں، وہ
انہیں حضرات ائمہ میں کسی کا قول ہوتا ہے۔ اگر واقعی دعوائے اجتہاد رکھتے
ہیں تو ان حضرات ائمہ سے جدا گانہ کوئی ممتاز حکم و دلیل سے ثابت کر
دیکھائیں۔ شاخ و بن سے جدا ہو کر پتے کی بے بسی ایسی ہی ہوتی ہے۔
علامہ سید محمد طحاوی حنفی نے اپنے حاشیہ و مختار میں بجا تحریر فرمایا:

هذه الطائفة الناجية قد اجتمعت اليوم في مذاهب
اربعة وهم الحنفيون والمالكيون والشافعيون و

دارالکتاب دہلی کی تازہ ترین پیشکش

رئیس القلم علامہ ارشد القادری قدس سرہ کی تطہیر فکر و نظر کرنے والی تین نئی کتابیں

ترتیب و تدوین: مولانا ڈاکٹر غلام زرقانی

شخصیات: قائد اہل سنت کے فکروں نے برصغیر کی جن عظیم ہستیوں سے قوت و توانائی کشید کی ان کی عظمت و شان کا دل آویز تذکرہ،
جس کا مطالعہ اسلاف کی یادیں تازہ کرتا، ان کی رفعتوں کا سراغ دیتا، ان کی ایمانی حرارتوں سے قاری کے سینے کو گرماتا اور حرکت و عمل کے لئے
آمادہ کرتا ہے۔ کتاب کے شروع میں جانشین رئیس القلم ڈاکٹر غلام زرقانی کا ”افتتاحیہ“ اور پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد کراچی کے تاثرات شامل ہیں۔
بہ زبان حکایت: افسانوی انداز میں فکر و نظر کو ایمان کی روشنی عطا کرنے والی رئیس القلم علامہ ارشد القادری کی ایمان افروز اور
پر بہار تحریریں جو ”الذرائع“ میں شامل نہ ہو سکیں۔ ان کے بارے میں معروف فکشن نگار صاحبزادہ حضرت سید محمد اشرف مارہروی نے بجا فرمایا ہے
کہ ”رئیس القلم کا قلم صوفی باصفا کا دل بن جاتا ہے، حکایت پڑھتے پڑھتے ہم قلب میں گرمی محسوس کرتے ہیں اور لگتا ہے جیسے ہی بے قابو ہو
جائے کہ اتنے میں قاری کی آنکھ سے ماء معین اور درشین جیسے آنسوؤں کے دو قطرے ٹپک پڑتے ہیں جو نفس کا تزکیہ کر کے جذبوں کی طہارت
کرم دیتے ہیں۔“ حضرت سید اشرف مارہروی اور ڈاکٹر قمر الہدیٰ فریدی کے گرامر قدر تاثرات نے کتاب کو مزید موقع بنا دیا ہے۔

حدیث، فقہ اور جہاد کی شرعی حیثیت: تین اہم ترین اسلامی موضوعات پر رئیس القلم
علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کے عالمانہ و فاضلانہ قلم سے فیصلہ کن تحریریں جو تاریک ذہن و فکر کو شکوک و شبہات کی وادی سے نکال کر علم و یقین کی
منزل تک پہنچاتی ہیں۔ یہ تینوں مقالات علامہ صاحب نے مختلف کتابوں کے لئے ”تقدیم“ کے طور پر رقم فرمائے تھے جو بالترتیب ”انوار الہدیث“،
”فتنی پہلیاں“، از: فتیہ ملت مفتی جلال الدین امجدی علیہ الرحمہ اور ”محمد غربی میدان جنگ میں“ از: علامہ نور بخش توکلی کی کتابوں کے ساتھ عرصے
سے چھپ رہے ہیں۔ جانشین رئیس القلم ڈاکٹر غلام زرقانی نے جدید کمپوزنگ، ایڈیٹنگ اور حسن ترتیب کے ساتھ ان تینوں کتابوں کو کتابی شکل میں شائع
کر کے استفادہ عام کو مزید آسان کر دیا ہے۔

نوٹ: یہ تمام کتابیں ”مکتبہ جام نور، دہلی“ سے حاصل کی جاسکتی ہیں

تقلید ہی حقیقت، نوعیت اور ضرورت

لئے وہ تمام تر تدابیر بروئے کار لائیں جن کی انہیں کچھ بھی ضرورت و حاجت محسوس ہو اور بنی نوع انسان کے حق میں کسی بھی جہت سے جس امر مطلوب کی کوئی بھی افادیت و اہمیت متصور ہو۔ لیکن تحقیق و تفحص و اکتشاف و ایجاد اور اقدام و عمل کے ہر مرحلے میں قدم قدم پر اس کی رعایت اور اس کا التزام ہر مسلمان کے اوپر واجب ہے کہ اسلام و شریعت مطہرہ نے جو اصول و قواعد و ضوابط مقرر فرمادیے ہیں اور جو ہدایات جاری فرمادی ہیں ان کی کسی طرح خلاف ورزی نہ ہو اور الحاد و اعتزال و انحراف و ضلال و تجاوز و خروج سے اپنے آپ کو ہر قیمت پر محفوظ رکھا جائے۔

مہد سے لے کر عقائد و عبادات و معاملات کے جو دائرے اسلام و شریعت مطہرہ نے متعین کر دیے ہیں ان کی پابندی فرض شرعی ہے اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی اطاعت و اتباع سے کسی مسلمان کو کسی حال میں مفر نہیں۔ اسی طرح کتاب و سنت سے ثابت و واضح احکام و مسائل میں کسی کی ذاتی رائے اور قیاس آرائی کا کوئی دخل نہیں۔ نہ ہی ان کے اندر کسی بڑے سے بڑے عالم و فقیہ و مجتہد کو مجال دم و دن و جرات این و آن و جسارت جنیں و چٹان کی کوئی گنجائش ہے۔

عقائد میں کسی مجتہد کی تقلید جائز نہیں نہ ہی عبادات و توفیقہ میں کسی طرح کی تقلید کا کوئی دخل ہے۔ یعنی کتاب و سنت سے ثابت اور مخصوص احکام میں تقلید کا کوئی جواز نہیں۔ نہ عہد رسالت و عہد صحابہ میں زمانہ مابعد کی اصطلاحی تقلید فقہی کا نام تھا نہ ہی اس کی کوئی ضرورت تھی۔ کیوں کہ ان کے اقوال و اعمال براہ راست وحی ربانی اور مشکاکہ نبوت سے مستعیر ہوا کرتے تھے۔ ہاں! صحابہ کرام کے مراتب و مدارج و علم و فہم متفاوت تھے اس لئے اعلم و وافق صحابہ کبار سے دیگر صحابہ کرام مسائل شرعیہ میں رجوع کیا کرتے تھے اور ان کے بیان کردہ احکام و مسائل کے مطابق عمل کیا کرتے تھے۔

اعلم و افقہ کی طرف رجوع و سوال کا حکم خود رب کائنات نے دیا ہے۔ جیسا کہ قرآن حکیم ارشاد فرماتا ہے:

کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ و دین اسلام کی مذہبی و علمی اور عملی تعبیر و تشریح ہیں۔ عقائد و مبادی اور احکام و مسائل کے سرچشمے ہیں اور پیغمبر اسلام جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جملہ احوال و قضایا اور شعبہ حیات میں اسوہ و قدوہ اور نمونہ کامل ہیں جن کا ہر قول و فعل و عمل صحابہ کرام اور قیامت تک کی امت مسلمہ کے لئے دلیل و حجت شرعی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک دین اسلام ایک ہی ہے اور یہی دین اسلام قیامت تک کے لئے اللہ کا محبوب اور منتخب دین ہے۔ لیکن ہر صاحب شریعت پیغمبر کو اللہ نے جس شریعت مطہرہ سے نوازا وہ بعد میں اختلاف زمان و مکان کی وجہ سے مشیت الہی کے مطابق تغیر پذیر ہوتی رہی جب کہ شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو اس نے یہ امتیاز و اختصاص بخشا ہے کہ اس کے بعد اب کوئی شریعت جدیدہ نہیں اور یہی شریعت محمدی اپنے کمال و جامعیت کی بنیاد پر جہاں مسلمانان عالم کے لئے واجب الاتباع ٹھہری وہیں اپنی زندگی و تائیدگی اور تازگی و شادابی کے لحاظ سے بقائے دوام کی خلعت سے بھی سرفراز ہوئی۔ فالحمد لله على ذلك۔

سنت رسول کے ساتھ سنت خلفاء راشدین کی اطاعت و اتباع ہر مسلمان پر فرض ہے۔ اسی طرح صحابہ کرام کی جماعت مبارکہ بھی عدول و مقتداے شریعت و امت ہے جس پر آیات و احادیث کی بے شمار ہدایات ناطق و شہد ہیں اور ساری امت مسلمہ کا اسی کے مطابق اعتقاد و عمل ہے اور اسی پر اس کا اجماع بھی ہے۔ اس سقینہ فوج پر جو سوار ہوا وہ ساحل مراد کو پہنچا اور جس نے ان نجوم حدایت کی روشنی میں اپنا سفر حیات شروع کیا وہ کامیابی و کامرانی کے ساتھ اپنی منزل مقصود سے ہم کنار ہوا۔

تعقل، تفکر، تدبر اہل اسلام کے لئے بموجب ہدایات و ارشادات کتاب و سنت ہر عہد و قرن میں ضروری ہے اور ان کا یہ وینی و شرعی و اجتماعی فریضہ ہے کہ اسرار و رموز حیات و کائنات میں غور و خوض کر کے ان کی گتھیاں سلجھائیں اور انسانی معاشرہ کی صلاح و فلاح کے

فَسَلُّوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ. (سورة

الحمل. آیت ۴۳)

تو اسے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں۔

اور فقہ کی ترغیب دیتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَآفَّةً. قُلُوا لَا نَقْرُ مِنْ كُلِّ

فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا

رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ. (سورة التوبة. آیت ۱۲۲)

اور مسلمانوں سے یہ تو نہیں سکتا کہ سب کے سب نکلیں تو کیوں

نہ ہوا کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل

کریں اور واپس آکر اپنی قوم کو ڈرنا سکے اس امید پر کہ وہ بچیں۔

اور بخیر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

انما شفاء العی السوال. (ابوداؤد) مرض، جہل کا علاج سوال ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو دعا دیتے ہوئے رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہم فقهہ فی الدین و علمہ التأویل. (الحديث)

اے اللہ! انھیں دین کی فقہیت اور تفسیر و تاویل کا علم عطا فرما۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بارگاہ رسول کی ملازمت اور

کثرت کتاب کی وجہ سے جلیل القدر صحابہ کرام کے درمیان اپنی دینی

بصیرت اور تفقہ کے باب میں امتیازی شان کے مالک تھے۔ یہاں تک

کہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے ابن مسعود کے بارے میں فرمایا:

لا تَسْأَلُونِي مَا دَامَ هَذَا الْحَبْرُ فِيكُمْ. (مشکوٰۃ بیروایت بخاری)

جب تک یہ عالم و فقیہ تمہارے درمیان موجود ہیں اس وقت تک

مجھ سے نہ پوچھو۔

کتاب و سنت اصل مصادر شریعت ہیں اور انہیں کی روشنی میں

قیاس مجتہد کو بھی علماء و فقہائے اسلام نے مصادر شریعت میں شمار کیا ہے

جس کی کامیاب مندرجہ ذیل حدیث نبوی سے ہوتی ہے۔

سعاذ بن جبیل رضی اللہ عنہ کو حاکم یمن بنا کر رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے بوقت روانگی سوال فرمایا کہ تمہارے پاس کوئی معاملہ

فیصلہ کے لئے لایا جائے گا تو کیسے فیصلہ کرو گے؟ حضرت سعاذ نے

عرض کیا کہ کتاب اللہ سے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر اس میں نہ پاؤ

تب کیا کرو گے؟ عرض کیا کہ سنت رسول سے۔ آپ نے ارشاد فرمایا

کہ اگر اس میں بھی نہ پاسکوتب کس طرح فیصلہ کرو گے؟ اس وقت

حضرت سعاذ بن جبیل رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔

اجتہد برائی ولا آلو. قال فضرب رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم علی صدرہ و قال. الحمد لله الذی وفق

رسول رسول اللہ لمایرضی بہ. (ابواب الاحکام للجامع

الترمذی. ج ۱. و دارمی و مشکوٰۃ)

اس وقت میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ یہ سن کر رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے سعاذ بن جبیل کے سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے

ارشاد فرمایا۔ اللہ کا حمد و شکر ہے جس نے رسول اللہ کے قاصد کو اس کی

توفیق دی جس سے اس کے رسول (ﷺ) راضی ہیں۔

رسول اکرم ﷺ کی حیات ظاہری کے بعد لا تجتمع امتی

علی الصلالة (الحديث) اور دیگر ارشادات کی روشنی میں عہد

تالیعین و تبع تالیعین ہی میں علماء و فقہائے اسلام نے اجماع امت مسلمہ کو

بھی مصادر شریعت میں شامل کر لیا۔ اس طرح (۱) کتاب اللہ (۲)

سنت رسول اللہ (۳) قیاس شرعی (۴) اجماع امت۔ یہ چار مصادر

شریعت (اولیٰ اربعہ) قرار پائے اور سواد اعظم نے فقہاء و مجتہدین

امت کے علم و فضل، ان کی دینی و ایمانی فہم و فراست، ان کی دیدہ وری و

تکتہ دہی، ان کے ورع و تقویٰ، ان کے نرم و احتیاط، اور ان کی خدا ترستی

و مال اندیشی پر اعتماد کرتے ہوئے ان کے وضع کردہ اصول و ضوابط و

کلیات و جزئیات کو جملہ احکام و مسائل غیر منصوصہ میں حرزِ جاں بنایا اور

درجہ بدرجہ و عہد بہ عہد انہیں قبول کرتے اور ان کے مطابق عمل کرتے

چلے آ رہے ہیں کہ یہی ہدایت صراط مستقیم و اتباع سبیل مؤمنین اور ادوار

مابعد کی اصطلاحی تقلیدِ ائمہ مجتہدین ہے۔

مختلف علوم و فنون کی طرح رفتہ رفتہ فقہ اسلامی کے بھی اصول و

قواعد مرتب ہوتے گئے اور تفصیلی دلائل کے ساتھ احکام شرعیہ فرعیہ کے

جاننے کو علم فقہ کہا جانے لگا اور اصول فقہ کی یہ اصطلاحی تعریف کی گئی کہ:

العلم بالقواعد الكلية التي يتوصل بها الى استنباط

الاحكام الشرعية العملية من ادلتها التفصيلية.

کتاب و سنت کی روشنی میں مقاصد شریعت یعنی حفظ دین و نفس و

نسل و عقل و مال ان فقہاء و مجتہدین کا رخ نظر ہے اور ان کی ساری کدو

کاوش اسی محور کے گرد ہمیشہ گردش کرتی رہی ہے۔ مجتہدین کے سبھی

عربیہ اور عصری علوم و فنون میں ہر عالم و محقق اپنی استعداد و ولایت و صواب دید کے مطابق جو کچھ کرنا چاہے اور جس شعبہ علم و فن میں آگے بڑھنا چاہے اس کے لئے کوئی روک ٹوک نہیں۔ وہ ڈاکٹری، انجینئرنگ، سائنس وغیرہ میں اعلیٰ سے اعلیٰ تحقیق و ریسرچ کرے اور اونچے سے اونچے درجہ پر فائز ہو تو یہ اس کی بڑی کامیابی اور قابل رشک ترقی ہے جس پر علما و فقہائے اسلام کی جانب سے کوئی قدغن اور کوئی پابندی نہیں۔ بس صرف اتنی شرط ہے کہ حدود و شریعت سے اس کے قدم آگے نہ بڑھنے پائیں۔

لغوی طور پر اپنی گردن میں قلاوہ ڈالنے کو تقلید کہا جاتا ہے جب کہ اصطلاحی طور پر تقلید فقہی کی تعریف یہ ہے۔ احکام و مسائل شرعیہ غیر منصوصہ میں کسی امام مجتہد کی تحقیق کو بلا دلیل و حجت مان لینے کا نام تقلید ہے۔ چنانچہ علمائے متقدمین نے صراحت و وضاحت کے ساتھ اپنی مستند کتب و رسائل میں یہی بات تحریر فرمائی ہے جن میں سے چند عبارات درج ذیل ہیں۔

التقلید عبارة عن قبول قول الغير بلا حجة ولا دليل.
(التعريفات للسيد الشريف الجرجاني)

التقلید اتباع الرجل غیرہ فیما سمعہ یقول او فی فعلہ علیٰ زعم انه محقق بالانظر فی الدلیل. (نور الانوار بحث تقلید و حاشیہ حسامی باب متابعة الرسول ﷺ)
التقلید هو قبول قول بلا حجة (المستصفیٰ جلد دوم للامام الغزالی)

التقلید العمل بقول الغير من غیر حجة. (مسلم الثبوت لمحَب اللہ البہاری)

ظاہر ہے کہ جو عالم مجتہد نہیں ہوگا وہ مقلد ہی ہوگا اور اسے تقلید فقہی کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ جس طرح مختلف علوم و فنون کے ماہرین اپنے علم و فن کے تعلق سے جو تحقیق بیان کریں وہ ان کی علمی و فنی تحقیق کا نتیجہ ہوتا ہے جسے دنیا کے کروڑوں انسان بلا چون و چرا تسلیم کرتے ہیں اور کوئی جاہل و عامی شخص اگر کج بخشی پر آمادہ ہوتا ہے تو اسے ہر عاقل انسان ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتا ہے۔ صدیوں پیشتر کے جلیل القدر علما و فقہائے اسلام بھی تقلید فقہی کے قائل اور اس پر عامل تھے جن کی عظمت و فضیلت دینی و علمی پر شرق و غرب کے مسلمان متفق ہیں۔ عالم اسلام کے

طبقات (۱) مجتہدین فی الشریعہ (۲) مجتہدین فی المذہب (۳) مجتہدین فی المسائل (۴) اصحاب تخریج (۵) اصحاب ترجیح (۶) اصحاب تمیز نے انھیں مقاصد شریعت کی تکمیل کی راہ میں اپنی دینی و علمی و فکری و اجتہادی توانائیاں صرف کیں اور اپنی عمر عزیز کو اسی تفتد و اجتہاد کے لئے وقف کر دیا۔ نمبر ۲ سے نمبر ۶ تک کے مجتہدین حقیقی طور پر مجتہدین فی الشریعہ کے مقلد فقہی قرار پاتے ہیں۔ اور انھیں کی طرف ان سب مجتہدین اور دیگر مقلدین کا انتساب ہوتا ہے۔

اتخراج مسائل شریعہ کا کام اب بھی جاری ہے اور آئندہ بھی جاری رہے گا۔ کہ یہ شریعت جاوداں اور ہیتم رواں دواں ہے اور ہر عہد و عصر کے مسائل و قضایا کو حل کرنے کی اس کے اندر بھرپور صلاحیت موجود ہے، مگر ایسا یہ ہے کہ آج آخری درجہ اجتہاد کے حاملین یعنی اصحاب تمیز کا ملنا بھی مشکل ہو گیا ہے۔ باب اجتہاد بند نہیں ہوا ہے مگر اس کا اہل بھی تو کوئی ہوا تبصر کی غلطی سے اچھے خاصے حضرات کہتے نظر آتے ہیں کہ اجتہاد کا دروازہ بند نہیں ہوا ہے تو موجودہ علما کو بھی اجتہاد کرنا چاہیے۔ جس سے ان کا مقصد اس کے سوا عموماً کچھ نہیں ہوتا کہ نئے حالات و مسائل کا شریعت کی روشنی میں کوئی حل ڈھونڈنا چاہیے۔ ان کی یہ خواہش صد فی صد درست ہے مگر انہیں چاہیے کہ لفظ اجتہاد کی بجائے لفظ استخراج کا استعمال کریں تاکہ ان کا لفظ ان کی بات اور ان کا مافی الضمیر صحیح طور پر اور صحیح تناظر میں واضح ہو سکے۔

مذکورہ طبقات میں سے کسی طبقہ میں بلکہ آخری طبقہ (اصحاب تمیز) میں بھی کسی موجودہ عالم و مفتی و فقیہ کے شامل نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ طبقہ مقلدین میں شمار کیے جاتے ہیں۔ اور ان کے لئے تقلید فقہی ہر حال میں واجب ہے۔ کیوں کہ وہ چار کی طرح یہ حقیقت روشن ہے کہ جو شخص مجتہد نہیں وہ مقلد ہے۔ اور تقلید ہی میں اس کے لئے عافیت اور راہ نجات ہے۔

جو شخص علم طب سے واقف نہیں وہ طبیب نہیں۔ جو علم سے نابلد ہے وہ عالم نہیں۔ یہ بات ایک عام آدمی بھی اچھی طرح سمجھتا ہے۔ سمندر کے اندر موتیوں کی کمی نہیں ہوتی ہے مگر انہیں سمندر کی تہ سے باہر وہی شخص نکال سکتا ہے جو ماہر غوطہ خور ہو۔ ورنہ جسے غوطہ خوری نہ آتی ہو وہ موتیوں کی طلب میں سمندر کے اندر چھلانگ لگا کر اپنی جان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ تقلید فقہی کا تعلق صرف ابواب فقہ سے ہے۔ اور احکام و مسائل غیر منصوصہ میں ہی اس کا وجود و وجوب ہے۔ باقی علوم و فنون اسلامیہ و

توفیق، ومدارک تطبیق، ومسا لک تخصیص، ومناسک تقیید، ومشارع قیود، وشوارح مقصود، وجمع کلام، وافتد مرام، وقیم مراد کا نام ہے۔
کہ تطلق تام، واطلاع عام، وانظر دقیق، وفکر عمیق، وطول خدمت علم، وممارست فن، وحفظ وافی، ووزن صافی، ومقتاد تحقیق، وموید توفیق کا کام ہے۔

اور حقیقہ وہ نہیں مگر ایک نور کہ رب عز وجل بخش کرے اپنے بندہ کے قلب میں القافر مانتا ہے:

وَمَا يُلْقِهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَمَا يُلْقِهَا إِلَّا ذُو حَظٍّ عَظِيمٍ (ص ۱۴۰ - ابانۃ المستوری (۵۱۳۳۱) مطبوعہ بریلی)
آج جو لوگ فقہائے اسلام سے بے نیاز ہو کر اجتہاد کے دعویدار ہیں ان کا جائزہ لیجئے تو مذکورہ مراتب ومدارج گنجا؟ صحیح عربی دانی کے حامل بھی نہ ملیں گے۔ چند مشکل آیات واحادیث اور اشعار عرب پیش کر کے دیکھیے، صحیح ترجمہ وتفسیر سے بھی قاصر نظر آئیں گے۔

فقہاء ومجتہدین اسلام کے احکام اجتہاد یہ اور مسائل مستطبہ میں اگر اختلاف زمان و مکان اور ضرورت وحاجت وغیرہ کی بنیاد پر تفسیر و تبدیلی کی جائے تو ایسا کرنا روا ہے مگر اس کے لئے مشق وممارست اور درک مہارت رکھنے والے فقہائے اسلام ہی مآذون وبجاز ہیں اور یہ کام نہ ہر کس و ناکس کا ہے نہ عام علما ومفتیان کرام کا ہے۔ یہ ضابطہ فتاویٰ رضویہ جلد ۱۰ میں اس طرح مذکور ہے۔

”اختلاف زمانہ، ضرورت، تعامل وغیرہ جن وجوہ سے قول دیگر پر فتویٰ مانا جاتا ہے وہ درحقیقت قول امام ہی ہوتا ہے۔“

”چھ باتیں ہیں جن سے قول امام بدل جاتا ہے۔ لہذا قول ظاہر کے خلاف عمل ہوتا ہے۔ اور وہ چھ باتیں (۱) ضرورت (۲) دفع حرج (۳) عرف (۴) تعامل (۵) دینی ضرورت و مصلحت کی تحصیل (۶) کسی فساد موجود یا مظنون بہ ظن غالب کا ازالہ۔ ان میں بھی حقیقہ قول امام ہی پر عمل ہے۔“

جو حضرات تقلید فقہی کو تہ ضروری بلکہ باطل قرار دیتے ہیں وہ عموماً دو قسم کے افراد ہوتے ہیں۔ (۱) مذہب و مسلک ابن حزم طاعری وابن تیمیہ حرانی کے تبعین ومقلدین (۲) جدید تعلیم یافتہ مگر علم دین سے نااہل طبقہ۔ پہلی قسم کے حضرات کا دعویٰ کچھ ہے اور عمل کچھ ہے۔ ان کی طرف سے ترک تقلید کا دعویٰ ہوتا ہے جب کہ عمل یہ ہے کہ وہ اپنے مذکورہ

بڑے علما وفقہاء وفضلا کا اگر آج جائزہ لیا جائے تو ان میں ایسے افراد کچھ صحیح معنوں میں نادر الوجود ہیں جنہیں کلیات وجزئیات فقہ پر عبور اور بڑے بڑے دارالافتاء کے نامور مفتیان کرام بھی معرفت دلائل تحصیل کے بعد اجراء فتویٰ کرنے والے اصحاب فتویٰ نہیں ہیں بلکہ ان کی حیثیت ناقلین فتاویٰ سے زیادہ نہیں ہے۔

امام مجتہدین فی الشریعہ یعنی امام ابوحنیفہ وامام شافعی وامام مالک وامام احمد بن حنبل رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مرتبہ ومدون فقہی اصول وضوابط اور ان کی تاحیل وتفریع کو اسلامی بلاد وامصار میں شروع ہی سے اتنا شرف قبول حاصل ہوا کہ سواد اعظم نے انہیں میں سے کسی ایک کی تقلید فقہی پر اتفاق کر لیا اور تقریباً ایک ہزار سال سے زیادہ کا عرصہ گزرا کہ اسی پر اس کا اجماع بھی ہو گیا۔ سارا آہ المسلمون حسناً فہو عند اللہ حسن (اثرا بن مسعود) کا یہ ایک بہترین نمونہ اور جلوہ حق نما ہے جس کے اندر سواد اعظم کا اصل پیر و صاف عیاں اور ہر طرح نمایاں ہے۔

چودھویں صدی ہجری کے ایک عظیم و جلیل فقیہ ومفتی مگر مقلدِ حلیت کی زبانی فقہ اسلامی کی حقیقت سن کر اور اسے سمجھ کر قارئین کرام بھی اس حقیقت کے اعتراف پر مجبور ہوں گے کہ اجتہاد تو بڑی چیز ہے آج کل فقہ بھی ایک ضحیٰ نایاب سے کم نہیں ہے۔

فتاہت کیا چیز ہے اور فقہ فی الدین کب حاصل ہوتا ہے؟ اس کے بارے میں فقیہ اسلام امام احمد رضا بریلوی (متوفی ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) رقم طراز ہیں:

”فقہ یہ نہیں کہ کسی جزئیہ کے متعلق کتاب سے عبارت نکال کر اس کا فلفلی ترجمہ سمجھ لیا جائے۔ یوں تو ہر اعرابی ہر بدوی فقیہ ہوتا کہ ان کی مادری زبان عربی ہے۔“

بلکہ فقہ بعد ملاحظہ اصول مقررہ، وضوابط محررہ، وجوہ الکلم، و فرق نقایم، و تنقیح مناط، ولحاظ انضباط، ومواضع سیر واحتیاط، و تجنب کلام افراط، و فریق روایات ظاہرہ و نادرہ، وتمیز درایات غامضہ و حسیہ، ومنطوق ومنہوم صریح و محتمل، وقول بعض وجہ و مرسل ومعلل، و احاطہ بالفاظ متعین، وسیر مراتب ناقلین، و عرف عام وخاص، وعادات و عیاش خاص، وحال زمان ومکان، و احوال رعایا وسلاطین، وحفظ مصالح دین ودفع مفاسد مقصدین، و علم وجوہ ترجیح، واسباب ترجیح، ومنافع

پڑتا ہے جو مقلد علماء و فقہاء ہی نے تحریر فرمائی ہیں۔ محدود و چند مضمرات جو براہ راست اور ہمہ وقت فقہ و افتا سے وابستہ رہتے ہیں ان کا جائزہ لینے پر آخری طبقہ مجتہدین یعنی اصحاب تمییز میں انھیں شمار کیا جانا بھی اتنا مشکل اور وقت طلب امر ہے کہ جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہے۔ اسکی صورت میں سواد اعظم اور ان کے موجودہ علماء و فقہاء صغار و کبار اگر تقلید فقہی کو اپنے حق میں لازم و واجب سمجھتے ہیں تو یہ ان کی عین سعادت و سلامت روی ہے۔ اور اسی میں امت مسلمہ کے لئے خیر و برکت و امن و عافیت و صلاح و فلاح بھی ہے۔ اس لئے سواد اعظم کو اسی جادۂ اعتدال و صراط مستقیم پر ہمیشہ گامزن رہنا چاہیے۔ جیسا کہ ارشاد نبوی ہے:

اتبعوا السواذ الاعظم فانه من شذ بشذ فی النار۔ (ابن ماجہ)
سواد اعظم کی پیروی کرو، کیوں کہ جو اس سے الگ ہو وہ جہنم میں گیا۔
اللہ تبارک و تعالیٰ ہم اہل سنت و جماعت کو اپنے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و خلفائے راشدین و صحابہ کرام کی سنت کی اطاعت و اتباع اور ائمہ مجتہدین کے نقوش قدم پر چلتے رہنے کی ہمیشہ توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

ﷺ

ائمہ کے تتبع نہیں بلکہ مقلد محض ہوتے ہیں۔ اور دوسری قسم کے افراد اپنی تجدید پسندی اور روشن خیالی کے زعم میں ایسی باتیں کر جاتے ہیں جو مجیدہ کم اور مضحکہ خیز زیادہ ہوتی ہیں اور علم و بصیرت و فقہ و افتا سے ان کی دوری و نا آشنائی ایک ایک جملہ سے عیاں ہوتی رہتی ہے۔ اس طرح کے افراد ائمہ مجتہدین پر طعن و تشنیع اور سواد اعظم کی تنقید و مذمت کر کے اختلاف و انتشار امارت و ملت میں اضافہ کا سبب بنتے کے سوا کچھ اور نہیں بن سکتے ہیں۔ جس تقلید کے خلاف انھوں نے ہنگامہ خیزی و معرکہ آرائی کی اس سے الگ ہٹ کر انھوں نے کون سے کارنامے اور کون سی خدمات انجام دی ہیں اس کا بھی ساری امت کو علم ہے۔ مقلدین سے زیادہ اس طرح کے غیر مقلدین کتاب و سنت سے کتنے قریب اور ان پر کتنے عامل ہیں اور اپنی خواہشات و ہوائے نفس کو چھپانے کے لئے کس طرح وہ کتاب و سنت کی آڑ لیتے ہیں اس حقیقت سے بھی ساری امت مسلمہ شرق سے غرب تک اچھی طرح واقف و باخبر ہے۔

عام مسلمانوں کی بات ہی کیا ہے کہ انھیں ہر مسئلہ شرعیہ میں کسی عالم دین کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے اور یہی حال عام علمائے کرام کا بھی ہے کہ انھیں جزئیات فقہ پر مشتمل ان کتب فقہیہ کے مطالعہ پر اکتفا کرنا

صوبہ بمبئی ناٹک شہر مدری میں اہل سنت کا واحد مرکز

جامعہ غوث الوری

جامعہ غوث الوری غوثیہ فاؤنڈیشن مدرائی کا قائم کردہ ایک دینی، تبلیغی و تعلیمی ادارہ ہے، آج سے چار سال قبل اس کا آغاز ایک کمرے کے مکان سے ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے خدائے تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس خطے کے محترم مسلمانوں کے تعاون سے مدراس۔ مدرائی شاہراہ پر زمین حاصل کر لی گئی اور مسجد و مدرسہ کی عمارتیں تعمیر ہو گئیں۔ اس وقت ابتدائی درجات کے علاوہ شعبہ حفظ و تجوید اور درس نظامی کا کئی باضابطہ آغاز کروایا گیا ہے، جس سے مقامی و بیرونی طلبہ استفادہ کر رہے ہیں۔
محترمین قوم و ملت سے گزارش ہے کہ دل کھول کر ادارے کا تعاون کریں اور اس خطے میں دینی تعلیم کے فروغ میں بھرپور حصہ لیں۔

Jamia Gauth-Ul-Wara

Kathapatty Chittampatty, Po. Therkutheru, Via. Madurai-625122 (T.N)

President: Ashraf A. Gani Sayani

09894037055

Secretary: Farook Ismail Savani

09894280889

Treasurer: Haji Adam A. Patel

09344106820

تقلید ائمہ کا اجماعی موقف

اس لیے حضرت شاہ ولی اللہ نے تقلید کو الہام الہی سے تعبیر کیا ہے چنانچہ آپ غایت الانصاف ہیں ۶۷ میں فرماتے ہیں:

وبالجملة فالتمذهب للمجتہدین سر الہمہ اللہ تعالیٰ العلماء وجمعہم علیہ من حیث یشعرون ولا یشعرون۔ "خلاصہ کلام یہ کہ ائمہ مجتہدین کی تقلید ایک راز ہے جسے اللہ تعالیٰ نے علمائے کرام کے دل میں ڈال دیا ہے۔"

حضرت شاہ صاحب قبلہ کی اس عبارت کو اگر بڑے کیوں پر پھیلا کر دیکھا جائے تو اس میں تقلید کی پوری عملی تاریخ سمی ہوئی نظر آئے گی جس کی تفصیل کتب اسامہ الرجال اور دیگر معتقد کتب مثلاً الجواہر المصیہ، تہذیب اجتہاد، تہذیب الاسماء والمغات للوہی، تذکرۃ الحفاظ، تاریخ بغداد، جامع البیان والعلم، وفضلہ، مفتاح السعاده، تاریخ اختلاف المسیوٹی، تاریخ ابن خلدون وغیرہ میں موجود ہے۔ حضرت شاہ صاحب کو ماننے کا دعویٰ کرنے کے باوجود عام غیر مقلدین ان کے نظریہ کی مخالفت کرتے ہوئے یہ اعتراض کرتے ہیں کہ خیر القرون سے چوتھی صدی تک تقلید کا وجود نہیں تھا اور یہ کہ تقلید چوتھی صدی کی بدعت ہے مگر ان مذکورہ کتابوں میں یہ صراحت موجود ہے کہ چوتھی صدی سے قبل بھی امام معین اور مذہب متعین کی تقلید رائج تھی۔ اور اس وقت کے ان مقلدین میں جلیل القدر علماء مفسرین، محدثین اور قاضی القضاۃ حضرات تک شامل تھے۔ تفصیل کے لئے ان کتابوں سے رجوع کریں۔

تقلید ائمہ اور اجماع امت: خیر القرون سے ظہور مذاہب اربعہ تک امت میں کئی ایک مجتہد مطلق ہوئے اور ایک خاص مدت تک سبھوں کی تقلید ہوتی رہی جس میں حضرت امام اوزاعی المتوفی ۱۵۷ھ، حضرت امام ابن خزیمہ المتوفی ۳۱۱ھ، امام ابن جریر طبری اور حضرت امام ابو ثور المتوفی ۲۴۰ھ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ چنانچہ علامہ برہان الدین ابراہیم بن علی المالکی اپنی کتاب الدیانۃ المذہب میں اس تعلق سے تفصیل سے بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

دوراء عشق ووسنہ اہرمن بس است
ہمدار گوش دل بہ پیام سروش را

تقلید کو ہر زمانے میں امت کے اجماعی موقف کا درجہ حاصل رہا ہے۔ اس پر علوم دینیہ کی پوری تاریخ شاہد ہے یہی وجہ ہے کہ اس اجماعی موقف پر جب بھی کسی طبقے نے "توحید خالص" کے جوش احیا میں قدمیں گمانا چاہا ہے اور اس سے انکار کی راہ اپنائی ہے تو اسے شدید مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ چنانچہ تیسری صدی ہجری میں جب فرقہ ظاہریہ کے امام ابو داؤد ظاہری نے تقلید سے انکار کا نظریہ اپنایا تو انہیں اہل سنت سے خارج قرار دیا گیا۔ چنانچہ حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں: "داؤد ظاہری و متابعائے راز اہل سنت شردن در چہ مرتبہ جمل وسفاہت است۔" (النہی الاکید عن الصلاة وراعیہ شعلید: امام احمد رضا) چوتھی صدی میں علامہ ابن جزم نے تقلید سے انکار کیا تو ان کی کتابیں جلادی گئیں یا دریا برد کر دی گئیں۔ کچھ اسی طرح آٹھویں صدی ہجری میں جب ابن تیمیہ اور ابن قیم نے تقلید پر کلام کیا تو ان کی بھی مخالفت ہوئی اور انہیں "مسنی العزل" اور الا ان ہسی عقلہ سنا کہہ کر امت کو ان سے ہوشیار کر دیا گیا۔

تقلید شخصی کی روایت یوں تو باضابطہ دوسری صدی میں قائم ہوئی مگر حقیقت یہ ہے کہ اس کا رشتہ بقول حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کچھ سے بڑا ہوا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"لان الناس لم یزالوا من زمن الصحابة الى ان ظهرت المذاهب الاربعہ یقلدون من اتفق من العلماء من غیر نکیہ حصر انکارہ ولو کان ذالک باطلا لانکروہ یعنی "عہد صحابہ سے ظہور مذاہب اربعہ تک علماء کرام میں سے جس پر بھی اتفاق ہوتا لوگ اس کی تقلید کرتے رہے۔ اور یہ عمل بغیر کسی اعتراض کے برابر جاری رہا۔" (عقد الجدید، ص: ۳۳)

نہیں۔ اور فی زمانہ مذہبی اجتہاد مردود اور اس کی تقلید مجبور و مترکک ہے اور اہل اسلام انہی ائمہ اربعہ کی تقلید پر گامزن ہو گئے ہیں۔

حضرت شاہ صاحب قبلہ بھی اس اجماع کو مصلحت سے تعبیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس میں بہت سی مصلحتیں ہیں جو پوشیدہ نہیں بالخصوص اس زمانہ میں کہ ہشتیں پست ہو گئیں اور انسانوں میں خواہشات کا غلبہ اور ہر رائے والا اپنی رائے پر مغرور ہے۔ آپ کے الفاظ ہیں: وفي ذلك كلفنا من المصالح ما لا يخفى لا سيما في هذه الايام التي قصرت فيها الهمم جدا واشربت النفوس الهوى واعجب كل ذي رأى برأيه۔ (حجتہ اللہ الباقہ)

اجتہاد اور اس کے شرائط۔ علامہ ابن خلدون اور شاہ صاحب قبلہ نے ائمہ اربعہ میں تقلید کے انحصار کی جو علت و مصلحت بیان کی ہے وہ بجز عن الاجتہاد ہے۔ یہاں فطری طور پر یہ سوال ابھرتا ہے کہ آخر اجتہاد کے لئے کس علمی معیار کی ضرورت ہے کہ اجتہاد کا دروازہ بند کر دیا گیا اور اس عہد کے بڑے بڑے فقہاء محدثین و علماء و مفسرین اور اولیاء کا ملین میں بھی خود کو اجتہاد سے کنارہ کش رکھا اور تقلید ائمہ اربعہ میں ہی عافیت سمجھی۔ اس سلسلے میں اصول فقہ کی درسی اور متداول کتابوں مثلاً تور الانوار، مسلم البیوت، بوانح الرحمت، التوضیح والتمیح، کتاب الملل والنحل اور منہاج الاصول وغیرہ میں پوری تفصیل موجود ہے۔ یہاں امام عبد الکریم شہرستانی المتوفی ۵۴۸ھ کی کتاب الملل والنحل ج ۱ سے حوالہ ملاحظہ کریں جس میں جامعیت کے ساتھ اجتہاد کی شرطیں بیان کر دی گئی ہیں:

اجتہاد کی شرطیں یہ ہیں: (۱) بقدر ضرورت لغت عربیہ کی معرفت ہو اور الفاظ وضعیہ اور استعاریہ اور نص و ظاہر، عام و خاص، مطلق و مقید، مجمل و مفصل، فجوائے خطاب اور مفہوم کلام میں تمیز کرنے کی اہمیت ہو (۲) قرآن کریم کی تفسیر خصوصاً جو احکام سے متعلق ہے کی معرفت ہو (۳) پھر احادیث کی ان کی اسانید اور متون کے ساتھ معرفت اور ناقلین اور رواۃ کے احوال کی معرفت کا احاطہ ہو (۴) پھر حضرات صحابہ کرام تابعین تبع تابعین وغیرہم سلف صالحین کے اجماع کے مواقع کی معرفت تاکہ مجتہد کا اجتہاد اجماع کے خلاف نہ واقع ہو (۵) پھر قیاسات کے مواقع اور استتعال کی کیفیت اور ان میں غور و فکر کرنے کے مواقع کی شناسائی اور ہدایت ہو۔

شرائط اجتہاد میں امام احمد رضا کا موقف۔ امام احمد رضا

شام اور جزیرہ اندلس میں حضرت امام اوزاعی کا مذہب غالب تھا اور واصلیوں کے بعد ان کا مذہب ختم ہو گیا اور وہاں امام مالک کا مذہب غالب آ گیا۔ اور امام حسن بصری اور امام سفیان ثوری کے پیروکار زیادہ نہ تھے اور نہ ان کی تقلید کا زمانہ لمبا تھا بلکہ جلد ہی ان کا مذہب ختم ہو گیا۔ باقی رہے امام طبری اور امام ابو ثور کے مقلد، تو یہ بھی زیادہ نہ تھے اور نہ ان کی تقلید کا زمانہ لمبا تھا اور امام ابو ثور کے مقلد تیسری صدی کے بعد اور امام طبری کے پیروکار چوتھی صدی کے بعد ختم ہو گئے۔ اور پھر اس کے بعد بقول حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی:

”بجز مذاہب اربعہ کے اور سارے مذاہب ختم ہو گئے تب انہیں مذاہب اربعہ کا اتباع سواد اعظم کا اتباع قرار پایا اور ان چاروں مذہب سے لکھنا سواد اعظم سے نکلنے کے سوا دوسرے“۔ (عقد الجید، ص: ۳۸)

مذاہب اربعہ کی تقلید پر اجماع ہو جانے کی شہادت دیتے ہوئے حضرت شاہ پھر لکھتے ہیں: هذه المذاهب الاربعه المدونة المحروقة قد اجتمعت الامة او من يعتد بها منها على جواز تقليد ها الى يومنا هذا لئلا يتقادم امت نيا امت کے قابل اعتماد افراد نے مذاہب اربعہ مشہورہ کی تقلید کے جواز پر اجماع کر لیا ہے جو آج تک جاری ہے۔ (حجتہ اللہ الباقہ۔ ج: ۱، ص: ۲۳)

علامہ ابن خلدون نے ائمہ اربعہ میں تقلید کے انحصار اور اس پر اجماع امت کی حکمت بڑی وضاحت سے بیان کی ہے۔ چنانچہ وہ مقدمہ تاریخ میں لکھتے ہیں:

دیار و امصار میں انہی ائمہ اربعہ کی تقلید منحصر ہو گئی اور ان کے سوا جو امام تھے ان کے مقلد ناپید ہو گئے۔ اور لوگوں نے اختلافات کے دروازے بند کر دیے اور چونکہ اصطلاحات علمیہ مختلف ہو گئیں اور لوگ مرتبہ اجتہاد تک پہنچنے سے رہ گئے اور اس امر کا اندیشہ پیدا ہو گیا کہ اجتہاد کے میدان میں غیر اہل لوگ نہ کود پڑیں اس لئے علمائے زمانہ میں جو نقاط تھے انہوں نے اجتہاد سے اپنا بجز ظاہر کر دیا اور اس کے دشار ہونے کی تصریح فرمادی اور انہی ائمہ مجتہدین کی تقلید کی رہنمائی کرنے لگے لوگ جن کے مقلد ہو رہے تھے اس لیے کہ کبھی ایک امام اور کبھی دوسرے امام کی تقلید کرنے میں دین کھلونا بن جاتا۔ اب صرف نقل مذہب رہ گیا اور بعد تصحیح اصول و اتصال سند بالروایہ ہر مقلد اپنے اپنے امام مجتہد کی تقلید کرنے لگا اور فقہ سے آج بجز اس امر کے کچھ اور مطلب

صد ہا سال سے کوئی قاور نہیں۔ اگر بعد احاطہ و جوہ اعدال تمام مل سے منزہ پائے تو یہ تین منزلیں طے کر کے صرف صحت حدیث بمعنی مصطلح اثر پر حکم لگا سکتا ہے۔ تمام حفاظ حدیث واجلہ فقہ ونا واصلاح ذرۃ شائع اجتہاد کی رسائی صرف اس منزل تک ہے..... براہِ ارمان یا انصاف انہیں منازل کی دشواری دیکھیں جس میں ابو عبد اللہ حاکم جیسے محدث جلیل القدر پر کتنے عظیم شدید مواخذت ہوئے۔ امام ابن حبان جیسے ناقد بصیرت قابل کی طرف نسبت کیے گئے۔ ان دونوں سے بڑھ کر امام اجل ابویعلیٰ ترمذی تصحیح و تحسین میں متساہل ٹھہرے۔ امام مسلم جیسے جلیل رفیع نے بخاری و ابوزرعد کے لوہے مانے۔

چوتھی منزل کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

باقی رہی منزل چہارم اور تو نے کیا جانا کیا ہے منزل چہارم، سخت ترین منازل و دشوار ترین مراحل جس کے سامنے نہیں مگر اقل قلائل اس کی قدر کون جانے۔

گدائے خاک نقینے تو حافظا محروم
کہ نظم مملکت خویش خسرواں داند

اس کے لیے واجب ہے کہ جمع لغات عرب و فنون ادب و جوہ مخاطب و طرق تفہیم و اقسام نظم و صنف معنی و ادراک ملل و تنسیج مناظ و استخراج جامع و عرفان مانع و موارد تعدیہ و مواضع قصور و اہل حکم آیات و احادیث و اقوال صحابہ و ائمہ فقہ قدیم و حدیث و مواضع تعارض و اسباب ترجیح و مناجح توفیق و مدارج دلیل و معارف تاویل و مسالک تخصیص و مناسک تنقید و مشارع قیود و دشوار محققہ و غیر ذلک پر اطلاع تام و وقوف عام و نظر غائر و ذہن رفیع و بصیرت ناقدہ و بصیر منبع نگشتا ہو۔

امام احمد رضا مذکورہ منازل پر گفتگو کے بعد امام شیخ الاسلام ذکر کیا انصاری کا یہ قول نقل کرتے ہیں جس میں انہوں نے فرمایا ہے کہ کہاں یہ شرائط اور کہاں یہ لوگ؟ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

ایسا کم ان تبادرو الی الانکسار علی قول مجتہد او تحطیثہ الا بعد احاطتکم بادلۃ الشریعۃ بمعرفتکم بمعانیہا و طوقہا یعنی خبر دار مجتہد کے کسی قول پر افکار یا اسے خطا کی طرف نسبت نہ کرتا جب تک شریعت مطہرہ کی تمام دلیلوں پر احاطہ نہ کر لو، جب تک تمام لغات عرب جن پر شریعت مشتمل ہے پہچان نہ لو جب تک ان کے معانی اور ان کے راستے جان نہ لو۔ و این لکم بذلک بھلا کہاں تم اور کہاں یہ

یہ بھی اپنے رسالہ الفضل الموهبی فی معنی اذا صح الحدیث فقہو مذہبی میں غیر مقلدین کا رد کرتے ہوئے انتہائی احتیاط اور توشیحی انداز میں اجتہاد کے شرائط بیان فرمائے ہیں۔ اس سے یہاں مزید اجتہاد کی عظمت و اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے، وہیں خود امام احمد علی فتنی بصیرت اور علم حدیث و فن اسماء الرجال میں مہارت کا پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ آپ ان شرائط کو چار خانوں میں تقسیم کر کے اسے یوں بیان کرتے ہیں۔

منزل اول: نقد رجال کہ ان کے مراتب ثقت و صدق و حفظ و اہل ان کے بارے میں ائمہ شان کے اقوال و وجوہ طعن و مراتب و مواضع تقدیم، جرح و تعدیل و حوالہ طعن و مناشی توفیق و مواضع تہلیل و تساہل و تحقیق پر مطلع ہو، استخراج مرتبہ النکان راوی بقدر روایات و اختلافات و اوہام و خطیات و غیر ہا پر قادر ہو، ان کے اسامی و القاب و انساب و وجوہ مختلفہ تعبیر رواۃ خصوصاً اصحاب تدلیس شیوخ و تعیین حدیث و متفق و متفرق و مختلف و مؤلف سے ماہر ہو، ان کے موالیہ و بیات و بلدان و رحلات و لقاء و سماع و اساتذہ و تلامذہ و طرق تحمل و اہل و اولاد تدلیس و تغیر و اختلاط و آخذین من قبل و آخذین من بعد و ضمن حالین و غیر ہا تمام امور ضروریہ کا حال اس پر ظاہر ہو۔ ان کے بعد صرف سند حدیث کی نسبت اتنا کہہ سکتا ہے کہ صحیح یا حسن یا ضعیف یا باطل یا معطل یا مقطوع یا مرسل یا متصل ہے۔

اس کے بعد دوسری منزل اس طرح بیان کی:

منزل دوم: صحاح و سنن و مسانید و جوامع و معاجم و اجزا و غیر ہا اب احادیث میں اس کے طرق مختلفہ و الفاظ متنوعہ پر نظر تمام کرے کہ حدیث کے قوatr یا شہرت یا فرویت نسبیہ یا غرابت مطلقہ یا شہرت یا غرابت و اختلافات، رفع و وقف و قطع و وصل و مزید فی متصل و غیرہ خطرات سند و متن و غیر ہا پر اطلاع پائے۔ نیز اس جمع طرق مختلفہ الفاظ سے رفع ابہام و دفع اوہام و ایضاح غننی و اظہار مشکل و محمل و تعیین محمل ہاتھ آئے و لہذا امام ابو حاتم رازی فرماتے ہم نے حدیث کو ساتھ وجہ سے نہ لکھتے اس کی معرفت نہ پاتے۔ اس سے جدا تھا علم کر سکتا ہے کہ حدیث شاذ یا منکر معروف یا محفوظ مرفوع یا مرفوع و یا مشہور کس مرتبہ کی ہے۔ منزل سوم کے تعلق سے فرمایا:

منزل سوم: اب ملل خفیہ و غوامض دقیقہ پر نظر کرے جس پر

احاطہ (الفضل الموبہی ص ۱۲، بحوالہ میزان الشریعہ الکبریٰ)

ان شرائط کو لکھنے کے بعد امام احمد رضا نے لکھا ہے کہ جو شخص ان چاروں منازل کو طے کر جائے وہ بھی مجتہد مطلق نہیں مجتہد فی المذہب ہے۔ جیسے مذہب حنفی میں امام ابو یوسف، امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور یہ حضرات بھی پائے جاتے ہیں۔ شان اصول میں امام اعظم کے متبع اور مقلد ہیں اور اگرچہ بعض مسائل میں انہوں نے امام اعظم سے اختلاف کیا ہے مگر بقول امام ابو یوسف:

ما خالفته فی شیء قط فتدبر قہ الارایت مذہبہ الذی ذہب الیہ انجی فی الآخرة و کنت ربما ملت الی الحدیث فکان ہو ابصر بالحدیث الصحیح منا۔ یعنی کبھی ایسا نہ ہوا کہ میں نے کسی مسئلے میں امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خلاف کر کے غور کیا ہو مگر یہ کہ انہیں کے مذہب کو آخرت میں زیادہ وجہ نجات پایا اور بار بار ہوتا کہ میں حدیث کی طرف جھکتا پھر تحقیق کرتا تو امام مجھ سے زیادہ حدیث صحیح کی نگاہ رکھتے تھے۔ (الفضل الموبہی ص ۱۵)

علامہ ابن عابدین شامی نے رد المحتار میں بعض اکابر فقہاء کی نسبت تصریح کی کہ یہ حضرات مخالف مذہب درکنار روایات مذہب میں ایک کورا ج بتانے کے اہل نہیں۔ چنانچہ کتاب الشہادت باب القبول میں ہے ابن الشحنة لم یکن من اهل الاختیار۔ کتاب الزکوٰۃ باب صدقۃ الفطر میں ہے البہنسی لیس من اصحاب التصحیح کتاب النکاح باب الحضانہ میں ہے صاحب النہر لیس من اهل الترجیح بلکہ اگر اراکین مذہب مثلاً امام کبیر علامہ خفاف، امام اجل علامہ ابو جعفر طحاوی، امام ابوالحسن کرخی، امام شمس الامیر حلوانی، امام شمس الامیر سرخسی، امام فخر الاسلام علی بزدوی، امام فخر الدین قاضی خاں، امام ابوبکر رازی، امام ابوالحسن قدوری، امام ہریان الدین مرغینانی وغیرہ کے متعلق علامہ ابن کمال پاشا کے حوالہ سے نقل کیا کہ انہم لا یقدرون علی شیء من المخالفة لافی الاصول ولا فی الفروع (الفضل الموبہی ص ۱۶)

اب تقلید کے مخالفین ہی غور کریں کہ جب ان علوم و فنون کی جامع شخصیتوں کا علم بھی اجتہاد کے باب میں علی فرق مراتب ناکافی ہے تو وہ افراد جوان عظیم فقہاء کے شاگردان شاگرد کی شاگردی اور کشف برداری کی بھی اہلیت نہیں رکھتے وہ کس طرح مجتہد ہونے کا دعویٰ کرتے اور

امت کے اجماعی موقف سے انحراف کے جرم کا ارتکاب کرتے ہیں۔

ان تصحیحات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ امت کے جن فقہاء و محدثین و مشرین نے تقلید کو اختیار کیا اور امام معین کی پیروی کی وہ اجتہاد کی حقیقت اور اس راہ کی دشواریوں سے واقف تھے۔ خشیت الہی سے ان کا دل لبریز تھا اس لیے انہوں نے اپنے علم پر غور کرنے کی بجائے اجتہاد سے اپنے عجز کا اعتراف کیا اور تقلید کی طرف راجع ہو گئے، جیسا کہ علامہ ابن خلدون کے حوالہ سے گزرا۔ اس سلسلے میں ایک اور حوالہ امام شعرانی کی کتاب ”میزان الشریعہ الکبریٰ“ سے ملاحظہ کریں۔ غیر مقلدین کے پیشوا میاں نذیر حسین دہلوی نے اپنے ایک فتوٰی میں حضرت امام شعرانی کے بارے میں لکھا ہے کہ ”بے شک جو منصف مزاج ہے وہ امام شعرانی کے منصب کامل اجتہاد میں شک نہیں کر سکتا“ وہی علامہ شعرانی خود تقلید کے تعلق سے اپنا نظریہ واضح کرتے ہوئے میزان الشریعہ الکبریٰ میں فرماتے ہیں:

یجب علی المقلد العمل بالارجح من القولین فی مذہبہ صادم لم یصل الی معرفة هذا المیزان من طریق النوق والكشف كما علیه عمل الناس فی كل عصر یعنی مقلد پر واجب ہے کہ خاص اسی بات پر عمل کرے جو اس کے مذہب میں رائج تھمیری ہو۔ ہر زمانے میں علماء کا اسی پر عمل رہا ہے۔ (الفتح الاکبر ص ۴۳)

وہی امام شعرانی امام الحرمین، حمۃ الاسلام غزالی و کیا ہر اسی وابن سمعانی وغیرہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ان حضرات نے اپنے شاگردوں کو ایک امام معین کی تقلید کی تعلیم دی اور یہ بھی فرمایا کہ اگر امام معین کے مذہب سے عدول کرو گے تو خدا کے حضور تمہارے لیے کوئی عذر نہ ہوگا۔ چنانچہ آپ کے الفاظ ہیں:

به صرح امام الحرمين وابن سمعاني والغزالي والکياهراسی وغيرهم وقالوا لتلاميذهم يجب علیکم التقليد بمذہب امامکم ولا عذر لکم عند الله تعالیٰ فی العدول عنه (الفضل الموبہی ص ۴۱)

اگر تقلید کے تعلق سے دوسری صدی ہجری سے لے کر آج تک عالم اسلام کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت منکشف ہوگی کہ پوری دنیا میر پھیلے ہوئے ایک ارب سے زیادہ مسلمانوں میں اکثریت مقلدین کی رہی ہے اور آج بھی ہے۔ چنانچہ علامہ ابن خلدون اپنے مقدمے میں

طریقتہ ائیکہ ہی اوفق الطرق بالسنۃ المعروفۃ الی جمعۃ
ونقحت فی زمان البخاری واصحابہ یعنی مجھے رسول اکرم
ﷺ نے بتایا کہ مذہب خفی عمدہ طریقتہ ہے جو ہمارے سنت کے موافق
ہے اور جسے امام بخاری وغیرہ کے زمانے میں وضاحت سے بتایا گیا۔
یہی وجہ بھی کہ آپ نے خفی مذہب کی حمایت کی اور لوگوں کو اسی پر
عامل ہونے کی تعلیم بھی دی اور غیر مقلدیت کے فتنے سے لوگوں کو آگاہ
بھی کیا۔ چنانچہ آپ اپنی کتاب عقد الجید ص ۳۶ پر لکھتے ہیں:

فی الاخذ بھذہ المذاهب الاربعۃ مصححۃ عظیمۃ
وفی الاعراض عنها مقصدۃ کبیرۃ یعنی ان چاروں مذاہب کے
اختیار کرنے میں ایک عظیم مصلحت اور غیر مقلدیت میں بڑا فساد ہے۔
ہندوستان کے ایک جلیل القدر عالم مولانا عبدالحی فرغی بھٹی کی ایک تحریر
میں شاہ صاحب کے بیان کردہ اس فساد کی پوری تفصیل موجود ہے چنانچہ
مولانا فرغی بھٹی اپنی کتاب الآثار المفردۃ فی الاخبار الموضوۃ میں لکھتے ہیں:

ولعمری افساد ہولاء الملاحدۃ وافساد اخوانہم
الاصاغر المشہورین بغير المقلدین الذین سمو انفسہم
باهل الحدیث وشتان ما بینہم و بین اهل الحدیث قد شاع
فی جمیع بلاد الهند وبعض بلاد غیر الهند وخریت بہ
البلاد ووقع النزاع والعناد فالی اللہ المشتکی والیہ
المتضرع والمستجی بدأ الاسلام غریبا وسعود غریبا
فطوبی للغریبا ولقد کان حدوث مثل ہولاء المفسدین
والملاحدین فی الازمنۃ السابقۃ فی الازمنۃ
السلطنتۃ الاسلامیہ غیر مرۃ فقاہلینہم اساطین المملۃ
وسلاطین الامۃ بالصوارم الملکیہ واجروا علیہم
الجوازم المنفیۃ فانفذت فنتہم بہلاکہم ولما لم یبق فی
بلاد ہند فی اعصارنا سلطنتۃ اسلامیہ ذات شوکۃ وقوۃ
عمت الفتن واوقعت عباد اللہ فی المحن انا للہ وانا الیہ
راجعون۔ یعنی مجھے اپنی زندگی کے خالق کی قسم غیر مقلدین کا فساد بڑا
کرنا مشہور ہے جو اپنے آپ کو اہل حدیث کہلاتے ہیں۔ انہیں محدثین
سے کیا تعلق؟ یہ لوگ پورے ہندوستان اور بعض دیگر ممالک میں پھیل
چکے ہیں اور ان کی فساد و فہیت کی وجہ سے ان ممالک میں فساد و نزاع
واضح ہو چکا ہے تو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف شکوہ اور عاجزی و انتہا ہے۔

لکھتے ہیں کہ حضرت امام ابو حنیفہ کے مقلد اس وقت عراق، ہندوستان
مصر، ماوراء النہر اور عجم کے تمام شہروں میں پھیلے ہوئے ہیں اسی طرح
مذہب شیعہ ارسلان فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کی اکثریت حضرت امام
حنیفہ کی مقلد ہے یعنی سارے ترک اور بلقان کے مسلمان روس اور
تاتارستان کے مسلمان چین کے مسلمان ہندوستان اور عرب کے
مسلمان شام و عراق کے اکثر مسلمان فتنہ میں خفی مسلک کے حامل
ہیں اور شام کے بعض اور حجاز، یمن، حبشہ، جاوا، انڈونیشیا اور کردستان
کے مسلمان حضرت امام شافعی کے مقلد ہیں اور مغرب کے مسلمان
اطرالی اور وسط افریقہ کے مسلمان اور مصر کے کچھ لوگ حضرت امام
مالک کے مقلد ہیں اور عرب کے بعض مسلمان اور شام کے بعض
مسلمان جیسے ناپلس اور دوماہ کے رہنے والے حضرت امام بن حنبل کے
مقلد ہیں۔ (حاشیہ حسن المسالی)

ان ممالک میں پھیلے ہوئے جلیل القدر مقلد علماء فقہاء مفسرین،
محدثین اور مورخین کی فہرست بنائی جائے جن کے تفصیلی حالات
مفسرین، طبقات احمدیہ، طبقات الفقہاء، طبقات المورخین،
طبقات خفیہ، طبقات شافعیہ، طبقات حنبلیہ، الدیوان المذہب، الجواہر
سیدہ اور الفوائد البیہ میں مذکور ہیں تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے۔
حق کے لئے ان کتابوں سے رجوع کیا جائے۔

نظریہ تقلید اور ہندوستانی علماء و مشائخ: عالم اسلام میں تقلید
کا مذہب عہد تاریخ اس کی ضرورت مصلحت اور دیگر تفصیلات سے قطع
کے بغیر ہندوستان کے فقہاء صوفیہ علماء اور مفسرین و محدثین کے
تفسیر و تخریجات کی بات ہے تو اس سلسلے میں ہندوستان کی اسلامی تاریخ
کی حقیقت صاف دیکھی جاسکتی ہے کہ انگریزوں کے دور استعمار سے
ہندوستان میں غیر مقلدیت کا وجود تک نہ تھا۔ یہ وہ انگریزوں کے
دور تھا جس میں ہندوستان میں داخل ہوئی۔ یہاں اس تعلق سے اختصار سے
کہتے ہوئے صرف چند اشارے ملاحظہ فرمائیں:

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے حوالے سے مختلف عبارتیں
سے پہلے گزر چکیں کہ وہ تقلید کے حامی تھے اور محض علم نہیں کشف کے
لئے تھے بلکہ انہیں ان کا دیا گیا تھا کہ مذہب خفی عمدہ طریقتہ اور سنت صحیحہ
ہے چنانچہ شاہ صاحب اپنی کتاب فیوض الحرمین میں لکھتے ہیں:
عرفنی رسول اللہ ﷺ ان فی المذہب الحنفی

پوری اسلامی دنیا میں بیداری کی اہر پیدا فرمادی۔ اس سلسلے میں آپ کا مجموعہ فتاویٰ (فتاویٰ رضویہ) اور بعض رسائل مثلاً:

اسلام کی ابتدا بھی غربت میں ہوئی اور یہ غربت کی طرف ہی لوٹے گا پس غربا کے لیے خوشخبری ہے۔ بے شک ایسے مقصد و ملحد زمانہ گذشتہ میں بھی ظاہر ہوئے لیکن اکابر ملت اور امت کے بادشاہوں نے ان سے قتال کیا اور اس فتنہ کو ناپود کر دیا مگر ہمارے زمانے میں جبکہ ہندوستان میں اسلامی سلطنت ہی باقی نہ رہی تو یہ فتنے عام ہو گئے اور ان کے فتنوں نے اللہ کے بندوں کو مشتعلوں میں ڈال دیا۔

خود غیر مقلدین کے مشہور عالم محمد حسین بنیالوی نے بھی اعتراف کیا ہے کہ جو لوگ مجتہد مطلق ہونے کا دعویٰ کرتے اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ آخر میں بے دین ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

پچیس برس کے تجربے سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ آخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں۔ کفر و ارتداد اور فتنے کے اسباب دنیا میں اور بھی بکثرت موجود ہیں مگر دینداروں کے بے دین ہو جانے کے لئے بے علمی کے ساتھ ترک تقلید بڑا بھاری سبب ہے۔ (خیر التقید ص ۶)

ہندوستان کی اسلامی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ عہد برطانوی عدم تقلید کے حامل علماء کی مسلسل کاوشوں کا عہد ہے اور اس فرقے نے انگریزی حکومت ہی کے سہارے ہندوستان میں اپنے اثرات بد قائم کرتے شروع کئے، جس کے توڑ کے لئے قدرت نے اس عہد میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا جیسی شخصیت کو پیدا فرمایا، جنہوں نے اپنی ۶۳ سالہ زندگی میں دیگر علمی، ملی اور مذہبی خدمات کے ساتھ، علمی و عقلی محاذ پر نظریہ تقلید کی بھی مدافعت کا حق ادا کر دیا اور اپنی تحریری کاوشوں سے

- (۱) الفضل الموهبی فی معنی اذا صح الحدیث فهو مذہبی
- (۲) النهی الاکید عن الصلاة وراء عدی التقليد
- (۳) النیر الشہابی علی تدلیس الوہابی
- (۴) المسہم الشہابی علی خداع الوہابی
- (۵) البارقة الشارقة علی معرکة المشاركة
- (۶) سیف المصطفیٰ علی ادیان الافتراء
- (۷) نشاط السکین علی حلق البقر السمین
- (۸) المقالة المسفرة عن احکام البدعة المکفرة

اہل تحقیق و طالب حق کے لئے خصوصیت سے قابل توجہ ہیں۔ آپ کے بعد آپ کے جلیل القدر تلامذہ و خلفاء نے آپ کے مشن کو آگے بڑھایا، اہل توبہ کی سازشوں کی نقاب کشائی کی، فتنہ غیر مقلدیت کے استیصال کے لئے تحریری و تقریری ہر طرح کی جد جہد کی، جس کا حسین ثمرہ ہے کہ آج بھی اس ملک میں مقلدین کی غالب اکثریت ہے۔ غیر مقلدین حضرات عصیت سے خالی الذہن ہو کر تھوڑی دیر کے لئے اپنے امام ابن تیمیہ کے قول: اما اجماع الامة فهو فی نفسه حق لا تجتمع الامة علی الضلالة پر غور کریں تو یقیناً انہیں قبولیت حق میں مدد ملے گی اور امت مسلمہ کے درمیان سے ایک بڑا فساد ختم ہو جائے گا۔

☆☆☆☆

پاکستان میں ماہنامہ جام نور کے نمائندے

پاکستان میں ماہنامہ ”جام نور“ کے شائقین کو یہ جان کر یقیناً خوشی ہوگی کہ اب مذکورہ رسالہ کراچی و لاہور کے حسب ذیل نمائندوں سے حاصل کیا جاسکتا ہے، نیز ماہنامہ جام نور کا ”جہاد نمبر“ اور ”ریکس القلم“ نمبر بھی ان جگہوں پر دستیاب ہے۔

نمائندہ لاہور

مولانا پیر زادہ اقبال فاروقی

مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ، لاہور (پاکستان)

00-92-3004235658

نمائندہ کراچی

مصطفیٰ سرور اعظمی

مکتبہ رضویہ، آرام باغ روڈ، گاڑی کھانا، کراچی (پاکستان)

Ph: 00-92-21-2216464-2627897

Mb: 00-92-3002212590

تقلید کی مخالفت

ایک علمی و تحقیقی جائزہ

کواکب و نجوم کی انجمن آرائی اور بزم کہکشاں کا مشاہدہ کر کے خالق کائنات کا پتہ لگا لیتے ہیں اور بعض ایسے یتیم اطفال ہوتے ہیں کہ ان کے سامنے دلائل و براہین کے انبار بھی بے سود ہوتے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ہر انسان میں یہ صلاحیت نہیں پائی جاتی کہ وہ علوم و معارف کے بحر موج میں غوطہ زن ہو کر اس کی پینہ نیوں سے حکمت و معرفت کے آبدار موتیوں کو برآمد کر سکے۔ یہ لفظ دیگر ہر انسان قرآن کریم اور احادیث نبویہ سے مسائل شرعیہ کے استنباط و استخراج کی صلاحیت و قدرت نہیں رکھتا ہے، ہر شخص اجتہاد کے مرتبہ عظمیٰ پر فائز ہونے کی طاقت و قوت نہیں رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جمہور علمائے کرام مسائل فرعیہ میں ہر شخص پر نظر و اجتہاد کو واجب و لازم نہیں کرتے ہیں۔ لیکن اسی ریع سکون پر مسلمانوں میں ایک گروہ ایسا بھی پایا جاتا ہے، جو علمائے ناس کو اجتہاد کا مکلف بنانے پر اصرار بے جا کر رہا ہے۔ اس کا خیال خام یہ ہے کہ ہر مسلمان کے اندر قرآن و حدیث کے فہم و ادراک کی صلاحیتیں موجود ہیں، ان کو سمجھنے کے لیے وہ ائمہ کرام کے محتاج نہیں ہیں، اس کا کہنا ہے کہ جس طرح صحابہ کرام اور تابعین عظام ایک دوسرے کی تقلید نہیں کیا کرتے تھے۔ اسی طرح اس دور کے مسلمانوں کو بھی کسی کی تقلید نہیں کرنا چاہیے، کیوں کہ تقلید ناجائز و حرام ہے۔ گویا کہ یہ گروہ عوام الناس کو ”شتر بے مہار“ جیسی زندگی گزارنے کا تصور دے رہا ہے۔ رہ گیا اس کا یہ دعویٰ کہ صحابہ کرام اور تابعین عظام ایک دوسرے کی تقلید نہیں کیا کرتے تھے۔ تو یہ بے مقدار کا تب الحروف۔ ان شاء اللہ۔ آئندہ صفحات پر اس کے رخ سے نقاب اٹھانے کی پوری کوشش کرے گا اور انہیں کی تحریر سے ثابت کرے گا۔

تقلید کی تعریف اور مکاتب فکر:۔ اس گروہ کی خامہ تلاشی اور اس کے نظریہ کا تحقیق و تنقید جائزہ لینے سے قبل اصطلاح کے اعتبار سے تقلید کی تعریف سے آگاہ ہونا از حد ضروری ہے، ساتھ ہی یہ بھی جاننا لازم ہے کہ تقلید کا محال کیا ہے؟ اور اس سلسلہ میں اب تک کتنے مکاتب

کائنات خلقت کی بوقلمونی:- اس عالم رنگ و بو میں مختلف نکت اشیا پائی جاتی ہیں، خدائے قدوس نے انہیں حسن و جمال سے آراستہ فرمایا ہے۔ ان کے اندر مراتب و درجات کی کارفرمائی ہے۔ پہلا درجہ نباتات کا ہے، جن کے اندر رمبو کی قوت پائی جاتی ہے نہ ہی احساس اور ایک کی صلاحیت، اس کے بعد نباتات کا مرتبہ ہے، جو بڑھنے اور پھیلنے پھلنے کی صلاحیت تو ضرور رکھتے ہیں، مگر احساس کی قوتوں سے محروم ہوتے ہیں، ان کے اندر ادراک کی قوت نہیں پائی جاتی ہے، وہ ادبی طور پر حرکت کرنے سے عاجز ہوتے ہیں، اس کے بعد حیوانات کا درجہ ہے، جو احساس اور متحرک بالا راہہ ہوتے ہیں، اس کے بعد انسان کا مرتبہ و مقام ہے جو احساس و ادراک کی قوتوں سے مالا مال ہونے کے ساتھ ساتھ فکر و تدبیر کی صلاحیتوں سے بھی سرفراز ہوتے ہیں جو حیوانات کو ترتیب دے کر معلومات کی بلندیوں پر کھنڈالنے کی استطاعت رکھتے ہیں۔

لیکن اس موقع پر ایک سوال ذہن و فکر کی دیبلز پر دستک دیتا ہے کہ کیا ہر انسان کی قوت فکر ایک درجہ کی ہوتی ہے یا پھر ان میں تفاوت ہے؟ کیا ہر انسان مجبولات سے معلومات تک پہنچنے کی صلاحیت رکھتا ہے؟ یا پھر ان میں ایک دوسرے کے دست و گریختاج ہوتے ہیں؟ اس کے جواب میں اس کے علاوہ اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ انسان مختلف درجہ پر ہوتے ہیں، بعض اپنی فکری صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر چاند کی مداروں پر پہنچ کر عیش و راحت کے لیے محل تعمیر کرنے کی سعی پیہم کر رہے ہیں اور بعض اس ہموار زمین پر چلنے کی بھی طاقت نہیں رکھتے۔ انسان کے افراد میں بعض ذہانت و فطانت کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہو کر دوسروں کے لیے رشد و ہدایت کی شمعیں فروزاں کرتے ہیں اور بعض مسافرت کی تیرگی میں رہ کر نہ صرف اپنی تباہی کے سامان پیدا کرتے ہیں بلکہ دوسروں کی بھی ہلاکت و بربادی کے اسباب فراہم کرتے ہیں۔ کچھ اپنی ذکاوت و ذہانت کے باعث گردش لیل و نہار،

فکر عالم وجود میں آئے ہیں؟ تاکہ اس نوپید فرقہ کی حقیقت آفتاب نصف النہار کے مانند روشن و آشکار ہو جائے۔ تقلید کی تعریف کرتے ہوئے علمائے اصولیین فرماتے ہیں: ”هو أخذ قول الغير من غير معرفة دليله“ (اصول الفقہ الاسلامی ۲/۴۰۱، الاحکام للامامی ۳/۱۶۶ وغیرہ) یعنی تقلید کا مفہوم یہ ہے کہ غیر کے قول کو اس کی دلیل کی معرفت کے بغیر اپنانا اور اس پر عمل کرنا۔ جمہور علمائے کرام کے نزدیک عقائد اور ان مسائل میں تقلید جائز نہیں ہے، جن کا ثبوت دلائل قطعیہ سے ہے۔ البتہ بعض گمراہ فرقے ان میں بھی تقلید کو جائز قرار دیتے ہیں اور بلاض تو واجب کہتے ہیں اور نظر و اجتہاد کو ناجائز و حرام ٹھہراتے ہیں (المستصفیٰ ۲/۱۳۳، الاحکام للامامی ۳/۱۶۷)۔ رہ گئے وہ مسائل فرعیہ جن کا ثبوت دلائل ظنیہ سے ہوتا ہے تو ان میں تقلید کے سلسلہ میں علماء تین گروہ میں منقسم نظر آتے ہیں اور یہی تقلید ہمارے مقالہ کا محور ہے۔

(۱) پہلا گروہ ظاہریہ، معتزلہ بغداد اور اکثر امامیہ کا ہے، اس کا نظریہ یہ ہے کہ ہر شخص پر اجتہاد لازم و ضروری ہے اور تقلید ناجائز و حرام ہے۔ چنانچہ ابن حزم ظاہری تحریر کرتے ہیں ”التقلید کلمہ حرام فی جمیع الشرائع، اولہا عن آخرہا، من التوحید والنسب، والقدر والایمان والوعید والامامۃ والمفاضلۃ و جمیع العبادات ولا احکام“ (الاحکام فی اصول الاحکام ۶/۸۶۱)۔

(۲) اور دوسرا گروہ حشویہ اور تعلیمیہ کا ہے، جو عدم جواز کا قائل ہے، اس کا کہنا ہے کہ اندر مجتہدین کے زمانہ کے بعد اب کسی کے لیے اجتہاد جائز نہیں ہے، بلکہ سب پر تقلید واجب ہے (اصول الفقہ الاسلامی ۲/۱۳۳، المستصفیٰ ۲/۱۳۳)۔

(۳) اور تیسرا گروہ اعتدال پسندوں کا ہے، یہ لفظ دیگر علماء اہل سنت و جماعت کا ہے، جن کا نظریہ یہ ہے کہ اجتہاد ناجائز و حرام نہیں ہے کہ جو اجتہاد کی استطاعت و قدرت رکھتے ہوں ان کو بھی اس سے محروم کر کے ان پر تقلید کو واجب و ضروری قرار دے دیا جائے۔ ہاں! جو اجتہاد کی صلاحیت نہیں رکھتے خواہ وہ عالم ہی کیوں نہ ہوں، ان پر تقلید واجب ہے (اصول الفقہ الاسلامی ۲/۴۰۱، الاحکام للامامی ۳/۱۶۷، المستصفیٰ ۲/۱۳۳ وغیرہ)۔

تقلید کے بارے میں شیخ ابن تیمیہ کی رائے:۔ ان تینوں مکاتب فکر کے آراء و نظریات کو ملاحظہ کرنے کے بعد شاید ہی کوئی عاقل

یہ قول کرنے میں تردد کا شکار ہو کہ پہلا اور دوسرا گروہ افراط و تفریط سے خالی نہیں اور تیسرا گروہ اعتدال کی راہ پر گامزن ہے، اس نے ہر انسان کو اجتہاد کا مکلف بنا کر تکلیف مالا یطاق نہیں دیا ہے اور نہ ہی ہر شخص کے لیے تقلید کو واجب و لازم گردان کر اجتہاد کی اہلیت و صلاحیت رکھنے والوں کو اس سے محروم کیا ہے۔ اس لیے جو حضرات اجتہاد کی استطاعت نہیں رکھتے ان مکے کے لیے ضروری ہے کہ وہ مجتہدین عظام کی تقلید کریں۔ البتہ جو صاحب استطاعت ہیں ان پر تقلید حرام ہے۔ شیخ ابن تیمیہ جمہور علمائے اہل سنت کے نظریہ کو اجاگر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: ”والذی علیہ جما ہیرا الامة، أن الاجتہاد جائز فی الجملة، والتقلید جائز فی الجملة، لا یوجبون الاجتہاد علی کل أحد و یحرمون التقلید، ولا یوجبون التقلید علی کل أحد و یحرمون الاجتہاد، وأن الاجتہاد جائز للقادری علی الاجتہاد، والتقلید جائز للعاجز عن الاجتہاد، فاما القادر علی الاجتہاد و فہل یجوز لہ التقلید؟ هذا فیہ خلاف، والصحیح أنه یجوز حیث عجز عن الاجتہاد“ (مجموعۃ الفتاویٰ ۱۰/۱۲۲۰)۔

یعنی جمہور امت کے نزدیک اجتہاد بھی جائز ہے اور تقلید بھی، وہ نہ تو ہر شخص پر اجتہاد کو واجب اور تقلید کو حرام کرتے ہیں، اور نہ ہی ہر شخص پر تقلید کو واجب اور اجتہاد کو حرام کرتے ہیں، جو اجتہاد کی قدرت و استطاعت رکھتا ہے، اس کے لیے اجتہاد جائز ہے اور جو اجتہاد سے عاجز ہے، اس کے لیے تقلید جائز ہے، لیکن جو شخص اجتہاد پر قادر ہے، اس کے لیے تقلید جائز ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، مگر صحیح یہ کہ جہاں وہ اجتہاد سے عاجز ہو وہاں اس کے لیے بھی تقلید جائز ہے۔

تقلید کی جھوٹی تاریخ اور اس پر تعقب:۔ شمس و امس کی طرح واضح ہو گیا کہ جمہور جس راہ پر چل رہے ہیں وہی صراط مستقیم ہے، لیکن کچھ لوگ ظاہریہ، معتزلہ بغداد اور امامیہ کے افکار و نظریات سے متاثر ہو کر ہر کس و نا کس کو مجتہد بنانے کی مہم چلا رہے ہیں، انہیں کے آراء و نظریات کو عام کرنے کی سعی لا حاصل کر رہے ہیں اور انہیں کے پر فریب دلائل کا سہارا لے کر بہ الفاظ دیگر انہیں کی تقلید کا پتہ گلے میں ڈال کر عوام کو خواہشات نفس کا بندہ بنانے کا ناپاک کوشش کر رہے ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ ہم اسلاف کے طریقہ پر عمل پیرا ہیں، جس طرح

الدیة، فبلغ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فضحک حتی بدت نواجمہ من قضاء علی رضی اللہ عنہ“ (اعلام الموقعین ۱/۶۳ فصل: الصحابة مجتہدون و یقسیون)

یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ جب یمن میں تھے، تو ان کی بارگاہ میں تین اشخاص ایک بچہ کے سلسلہ میں اختلاف کر کے حاضر ہوئے اور ہر شخص اسے اپنا بیٹا کہہ رہا تھا تو آپ نے ان کے درمیان قرعہ اندازی کی اور جس کا نام نکلا بچہ کو اسی کے حوالہ کر دیا، البتہ اس سے دیت کا ثلث حصہ لیا اور ان لوگوں کو دے دیا، جب اس فیصلہ کی خبر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے پسندیدگی کا اظہار فرمایا۔

ابن قیم صاحب کی اس روایت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس مسئلہ میں کوئی آیت ملی اور نہ ہی کوئی حدیث، اسی لیے انہوں نے اجتہاد فرمایا اور ان لوگوں کے درمیان فیصلہ کیا اور جب اس کی خبر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ملی تو آپ نے انکار نہیں فرمایا۔ بلکہ رضا کا اظہار فرمایا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ زمانہ رسالت میں صحابہ کرام اجتہاد فرمایا کرتے تھے اور جو حضرات اجتہاد کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے وہ دوسروں کی تقلید کیا کرتے تھے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ربوۃ اجتہاد سے منع فرماتے اور نہ ہی تقلید کو حرام قرار دیتے۔

اور ابن قیم صاحب رقم طراز ہیں: ”واجتہد سعاد بن معاذ فی بنی قریظہ، وحکم فیہم باجتہادہ فصولہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقال: لقد حکمت فیہم بحکم اللہ من فوق السموات والارض“ (اعلام الموقعین ۱/۶۳ فصل: الصحابة مجتہدون و یقسیون)

یعنی حضرت سعاد بن معاذ نے بنو قریظہ کے اندر اپنے اجتہاد سے فیصلہ کیا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی تصویب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ تم نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا ہے۔

اس روایت سے بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجتہاد فرماتے تھے اور جن کے اندر اجتہاد کی استطاعت نہیں ہوتی تھی وہ ان کی تقلید کیا کرتے تھے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس کی خبر تھی مگر آپ نے اجتہاد و تقلید سے منع نہیں فرمایا۔ ابن قیم صاحب نے شوکانی صاحب کے ہم خیال ہونے کے باوجود ان کے علاوہ اور بہت سی روایات کو سپرد قمر طاس کیا ہے جن سے اہل سنت و جماعت کے موقف

کی تقلید نہیں کرتے تھے، اسی طرح ہم بھی کسی کی تقلید کے قائل نہیں ہیں۔ چونکہ تقلید کا سلسلہ چوتھی صدی ہجری کے اوائل میں شروع ہوا ہے۔ چنانچہ سنی مذہب کے متحرک و فعال اور سرگرم رکن قاضی شوکانی صاحب تحریر کرتے ہیں: ان التقلید لم یحدث الا انقراض خیر السلف، ثم الذین یلونہم، ثم الذین یلونہم، وان حدوث السدھب بمذاهب الأئمة الأربعة، انما کان بعد انقراض عصر الأئمة الأربعة، وانہم کانوا اعلیٰ نمط من تقدمہم من السلف فی ہجر التقلید، وعدم الاعتداد بہ، وان ہذہ المذاهب انما أحدثھا عوام المقلدۃ لانفسہم من دون ان یخبر بہا امام من الأئمة المجتہدین۔“ (القول المفید فی ادلة حجتہ و تقلیدہ ص: ۱۰۸)

یعنی تقلید کا سلسلہ ائمہ اربعہ کے زمانہ کے بعد شروع ہوا، جبکہ ائمہ اربعہ کے طریقہ پر تھے، یعنی تقلید نہیں کرتے تھے اور ان مذاہب کو عام مسلمانوں نے اپنے لیے ائمہ مجتہدین کی اجازت کے بغیر اختیار کر لیا ہے۔ شوکانی صاحب کی یہ بات کہ ”تقلید کا سلسلہ ائمہ اربعہ کے بعد شروع ہوا ہے“۔ ان کے نظریہ کے مطابق قابل عمل تو درکنار لائق اعتناء نہیں ہے۔ کیوں کہ ان کے قول کو دلائل کی پشت پناہی حاصل نہیں ہے۔ لہذا ان کے قول کو بلا دلیل مان لینا گویا ان کی تقلید کرنا ہے جو ان زمانہ میں سرتاسر ناجائز و حرام ہے، اس لیے ان کی یہ بات نہ صرف یہ کہ اہل سنت و جماعت کے نزدیک غیر معتبر ہے بلکہ خود ان کے ”مسئدین“ کو بھی اس پر عمل نہیں کرنا چاہیے۔ علاوہ ازیں دلائل و شواہد کے خلاف شہادت دے رہے ہیں۔ چنانچہ شوکانی صاحب کے ہم نوا ہم خیال ابن قیم صاحب اپنی کتاب میں کچھ ایسے واقعات صحابہ کرام و ائمہ عظام کے ذکر کیے ہیں، جو خود ان کے اور شوکانی صاحب کے عقیدے پر یکجہ بن کر گرتے ہیں اور طرفہ تو یہ ہے کہ ابن قیم صاحب نے اپنے اپنا تعصب بھی نہیں پیش کیا ہے، جس سے ان کی عاجزی و درمندی ظاہر ہے۔

ابن قیم کا اعتراف حقیقت کہ صحابہ تقلید کرتے تھے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں: ”ولما کان علی رضی اللہ عنہ بالیمن اثناء حجة لصر یختصمون فی غلام، فقال کل منہم: ہوا بنی، فخرج علی بینہم، فجعل الولد للقارح وجعل للرجلین ثلثی

کی تائید و توثیق ہوتی ہے۔ (ملاحظہ ہو اعلام الموقعین ۱/۱۶۳، ۱۶۴، فصل: الصحابة المجتہدون والفقہون) لہذا شوکانی صاحب کا یہ دعویٰ کہ ”تقلید کا آغاز ائمہ اربعہ کے بعد ہوا“ نہایت منہور ہو گیا۔

ابن قیم کی تلوار شوکانی صاحب کی گردن پر: سلفی مذہب کی نشر و اشاعت میں شوکانی صاحب کا بہت بڑا ہاتھ رہا ہے، انہوں نے ”کثرت غیر مقلدین“ کو اپنے خون پسینہ سے سیراب کیا ہے اور اس کی سرسبزی و شادابی کے لیے اپنی حیات مستعار کو صرف کر دیا، اور تقلید کی مخالفت کے جذبات کی روشنی میں بہ کراتے حواس باختہ ہو گئے کہ جو آیات کریمہ کفار و مشرکین کی مذمت میں وارد ہوئی تھیں، ان کو بڑی بے باکی کے ساتھ ائمہ مجتہدین کی تقلید کرنے والے مسلمانوں پر چسپاں کر دیا۔ مثلاً اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

(۱) وَاِذَا قِيلَ لَهُمْ اتَّبِعُوا مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا اَبِئْنَا نَعْبُدُ مَا اَنْزَلْنَا عَلٰى اٰبَاءِ نَا اَوْ لَوْ كَانَ اَبَاؤُہُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ شَیْئًا وَلَا یُہْتَدُوْنَ“ (سورۃ البقرہ ۷۰) ترجمہ: اور جب ان سے کہا جائے، اللہ کے آواز پر چلو، تو کہیں، بلکہ ہم تو اس پر چلیں گے جس پر اپنے باپ دادا کو پایا، کیا اگر چہ ان کے باپ دادا نہ کچھ عقل رکھتے ہوں نہ ہدایت (کنز الایمان)

(۲) ”وَكَذٰلِكَ مَا رَسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِیْ قَرْیَۃٍ مِنْ نَذِیْرِ الْاَقْبَالِ مُصَرِّفُوْہَا اِنَّا وَجَدْنَا اٰبَاءَہُمْ عَلٰی اٰمَۃٍ وَّ اِنَّا عَلٰی اٰثَارِہُمْ مُّقْتَدُوْنَ“ (سورۃ الزخرف ۲۳، ۲۴) ترجمہ: اور ایسے ہی ہم نے تم سے پہلے جب کسی شہر میں کوئی ڈرستانے والا بھیجا، وہاں کے آسودوں نے یہی کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک دین پر پایا اور ہم ان کی لکیر کے پیچھے ہیں، نبی نے فرمایا اور کیا جب بھی کہ میں تمہارے پاس وہ لاؤں جو سیدھی راہ ہو اس سے جن پر تمہارے باپ دادا تھے۔ (کنز الایمان)

(۳) وَاِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰی مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ اِلٰی الرَّسُوْلِ قَالُوْا احْسِبْنَا مَا وَجَدْنَا عَلٰیہِ اٰبَاءَ نَا“ (سورۃ المائدۃ ۱۰۳) ترجمہ: اور جب ان سے کہا جائے آؤ اس طرف جو اللہ نے امارا اور رسول کی طرف، کہیں ہمیں وہ بہت ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا (کنز الایمان)

ان آیات کو شوکانی صاحب نے تقلید کی مذمت پر استدلال کرتے

ہوئے پیش کیا ہے اور تقلید کے رد و ابطال میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا ہے۔ مگر انہیں کے ہم خیال ابن قیم صاحب عدل و انصاف کے گلے پر چلتی ہوئی چھری دیکھ کر برداشت نہ کر سکے اور ان کی ساری کدو کاوش پر پانی پھیرتے ہوئے صاف لفظوں میں لکھا کہ ان آیات کریمہ میں ان لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جو احکام خداوندی پر عمل نہ کر کے اپنے آباء و اجداد کی پیروی کیا کرتے تھے، جو نہ کہ ائمہ مجتہدین کی تقلید کرتے ہیں، کیونکہ یہ تقلید تو اجر و ثواب کا باعث ہے۔ چنانچہ وہ ان آیات کو نقل کر کے ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں: انہ سبحانہ ذم من اعرض عما اَنْزَلَہِ اِلٰیہِ تَقْلِیْدُ الْاٰبَاءِ، وَہَذَا الْقَدْرُ مِنَ التَّقْلِیْدِ هُوَ مَا اتَّفَقَ السَّلَفُ وَالْاٰثِمَةُ الْاَرْبَعَةُ عَلٰی ذَمِّہِ وَتَحْرِیْمِہِ، وَاَمَّا تَقْلِیْدُ مَنْ بَدَّلَ جَہْدَہُ فِیْ اتِّبَاعِ مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ وَخَفٰی عَلَیْہِہُ بَعْضُہُ فَقَلْدٌ فِیْہِ مِنْ هُوَ اَعْلَمُ مِنْہُ فَہٰذَا مَحْمُوْدٌ غَیْرُ مَذْمُوْمٍ مَا جَوْرٌ غَیْرُ مَآزُوْر۔“ (اعلام الموقعین ۲/۲۳۸)

یعنی اس میں کوئی ویرانہ نہیں کہ خدائے قدوس نے اس شخص کی مذمت کی ہے، جس نے اپنے آباء و اجداد کی تقلید کی اور اس کے نازل کردہ احکامات سے روگردانی کی۔ اسی تقلید کی حرمت و مذمت پر ائمہ کرام و سلف صالحین متفق ہیں۔ البتہ جس نے احکام خداوندی کی تحقیق و تلاش میں پوری کوشش صرف کر دی اور صحیح نتیجہ تک نہ پہنچ سکا اور اس نے اپنے اس اعلم و افضل کی تقلید کر لی تو یہ محمود ہے، مذموم نہیں۔ اس پر وہ اجر و ثواب کا مستحق ہوگا نہ کی گناہ کا۔

ابن قیم صاحب کی اس عبارت سے واضح ہوا کہ سلف صالحین اور ائمہ کرام نے جس تقلید کی مذمت و حرمت پر اتفاق و اجماع کیا ہے وہ انسان کا خدائے قدیر کے احکام سے چشم پوشی کر کے اپنے آباء و اجداد کی تقلید کرنا ہے نہ کہ مجتہدین عظام کی پیروی کرنا ہے۔ لہذا شوکانی صاحب نے سلفی ہونے کے باوجود ان آیات کو تقلید ائمہ پر چسپاں کر کے اسلاف کے اجماع و اتفاق سے اختلاف کیا اور خرق اجماع کے جرم کا ارتکاب کیا جو بہر حال ایک سنگین جرم ہے۔

شوکانی صاحب کا قائل وید اضطراب: علمائے اہل سنت و جماعت نے اپنے نظریہ کو دلائل و براہین سے آراستہ کیا ہے، جو منصف مزاج اور اعتدال پسند حضرات کے دل و دماغ میں اترتے چلے جاتے ہیں اور انہیں صراطِ مستقیم کی ہدایت و رہنمائی کرتے نظر آتے ہیں۔ مگر جو ظالم

کا اعتبار کیا اور خصوص سبب سے نگاہیں موڑ لیں، گویا کہ وہ اپنے بنائے ہوئے اصول کی زنجیر میں اس طرح جکڑ گئے کہ اس سے چھٹکارا پانا ان کے لیے محال ہو گیا، چنانچہ وہ آیات جو کفار و مشرکین کے حق میں نازل ہوئی تھیں، ان کو مسلمانوں پر منطبق کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں: ”وہی وان كان تسويلها في الكفار، لكن قد صح تاويلها في المقلدين لا تحاد العلة، وقد تقر في الاصول ان الاعتبار بعموم اللفظ لا بخصوص السبب، وان الحكم يدور مع العلة وجوداً وعدماً“ (القول المفيد ۲۵)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ائمہ کرام کے بنائے ہوئے اصولوں کی تقلید نہ کرنے کی وجہ سے عالم کہلانے والے بلکہ مجتہد گردانے جانے والے اضطراب کا شکار ہو کر تھوکرین کھا کھا کر گر رہے ہیں تو عام لوگوں کو اگر مطلق العنان بنادیا جائے تو پھر ان کا کیا حال ہوگا؟

قاضی شوکانی صاحب زبردست تھوکر کھانے کے بعد کہتے ہیں کہ ”اگر بالفرض سوال کو عام مان لیا جائے، تب بھی مقصود حاصل نہیں ہوگا، کیونکہ ”اہل الذکر“ سے مراد اہل قرآن و اہل حدیث ہیں۔ خدا جانے شوکانی صاحب نے اہل قرآن اور اہل حدیث سے کیا مراد لیا ہے؟ یہ تو ان کے ”مقلدین“ ہی بتا سکتے ہیں کہ انہوں نے اس سے ان خاص فرقوں کو مراد لیا ہے جو ”اہل قرآن“ اور ”اہل حدیث“ کے نام سے مشہور ہیں یا پھر وہ لوگ مراد ہیں جو قرآن و حدیث کا علم رکھتے ہیں؟

اور ان سے مسائل کے استخراج و استنباط کی صلاحیت رکھتے ہیں؟ بہر حال اگر پہلی شق کو اختیار کرتے ہیں تو اس کا واضح مفہوم یہ ہوگا کہ غیر مقلدین سے سوال کرو، اور اس پر عمل کر کے ان کی تقلید کرو، گویا شوکانی صاحب ائمہ کرام کی تقلید سے روک کر لوگوں کو اپنا مقلد بنانے کی سعی و کوشش کر رہے ہیں اور اگر شق ثانی کو اپناتے ہیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ائمہ کرام و مجتہدین عظام قرآن و حدیث کا علم نہیں رکھتے تھے؟ کتاب اللہ کو سمجھنے کی صلاحیت ان کے اندر نہیں تھی؟ احادیث نبویہ کے فہم و ادراک کی قوتوں سے خالی تھے؟ یہ لفظ دیگر احادیث کی روایت و درایت سے نابلد تھے؟ میرے خیال میں ابتدائی درجات کا ایک غبی طالب علم بھی یہ قول کرتے ہوئے شرمائے گا۔ لہذا ازور روشن کی طرح واضح ہوا کہ ”اہل الذکر“ سے مراد وہ علمائے ربانین ہیں جو مرتبہ اجتہاد پر فائز ہوئے اور انہیں کی تقلید کی جائے گی نہ کہ ان ہلاکت زدہ

مقلدین اور امامیہ کے زلفوں کے اسیر ہو چکے ہیں، اور ان کی تقلید کا پتہ بے گنجے میں ڈال کر انہیں کو اپنا مادی و مبالغہ تسلیم کر لیے ہیں، وہ ان دلائل صحیحہ کی ایسی ”پولیوزہ تاویل“ کرتے ہیں کہ ادنیٰ ذہن و فکر کا مالک ان سے وائش کا مذاق اڑانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر علمائے اہل سنت و جماعت تقلید کے وجوب پر استدلال کرتے ہوئے قرآن کریم کی یہ آیت شریفہ پیش کرتے ہیں فقال تعالیٰ: ”فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون“ (سورۃ النحل ۳۳) ترجمہ: تو اے لوگو! علم ان سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں۔ (کنز الایمان)

اس آیت مبارکہ میں خدا نے قدرے اپنے ان بندوں کو اہل علم سے ریافت کرنے کا حکم دیا ہے جو بظور علم سے مزین نہیں ہیں، اس سے تحیید کا ثبوت ہوتا ہے، اس لیے غیر مقلدوں کے ہر مغال قاضی شوکانی صاحب نے اپنے اجتہاد کی ساری قوتوں کو سمیٹ کر بحر توحید و تاویل میں ڈبوئے اور کشتی غیر مقلدیت کو غرق ہونے سے بچانے کے لیے اپنی کوشش کر ڈالی۔ وہ لکھتے ہیں: ”اس آیت کا نزول خاص سوال کے بارے میں ہوا ہے، جیسا کہ آیت کا سیاق و سباق دلالت کر رہا ہے، ابن جریر، بخاری اور اکثر مفسرین کا کہنا ہے کہ یہ ان مشرکین کے رد میں نازل ہوئی ہے جو حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بشریت کا انکار کرتے تھے اور اگر بالفرض ہم یہاں پر سوال عام مراد لے لیتے ہیں، تب بھی (مقلدین کو) مقصود حاصل نہیں ہوگا، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ”اہل الذکر“ سے سوال کرنے کا حکم دیا ہے اور ”ذکر“ سے مراد صرف قرآن کریم و احادیث نبویہ ہیں۔ لہذا صرف اہل قرآن و حدیث سے سوال جائز ہے۔“ (ترجمہ ملخص القول المفید فی اولیۃ الاجتہاد و تقلید ص: ۷)

شوکانی صاحب کی یہ تاویل کتنی متعجبانہ خیر ہے وہ محتاج بیان نہیں، جو علم اصول میں یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ خصوصی سبب کا اعتبار نہیں ہوتا ہے، بلکہ عموم لفظ کا اعتبار ہوتا ہے مگر آں جناب جذبات کی وجہ سے اس قدر بہہ گئے کہ اصول و ضوابط کے بندھنوں کو توڑ دیا تاکہ ان کی طرح غیر مقلدیت کی کشتی کو ڈوبنے سے بچا سکیں، لیکن ناکامی محض تھی، اس لیے کامیاب نہ ہو سکے، اور یہاں پر تو کہہ دیا کہ سوال عام ہے، یہ لفظ دیگر خصوص سبب کا اعتبار ہے نہ کی عموم لفظ کا، لیکن جب تحیید کے رد پر قرآن سے استدلال کیے تو چونکہ ان آیات کا نزول ان کے بارے میں ہوا تھا، اس لیے انہوں نے ان آیات میں عموم لفظ

اور یتیم العلم کی پیروی کی جائے گی جو اپنے ہی وضع کردہ اصولوں کی زنجیروں میں جکڑے کر رہے ہیں۔

ابن قیم کے نزدیک ائمہ کی تقلید والدین کی اطاعت سے برتر ہے۔ ابن قیم صاحب جنہوں نے خود تقلید کے رد میں بہت کچھ لکھا ہے (ملاحظہ ہو اعلام الموقعین ۲/ ۳۳۷-۳۳۸) وہ فقہائے اسلام کو آسمان رشد و ہدایت کے نجوم و کواکب اور ان کی اطاعت کو ماں باپ کی اطاعت سے افضل بتاتے ہوئے تحریر کرتے ہیں: "فقہاء الاسلام، و من درات الفیاء علی اقوالہم بین الانام الذین خصوصاً باستنباط الاحکام، و عنوا بضبط قواعد المحلل والحرام، فہم فی الارض منزلة النجوم فی السماء بہم یتہدی الحیران فی الظلماء و حاجۃ الناس الیہم اعظم من حاجتہم الی الطعام والشراب، و طاعتہم افرض علیہم من طاعة الامہات والاباء بنص الكتاب، قال تعالیٰ: "یا ایہا الذین آمنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم (اعلام الموقعین ۱/ ۱۶)

یعنی فقہائے اسلام اور جن کے فتاویٰ لوگوں کے مابین شائع اور ذائع ہیں اور جنہوں نے احکام کا استنباط کیا اور حلال و حرام کے اصول و قواعد وضع کیے، وہ اس زمین پر آسمان کے تاروں کے مانند ہیں (جس طرح رات کی تاریکی میں اور بحری سفر کرنے والے ان تاروں کے ذریعہ منزل مقصود کا صحیح سمت متعین کرتے ہیں) اسی طرح گمراہی کی تیرگی میں زندگی بسر کرنے والے ان علماء کرام سے ہدایت حاصل کرتے ہیں اور لوگ طعام و شراب سے کہیں زیادہ ان کے محتاج ہیں اور ان کی اطاعت والدین کی اطاعت سے برتر ہے۔ جیسا کہ کلام اللہ سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ یا ایہا الذین آمنوا۔۔۔۔۔

ابن قیم کی یہ عبارت خرمین غیر مقلدیت پر بجلی بن کر گر رہی ہے، کیونکہ وہ صاف لفظوں میں لکھ رہے ہیں کہ "ائمہ کرام وفقہائے اسلام کی اطاعت والدین کی اطاعت سے بلند و جہرہ تھی ہے" یہ الگ بات ہے کہ ہم یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ اس عبارت کا صدور ان کے قلم سے ہوئی و حواس کی سلامتی اور قصد و ارادہ کے ساتھ ہوا یا غفلت و نادانی میں: الفضل ما شهدت بہ الأعداء

تقلید کا ثبوت خود شوکانی صاحب کی تفسیر سے:۔۔۔۔۔

ست و جماعت تقلید کے وجوب پر استدلال کرتے ہوئے قرآن حکیم کی اس آیت شریفہ کو پیش کرتے ہیں "یا ایہا الذین آمنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم (النساء ۵۹)

اس آیت مبارکہ میں خدائے قدیر نے اپنی اور اپنے حبیب حبیب علیہ الصلوٰۃ و التسلیم کی اطاعت کا حکم دینے کے ساتھ ساتھ "اولوالامر" کی بھی اطاعت کا حکم صادر فرمایا ہے "اولوالامر" کی تفسیر میں قاضی شوکانی صاحب رقم طراز ہیں:

"وأولی الامر: هم الأنصۃ والسلاطین والقضاة وکل من کانت لہ ولاية شرعیة لا ولاية طاغوتیة، والمراد طاعتہم فیما یأمرون بہ، وینہون عنہ ما لم تکن معصیة، فلا طاعة لمخلوق فی معصیة اللہ، کما ثبت ذلک عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، وقال جابر بن عبد اللہ و مجاہد: ان اولی الامر: اهل القرآن والعلم، وبہ مالک والضحاك، وروی عن مجاہد، أنهم أصحاب محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، وقال ابن کيسان: هم اهل العقل والوای، والراجح القول الاول" (فتح القدیر ۶/ ۷۸)

یعنی "اولوالامر" سے ائمہ کرام، سلاطین، قضاة اور ہر وہ شخص مراد ہے جسے شرعی ولایت و حکومت حاصل ہے اور ان کی اطاعت کا مطلب یہ ہے کہ وہ جن باتوں کا حکم دیں ان کو بجالایا جائے اور جن سے منع کریں ان سے باز رہا جائے، اس شرط کے ساتھ کہ وہ معصیت کا حکم نہ دیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی معصیت میں کسی کی اطاعت و پیروی نہیں کی جاسکتی جیسا کہ حدیث رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور جابر بن عبد اللہ اور مجاہد نے فرمایا کہ "اولی الامر" سے اہل قرآن و اہل علم مراد ہیں اور یہی مالک اور ضحاك کی رائے ہے، اور مجاہد سے ایک روایت یہ کی گئی ہے کہ اس سے صحابہ کرام مراد ہیں، اور ابن کيسان کا کہنا ہے کہ اس سے اہل عقل و رائے مراد ہیں۔ لیکن راجح قول اول ہے۔

حافظ ابن کثیر کی رائے:۔۔۔ اور ابن قیم کے شاگرد حافظ ابن کثیر "اولوالامر" کے بار میں تحریر کرتے ہیں: "وقال علی بن ابی طلحة عن ابن عباس: "وأولی الامر منکم" یعنی اہل الفقہ والدین، وکذا قال: مجاہد و عطاء، والحسن البصری، وأبو العالیة، اولی الامر یعنی العلماء والظاهر۔ واللہ اعلم

اور یتیم العلم کی پیروی کی جائے گی جو اپنے ہی وضع کردہ اصولوں کی زنجیروں میں جکڑے کراہ رہے ہیں۔

ابن قیم کے نزدیک ائمہ کی تقلید والدین کی اطاعت سے برتر ہے۔ ابن قیم صاحب جنہوں نے خود تقلید کے رد میں بہت کچھ لکھا ہے (ملاحظہ ہو اعلام الموقعین ۲/ ۳۳۷-۵۰۳) وہ فقہائے اسلام کو آسمان رشد و ہدایت کے نجوم و کواکب اور ان کی اطاعت کو ماں باپ کی اطاعت سے افضل بتاتے ہوئے تحریر کرتے ہیں: "فقہاء الاسلام، ومن درات الفتيا على اقوالهم بين الانام الذين خصوصاً استنباط الأحكام، وعنوان ضبط قواعد الحلال والحرام، ففهم في الأرض منزلة النجوم في السماء بهم يهتدى السحيران في الظلماء وحاجة الناس اليهم اعظم من حاجتهم الى الطعام والشراب، وطاعتهم فرض عليهم من طاعة الامهات والاباء بنص الكتاب، قال تعالى: "يا ايها الذين آمنوا اطيعوا الله واطيعوا الرسول وأولى الأمر منكم (اعلام الموقعين ۱/ ۱۶)"

یعنی فقہائے اسلام اور جن کے فتوے لوگوں کے مابین شائع اور ذائع ہیں اور جنہوں نے احکام کا استنباط کیا اور حلال و حرام کے اصول و قواعد وضع کیے، وہ اس زمین پر آسمان کے تاروں کے مانند ہیں (جس طرح رات کی تاریکی میں اور بحری سفر کرنے والے ان تاروں کے ذریعہ منزل مقصود کا صحیح سمت متعین کرتے ہیں) اسی طرح گمراہی کی تیرگی میں زندگی بسر کرنے والے ان علماء کرام سے ہدایت حاصل کرتے ہیں اور لوگ طعام و شراب سے کہیں زیادہ ان کے محتاج ہیں اور ان کی اطاعت والدین کی اطاعت سے برتر ہے۔ جیسا کہ کلام اللہ سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: "يا ايها الذين آمنوا....."

ابن قیم کی یہ عبارت خرمین غیر مقلدیت پر بجلی بن کر گر رہی ہے، کیونکہ وہ صاف لفظوں میں لکھ رہے ہیں کہ "ائمہ کرام و فقہائے اسلام کی اطاعت والدین کی اطاعت سے بلند و درجہ رکھتی ہے" یہ الگ بات ہے کہ ہم یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ اس عبارت کا صدور ان کے قلم سے ہوش و حواس کی سلامتی اور قلمدارانہ کے ساتھ ہوا یا غفلت و غادانی میں: الفضل ما شهدت به الأعداء

تقلید کا ثبوت خود شوکانی صاحب کی تفسیر سے:۔۔۔ علمائے اہل

سنت و جماعت تقلید کے وجوب پر استدلال کرتے ہوئے قرآن حکیم کی اس آیت شریفہ کو پیش کرتے ہیں "يا ايها الذين آمنوا اطيعوا الله واطيعوا الرسول وأولى الأمر منكم (النساء ۵۹)"

اس آیت مبارکہ میں خدائے قدیر نے اپنی اور اپنے حبیب حبیب علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی اطاعت کا حکم دینے کے ساتھ ساتھ "اولوا الامر" کی بھی اطاعت کا حکم صادر فرمایا ہے "اولوا الامر" کی تفسیر میں قاضی شوکانی صاحب رقم طراز ہیں:

"وأولى الأمر: هم الأئمة والسلاطين والقضاة وكل من كانت له ولاية شرعية لا ولاية طاغوتية، والمراد طاعتهم فيما يأمرون به، وينهون عنه مالم تكن معصية، فلا طاعة لمخلوق في معصية الله، كما ثبت ذلك عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، وقال جابر بن عبد الله و مجاهد: ان أولى الأمر: اهل القرآن والعلم، وبه مالک والضحاك، وروى عن مجاهد، أنهم أصحاب محمد صلى الله تعالى عليه وسلم، وقال ابن كيسان: هم اهل العقل والرأى، والواجح القول الأول" (فتح القدير ۶/ ۷۸)

یعنی "اولوا الامر" سے ائمہ کرام، سلاطین، قضاۃ اور ہر وہ شخص مراد ہے جسے شرعی ولایت و حکومت حاصل ہے اور ان کی اطاعت کا مطلب یہ ہے کہ وہ جن باتوں کا حکم دیں ان کو بجالایا جائے اور جن سے منع کریں ان سے باز رہا جائے، اس شرط کے ساتھ کہ وہ معصیت کا حکم نہ دیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی معصیت میں کسی کی اطاعت و پیروی نہیں کی جاسکتی جیسا کہ حدیث رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور جابر بن عبد اللہ اور مجاہد نے فرمایا کہ "اولی الامر" سے اہل قرآن و اہل علم مراد ہیں اور یہی مالک اور ضحاك کی رائے ہے، اور مجاہد سے ایک روایت یہ کی گئی ہے کہ اس سے صحابہ کرام مراد ہیں، اور ابن کيسان کا کہنا ہے کہ اس سے اہل عقل و رائے مراد ہیں۔ لیکن راجح قول اول ہے۔

حافظ ابن کثیر کی رائے:۔۔۔ اور ابن قیم کے شاگرد حافظ ابن کثیر "اولوا الامر" کے بار میں تحریر کرتے ہیں: "وقال علي بن ابي طلحة عن ابن عباس: "وأولى الأمر منكم" یعنی اہل الفقہ والدین، وکذا قال: مجاهد و عطاء، والحسن البصري، وأبو العالبه، أولى الأمر یعنی العلماء، والظاهر۔ واللہ اعلم

رہ کر تے ہوئے تحریر کرتے ہیں "ومن جملة ما استدلو به قوله تعالى: "اطيعوا الله واطيعوا الرسول واولى الامر منكم" وقالوا: وأولو الأمر، هم العلماء، اطاعتهم تقليد هم فيما يفتونه، والجواب: أن للمفسرين في تفسير "أولى الأمر" قولين أحدهما: أنهم الأمراء والثاني: أنهم العلماء ولا تمنع إرادة الطائفتين من الآية الكريمة، ولكن أين هذا من الدلالة على مراد المقلدين، فإنه لا طاعة للعلماء ولا للأمراء إلا إذا أمروا بطاعة الله على وفق شريعته، والا فقد ثبت عنه صلى الله تعالى عليه وسلم أنه قال: لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق" (القول المفيد ص: ۲۸)

یعنی جواز تقلید کے قائلین اس آیت کریمہ (اطيعوا الله...) سے استدلال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ "اولو الامر" سے علماء مراد ہیں اور ان کی اطاعت ان کی تقلید ہے، لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ "اولو الامر" کے سلسلہ میں مفسرین کرام کے دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ اس سے امراء مراد ہیں، اور دوسرا یہ کہ اس سے علماء مراد ہیں اور آیت کریمہ میں دونوں گروہوں کو مراد لیا جاسکتا ہے۔ مگر مقلدین کو اس سے ان کا مقصد کہاں حاصل ہو رہا ہے؟ کیونکہ علماء اور رؤساء کی تقلید و اطاعت اسی صورت میں ہے۔ جبکہ وہ شریعت کے مطابق خدا سے تقدوس کی اطاعت کا حکم دیں، اس لیے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ حدیث ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معصیت و نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت و فرمانبرداری جائز نہیں ہے۔

شوکانی صاحب کی اس عبارت سے دو باتیں کھل کر سامنے آتی ہیں:-
(۱) آیت کریمہ میں "اولی الامر" سے امراء و علمائین کا مراد لینا رائج ہے اور علماء و ائمہ کا مراد لینا مرجوح ہے، کیونکہ انہوں نے یہاں پر مفسرین کرام کے اقوال کو ذکر کرتے ہوئے، اسی کو مقدم رکھا ہے، اور "فتح القدیر" کے حوالہ سے ان کا منہج ظاہر ہو چکا ہے کہ ان کے نزدیک جو بات رائج ہوتی ہے، اس کو مقدم کرتے ہیں، جیسا کہ "فتح القدیر" میں انہوں نے "ائمہ" کو مقدم کر کے کہا تھا کہ یہی رائج ہے۔ ظاہر ہے شوکانی صاحب "اولی الامر" کی تفسیر میں رائج اور مرجوح کے تعین میں زبردست تقاض و تضاد کے شکار ہو گئے ہیں، اس کو ان کا کوئی "نیاز مند مقلد" ہی دور کر سکتا ہے۔

ایضا عامة في كل أولى الأمر من الأمراء والعلماء كما تقدم" (تفسير ابن كثير ۱/ ۵۱۸)

یعنی علی بن ابی طلحہ نے ابن عباس سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ "اولو الامر" سے فقہاء اور ائمہ دین مراد ہیں اور یہی مجاہد، عطاء، حسن بصری اور ابو العالیہ کا قول ہے اور ظاہر یہ ہے۔ واللہ اعلم۔ کہ یہ امراء علماء و فہم کو شامل ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔

شیخ ابن تیمیہ کی رائے:- اور ابن قیم کے استاذ گرامی شیخ ابن تیمیہ قمرائین: قد اوجب الله طاعة الرسول على جميع الناس في قريش من أربعين موضعاً من القرآن، وطاعته طاعة الله، وهي عبادة الله وحده لا شريك له، وذلك هو دين الله وهو الاسلام، وكل من امر الله بطاعته من عالم وامير والدوزوج، فلا ن طاعته طاعة الله

(مجموعة الفتاوى ۱۰/ ۱۹/ ۱۳۱)

یعنی بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں تقریباً چالیس مقامات پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت و فرمان برداری کو تمام لوگوں پر واجب قرار دیا ہے اور ان کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے اور اللہ کی اطاعت اس وحده لا شریک کی عبادت و بندگی ہے اور یہی دین اسلام ہے اور ہر اس شخص کی پیروی اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے جس کی اطاعت کا خدا سے تقدیر نے حکم دیا ہے، خواہ وہ عالم ہو یا امیر، والد ہو یا شوہر۔

شوکانی صاحب زبردست تقاض کے شکار:- شیخ ابن تیمیہ کی حیرت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ائمہ کرام و مجتہدین عظام کی تقلید و حقیقت اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے حبیب علیہ التحیۃ والثناء ہی کی اطاعت و مانبرداری ہے، کوئی الگ شئی نہیں ہے، شاید یہی وجہ ہے کہ شوکانی صاحب نے "اولو الامر" کی تفسیر میں جابر بن عبد اللہ اور مجاہد کے قول کو رائج قرار دیا ہے، جنہوں نے اس سے علماء مراد لیا ہے۔ ساتھ ہی اس عبارت سے ان کا منہج تفسیر بھی اجاگر ہوتا ہے وہ یہ کہ "چند اقوال میں جو ائمہ کے نزدیک رائج ہوتا ہے، اس کو وہ مقدم رکھتے ہیں" جیسا کہ انہوں نے "اولی الامر" کی تفسیر میں "ائمہ" کو مقدم کر کے اسی کو رائج بتایا ہے۔ لیکن حیرت ہے کہ جب وہ تقلید کے رد و ابطال پر کمر بستہ ہوئے ہیں تو وہ جسے "فتح القدیر" میں رائج قرار دے چکے تھے، اسی کو "القول المستقیم" میں مرجوح بتانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ چنانچہ وہ مقلدین کا

ایک ہی نماز ادا کر رہا ہے جو مصیبت ہے جس کے لیے دوا جرہیں۔

اور ایک دوسری جگہ تحریر کرتے ہیں: **والعالم اذا اُفتى المستفتي بمالم يعلم المستفتي انه مخالف لامر الله، فلا يكون المطيع له عاصياً، واما اذا علم انه مخالف لامر الله فطاعته في ذلك معصية الله** (مجموع الفتاویٰ ۱۰/۱۹/۱۳۱)

یعنی جب عالم نے استفتاء کرنے والے کو ایسا فتویٰ دیا جس کے بارے میں سائل یہ نہیں جانتا ہے کہ یہ احکام خدا کے مخالف ہے، تو اس عالم کی تقلید کرنے والا گنہگار نہیں ہوگا۔ البتہ مستفتی کو اگر اس بات کا علم ہے کہ یہ شریعت کے مخالف ہے تو ایسی صورت میں اس عالم کی تقلید کرنے والا گنہگار ہوگا۔

شیخ ابن تیمیہ کی عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ مقلد کو اگر اس بات کا علم ہے کہ مجتہد سے اس مسئلہ میں غلطی واقع ہوئی ہے، اس کے باوجود وہ تقلید کر رہا ہے تو وہ گنہگار ہوگا، ہاں اگر وہ اس کے بارے میں نہیں جانتا ہے اور تقلید کر رہا ہے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا، بلکہ وہ اجر و ثواب کا مستحق ہوگا۔

خلاصہ بحث:۔ غیر مقلدین اس کے علاوہ چند اور یعنی دلائل کا سہارا لیتے ہیں اور عوام الناس کو ورغلائے کی لا حاصل جدوجہد کرتے ہیں، اگر ان سب کا تحقیقی و تنقیدی تجزیہ کیا جائے تو ان کی حقیقت صدائے بازگشت کے سوا کچھ نہ ہوگی، مگر اقام الحرمات اسی پر اکتفا کرتا ہے۔

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ عامہ الناس پر تقلید واجب و ضروری ہے اور ساتھ ہی وہ علمائے کرام جو درجہ اجتہاد تک نہیں پہنچ سکے، ان کے لیے بھی تقلید ضروری ہے، البتہ جو صاحب اجتہاد ہیں، ان کے لیے تقلید حرام ہے، انہیں لوگوں کو اگر کرام نے اپنی تقلید سے منع فرمایا ہے نہ کہ عوام الناس کو تقلید سے روکا ہے، جیسا کہ ابن تیمیہ اور شوکانی اور ان کے مقلدین گمان کرتے ہیں اور تقلید کے بطلان پر ان کے اقوال سے استدلال کرتے ہیں۔ چنانچہ علامہ زکشی صاحب تحریر فرماتے ہیں: **هذا الذي قاله ممنوع، وانما منعه المجتهد خاصة عن تقليد هم دون من لم يبلغ هذه الرتبة** (البحر المحیط ۶/۲۸۰) یعنی جو یہ کہا گیا ہے کہ اگر کرام نے اپنی تقلید سے عوام الناس کو روکا ہے، یہ صحیح نہیں، بلکہ انہوں نے خاص مجتہدین کو منع فرمایا ہے۔

☆☆☆

(۲) شوکانی صاحب نے کھلے لفظوں میں اعتراف کر لیا کہ اگر کرام اگر شریعت غراء کی روشنی میں مسئلہ بتائیں تو ان کی تقلید جائز ہوگی اور اگر اسلام کے خلاف کوئی فکر سائیں، جس سے معصیت لازم آئے تو تقلید ناجائز و حرام ہوگی۔ لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر کرام و مجتہدین عظام شریعت کے خلاف احکام بیان کرتے تھے؟ کیا خدائے وحدہ لا شریک کی معصیت و نافرمانی کا حکم دیتے تھے؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو یہ شوکانی صاحب کی طرف سے فقہائے اسلام پر افترا پردازی اور بہتان تراشی ہے، جو کم از کم ان کے شایان شان نہیں، کیونکہ وہ اپنے ”علاقہ“ میں مجتہد گمان کیے جاتے ہیں، علاوہ ازیں ابن تیمیہ کے بارے میں آپ کون سا فتویٰ صادر کریں گے؟ جو اگر کرام کی تقلید کو ماں باپ کی اطاعت سے افضل بتا رہے ہیں۔ اور اگر نفی میں جواب دیتے ہیں تو پھر سوال پیدا ہوگا کہ آپ نے تقلید کے رد و ابطال کی ضرورت کیوں محسوس کی؟

ایک شبہ اور اس کا ازالہ:۔ اس موقع پر شوکانی صاحب کا کوئی گرویدہ اور نادیدہ عاشق ان کی تقلید کے جذبہ سے سرشار ہو کر یہ کہے کہ مجتہد سے کبھی کبھار اجتہاد میں غلطی بھی ہوتی تھی۔ لہذا جو شخص ان کی تقلید اس مسئلہ میں کرے، جس میں خطا واقع ہوئی ہے، جو شریعت کے خلاف ہے تو گویا کہ وہ معصیت میں تقلید کر رہا ہے، جو ناجائز و حرام ہے۔

اس شبہ کا ازالہ یہ ہے کہ تعصب و تنگ نظری کی ”وادی تہیہ“ سے باہر نکل کر عدل و انصاف کا عینک لگا کر شیخ ابن تیمیہ کی مندرجہ ذیل عبارت کا گہری نظر سے مطالعہ کریں، حقیقت چمکلائی دھوپ کی طرح آشکار ہو جائے گی، وہ تحریر کرتے ہیں: **واجتهاد العلماء في الأحكام كما جتهاد المستدلين على جهة المكعبة، فاذا صلى أربعة أنفس كل واحد منهم بطائفة إلى أربع جهات لا اعتقاد هم أن القبلة هناك، فإن صلاة الأربعة صحيحة، والذي صلى إلى جهة المكعبة واحد، وهو المصيب الذي له اجران**۔ (مجموع الفتاویٰ ۱۰/۲۰/۱۳۵)

یعنی احکام شرعیہ میں علمائے کرام کا اجتہاد جہت کعبہ کے سلسلہ میں اجتہاد کرنے والوں کی طرح ہے۔ اگر چار افراد نے چار مختلف جہتوں میں ایک ایک جماعت کے ساتھ نماز ادا کی، اس اعتقاد کے ساتھ کہ قبلہ اتر ہی ہے تو سب کی نماز صحیح ہوگی، حالانکہ جہت کعبہ میں

تقلید و اجتہاد تک

اگر میں خود کو مقلد کہوں تو مجھے اندر سے اچھا نہیں لگے گا کہ عقل و
عزت میرے اندر میرے جھوٹ پر مجھے ملامت کرے گا۔ موجودہ دنیا میں تقلید
کی ساری لڑائی دراصل انہی دو احساسات کے ٹکراؤ کا نتیجہ ہے۔
تیسرے تیسری ملامت پسند نہیں وہ بخوشی اس کمتر احساس کو قبول کر لیتے ہیں
تیسرے دوسرے کا تعجب ہوں، اور جن کی انما تصدیق کے لیے کسی طور پر
میں کسی ہوتی انہیں ناچار تیسری کی ملامت برواشت کرنی پڑتی ہے۔
تقلید و اجتہاد کی بحث بار بار چمڑنے کی ایک بنیادی وجہ ان کے
مضموم سے ناواقف بھی ہے۔ یہ ناواقف عموماً مقلدین و غیر مقلدین
میں پائی جاتی ہے۔ مقلدین مسئلہ تقلید کے تعلق سے بسا اوقات
تیسرے کہتے ہیں کہ ائمہ مجتہدین کا قد فقہ اور تدبر میں ہم سے بہت بلند
تھیں کہ ان کی ہر بات ہمارے لیے حرف آخر ہے اور اب ہمیں
یہ دیکھ کر کرنے کی ضرورت نہیں، یہ تقلید جامد ہے جو غلط ہے، گویا جس
تیسرے کے لیے فقہ کی تدوین ہوئی تھی (بدلتے حالات میں شریعت کی
تجدید اور نو پیدا مسائل کا اصولی حل) اب وہ اسی کے منکر ہو جاتے
تیسرے مقلدین تقلید کو قرآن و حدیث کے مقابل ایک الگ مصدر
سمجھتے ہیں، اسی لیے مقلدین کے حوالے سے ان کی کن ترانیاں
فی الدین تک پہنچ جاتی ہیں۔

اجتہاد کا مفہوم بھی عموماً ذہنوں میں گڈمڈ ہو جاتا ہے، اجتہاد کے
معنی کو شش کرنے کے ہیں۔ دین کے حوالے سے اس کا مفہوم
شریعت معلوم کرنے کے لیے قرآن و سنت میں گہرا تدبر اور غور و
تأمل ہے۔ اس معنی میں تمام محدثین و مفسرین اور طائیفین علوم شریعت
تیسرے کہیں کہ ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے طور پر قرآن و حدیث
تیسرے دیکھ کر کرتا ہے، اجتہاد کا ایک تیسرا مفہوم بھی ہے اور وہ ہے غیر
مسائل کا حکم جاننے کے لیے کتاب و سنت میں غور کرنا اور کتاب و
سنت سے ان کی نظیر تلاش کر کے فیصلہ صادر کرنا۔ حضرت معاذ ابن جبل

ایمانداری کی بات یہ ہے کہ فلسولا نفر من کل فرقة منهم
طائفة اور فاسئلوا اهل الذکر ان کستم لا تعلمون جیسی قرآنی
آیات اور اجتہاد برائے جیسے کلمات احادیث سے نہ اجتہاد و تقلید کو
ثابت کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی فقہ و اجتہاد یا قیاس و تقلید کو کتاب و سنت
سے الگ کوئی چیز بتا کر انہیں مسترد کیا جاسکتا ہے۔ اس طرح کی دلائل
سے جو لوگ اپنا موقف ثابت کرتے ہیں، وہ اپنے ضمیر کو اپنی ہی زبان
کے خلاف صف آرا پاتے ہیں اور انہیں اس بات کا خوب احساس ہوتا
ہے کہ ان کی رائے اپنی ہی رائے کے خلاف ہے۔

”اسلام دین فطرت ہے“ جس مسلمان کو اس حقیقت کا عرفان

ہوئے نظر آئیں گے۔

اس تمہیدی گفتگو کے بعد صحابہ کس کی تقلید کرتے تھے؟ کتاب وسنت میں تقلید کا کہاں حکم ہے؟ مجتہدین کس کی تقلید کرتے تھے؟ کتاب وسنت کے ہوتے ہوئے ائمہ کی تقلید کی کیا ضرورت ہے؟ اور ان جیسے سوالات کی بے معنویت واضح ہو جاتی ہے۔ ہاں ایسے سوال اپنی جگہ ضرور رہتا ہے کہ کیا واقعی اجتہاد و کمرنا حالات کا تقاضا تھا اور اس کے بعد تقلید امت کی مجبوری بن گئی؟ یہ سوال اپنے اندر کافی اہمیت رکھتا ہے اور اس کے مختلف پہلوؤں پر گفتگو کرنا مشکل بھی ہے اور ضروری بھی۔ ضروری اس لیے تا کہ حقیقت روشن ہو اور مشکل اس لیے کہ جس طرح منکرین حدیث کا ایک ایسا طبقہ موجود ہے، جس نے حدیث کے بغیر اسلام کا مزین رہنے کو ممکن مان لیا ہے، اسی طرح ایک طبقہ کتاب وسنت کو بے صورت اپنے لیے کافی سمجھتا ہے۔ اس لیے صرف اجتہاد و تقلید کو پرزہ الفاظ میں ثابت کر دینے سے بحث کی تفشلی ختم نہیں ہو سکتی، جب تک منکرین کے شکوک و شبہات کی بنیادیں نہ تلاش کر لی جائیں۔

اجتہاد کی ضرورت کیوں پڑی؟ - اس معنی میں اجتہاد کہ احکام خدا اور رسول میں غور و فکر کر کے ان کے منشا و مطلوب معلوم کیے جائیں اس معنی میں اجتہاد کہ منصوص مسائل پر قیاس کر کے یا مزاج شریعت ملحوظ رکھتے ہوئے غیر منصوص مسائل کے احکام معلوم کیے جائیں، ابی قدیم ہے جتنا اسلام، اور جو لوگ اس کی اہلیت نہیں رکھتے، ان کا اثر لوگوں کا اتباع/ تقلید کرنا اتنا ہی قدیم ہے، جتنا اسلام۔ ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ عہد صحابہ میں حضرت علی یا حضرت معاذ بن جبل کسی دوسرے ذی علم و تدبیر صحابی نے کوئی رائے قائم کی اور دوسرے صحابہ نے ان کا اتباع کیا۔ مثال کے طور پر قرآن نے شراب کو حرام کر دیا۔ لیکن حکم حرمت کے باوجود اگر کوئی شراب پیتا ہے تو اس کی کیا عتاب ہوئی چاہیے؟ کتاب اللہ میں موجود نہیں ہے۔ حضرت عمر نے اسے زمانہ خلافت میں مشورہ کیا تو حضرت عبدالرحمن بن عوف نے اس کی سزا اخف الحدود د رکھی۔ یعنی شریعت میں جتنی حدود ہیں ان میں اقل مقدار حد قذف (اسی کوڑے) ہے۔ حضرت عبدالرحمن نے کتاب اللہ میں حد کے نظیر تلاش کی اور سب سے خفیف قذف میں پایا، اس لیے اسے کو شراب نوشی کی حد بھی قرار دیا، کیوں کہ اس سے کم کتاب وسنت میں کوئی حد ہی نہیں۔ صحابہ نے اس رائے کو تسلیم کر لیا۔ تو عمومی معنی میں

حاصل ہو چکا ہے، اسے اس بات کا اعتراف ہے کہ اسلام میں فطرت کے جبری تقاضوں کی تکمیل کے سامان موجود ہیں۔ اور اسلام کی یہ خوبی نزول وحی الہی کے زمانے کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ ہر زمانے اور ہر علاقے میں اسلام کا یہ وصف ہمہ گیریت موجود ہے۔ قرآن نے خود قرآن کو قرآن (جو ہمارے سامنے موجود ہے) کی شکل میں جمع و مرتب کرنے کا حکم نہیں دیا۔ نہ کتاب وسنت میں بخاری و مسلم کی تدوین و ترتیب اور ان کے احترام و توقیر کا حکم ہے۔ وقت کے جبر نے تقاضا کیا اور اسلام کی فطرت نے اسے قبول کر لیا۔ اب یہ بڑی احمقانہ بات ہوگی کہ کوئی یہ کہے کہ ہم اس قرآن کے تیغ ہیں جو جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا، اس قرآن کے نہیں، جس کو حضرت عثمان نے مرتب کیا۔ اسی طرح سفاک حجاج ابن یوسف نے قرآن میں اعراب (زیر پریش) لگا کر قرآن کو ایک نئی طرز میں پیش کیا، اب اگر آج کوئی قرآن سے اعراب مٹانے کا مطالبہ کرے اور یہ کہے کہ کتاب وسنت میں حجاج ابن یوسف کے ذریعے لگائے گئے اعراب کے ساتھ قرآن چھاپنے اور پڑھنے کا حکم کہیں بھی موجود نہیں ہے تو اس کی ساواگی پر دعائی دی جا سکتی ہے۔

اجتہاد (اسلامی قانون سازی) اور تقلید (کسی خاص مسلک فقہی کے قوانین کی پیروی) بھی اس ذیل میں آتے ہیں۔ میرا ناقص مطالعہ اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ ان چیزوں کو برادر راست کتاب وسنت سے ثابت نہیں کیا جاسکتا اور نہ کتاب وسنت سے الگ بتا کر انہیں رد کیا جاسکتا ہے، حالات کے جبر نے اجتہاد کا پرزور مطالبہ کیا اور امت کے سرخیل مابہر اور عبقری افراد نے آگے بڑھ کر اس مطالبے کو پورا کیا۔ جو جنتی بندے یہ قسم کھا چکے ہیں کہ جو باتیں کتاب وسنت میں صراحت کے ساتھ ملیں گی، انہیں کا اتباع لازم ہے، ان کے علاوہ ہر بات مسترد کر دینے کے لائق ہے۔ خواہ وہ امت کا معمول ہو، علما کا اجماع ہو یا اسلاف کا طرز عمل ہو۔ ایسے افراد ہوش کے ناخن لیں کہ ان کے لیے نہ تو کتاب پر عمل ممکن ہے اور نہ احادیث پر۔ اسلام میں مسلمانوں کے ساتھ حسن ظن کو بڑی اہمیت دی گئی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **ظنوا الموہنین خیراً**۔ مسلمانوں کے ساتھ اچھا گمان رکھو۔ یہ بڑا بنیادی فلسفہ اور اسلامی ضرورت ہے۔ اگر اسلاف و اکابر مشکوک قرار پائے تو کتاب وسنت کے نام پر جو کچھ سرمایہ ہے، سب شک کے دائرہ میں آجائے گا اور حقیقی اسلام کے متلاشی باب اسلام سے باہر نکلتے

اہل علم و بصیرت کے لیے تقلید کا فقط یہ معنی ہے کہ انہیں کسی ایک امام کے اصول پسند ہیں اور وہ ان اصولوں کی پیروی کرتا ہے۔ اس مفہوم میں غیر مقلدین حضرات بھی اپنے ان بڑوں کے مقلد ہیں جنہوں نے اپنے طور پر علم و استدلال کی روشنی میں تحقیق و اقرار دیا۔ اس کے لیے انہوں نے جو دلائل پیش کیے وہ دلائل ان کے تمام قبیحین کے ذہن و فکر میں بھی اتر گئے۔ اس لیے یہ حلقہ بھی اپنے بڑوں کی بات دہرانے لگے۔ مقلدین اہل علم کا بھی یہی حال ہے۔ وہ اپنے امام کو اس لیے نہیں مانتے کہ خدا اور رسول کی طرح ان کے ارشادات بھی مستند ہیں۔ بلکہ اس لیے کہ امام نے جو بات کہی ہے وہ منشا کتاب و سنت کو پوری کر رہی ہے۔ رہے عوام یا جنہیں دین کا شعور نہیں وہ تو اہل الذکر سے معلوم کریں گے ہی۔ انہیں اہل علم کے اتباع/تقلید سے بہر حال چارہ کار نہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس مخصوص معنی (اصول سازی) میں اجتہاد کی ضرورت کیوں پڑی؟ اس سوال کا جواب ہمیں دو مثالوں سے سمجھنے میں آسانی ہوگی۔ ہمارے سامنے اس وقت ایک مثال بدھ مذہب کی دو خانوں مہایان اور ہنایان میں تفریق ہے اور دوسری مثال ہے علم شریعت کی ذیلی علوم علم تفسیر، علم حدیث، علم اصول، علم کلام وغیرہ میں تقسیم۔

(۱) گوتم بدھ ۵۶۳ ق م میں ایک چھتری حکمران خانوادے کے اندر نیپال میں پیدا ہوئے۔ ۴۹ سال کی عمر میں تلاش حق کی خاطر جنگلوں اور صحراؤں میں گم ہو گئے، ۳۵ سال کی عمر میں بدھ مت کے مطابق انہیں نروان (نجات) حاصل ہو گیا اور بقیہ زندگی کے ۳۵ سال اپنی فکر کی تبلیغ و اشاعت میں گزار دیے۔ گوتم بدھ کی وفات کے ۱۰۰ سال بعد بنارس میں ان کے قبیحین (پنکشنو) کا ایک بڑا اجتماع ہوا جس میں باضابطہ بدھ مت کو ایک مذہب کی شکل دے دی گئی اور اس کے ساتھ ہی بدھ پنکشنوؤں میں روایت و جدت کے حوالے سے اختلاف ہو گیا۔ ایک وہ طبقہ تھا جو گوتم بدھ کے الفاظ پر عمل کرنے کا مطالبہ کرتا تھا اور وہ برابر اس سے ہٹنے کو بدھ مت سے ارتداد سمجھتا تھا، جبکہ دوسرا طبقہ گوتم بدھ کے مقاصد، ان کے ارشادات کے معانی و مفہیم اور نئے دور اور نئے مسائل میں ان کے ارشادات کی توضیح و تفسیر کا قائل تھا۔ روایت پرستوں کا نمائندہ ہنایان اور آزاد خیالوں کا نمائندہ مہایان کی شکل میں آج بھی دنیا کے مختلف حصوں میں موجود ہیں۔ اس تناظر میں مسلمانوں کے اندر مقلدین و غیر مقلدین کے

سے حضرت عبدالرحمن کا اجتہاد اور صحابہ کی تقلید کہہ سکتے ہیں۔ کیوں کہ ان حضرات عمر نے مقرر مان لیا اور اپنے سارے گورنروں کو لکھ بھیجا کہ ان کی ہدایت کوڑی لگائے جائیں۔

اجتہاد کا وہ معنی جس میں فقہ القرآن والسنتہ کو ایک علمی و اصولی فن کی حیثیت حاصل ہو گئی ہے یہ نہ تو زمانہ رسالت میں تھا اور نہ عہد صحابہ میں۔ اس کا آغاز امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کیا۔ بعد میں دوسرے محدثین و فقیہوں نے نیز حضرات نے بھی اس معنی میں اجتہاد کیا۔ فقہ کتاب والسنتہ کے لیے باضابطہ اصول وضع کیے گئے اور ان اصول کی روشنی میں کتاب و سنت سے غیر مخصوص مسائل کا حکم معلوم کرنے کا طریقہ بھی واضح ہو گیا اور خود مخصوص مسائل کو بھی نص سے علمی انداز سے ثابت کرنا آسان ہو گیا۔

حضرت امام ابوحنیفہ کی ولادت ۸۰ھ میں اور وفات ۱۵۰ھ ہجری میں ہوئی۔ اس سے فن اجتہاد کا آغاز کس صدی میں ہوا واضح ہو جاتا ہے۔ جب امام ابوحنیفہ نے یہ کام شروع کیا تو جو لوگ حدیث کی تلاش و تحقیق میں مصروف تھے، ان میں بعض نے اپنے طور پر اسے بہت زیادہ پسند نہیں کیا۔ اس لیے کہ عام طور پر جو آدمی جو کام کرتا ہے، اسی کو سب سے اہم کام سمجھتا ہے۔ ایک دوسری وجہ یہ بھی رہی ہو کہ بعض حضرات اس اجتہاد کو فقہ القرآن والسنتہ کے علمی اصول کی بجائے کتاب و سنت کے مقابل کوئی اور چیز سمجھا ہو۔ بہر حال باوجود اس کے بہت سے محدثین و فقیہوں نے علم، ماہرین کتاب و سنت اور وائیکین رموز شریعت نے اس میدان میں قدم رکھا۔ فی طور پر ان میں اختلاف ہوا اور مختلف مذاہب و فرقہ وجود میں آئے۔

چار مذاہب آج بھی موجود ہیں۔ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی۔ اور امام ابوحنیفہ کے علاوہ کے مسائل باقی نہیں رہ سکے۔ کیوں کہ وہ مدون نہ ہو سکے۔ مدون نہ ہونے کی وجہ غالباً یہ ہو کہ ان کے اصول بعد کے اہل علم میں مقبول نہ ہو سکے۔ جن کے اصول متاخرین میں سے جتنے زیادہ اور نئے مسائل علم و دانش نے پسند کیا، ان کا مسلک فقہی اسی اعتبار سے مندرجہ ذیل میں چار مذاہب میں سے ایک ہے۔ یہاں یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ تقلید شخصی یا محسوس نہیں کہ کتاب و سنت کو چھوڑ کر کسی امام کو مصدر شریعت مان لیا جائے۔ اس طرح کی طرح قول امام کو بھی مصدر شریعت کا درجہ دے دیا جائے۔ اس طرح کی تقلید یقیناً تقلید جامد بلکہ اشراک فی الدین ہے۔

اختلافات پر نظر ڈالیں تو ان کا سر اسباب اجتہاد اور اسباب ظاہر پر ختم ہوتا ہے۔ یعنی اصل اختلاف یہ نہیں ہے کہ اہل علم کی بات مانی جائے یا نہ مانی جائے۔ اہل علم سے دریافت کرنا اور ان کی رہنمائی پر عمل کرنا یہ تو قرآن سے ثابت ہے۔ اور میں نہیں سمجھتا کہ کسی فکر خوار کو اس مسئلہ میں اختلاف ہوگا۔ اصل اختلاف یہاں سے پیدا ہوتا ہے کہ کتاب وسنت کے ہوتے ہوئے اجتہاد کی ضرورت کیا ہے؟ میں نے اب تک جو سمجھا ہے وہ یہی ہے کہ بدعت مت کے ماننے والوں کی طرح بنیادی طور پر یہی نقطہ اختلاف مسلمانوں میں بھی پیدا ہو گیا۔ کچھ اہل علم کی رائے یہ بنی کہ قرآن وحدیث کو کافی سمجھا جائے اور حجتی باتیں ان میں ہیں انہیں پر عمل کا جائے۔ جبکہ دوسرے طبقے کو سننے و دور اور نئے مسائل کا اندازہ تھا اور اس نے یہ سمجھا کہ نئے مسائل اتنے زیادہ اور اتنے مختلف النوع پیدا ہو رہے ہیں کہ ان کے لیے حل مسائل کا علاحدہ اور مخصوص شعبہ قائم کرنا ضروری ہے۔ ان کے لیے باضابطہ اصول وقوانین وضع کیے بغیر اسلام بچنے بچنے کا نہ تو جواب دے سکتا ہے اور نہ ہی مسائل شریعت کو جدید علمی انداز میں سمجھا جاسکتا ہے۔ یہ بنیادی اختلاف ہے جس پر سب کی نظر نہیں ہوتی۔ اس حوالے سے میں اپنے محدود و مختصر مطالعے سے اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ان دونوں نظریات میں صحیح کیا ہے؟ اس میں ہمارا اختلاف ہو سکتا ہے، لیکن اس میں ہمیں کوئی شبہ نہیں کہ یہ دونوں نظریات نیک نیتی پر مبنی ہیں۔ اگر ان نظریات کے نتیجے میں بھی نیک نیتی پر گامزن ہوں تو عند اللہ وہ ضرور ماحور یا معذور ٹھہریں گے۔

(۲) عہد رسالت میں ایک منبع علم تھا، سرچشمہ رسالت۔ اس سے جو بھتا میراب ہوتا وہاں حقانی و عالم شریعت ہوتا۔ اس زمانہ میں نہ کوئی مکتب تھا، نہ مدرسہ، نہ علم حدیث نہ علم تفسیر، نہ قرآن الگ، نہ حدیث الگ۔ سب شہر علم وحکمت کی یارگاہ میں حاضر ہوتے اور علم و فن کے موتی اپنے دامن میں سیٹے واپس ہوتے۔ علم دین میں تھوڑی سی تفریق بس یہ تھی کہ تاجدارِ تعلیم رسالت صلی اللہ علیہ وسلم وحی الہی کی منشا بنی فرماتے اور کاتب بلو کر اسے لکھوا دیتے۔ لیکن مجموعی طور پر صحابہ کے پاس ایک علم تھا اور وہ تھا علم شریعت۔ یہ اور بات ہے کہ وہی تمام علوم و فنون کو جامع تھا۔ ایک ہی صحابی حافظ وقاری بھی تھا، محدث و فقیہ بھی اور مجتہد و متکلم بھی۔ علمی اجتہاد سے صحابہ میں کمی و بیشی ضرور تھی۔ لیکن ان میں اسپیشلائزیشن کا کوئی باضابطہ تصور نہیں تھا۔

خلافت راشدہ کے بعد جب بنو امیہ کا عہد آیا اور رسالت کا زمانہ کافی پیچھے چھوٹ گیا، مشکوٰۃ نبوت سے براہ راست روشنی حاصل کرنے والے ایک ایک کر کے کم ہونے لگے تو اب علم شریعت کو مدون کرنے کا رجحان اور تدوین کے لیے، تخصص تفسیر اور ترتیب کا شعور پیدا ہوا۔ کچھ نفوس قدسیہ نے جمع حدیث کا کام کیا، کچھ نے فقہ حدیث کا کام کیا بعض محسنین امت نے مائتہ تفسیریں لکھیں، کچھ نے رجال حدیث کے احوال جمع کیے۔ اسی زمانے میں قانون اسلامی ایک علاحدہ فن کی حیثیت سے سامنے آیا اور علم فقہ واصول کی وضع ہوئی۔ یہ ساری چیزیں بدعت تھیں، لیکن بدعت ہوتے ہوئے یہ امت کی ضرورت تھیں اگر لیے امت کی نمائندہ شخصیتوں نے پورے انہماک اور لگن سے یہ کام انجام دیا۔ آج اگر ہم کہیں کہ کتاب وسنت کے بعد ساری چیزیں بدعت ہیں جن کا اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔ تو یہ سوال صرف فقہ واجتہاد پر نہیں ہوگا بلکہ اس سوال سے دین کا سارا سرمایہ خطرے کی زد میں آجائے گا۔

اس گفتگو سے اس طرح کے شبہات ختم ہو جاتے ہیں کہ کیا امام بخاری مجتہد نہیں تھے؟ اور کیا امام ابو حنیفہ محدث نہیں تھے؟ اس طرح کے شبہات انہی ذہنوں میں آسکتے ہیں جن میں تخصص اور اسپیشلائزیشن مفہوم واضح نہیں ہے۔ اس طرح کے شبہات میں ڈوب کر جو فکری ٹھوکریں کھاتے رہتے ہیں، انہیں دور جدید میں علوم میں اسپیشلائزیشن مفہوم کیا ہے؟ سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے، جسے بدعتی سے مغرب کی دین سمجھ لیا گیا ہے۔ اگر آج کوئی سیاسیات کا اسپیشلسٹ ہے تو اس کا بالکل یہ معنی نہیں کہ وہ سماجیات، عمرانیات اور تاریخ سے نااہل ہے اور نہ کوئی تاریخ کا ماہر سیاسیات سے نااہل ہو سکتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود خصوصی موضوع کے خصوصی مطالعہ کے سبب اس موضوع کے حوالے سے جو وسعت علم ہوتی ہے وہ دوسرے موضوع کے حوالے سے نہیں ہوتی۔

اسپیشلائزیشن کے مفہوم کو سمجھنے کے بعد یہ بات بھی سمجھ میں جانی چاہیے کہ امام بخاری یا دوسرے ائمہ حدیث کا میدان فکر و عمل کچھ اور ہے اور امام ابو حنیفہ اور دیگر ائمہ اجتہاد کا میدان عمل کچھ اور۔ از روئے تخصص علم حدیث و علم فقہ کا معنی جب تک ذہنوں میں واضح نہیں ہو جاتا، اس وقت تک امام بخاری و امام ابو حنیفہ میں تفصیل علماے حدیث اور علماے فقہ میں تفصیل، علماے حدیث کی تقلید کرنے مطالبہ اور اس طرح کے شکوک و شبہات ختم نہیں ہو سکتے۔ جو لوگ تخصص

مہم نہیں سمجھتے ہم انہیں محبوب کرنے کی بجائے دعا دینے کے ہیں۔ کیوں کہ وہ یقینی طور پر دعاؤں کے مستحق ہیں۔

کیا آج ائمہ مجتہدین کی تقلید کرنی چاہیے؟ - عہد حاضر کے حرم علامہ غلام رسول سعیدی (پاکستان) فرماتے ہیں:

آج کل ہمارے زمانے میں دو قسم کے مقلد ہیں، ایک تو عوام کے بعض مقلد ہوتے ہیں اور ایک وہ علماء ہیں جو فقہی مسائل کے دلائل پر بصیرت رکھتے ہیں اور مسائل عصریہ کا حل کتاب اصول کی روشنی میں تلاش کرتے ہیں۔ پہلی قسم کے مقلد صرف تقلید کرتے ہیں اور دوسری قسم کے مقلد امام کی اتباع کرتے ہیں۔ تقلید کے ہیں دلائل سے قطع نظر کہ کسی امام کے قول پر عمل کرنا اور اتباع سے مراد ہے کہ کسی امام کے قول کو کتاب و سنت کے موافق پا کر اور حرم سے ثابت جان کر اس قول کو اختیار کر لینا۔ سو تقلید صرف عوام کے لیے جو دلائل شرعیہ سے بے خبر ہوتے ہیں اور اہل علم اور اہل فتویٰ کے لیے تقلید محض جائز نہیں ہے۔“ (شرح صحیح مسلم ۶۳/۵)

علماء کے اختلاف کے ساتھ عوام بلاشبہ مقلد یا متبع ہیں۔ اس کا اختلاف نہیں ہے۔ اصل اختلاف اہل علم کے تقلید کرنے یا نہ میں ہے۔ پھر یہ کہ تقلید فروع میں کریں؟ یا اصول میں کریں؟ یا میں کریں؟ علامہ سعیدی کے مذکورہ خیال کہ ”علماء امام کی اتباع سے جیسا“ کا تجزیہ کرنے اور اس کے مضمرات پر گہرائی سے سوچنے سے یہ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ کسی عالم کے خفی یا شافعی ہونے کے یہ معنی ہیں کہ امام شافعی یا امام ابوحنیفہ کے اجتہاد کردہ مسائل کتاب و سنت کے خلاف نظر آ رہے ہیں۔

ابن سوال یہ ہے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ کسی خفی کو امام ابوحنیفہ کے ہی کتاب و سنت کے موافق نظر آتے ہیں اور کسی شافعی کو صرف امام شافعی کے تحقیق کردہ مسائل ہی کتاب و سنت کے موافق نظر آتے ہیں؟ جب دلائل کی بنیاد پر علماء کے اتباع کرنے کی بات ہے تو ہونا تو یہ ہے کہ انہیں بعض دلائل امام ابوحنیفہ کے مستحکم نظر آئیں اور بعض امام شافعی کے مستحکم نظر آئیں۔ تو پھر تقلید شخصی کا قصہ افسانہ بن جائے۔

یہ غور کرنے کے بعد یہ عقدہ کھلتا ہے کہ مقلدین علماء، اصولی مقلدین تقلید کرتے ہیں اور فروع میں اتباع کرتے ہیں۔ اصولی مقلدین کا مطلب یہ ہے کہ ان کا ذہن فطری طور پر ایسا واقع ہوا

ہے کہ اسے کسی ایک امام کے اصول ہی مناسب معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن وجہ ہے کہ مسائل میں وقت ضرورت دوسرے مسلک فقہی پر قنوی ہو جائے۔ کیوں کہ باوجود کسی ایک ہی مسلک کے پابند سمجھے جاتے ہیں۔

واقعہ دراصل یہ ہے کہ دنیا میں اصولی ذہن بہت کم ہوتے ہیں۔ اس کی واضح مثال یہ ہے کہ شیخ ابن حزم (م ۵۵۶ھ) پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے باضابطہ طور پر تقلید کا رد کیا۔ آج تک جتنے غیر مقلدین ہیں تقریباً سب کے سب معمولی اختلاف کے ساتھ انہی کے اصول و اسلوب کی پیروی کرتے ہیں۔ اس طرح یہ سب کے سب ”اصول نقذ تقلید“ میں ابن حزم کے مقلد ہو گئے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ غیر مقلد کا معنی یہ نہیں نکالا کہ وہ دوسرے مسئلہ میں تمام علماء کے اقوال و اختلافات کا تجزیہ کر کے اپنی رائے قائم کرے۔ بلکہ غیر مقلدیت ایک مستقل فقہی مسلک کی شکل اختیار کر گئی ہے۔ آج جتنے غیر مقلدین ہیں ان کے سر میں جہاں تقلید کی مخالفت کا سوا سوا دلائل ہیں وہیں داؤد ظاہری، شیخ ابن حزم، شیخ ابن تیمیہ، ابن قیم اور البانی کی عظمت علم اور سطوت قلم کا جنون بھی۔ اس طرح جیسے سارے مقلدین فقہی سطح پر ایک نکتے پر جمع تھے غیر مقلدین بھی تقلید کی مخالفت کرتے ہوئے ایک تقلیدی پلیٹ فارم پر آ گئے۔ اب جو سوال مقلد علماء پر تھا، ٹھیک یا بدی سوال غیر مقلد علماء پر ہوتا ہے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ ان کو ابن حزم، ابن تیمیہ اور ابن قیم کی تحقیقات ہی کتاب و سنت کے موافق نظر آتی ہیں۔ اگر وہ غیر مقلد ہیں تو ہونا تو یہ چاہیے کہ وہ بعض مسائل میں شیخ ابن تیمیہ کے ساتھ رہیں اور بعض دوسرے مسائل میں امام ابوحنیفہ کے ساتھ۔ اور یہ کہ ایک غیر مقلد ایک ہی مسئلہ میں شیخ ابن تیمیہ کی موافقت کرے اور دوسرا غیر مقلد عالم اسی مسئلہ میں اس کی مخالفت کرے۔

اس پوری گفتگو سے معلوم یہ ہوا کہ اہل علم نے اصول میں امر اور بحد کی تقلید کی اور یہ اس لیے نہیں کیا انہوں نے آنکھ بند کر کے ان کے فرمان کو کتاب و سنت کی طرح تسلیم کر لیا۔ بلکہ اس لیے کہ ان کی ذہنی ساخت ہی کچھ ایسی تھی جسے کسی ایک امام کے اصول ہی پسند آئے۔ اصول اور اصولی ذہن کی قلت کوئی حیرت انگیز چیز نہیں۔ اسے گہرائی میں اتر کر سمجھا جاسکتا ہے۔

عصر حاضر میں اجتہاد کی صورت: - جدید انفرادی مذہبی میلانوں کی نیند بیسویں صدی کے نصف آخر میں معلومات کے دیرپا نیکو ساتھ مسائل کا سمندر بھی جاری کر دیا جس کا متوجہ ہوا سب سے پہلے علمائے دین و دنیا ہیں۔

اس لیے ہم شہری زندگی کی مشکلات کا اعتبار نہیں کر سکتے۔

اجتہاد اپنے آپ میں ایک متعدد الفاظ کا لفظ ہے، جس کی وضاحت ہم پیچھے کر چکے ہیں، اس کی وجہ سے ہوتا یہ ہے کہ جب عصر حاضر کے تناظر میں اجتہاد پر گفتگو کی جاتی ہے تو کسی ایک معنی کے تعین کے بغیر ہی معرکہ بحث و نظر گرم ہو جاتا ہے۔ جس کا اختتام بلا نتیجہ ہوتا ہے۔ ہمارے خیال میں ممکنہ طور پر عصر حاضر میں اجتہاد کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں (آپ چاہیں تو اسے اجتہاد کی بجائے کسی اور لفظ سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں) (۱) نوپیدا مسائل میں اجتہاد (۲) علمائے متقدمین کے مجتہد فیہ مسائل میں نئے حالات کے پیش نظر از سر نو تدبیر (۳) فقہی اصول میں اجتہاد۔ ہم ذیل میں ہر ایک کے تعلق سے مختصراً عرض کیے دیتے ہیں، خدا ارہو القلم کو جادو مستقیم پر گامزن رکھے۔ بصورت دیگر اہل علم اس کی نشاندہی کریں ہم دل و جان سے ان کے شکر گزار ہوں گے۔

نوپیدا مسائل میں اجتہاد۔ یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ کتاب و سنت نے ضروری اور بنیادی احکام بیان کر دیے۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ ان میں قیامت تک آنے والے ہر مسئلہ کا علاحدہ حکم بیان کر دیا جاتا، ہاں تمام مسائل کے لیے اصول پیش کر دیے گئے اور انہی اصول کی روشنی میں مسائل کو حل کرنے کا حکم دے دیا گیا، اس کے لیے قرآن و حدیث میں بے شمار دلائل موجود ہیں اور میری دانست کی حد تک کسی ذی علم نے بھی اس اجتہاد کا انکار نہیں کیا ہے۔ اس معنی میں اجتہاد عہد رسالت، عہد صحابہ، عہد تابعین میں بھی ہوا، بعد کے ہر دور میں بھی ہوا، چوں کہ نئے مسائل ہر دور میں پیش آتے رہے، آج بھی نئے مسائل پیدا ہو رہے ہیں اس لیے لازمی طور پر آج میں بھی اجتہاد کیا جائے گا، مجھے نہیں لگتا کہ کوئی اپنی سالم الحواشی کا مدعی اس مفہوم میں اجتہاد کا منکر ہو سکتا ہے۔ یہ اجتہاد نہ صرف جائز بلکہ واجب ہے۔ تمام علماء پر فرض کفایہ ہے کہ وہ نئے مسائل کا حکم بنا کر امت کی رہنمائی کریں، اور یہ فرض کفایہ اس وقت فرض مبین ہو جاتا ہے جب کسی خاص عالم دین (جو اجتہاد کی اہلیت رکھتا ہو) کے سامنے اس کے تعلق سے استفسار کر دیا جائے۔

نئے مسائل کا جواب دینے میں عموماً عہد حاضر کے ارباب علم و فنی مسائل کے الفاظ کو سامنے رکھ کر ”اگر مگر“ کے ساتھ جواب دیتے ہیں، جب کہ جدید مسائل کا حل بتانے کا یہ مجتہدانہ طریقہ نہیں ہے۔ کیوں کہ نئے مسائل میں مسائل ایک ہو سکتا ہے پر وہ مسئلہ عمومی طور پر سب کے

بھی زیادہ ہوتا چلا گیا، اکیسویں صدی کے آغاز کے ساتھ دنیا کا سیاسی اور سماجی منظر نامہ بڑی تیزی سے بدلنے لگا، آج ہر آن ایک نقش ڈھبتا ہے تو دوسرا ابھرتا ہے۔ اس کی ایک محسوس مثال یہ ہے کہ جو حضرات پچھلے پچاس سالوں سے تصویر سازی اور ویڈیو گرافی کی شدید مذمت کرتے آ رہے تھے، آج اچانک ایسے تصویری محرکات شکار ہو گئے کہ وہ خود کو وسط سمندر میں تصور کر رہے ہیں جہاں سے دونوں کناروں کی مسافت برابر ہے۔ ایسے میں وہ یہ فصلہ نہیں کر پارہے ہیں کہ رخ کس کا کریں۔ اسی اضطراب کا نتیجہ ہے کہ ابھی میڈیا، صحافت اور تصویر کی تباہ کاریوں پر لکچر دیتے ہیں اور چند لمحے بعد ہی میڈیا کی اہمیت و ضرورت کا احساس انہیں کیمرے کے سامنے کھینچ لاتا ہے۔ یہ صرف ایک مثال ہے ورنہ اپنے گرو ویش کا جائزہ لیجیے تو اس طرح کی بہت سی مثالیں مل سکتی ہیں۔ اس گوگو کی کیفیت کے سبب عوام و خواص، عالم و جاہل، ہر کس و ناکس تقلید و اجتہاد کے موضوع پر مہذب یا غیر مہذب الفاظ میں اظہار خیالات کرنے کی جرأت و جسارت کرنے لگا ہے۔ یہ بحث غلو کی شکل اس وقت اختیار کر لیتی ہے جب کمزور دماغ مغلوبیت میں ابا حیت پسندی کا مطالبہ کرتے ہیں، ان کے نزدیک ہر مسئلہ میں اجتہاد ضروری ہے اور اجتہاد کا صرف یہ معنی ہے کہ ماضی کے علمائے جتنی باتوں کو ناجائز و حرام لکھا ہے ان سب کو بیک جنبش قلم مباح قرار دے دیا جائے۔

اس افراط کے برعکس تفریط کا یہ عالم ہے کہ کسی مسئلہ پر عصری تناظر میں نظر ثانی کو ارتداد و افگری، نفس پرستی اور آ زوروی بمعنی الحاد و لا وینی کے مرادف سمجھ لیا جاتا ہے۔ تقلید جامد کا یہ عالم کہ کسی کو بھی یہ اجازت نہیں کہ وہ کسی مسئلے میں اپنے سابق عالم سے علم و استدلال کی روشنی میں اختلاف کرے، یا بوجہ ضرورت اصل حکم کا اعتراف کرتے ہوئے اس میں دوسرا حکم صادر کرے۔ اس کا ایک شدید نقصان یہ ہے کہ نئے مسائل پیدا ہوتے ہیں، عوام ان میں علمی یا رہنمائی کا انتظار کرتے کرتے جھک ہار کر اپنی مرضی کی راہ نکال لیتے ہیں، جبکہ اہل علم تحت سوال جواب دینے کے لیے ان کے استسغے کا انتظار کرتے رہتے ہیں۔ اجتہادی جمود اور تقلیدی مزاج کی انتہا اور کیا ہو سکتی ہے کہ جب میں نے ایک عالم دین کے سامنے شہری زندگی گزار رہے مسلمانوں کے کچھ مسائل کا ذکر کیا تو انہوں نے صاف طور پر فرمادیا کہ مسلمانوں کی بڑی تعداد گاؤں اور دیہاتوں میں رہتی ہے اور حکم ہمیشہ اکثریت کے حالات کو مد نظر رکھ کر لگایا جاتا ہے،

ہے اس نے مذکورہ بالا دشواریوں کو کافی حد تک کم کر دیا ہے، اس طرح کا طریقہ خود امام اعظم ابوحنیفہ کے یہاں بھی ملتا ہے۔ اس کی وجہ سے حل مسائل میں بیک وقت کئی دماغ کام کرتے ہیں اور خطا کا احتمال کم سے کم رہ جاتا ہے۔ یہ بہت ہی بہتر طریقہ ہے، بشرطیکہ فقہائے عصر اس طرح کی مجلسوں میں اپنے تفقہ اور مطالعہ کی روشنی میں حل مسائل کے قصد سے جائیں نہ یہ کہ صرف اپنے بڑے عالموں کے فیصلے سننے کے لیے۔ علاوہ ازیں جدید مسائل میں انفرادی تدبر و تفکر کا طریقہ بھی غلط نہیں، امت کے جو اصحاب علم اس کے اہل ہوں وہ انفرادی طور پر بھی تحقیق و اجتہاد کریں، اس مہربانی کے ساتھ کہ اپنی انفرادی رائے کو امت پر مسلط کرنے کی کوشش کرنے کی بجائے اسے اپنے لیے تو واجب العمل سمجھیں لیکن دوسروں کو ان کے اجتماعی موقف پر قائم رہنے دیں۔

مجتہد فیہ مسائل پر نظر ثانی:۔ مجتہد فیہ مسائل پر نظر ثانی کا یہ معنی نہیں کہ متقدمین کے تمام تحقیقات و فتاویٰ پر از سر نو اجتہاد کرنے کے لیے بیٹھا جائے، یہ تو تصحیح اوقات اور تماقت کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ نیز اس میں اکابر و اسلاف امت کے ساتھ سخت بدگمانی ہے جبکہ ہمیں عام مسلمانوں کے ساتھ حسن ظن رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ مجتہد فیہ مسائل پر نظر ثانی کرنے کا صرف یہ معنی علم اور حسن ظن کے تقاضے پورے کرتا ہے کہ اگر متقدمین کی کوئی تحقیق آج کسی بھی طرح زیر بحث آجائے تو اس پر غیر جانب دارانہ علمی اسلوب میں غور و فکر کیا جائے نہ یہ کہ اسلاف کا قول ہونے کی وجہ سے اسے آنکھ بند کر کے تسلیم کر لیا جائے۔ آج اس کی دو صورتیں ممکن ہیں، ایک یہ کہ فقہائے متقدمین نے جو فیصلے دیے ہیں ان سے اتفاق کرتے ہوئے بعد ضرورت ان میں دوسرا حکم صادر کیا جائے۔ اور دوسری یہ کہ خود ان کے فیصلے سے اختلاف کر لیا جائے۔ پہلی صورت کی مثال یہ ہے کہ قرآن حکیم نے مصارف صدقات میں تالیف قلب کو بھی شامل رکھا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ مال زکوٰۃ غیر مسلموں پر بھی خرچ کیا جائے تاکہ ان کے دلوں میں نرمی پیدا ہو اور وہ اسلام سے قریب ہوں۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک منصوص مسئلہ ہے جس کا انکار کفر کے ہم معنی ہے، لیکن حضرت فاروق اعظم نے اپنے عہد خلافت میں اسے موقوف کر دیا۔ اس لیے نہیں کہ وہ قرآن سے اتفاق نہیں رکھتے تھے، یا انھوں نے حکم قرآنی کی مخالفت کی، بلکہ اس لیے کہ جس مقصد کے لیے قرآن نے اس کا حکم دیا تھا وہ مقصد اب باقی نہیں رہا، اگر آج بھی بالفرض اس کی ضرورت ہو تو اس

کا حل ہے، اس لیے نئے مسائل کا جواب دینے میں صحیح طریقہ یہی ہے کہ مسائل کے الفاظ کے صحیح و خم میں الجھنے کی بجائے، حالات کا جائزہ لیا جائے اور ایک عمومی جواب دیا جائے۔ پچھلے دنوں ”چاؤ“ کے حلقے سے ایک فتویٰ ہماری نظر سے گزرا۔ مسائل نے یہ بات لیا تھا کہ سننے میں آیا ہے کہ چاؤ مین میں جو پاؤں استعمال کیا جائے اس میں سور کی ہڈی شامل ہوتی ہے، ایسی صورت میں چاؤ مین کا حکم کیا حکم ہے؟ مفتی صاحب نے یہ جواب دیا کہ اگر چاؤ مین میں سور کی ہڈی ہو تو اس کا کھانا حرام ہے ورنہ جائز۔ ہمیں بتایا جائے کہ کونسا فتویٰ سے کوئی ایسی بات معلوم ہوئی جو اسے پہلے معلوم نہ تھا۔ مسلمانوں کے پاس بالکل وقت نہیں کہ وہ ہر چیز کے بارے میں تحقیق کریں، نہ یہ ان کی ذمہ داری ہے، غضب تو یہ ہے کہ اس عدیم کے ان کے اندر اباحت پسندی کا مزاج پیدا کر دیا ہے، لیکن حقیقت میں بھی اگر کوئی شرعی حکم دریافت کرتا ہے تو کیا ”اگر گزر“ سے اسے سدینے سے جدید مسائل میں حق جواب ادا ہو جاتا ہے؟؟؟

عصر حاضر کے نوپید مسائل کے حل میں دو بڑی اہم دشواریاں یہ ہیں کہ یہ تو جدید مسائل اتنی عجیب و غریب نوعیت کی حامل ہیں کہ ان کا حل عام جواز کسی ایک جانب کو ترجیح دینا خاصا مشکل ہوتا ہے۔ مسائل کا جو ایک عمومی طریقہ ہے کہ اگر کوئی جدید مسئلہ کتاب و سنت میں مخصوص نہیں ہے تو اس کے لیے فقہاء، فقہائے متقدمین کے حوالے کی چیز تلاش کرتے ہیں، موجودہ مسائل میں بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ فقہاء کے یہاں کوئی نظیر یا جزیہ نہیں ملتا جس کی وجہ سے امت از سر نو تدبر کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، اس کی مثال دارالحدیث و امریکہ کو دارالاسلام، دارالحرب، دارالامن، دارالخوف کے مسائل کا مسئلہ ہے۔

جدید مسائل کے حل میں ایک دوسری بڑی دشواری یہ ہے کہ عصر حاضر میں جس طرح علوم اسلامیہ پر گہری نظر، وسعت مطالعہ، تحقیق و تدبر اور دولت تفقہ کی ضرورت ہے وہ ناپید ہے۔ حقیقی وجوہات ہیں جن میں ایک سبب یہ بھی ہے کہ تقلیدی حکم، اہل علم کو ہل من مزید کی طلب سے آزاد کر دیا ہے، یہ جدید مسائل کے حل میں خاصا مشکل پیدا کر دیتی ہے۔ ویسے عصر حاضر نے جدید مسائل کے حل کے لیے جو اجتماعی طریقہ نکالا

پر مال زکوٰۃ صرف کیا جاسکتا ہے۔ یہ مخصوص مسائل میں احوال عصر کے بدلنے سے حکم شریعت میں تبدیلی کی مثال ہے۔ غیر مخصوص مسائل میں اس کی مثال یہ ہے کہ علمائے احناف کے نزدیک اصل حکم یہ ہے کہ مقتود الخیر شوہر کی بیوی ۸۰ سال تک انتظار کرے گی، خفی علمائے متاخرین نے اس سے انکار نہیں کیا، بلکہ اصل حکم کا اعتراف کرتے ہوئے حالات اور یسر کے پیش نظر امام مالک کے قول پر فتویٰ دیا اور مدت انتظار فقط ۴۳ سال رکھا، اس کی دوسری واضح مثال تصویر سازی کا مسئلہ ہے۔ ماضی قریب کے علماء نے اسے ناجائز و حرام لکھا، موجودہ علماء بھی اسے ناجائز و حرام قرار دیتے ہیں مگر بوجہ ضرورت اس کے جواز کا فتویٰ دیتے ہیں، یہ اور بات ہے کہ اس سلسلے میں ضرورت کا تعین ابھی مختلف فیہ ہے۔

مجتہد فیہ مسائل میں اس معنی میں اجتہاد نہ تو شاذ و نادر ہے اور نہ ہی باعث حیرت و استعجاب۔ اس لیے عصر حاضر میں کوئی ذی علم اور صاحب استعداد اگر اس طرح کا اجتہاد کرتا ہے تو صرف اس لیے اس کی مخالفت نہیں کی جاسکتی کہ وہ اپنے متقدمین سے اختلاف کر رہا ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ حالات کا گہرا تجزیہ اور ضرورت کا تعین وسیع علم، پختہ فکر اور عمیق تفقہ کا تقاضا کرتا ہے، اس لیے بلاوجہ اس راہ پر خار میں ہر کوئی قدم رنج فرمائی کی زحمت نہ کرے۔

متقدمین سے اختلاف کی دوسری صورت یعنی علمی طور پر اختلاف یہ عقلاً بھی جائز ہے اور ہمارے سامنے اس کی کئی ایک مثالیں بھی موجود ہیں۔ عقلاً جواز کی وجہ یہ ہے کہ بڑے سے بڑا امام بہر حال بشر تھے اور بشر سے امکان خطا ایک اتفاقی مسئلہ ہے، حضرت امام مالک فرماتے ہیں: انما أنا بشر انخطئ وأصيب فانظروا فی قولی فکل ما وافق الی کتاب والسنة فخذلوا به وما لم یوافق الکتاب والسنة فاستبرئوا کبھ (میں بشر ہوں، میری رائے درست و نادرست دونوں ہو سکتی ہے، میری باتوں میں غور کرو، جو ان میں کتاب و سنت کی موافق ہو، ان پر عمل کرو اور جو موافق نہ ہوں انہیں چھوڑ دو)۔

متقدمین سے علمی اختلاف کی ایک مثال ماہ شوال کے بعد چھٹی روزے رکھنے کا مسئلہ ہے، امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے مکروہ کہا تھا اور متاخرین السنۃ حدیث صحیح ملنے کے بعد اس کے استحباب کا قول کیا۔ پاکستانی فقیہ و محقق علامہ غلام رسول سعیدی نے اسی نوعیت کا اختلاف کتابت نسواں کے مسئلے میں کیا ہے، متقدمین علماء نے جن

احادیث کی بنیاد پر کتابت نسواں کو ناجائز لکھا تھا انھوں نے ان احادیث کی صحت کا انکار کرتے ہوئے جواز کے حوالے سے احادیث پیش کر دیے، اس طرح کے اختلافات اور بھی ہیں، اگر ان اختلافات سے پیچھے نیت صالح ہو تو ان کی حیثیت بھی وہی ہے جو دیگر اجتہاد و اختلافات کی ہے، لیکن باوجود اس ہمہ اسلاف کے اندر قیمتی طوطو پر فرق تدبر اور علم القرآن والسنۃ زیادہ تھا، اس لیے اس طرح کے اختلافات گنجائش کم سے کم ہے، کیوں کہ اسلاف نے بڑی جاں فشانی اور کمالات و احتیاط سے فتاوے صادر کیے ہیں، ہمیں ان سے حسن ظن رکھنا چاہیے تاہم حسن ظن کا یہ معنی نہیں کہ علمی طور پر ان کے خلاف حق روشن ہو جائے جب بھی ہم دلیل کو نظر انداز کر کے شخصیت سے چمٹے رہیں۔

علمی اختلاف کی بات آہی گئی تو یہاں اس نکتے کی طرف اشارہ کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہ عجب اتفاق ہے کہ جو حضرات اسلاف سے علمی اختلاف کے جواز کے قائل ہوتے ہیں وہ خود اپنے نظریے اور رائے سے اختلاف کو نہیں معلوم کسی دلیل سے یکسر غلط سمجھتے ہیں، وہ جب خود اختلاف کرتے ہیں تو مسائل میں توسع و خطائے بشری احتمال اور الحق أحق أن یبتع کی دہائی دیتے ہیں لیکن جب دوسرے ان سے اتفاق نہیں کرتے تو وہ آسمان سر پہ اٹھا لیتے ہیں۔ جماعہ غیر مقلدین کا یا لعموم رویہ یہی ہے اور یہ ہر المانی کے مزاج میں کچھ زیادہ ہی سرایت کیے ہوئے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تراویح میں میں اور آٹھ رکعت کا نزاع جو زیادہ سے زیادہ استحباب یا سنت کی نوعیت کا تھا اسے وجوب درجہ دے دیا۔ اور میں رکعت پڑھنے کو جو علامۃ الصحابہ کے عمل سے ثابت ہے نہ صرف مرجوح بلکہ ناجائز قرار دے کر دم لیا۔

انصاف یہ ہے کہ ہر عالم جس کے اندر مجتہدانہ علم و شعور ہو، کو سطح پر اپنے پیش رو عالم سے اختلاف کا حق ضرور ہے، لیکن دوسرے علماء کو بھی اس سے اختلاف یا اتفاق کرنے کا حق ہے۔ اگر کسی دلائل سے اپنے پیش رو عالم سے اختلاف کیا اور دوسرے معاصر نے دلائل کی روشنی میں ہی اس کی بات سے اتفاق نہیں کیا تو اسے اتفاق کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا، اور نہ ہی اس کے اختلاف کو تقلید یا اسلاف پرستی کا نام دیا جاسکتا ہے، کیوں کہ ایسا کرنا اسلاف پرستی روکنے کی بجائے خود اپنی شخصیت پوجنے کی دعوت دینا ہے۔

فقہی اصول میں اجتہاد: عالم عرب کے معروف اسکالر

انہیں کون بتائے کہ اس طرح کا اجتہاد، اجتہاد مطلق کے باب سے ہے، جو درحقیقت مجتہد مطلق کا عمل ہے، جو کسی کا مقلد نہیں ہوتا، نہ اس کا جسے اجتہاد و تقلید کے معنی تک نہیں معلوم، نہ ہی یہ اس کا عمل ہے جس نے خیر القرآن کے علم و افتہ مجتہدین کی تقلید کی بجائے شاذ و منفر و رائے رکھنے والے متاخر علماء کی غلامی کا پند اپنے گلے میں ڈال رکھا ہے۔

مقلد یا غیر مقلد ہونے کی بنیاد درحقیقت اصول فقہ میں اجتہاد کرنے یا نہ کرنے پر ہی ہے، امام ابو یوسف اور امام محمد سے لے کر شاہ ولی اللہ دہلوی اور امام احمد رضا بریلوی اور معاصر جبال علم و فن، جنہی علماء و فقہاء اسی معنی میں خفی ہیں کہ انہوں نے اصول میں امام ابو حنیفہ کی تقلید کی، یہی وجہ ہے کہ فروعیات میں بہت سے اختلافات اور تفردات کے باوجود یہ تمام حضرات خفی ہیں اور خاص بات یہ ہے کہ آسمان شریعت کے ان تمام ماہ و نجوم نے امام ابو حنیفہ کی اندھی تقلید نہیں کی بلکہ ان کے اوپر امام کے اصول کی صداقت روشن ہوئی اور انہوں نے امام ابو حنیفہ کا با بصیرت اتباع کیا۔ موجودہ دور کے تمام علماء و مشائخ بھی کسی نہ کسی امام کے مقلد ہیں، کوئی بھی غیر مقلد نہیں، کیوں کہ غیر مقلد صرف مجتہد مطلق ہو سکتا ہے اور اجتہاد مطلق کا دور و افہا و جو داس کے آج بھی کھلا ہوا ہے مگر کوئی شخص بھی ایسا نہیں جو اس میں داخل ہونے کی صلاحیت یا کم از کم جرأت ہی رکھتا ہو۔ جرأت کا لفظ اس لیے استعمال کر رہا ہوں کہ آج یہ کہنے والے تو بہت ہیں کہ کیا ضرور ہے کہ ہم آج بھی ائمہ کی تقلید کریں لیکن عملی طور پر کوئی اصول اجتہاد وضع کرے، ایسا ایک شخص بھی نہیں۔ ہاں یہ غلط فہمی ضرور رائج ہو گئی ہے کہ شیخ ابن تیمیہ اور ابن قیم وغیرہ کی تقلید کو لوگ مخالفت تقلید سمجھ بیٹھے ہیں جب کہ یہ تقلید خود اتنی جامد ہے کہ ایسے مقلدین ”مدارج حق“ شیخ ابن تیمیہ، ابن قیم اور البانی کے فرمودات میں منحصر مانتے ہیں اور طرفہ یہ کہ ان کی بات خواہ کتنی ہی قوی دلائل سے رو کر دیکھیے وہ اپنے موقف سے اس اعتقاد کے ساتھ چمے رہیں گے کہ وہی حق ہے اور ان کے مخالفین ہزار ہا بار دلائل رکھنے کے باوجود تقلید جامد کے شکار ہیں۔

عصر حاضر میں اجتہاد کی بات آئی گئی ہے تو عالم عرب کے ان جدید مجتہدین کا ذکر بھی مناسب معلوم ہوتا ہے جو اجتہاد کیا کر رہے ہیں، شریعت کے شیش ٹکڑ میں بیٹھے مجتہدین سابقین پر سنگ باری فرما رہے ہیں، اپنی ژرف نگاہی اور گہرے تفقہ سے ایسے ایسے لطیف نکات اور اجتہادات علیہ پیش فرما رہے ہیں کہ اگر انہیں ابن الجوزی کی ”مکتاب

تقریبات“ وغیرہ نے عصر حاضر میں ”تجدید اصول فقہ“ کی بحث نہ کی ہے۔ یہ بحث جہاں شرعی حدود و قیود سے آزار و کر مسلمان بنے کے متعلق افراد کے لئے ایک شادیانہ مسرت سے کم نہیں وہیں مسرت کے ذمہ دار، اسلام کے درمندا صاحب فقہ و افتہ کے لئے یہ دعوت ضروری ہے۔ ان جدید اجتہاد یوں کی رائے یہ ہے کہ اصول فقہ دو حصوں کے ہیں، ایک وہ جو نص قرآنی کی تفہیم کے لیے بنائے گئے ہیں اور دوسرا جو اصول فقہ کے لئے ہے۔ اس طرح کے مسائل علم ہیں، ان میں مزید کسی نکتہ آفرینی کی نہ گنجائش ہے اور نہ ہی اس کے لئے اس وقت وہ اصول جو احوال زمانہ اور علامہ الناس کے عرف و امت کے پیش نظر فقہانہ وضع کیے تھے، کوئی وجہ نہیں کہ حالات کے بدلے بدل جانے کے بعد بھی ان پر نظر ثانی کرنا کوئی گناہ ٹھہرے۔ اس لیے مثال یہ ہے کہ زمانہ اول میں شخصی زندگی کی ضرورتیں کم تھیں، جب تک سال کی عمر میں باپ اپنے بچوں کی شادی کر دیتا اور بچے بچہ بچہ پر زندگی کا آغاز کر دیتے، آج کا حال یہ ہے کہ ۲۵ سے ۳۰ سال تک تعلیم کا مرحلہ ہوتا ہے پھر اس کے بعد کئی سالوں تک محنت سے لئے خاک چھانی پڑتی ہے تب کہیں جا کر کوئی اپنے قدم چھوئے کا اہل ہوتا ہے۔ یہ صورت حال تقاضا کرتی ہے کہ فقہاے عصر نے باپ کے اوپر بچے کی کفالت کی جو مدت متعین کی تھی جس سے دوسرے مسائل متفرع ہوتے ہیں، اس پر از سر نو غور کیا جائے۔ اسی طرح نماز جو کی صحت کے لئے شرائط و فقہا نے اپنے دور کے مسائل مقرر کیے تھے اور اپنے اعتبار سے ممالک کی شرعی تقسیم اور شہر کی تعریف کی تھی، اب ضرورت ہے اس بات کی کہ فقہاے عصر کی ان تعریفات و تحدیدات پر نظر ثانی کی جائے۔ برصغیر کے فقہاء و فقہاء کے حضور ہم مذکورہ مطالبات تسلیم کرنے کی وکالت تو کرتے ہیں۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ ان مطالبات سے یکسر چشم پوشی یا انہیں ٹھک کیا جاسکتا اور نہ ہی یہ رویہ اس مسئلہ کا مستقل حل ہے۔

اس وقت میں اجتہاد کے تعلق سے آج کچھ خام فکر افراد یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ کیا ضرور ہے کہ ائمہ اربعہ نے جو اصول بنادے ہم آج اپنے اپنے سے لگے رہیں، ہمیں خود سے براہ راست کتاب و سنت میں اصول وضع کرنے چاہیے۔ حیرت ہوتی ہے کہ اس قسم کی باتیں جو شریعت کے حروف ابجد سے بھی واقف نہیں، اب

یستوی الذین یعلمون و الذین لا یعلمون جاہل و عالم برابر نہیں ہو سکتے۔ مزید یہ کہ شریعت اسلامیہ میں گفتگو فقہ و قانون کی گفتگو ہے اور یہ گفتگو وہی کر سکتا ہے جس نے قوانین اسلامیہ کا گہرا مطالعہ کیا ہو، صرف اسلام کی تاریخ، تفسیر کا مطالعہ اور بخاری و مسلم کے اردو یا انگریزی ترجمے پڑھ لینے سے بھی کسی کو شرعی قوانین میں لب کشائی کا حق نہیں دیا جاسکتا، یہ تو اختصاص (Specialization) کی بات ہے جسے شاید موجودہ دور میں بہت زیادہ واضح کرنے کی ضرورت نہیں۔

خلاصہ یہ کہ نہ تو اجتہاد کرنا حرام ہے اور نہ تقلید کرنا حرام، جو اجتہاد کے اہل ہوں ان کے لیے تقلید ناجائز ہے اور جو تقلید کے اہل ہیں ان کے لیے اجتہاد ناجائز۔ یہ کھلی ہوئی بات ہے جسے ذہن نشین رکھنا چاہیے۔ لیکن ہاں ہمہ ہر آدمی کو طلب مزید کی کوشش جاری رکھنی چاہیے، ذہن و فکر کو متقل کر دینا انسانی ترقی کے آگے بند باندھ دینے کے مرادف ہے۔ ہر شخص کو بارگاہِ خدا میں رب زدندی علم کی دعا کرنی چاہیے اور اپنے طور پر اس کی بھرپور کوشش بھی۔ اللہم ارنا الحق حقاً وارزقنا اکتسابہ و ارنا الباطل باطلا و ارزقنا اجتنبہ۔

☆☆☆

الحققاء و المغفلین“ میں شامل کر دیا جائے تو کتاب اور قیام ہو جائے اور عصر حاضر کے معیار اسلوب پر بھی پورا اترے۔ اس کی مثال شیخ عراقی سابق شیخ ازہر کا یہ اجتہاد ہے کہ مجتہد کے لئے زبان عربی سے آشنا ہونا ضروری نہیں ہے، اسی طرح بعض دوسرے مجتہدین کا ٹیلی ویژن پر جواز اقتدا کا فتویٰ بھی اسی ذیل میں آتا ہے۔

اسی نوعیت کا وہ اجتہاد بھی ہے جو ہندوستان میں جاوید اختر، شبانہ اعظمی، پروفیسر طاہر محمود اور کبھی کبھی صحافت مآب جناب عزیز برنی فرماتے ہیں۔ اس طرح کے لوگ بڑے ہی شد و مد کے ساتھ اس بات کا اعادہ کرتے ہیں کہ ہندومت میں پنڈتوں اور یہودیت و عیسائیت میں ربیوں اور رابہوں کا شریعت پر تسلط ہے، مگر اسلامی شریعت پر کسی خاص طبقہ کی اجارہ داری نہیں۔ اب اس جہالت پر کب تک ماتم کیا جائے کہ شریعت اسلامیہ پر کسی خاص طبقہ کی اجارہ داری نہ ہونے کا صرف یہ معنی ہے کہ اس پر کسی خاندانی طبقہ کا تسلط نہیں، اس میں جس طرح کسی سید زادے عالم کو اپنی بات کہنے کا حق ہے ایک معمولی خاندان کے فرزند کو بھی ہے جس نے علوم شریعت حاصل کیے ہوں۔ یہ معنی نہیں کہ شریعت میں عالم و جاہل یکساں طور پر نکات آفرینی کے مجاز ہیں۔ قرآن کا واضح حکم ہے ہل

مصنفوں، شاعروں اور کتابوں کی اشاعت کروانے والوں کے لئے

جام نور پرنٹنگ ایجنسی کی ایک خصوصی پیش کش

ہمارے یہاں مندرجہ ذیل کاموں کو ماہرانہ انداز میں کیا جاتا ہے

✪ کمپوزنگ ✪ پروف ریڈنگ ✪ ایڈیٹنگ ✪ ترجمہ ✪ فلم پروسیڈنگ

✪ کاغذ کی خریداری ✪ طباعت ✪ ٹائپل ڈیزائننگ ✪ جلد بندی ✪ کتابت

پوسٹر، شادی کارڈ، رسید بک اور وزیٹنگ کارڈ کی خوبصورت ڈیزائننگ

مسودہ دیجئے ————— کتاب لیجئے

پریس کی دوڑ دھوپ، کاغذ کی خریداری اور جلد بندی کی سروردی سے نجات حاصل کیجئے

اور مناسب اجرت پر کم وقتوں میں ہماری خدمات حاصل کیجئے

راہیے کا پتہ:- مکتبہ جام نور 422 میاں گل جامع مسجد دہلی-۶

فون: 011-23281418-09313783691-09313193786

تَقْلِيدُ شَوْقِ يَاضُوتِ؟

قرآن کریم میں علم اور علم والوں کا ذکر کیا گیا ہے (۱۲) اور حکمت و فقہانیت والوں کا بطور خاص ذکر کیا گیا ہے (۱۳) تاکہ دین سے بیگانہ کوئی پڑھا لکھا دین میں مداخلت نہ کرے اور یہ بات قرآن حکیم ہی کے ساتھ مخصوص نہیں، ہر کتاب کو سمجھنے کے لیے اس کے اہل کی ضرورت ہوتی ہے، ہر زبان داں اس کو سمجھنے کا دعویٰ نہیں کر سکتا، کتاب سمجھنے کے لیے صرف زبان ہی کافی نہیں، اس کے علاوہ بھی بہت کچھ چاہیے۔

(۶) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تقلید کی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد کبار صحابہ کی تقلید کی، انہیں کی تقلید تابعین نے بھی کی، پھر تبع تابعین نے کبار تابعین کی تقلید کی، اس کے بعد ائمہ اربعہ کی تقلید کا سلسلہ شروع ہوا اور تسلسل برقرار رہا، حتیٰ کہ تقلید کا یہ عمل اپنی انتہا کو پہنچا۔ یہ حقیقت بھی قابل توجہ ہے کہ ائمہ حدیث بھی مقلد تھے، چنانچہ امام بخاری، شافعی، حنفی، مالکی، امام طحاوی، حنفی تھے، ابن تیمیہ وابن قیم حنبلی تھے، شاہ ولی اللہ، حنفی تھے وغیرہ وغیرہ۔ اور ائمہ اربعہ کی یہ تقلید بھی اس لیے کی گئی کہ وہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب اور بہت قریب ہیں، قریب کا مشاہدہ دور والے سے ہمیشہ زیادہ بہتر اور صحیح ہوتا ہے، کوئی معقول انسان قریب والوں کو چھوڑ کر دور والوں کی بات نہیں مانتا۔

(۷) جن ائمہ اربعہ کی عالم اسلام تقلید کرتا ہے ان کا مبارک عہد پہلی صدی ہجری سے لے کر تیسری صدی ہجری تک ہے، امام ابو حنیفہ ۸۰ھ سے قبل یا ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۵۰ھ میں انتقال فرمایا۔ امام مالک نے ۹۷ھ میں انتقال فرمایا۔ امام شافعی نے ۲۰۴ھ میں انتقال فرمایا۔ امام احمد بن حنبل نے ۲۴۱ھ میں انتقال فرمایا۔ گویا ائمہ اربعہ کا تعلق اس مقدس زمانے سے تھا، جس کو ”خیر القرون“ کہا جاتا ہے اور جس کی فضیلت حدیث شریف میں آئی ہے (۱۳) اس فضیلت سے کسی کو انکار نہیں۔

(۸) ائمہ اربعہ نے قرآن کریم، حدیث کے ذخیروں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فتوؤں اور فیصلوں کو سامنے رکھا اور اس داناتی حکمت سے

(۱) تقلید ہر انسان کی ضرورت ہے، ہر مسلمان کی بھی ضرورت ہے، اس کے بغیر چارہ نہیں..... تعلیم و تہذیب اور تمدن میں ہر نئی ترقیاں اسی کی مرہون منت ہیں، تقلید کی ضرورت نہ ہوتی تو قرآن مجید ہی تھا، حیات پاک کا عملی نمونہ تقلید کی اہمیت پر گواہ ہے، تقلید کا حکم قرآن میں بھی ہے (۱) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

میں نے تمہارے اندر دو چیزیں چھوڑیں، ایک اللہ کی کتاب اور دوسری اس کے رسول کی سنت، جب تک ان دونوں کو تھامے رہو گے تمہارا گمراہ نہ ہو گے (۲)

(۲) قرآن حکیم عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں جمع ہو گیا تھا، عہد صحابی میں کتاب ہوا، عہد عثمانی میں مختلف علاقوں میں پھیلا دیا گیا (۳) بلکہ عہد فاروقی ہی میں دور دراز علاقوں میں پھیل چکا تھا (۵) (۳) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن حکیم اور اس اختیار کی شکل میں جو قرآن حکیم ہی نے آپ کو عطا فرمایا تھا (۶) مختلف علاقوں میں جہاں بڑی صورت میں احکام ارسال فرمائے (۷) صحابہ کرام نے یہ خط رکھا اور ذاتی طور پر احادیث شریفہ کی حفاظت فرمائی، کیوں نہ فرماتے کہ محبوب کی ہر چیز محبوب ہوتی ہے۔ اس قسم کے بہت سے مصنف (مجموعے) موجود تھے، مثلاً صحیفہ صدیقی، صحیفہ علوی، صحیفہ صحابہ، صحیفہ صادقہ، صحیفہ ۸ (قبل ۵۸ھ) وغیرہ وغیرہ۔

(۴) ہر صحابی کا یہ منصب نہ تھا کہ وہ از خود قرآن و حدیث کی کتاب میں فتوے دیتا یا فیصلے کرتا، کبار صحابہ نے یہ فرض ادا کیا، خلفائے راشدین اور صحابہ کے فیصلے اور فتوے بھی جمع کیے گئے، چاروں خلفاء نے یکے کے ساتھ ہو چکے ہیں، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے ۳۰ جلدوں میں مرتب ہوئے تھے۔ (۹)

(۵) قرآن حکیم سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف وہین کی سمجھ رکھنے والے ہی قرآن کو سمجھنے کی قابلیت رکھتے ہیں (۱۱) ہر کس و نا کس یہ سمجھ سکتا تھا کہ قرآن و حدیث سے مسائل نکالے اور فیصلے دے، اسی لیے

کام لیا، جس کا قرآن کریم میں ذکر کیا گیا ہے اور اس سلیقے سے سب کچھ سیکھا جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سکھایا (۱۵) یہ سمجھنا کہ ائمہ اربعہ احادیث سے غافل تھے اور سن مانی پر عمل کیا کرتے تھے، غیر مؤرخانہ اور طغیانہ خیال ہے، جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ ہر مسئلے پر غور کیا جاتا ہے، جسکی حل سامنے آتا ہے۔ ائمہ اربعہ مجتہدین نے بھی قرآن و حدیث میں غور و فکر فرمایا اور ہمارے ہزاروں مسائل حل فرمائے، اب اس غور و فکر کو "سن مانی رائے" سے تعبیر کرنا ایک ایسا ظلم ہے، علم و دانش کی تاریخ میں جس کی مثال نہیں ملتی اور ایک ایسا التزام و بہتان ہے، عقل و دانائی کی تاریخ میں جس کی نظیر نہیں ملتی۔

(۹) بعض صحابہ صرف محدث تھے، بعض محدث بھی تھے اور فقیہ بھی بعض تابعین صرف محدث تھے، بعض محدث بھی تھے اور فقیہ بھی بعض تبع تابعین صرف محدث تھے، بعض محدث بھی تھے اور فقیہ بھی، محدث کا فقیہ ہونا ضروری نہیں، فقیہ کا محدث ہونا ضروری ہے، محدثین، نقد و جرح کے بعد احادیث جمع کرتے ہیں، مجتہدین و فقہاء انہیں احادیث سے مسائل کا استنباط و استخراج کرتے ہیں۔ ائمہ مجتہدین سے انکار کرنا ایک روشن حقیقت سے انکار کرنا ہے۔ اس حقیقت کو ایک مثال سے بھی سمجھا جاسکتا ہے جو بات ذہن نشین کرنے کے لیے پیش کی جا رہی ہے۔ اس کا قرآن و حدیث کی عظمتوں سے کوئی تقابل نہیں۔ غور فرمائیں! امراض جسمانیہ کے علاج کے لیے جزی بوٹیاں جمع کرنے والی ایک جماعت ہے، ان کے خواص دریافت کرنے والی دوسری جماعت ہے، ان سے مختلف شکلوں میں ادویات بنانے والی تیسری جماعت ہے، امراض کی تشخیص اور ادویات کو تجویز کرنے والی چوتھی جماعت ہے۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ سوائے پہلی جماعت کے جزی بوٹیوں کو سب نے چھوڑ دیا، اس لیے ہم سب کو چھوڑ کر وادیوں اور صحراؤں میں خود جزی بوٹیاں تلاش کریں گے، خود ہی خواص دریافت کریں گے، خود ہی ادویات بنائیں گے، خود ہی تشخیص کریں گے، خود ہی تجویز کریں گے، خود ہی آپ اپنا علاج کریں گے تو ایسے شخص کے بارے میں آپ کیا فیصلہ کریں گے؟ کیا اس طرز عمل کو معقولیت سے تعبیر کریں گے؟..... عہد نبوی سے احادیث کا تحریری سرمایہ مسلسل منتقل ہوتا چلا آیا، ہاں کتابی صورت میں مدون نہ ہوا تھا، پھر یہ اہم کام بھی ہو گیا، غالباً سب سے پہلے امام ابو حنیفہ کا مجموعہ احادیث کتابی صورت میں مدون ہوا، جس کا نام "کتاب الآثار" رکھا گیا

(۱۶) پھر امام مالک نے مؤطا (۱۷) مرتب کی، اس کے بعد امام ابو حنیفہ کے شاگرد امام محمد (م-۱۸۹ھ) نے مؤطا مرتب کی، پھر ائمہ حدیث، حدیث کے تحریری سرمایہ کو مسلسل مرتب کرتے رہے۔ چنانچہ امام احمد بن حنبل (م-۲۴۱ھ) نے مسند مرتب کی، (۱۸) امام بخاری (م-۲۵۶ھ) نے صحیح بخاری، امام مسلم (م-۲۶۱ھ) نے صحیح مسلم، ابن ماجہ (م-۲۷۳ھ) نے سنن ابن ماجہ، امام ترمذی (م-۲۷۹ھ) نے جامع ترمذی، امام نسائی (م-۳۰۳ھ) نے سنن نسائی، امام طحاوی (م-۳۲۱ھ) نے شرح معانی الآثار وغیرہ وغیرہ۔ یہ کہنا کہ حدیث کا سرمایہ دو تین سو برس کے بعد وجود میں آیا، تاریخی نقطہ نظر سے سراسر لغو ہے، ہر کام ابتدائی مدارج طے کر کے اپنے عروج کو پہنچتا ہے، یہ ایک فطری عمل ہے، جس کو نظر میں رکھنا چاہیے، محدثین نے جو احادیث جمع فرمائیں، یہ وہی احادیث تھیں، جن کو سامنے رکھ کر ائمہ مجتہدین نے مسائل کا استخراج و استنباط کیا۔

(۱۰) امام ابو حنیفہ، ائمہ اربعہ اور تابعین میں بعض خصوصیات کی وجہ سے نہایت ممتاز تھے، آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زیارت فرمائی، کبار صحابہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے فیض یافتگان سے آپ نے فیض حاصل کیا (۱۹) صحابی رسول حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ (م-۹۳ھ) حضرت عبد اللہ بن حارث رضی اللہ عنہ (م-۹۷ھ) حضرت عبد اللہ بن اوفی رضی اللہ عنہ (م-۸۹ھ) آپ کے استاد تھے (۲۰) آپ کے اساتذہ ہزار سے زیادہ ہیں۔

(۱۱) اسلامی حکومت کا دائرہ جس سرعت سے پھیل رہا تھا اور جس سرعت سے نئے نئے مسائل سامنے آ رہے تھے، اسی سرعت سے مجتہدین کرام نے فقہ کی تدوین کی اور عالم اسلام کی ایک بڑی مشکل حل کر دی، امام ابو حنیفہ نے ایک بورڈ تشکیل دیا، جس میں ہر فن کے ماہرین موجود تھے، کیوں کہ قرآن و حدیث فہمی کے لیے صرف زبان عربی جاننا کافی نہیں مختلف موجودہ اور آئندہ آنے والے مسائل پر بحث و مباحثہ اور غور و فکر ہوا اور اس غور و فکر کے نتیجے میں تراوی ہزار مسائل کا حل قرآن و حدیث کی روشنی میں پیش کیا گیا (۲۲) قانون شریعت کا یہ عظیم مجموعہ ۱۱۳ھ سے قبل مرتب ہو گیا تھا۔ امام ابو حنیفہ کا یہ عظیم علمی کارنامہ ہے اور امت مسلمہ پر عظیم احسان ہے۔ تراوی ہزار مسائل پر مشتمل قانون شریعت کے مرتب ہونے کے بعد امام ابو حنیفہ نے بورڈ

تقلید کے لیے مجبور ہیں، خود غیر مقلد عالم نواب وحید الزماں صاحب اپنے مسلکی ساتھیوں سے پوچھتے ہیں:

”ہمارے اہل حدیث بھائیوں نے ابن تیمیہ اور ابن قیم اور شوکانی اور شاہ ولی اللہ اور مولوی اسماعیل کو دین کا ٹھیکیدار بنا رکھا ہے۔ یہاں تو زور غور کرو اور انصاف کرو، جب تم نے ابوحنیفہ، شافعی کی تقلید چھوڑی تو ابن تیمیہ یا ابن قیم اور شوکانی، جو ان سے بہت متاخر ہیں، ان کی تقلید کی کیا ضرورت؟“ (۳۳)

(۱۵) تاریخ اسلام میں ”اہل حدیث“ نام کا کوئی فرقہ نہیں ملتا، یہ لفظ صرف اور صرف ماہرین حدیث کے لیے مخصوص تھا۔ چوں کہ غیر مقلدین نے یا تو انگریزوں کی امداد و اعانت سے اپنی حکومت قائم کی (۳۵) یا برصغیر میں انگریزوں کی حکومت قائم کرنے میں ان کی پوری پوری مدد کی (۳۶) اس لیے عالم اسلام بالخصوص برصغیر کے مسلمان ان سے نفرت کرتے تھے (۳۷) اور ان کو ”وہابی“ کہتے تھے۔ یہ حضرات مسلم حکومت کے مقابلے میں انگریزی حکومت کو رحمت سمجھتے تھے، (۳۸) انہوں نے انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد انگریز حاکموں کو اپنی وفاداریوں کی یاد دلاتے ہوئے درخواست کی کہ ان کو ”وہابی“ کے بجائے ”اہل حدیث“ کہا جائے (۳۹) اور اس سلسلے میں نوٹیفیکیشن جاری کیا جائے۔ چنانچہ درخواست منظور ہو گئی اور نوٹیفیکیشن جاری کر دیا گیا (۵۰) ان حقائق کی تائید اہل حدیث عالم مولوی محمد حسین بنالوی کے بیانات سے ہوتی ہے، ورنہ ایسے بیانات ناقابل اعتبار سمجھے جاتے اور شاید شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھے جاتے۔ مگر اب تاریخی حقائق کی روشنی میں روز روشن کی طرح عیاں ہو گیا کہ غیر مقلدین کو ”اہل حدیث“ نام انگریزوں نے دیا ہے۔ ۱۸۵۷ء سے پہلے اس نام کا مسلمانوں میں کوئی فرقہ نہ تھا۔

(۱۶) ہم نے علمی اور تاریخی حقائق غیر جانبداری کے ساتھ آپ کے سامنے پیش کر دیے ہیں، اب آپ خود اپنی عقل اور ضمیر سے یہ بات پوچھیں۔

○ جو فرقہ انتہائی اقلیت میں ہو

○ جس نے انگریزوں کی حمایت کی ہو

○ جو مسلمانوں کی حکومت سے انگریزوں کی حکومت کو اچھا سمجھتا ہو

○ جس کا نام ہی انگریزوں نے رکھا ہو

○ جو سواد اعظم سے بیر رکھتا ہو، جس کی پیروی کا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا اور اس کو مشرک کہنے سے بھی دریغ نہ کرتا ہو

(۵۱) وہ حق پر ہے یا وہ ہما عت حق پر ہے؟

○ جو انتہائی اکثریت میں ہو

○ جس نے کبھی انگریزوں کی حمایت نہ کی ہو

○ جو انگریزوں کی حکومت سے مسلمانوں کی حکومت کو اچھا سمجھتی ہو

○ جس کا نام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ”اہل السنۃ والجماعہ“ رکھا ہو۔

○ جو جوہر ملت اسلامیہ کا سواد اعظم ہو

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان اور آپ سے محبت کا تقاضا یہی ہے کہ آپ کا ہر حکم مانیں، آپ نے فرمایا اگر کسی مسئلے میں الجھجھکے تو دل سے فیصلہ طلب کیا کرو (۵۲) ہاں، دل کیا کہتا ہے؟ دل کی سنیں اور اسی پر عمل کریں۔ ہاں اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن و حدیث سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

حواشی و حوالہ جات

(۱) قرآن حکیم، سورہ نسا، آیت نمبر ۱۲۵، سورہ نمل، آیت نمبر ۱۳

(۲) مشکوٰۃ شریف، کتاب الایمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، ج ۱، ص ۸۳ (۱۳۰۱ مصر)

(۳) محمد بن اسماعیل بخاری، بخاری شریف، ج ۳، ص ۱۳۳، ابن حجر عسقلانی، الباری، ج ۹

(۴) جلال الدین سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ج ۱، ص ۹۰-۱۳۵ مطبوعہ کراچی

(۵) ابن حزم، کتاب الفصل فی الملل والایواء والنحل، قاپرہ، ج ۲، ص ۷۸

(۶) قرآن حکیم، سورہ حشر، آیت نمبر ۷

(۷) ابن عبد البر، جامع بیان العلم وفضلہ، ج ۱، ص ۷۱، ابن حجر عسقلانی، الاستیعاب، ج ۱، ص ۳۳۷

نوٹ۔ (۱) ڈاکٹر محمد حمید اللہ (مقیم بیرس) نے اپنی تالیف، الوثائق السیاسیہ فی العہد النبی والخلایفہ الراشدۃ (مطبوعہ مصر) میں دو سو ۲۰۰ سے زیادہ دستاویزات نقل کی ہیں پھر نئے اڈیشن میں چالیس ۴۰ دستاویزات کا اور اضافہ کیا ہے (۲) محمد بن فرز المعروف بابن الطراح الاندلسی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں پر مشتمل ایک مجموعہ ”اقتضیٰ الرسول“ مرتب کیا، جس کے اردو ترجمہ کو مدینہ یونیورسٹی، مدینہ منورہ کے ڈاکٹر محمد ضیاء الرحمن اعظمی نے مدون کیا ہے اور دائرہ معارف اسلامیہ لاہور نے شائع کیا ہے۔ یہ ۹۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ مسعود

(۸) مسند احمد بن حنبل، حدیث نمبر ۶۵۱، ۶۸۲، ۶۹۳، جامع البیان، ج ۱، ص ۲۰ نوٹ۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اپنے شاگرد حضرت ہمام بن منہ بن کامل بن شری

امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف کی مطبوعات

* **جامع الاحادیث**: امام احمد رضا قدس سرہ کی تقریباً تین سو تصانیف سے ماخوذ (۳۵۰۰) احادیث و آثار (۶۰۰) مباحث تفسیریہ اور (۱۱۰۰) افادات رضویہ پر مشتمل علوم و معارف کا گنج گرانمایہ! جس کو حضرت علامہ محمد حنیف خاں صاحب بریلوی نے بڑی جانفشانی کے ساتھ مرتب کیا ہے۔ دس جلدیں: قیمت..... تین ہزار روپے

* **مجتلی العروس و مراد النفوس**: علم جفر میں امام احمد رضا قدس سرہ کی قلمی تحریر کا عکس جمیل ہے، جس کو آپ نے فنی اعتبار سے سرخ و سیاہ دو رنگوں میں تحریر فرمایا تھا، لہذا پوری کتاب اصل کے مطابق دو رنگوں سے مزین ہے، عمدہ و قیمتی کاغذ اور خوبصورت جلد۔ صفحات..... ۲۰۸۔

* **جامع الغموض اردو شرح کافیہ مکمل**: کافیہ کی شرح میں جامع الغموض فارسی نہایت تفصیلی شرح ہے، اس میں تحقیق و تدقیق کے ساتھ علم نحو کے ہزاروں مسائل کی گتھیاں سلجھائی گئی ہیں، مسائل کی وضاحت اور دلائل کی شرح و بسط کے ساتھ ساتھ متن کے غموض و اشارات کی تشریح واضح انداز میں کی گئی ہے، کافیہ کی متعدد شرحوں خصوصاً ”شرح جامی“ کی عبارتوں کا خلاصہ بھی ہے، گویا یہ کافیہ کے ساتھ ساتھ شرح جامی کا بھی بہترین حل ہے، ترجمہ کے ساتھ ایک ضخیم جلد میں شائع ہو چکی ہے۔ صفحات ۱۰۲۴۔ قیمت مجلد..... ۲۵۰ روپے

* **امام احمد رضا اور علم تفسیر**: اس کتاب میں امام احمد رضا قدس سرہ کی علم تفسیر میں مہارت اور مفسرین کی علمی خدمات کی تفصیلات جامعیت کے ساتھ پیش کی گئی ہیں، صفحات ۱۵۲۔ قیمت..... ۳۰۰ روپے

* **آپ ﷺ زندہ ہیں واللہ**: امام ربانی کی مختصر کتاب ”حیۃ الانبیاء“ کی مبسوط شرح، حیات انبیاء پر تحقیقی دستاویز، وہابیہ، دیانہ اور غیر مقلدین کے اعتراضات کے دندان شکن جوابات، ہر حدیث کی تخریق اور روایان حدیث کی جرح و تعدیل کے سلسلہ میں سیکڑوں کتابوں کے حوالے، مناظر اسلام حضرت علامہ مفتی محمد عباس رضوی پاکستانی کے قلم حقیقت رقم کا عظیم شاہکار، صفحات ۴۱۶۔ قیمت مجلد..... ۱۲۰ روپے

* **حالات فقہاء و محدثین**: یہ کتاب فقہاء و محدثین کی علمی و دینی خدمات پر مشتمل ہے، امام اعظم سے لے کر حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہما تک تقریباً چالیس فقہاء و محدثین کا تذکرہ اختصار و جامعیت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ صفحات ۱۶۸۔ قیمت مجلد..... ۸۰ روپے

* **نحوی پھیلیاں**: یہ کتاب سوالات و جوابات کی شکل میں علم نحو کے ایسے اہم مسائل پر مشتمل ہے جن کی طرف عام طور سے طلبہ کم توجہ دیتے ہیں، پھیلیوں کی شکل میں سوالات و جوابات سے طالب علم کے ذہن کی گرمیوں میں کھل جاتی ہیں۔ صفحات ۱۶۸۔ قیمت..... ۳۵ روپے

* **اصول حدیث**: اس کتاب میں اختصار و جامعیت کے ساتھ علم اصول حدیث کی وہ اصطلاحات تحریر کی گئی ہیں جن کی ضرورت بنیادی طور پر تمام طلبہ کو پیش آتی ہے، ساتھ ہی اصول حدیث کے ہر شعبہ کی بعض تصانیف کی نشاندہی بھی ہے۔ صفحات ۱۰۴۔ قیمت..... ۲۵ روپے

* **توہین حدیث**: فقہاء و محدثین نے علم حدیث کی حفاظت کس طرح فرمائی اور یہ علم کن مراحل سے گزر کر ہم تک پہنچا، اس کی تفصیلات ملاحظہ فرمائیں، ساتھ ہی منکرین حدیث کے اعتراضات کے جوابات بھی۔ صفحات ۱۵۲۔ قیمت..... ۴۰ روپے

* **واحد و جمع**: طلبہ عام طور پر لفظ مفرد کی جمع کے صیغہ جاننے کے لئے غلبان میں مبتلا رہتے ہیں، اس کتاب میں واحد و جمع کے اوزان کو عنوان بنا کر بہت سے مفردات اور ان کی جموع لکھ دی گئی ہیں تاکہ طلبہ کو دیگر مفردات کی جموع نکالنا آسان ہو جائے۔ صفحات ۱۸۸۔ قیمت..... ۵۰ روپے

امام احمد رضا اکیڈمی ایک قومی ادارہ ہے، ہمیں یقین ہے کہ حسب ضرورت آرڈر بھیج کر اکیڈمی کی ترقی میں اہم کردار نبھائیں گے۔

امام احمد رضا اکیڈمی، صالح نگر، بریلی شریف

Mb.9412489367,9412489368,9259159400

باب

۲

بحث و نظر

انٹرویو

(اجتہاد و تقلید پر مختلف مکاتب فکر کے نمائندوں سے متبادل خیالات)

جماعت اہل سنت	مولانا محمد احمد مصباحی
جماعت اہل حدیث	مولانا عبد الوہاب خلیفی
اسلامی مرکز	مولانا وحید الدین خان
دیوبندی جماعت	مولانا عبد الحمید نعمانی

تحریری مباحثہ

(اجتہاد و تقلید پر برصغیر کے مختلف مکاتب فکر کے نمائندوں کا دلچسپ تحریری مباحثہ)

جماعت اہل سنت	بحر العلوم مفتی عبد المنان اعظمی
جماعت اہل حدیث	مولانا نائل الرحمن تیمی
دیوبندی جماعت	مولانا وارث مظہری
جماعت اسلامی	مولانا شفیع موئس
جماعت اہل سنت	مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی (پاکستان)

مذاکرہ

(شام کے نامور عالم دین شیخ سعید رمضان البوطی کی ایک غیر مقلد عالم سے علمی گفتگو)

ترجمہ: مولانا نعمان احمد ازہری

انٹرویو

اجتہاد و تقلید پر برصغیر کے مختلف مکاتب فکر کے نمائندوں سے تبادلہ خیالات

مسئلہ اجتہاد و تقلید انہی مسائل میں ہے جن کو سمجھے بغیر ہر کوئی اظہار خیال کرنا اپنا فطری حق سمجھتا ہے۔ اگر اس مسئلے میں ابن حزم، ابن تیمیہ، ابن قیم البانی جیسے افراد امت کے اجماعی موقف سے الگ راہ نکالنے کی کوشش کریں، تو ان کے ذاتی دینی مطالعے کے پیش نظر انہیں نظر انداز بھی کر دیا جائے گا لیکن حیرت تو یہ ہے کہ آج ہر بالشتیہ جسے نہ فقہ وحدیث کے معنی معلوم ہیں اور نہ قیاس واجتہاد کا مفہوم، آستین چڑھائے منصب اجتہاد پر براجماع ہونے کے لیے بے قرار نظر آتا ہے، جس کے نتیجے میں ۹۵ فی صد یا اس سے زائد افراد مقلدین وغیر مقلدین کے اصل اختلاف سے ناواقف ہیں۔ اسی ناواقفی کو ختم کرنے اور معلومات و حقائق عام کرنے کے لیے ہم نے مختلف مکاتب و مسلک کی سرکردہ ذی علم وفہم شخصیات کے انٹرویوز شامل کیے تاکہ اجتہاد و تقلید پر پڑے جہالت کے دبیز پردے چاک ہوں اور حقیقت عوام کے حضور بے نقاب ہو جائے۔ عصر حاضر کے اس تنازع تربیہ موضوع کے تعلق سے ۱۵ رسالات پر ترتیب وار جن چار شخصیات کے جوابات حاضر ہیں وہ یقیناً معاصر مذہبی و علمی حلقے میں محتاج تعارف نہیں ہیں اور ان کی باتوں کا بہر حال اپنے اپنے حلقوں میں وزن اور اعتبار ہے۔ یہ چار نام یہ ہیں (۱) مولانا محمد احمد مصباحی صدر المدرسین الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور (۲) مولانا عبد الوہاب خلیجی سابق ناظم عمومی مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، دہلی (۳) مولانا وحید الدین خان صدر اسلامی مرکز دہلی (۴) اور مولانا عبد الحمید نعمانی سکریٹری و ترجمان جمعیۃ العلماء ہند، دہلی۔ یہ یقینی بات ہے کہ ہر شخص بیک وقت ان کی تمام باتوں سے اتفاق نہیں کر سکتا، لیکن ہمارا وجدان ہے کہ طالب حق کی نیت اگر درست ہو تو اسے حقیقت کا سراغ مل ہی جاتا ہے۔

سوال (۱)۔ قیاس واجتہاد کی حقیقت کیا ہے؟ اور کتاب وسنت کے ہوتے ہوئے اس کی ضرورت کیوں پڑی؟

مولانا محمد احمد مصباحی۔ قیاس کا لغوی معنی اندازہ کرنا اور برابری دکھانا اور فقہاء کی اصطلاح میں قیاس یہ ہے کہ جو حکم کسی امر کے لیے کسی علت کی بنیاد پر نص سے ثابت ہے وہی حکم اسی علت کی بنیاد پر دوسرے ایسے امر کے لیے ثابت کرنا جس کے بارے میں نص وارد نہیں۔

اجتہاد کے لغوی معنی کوشش و محنت صرف کرنا اور فقہاء کی اصطلاح میں فقہ کا کسی حکم شرعی نظری کے استخراج کے لیے پوری طاقت صرف کرنا۔

کتاب وسنت سے بے واسطہ قیاس استخراج احکام پر بھی اجتہاد کا اطلاق ہوتا ہے اور منصوص کی روشنی میں علت کی بنیاد پر قیاس کے ذریعہ غیر منصوص کا حکم نکالنے کو بھی قیاس کہا جاتا ہے۔

قیاس کے ارکان و شرائط کی تفصیل اصول فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے۔ یہاں خاص طور سے بتانے کی بات یہ ہے کہ قیاس کسی ایسے ہی معاملہ میں ہو سکتا ہے، جس کا حکم کتاب وسنت میں صراحتہ بیان نہ ہوا ہو۔

اگر کرام نے قیاس سے اسی وقت کام لیا ہے، جب کتاب وسنت، امر امت یا فقہائے صحابہ کے اقوال سے مسئلہ کا حل دست یاب نہ ہوا ہو۔

کتاب وسنت کے ہوتے ہوئے قیاس واجتہاد کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن کریم میں صرف اصول کلیات اور بعض جزئیات صراحتہ بیان ہوئے ہیں، اصول کی روشنی میں فروغ کا بیان اور جزئیات کی تفصیل قرآن نے بیان رسول اور فکر مجتہد کے سپرد کر دی ہے، ارشاد ہے: وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیہم ولعلہم یتفکرون (سورہ نحل آیت ۴۴) اور رسول ہم نے تم پر یہ ذکر نازل فرمایا تاکہ لوگوں کے سامنے تم اسے واضح کرو جو ان کی طرف اتارا گیا اور انہیں وہ خود بھی فکر کریں۔

واقعہ بھی یہی ہے کہ احادیث کریمہ میں اگرچہ بے شمار احکام اصول و فروع کا ذکر ہوا، پھر بھی عہد صحابہ سے ہی روز بروز ایسے مسائل پیش آتے رہے جن کا جواب صحابہ کرام کو بھی حدیث نبوی میں نہ ملا۔ قیاس واجتہاد کا سلسلہ جاری ہوا، یعنی منصوص کی روشنی میں غیر منصوص امور کے احکام کا استخراج ہونے لگا۔

سوال (۱)۔ قیاس واجتہاد کی حقیقت کیا ہے؟ اور کتاب وسنت کے ہوتے ہوئے اس کی ضرورت کیوں پڑی؟

مولانا محمد احمد مصباحی۔ قیاس کا لغوی معنی اندازہ کرنا اور برابری دکھانا اور فقہاء کی اصطلاح میں قیاس یہ ہے کہ جو حکم کسی امر کے لیے کسی علت کی بنیاد پر نص سے ثابت ہے وہی حکم اسی علت کی بنیاد پر دوسرے ایسے امر کے لیے ثابت کرنا جس کے بارے میں نص وارد نہیں۔

اجتہاد کے لغوی معنی کوشش و محنت صرف کرنا اور فقہاء کی اصطلاح میں فقہ کا کسی حکم شرعی نظری کے استخراج کے لیے پوری طاقت صرف کرنا۔

کتاب وسنت سے بے واسطہ قیاس استخراج احکام پر بھی اجتہاد کا اطلاق ہوتا ہے اور منصوص کی روشنی میں علت کی بنیاد پر قیاس کے ذریعہ غیر منصوص کا حکم نکالنے کو بھی قیاس کہا جاتا ہے۔

قیاس کے ارکان و شرائط کی تفصیل اصول فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے۔ یہاں خاص طور سے بتانے کی بات یہ ہے کہ قیاس کسی ایسے ہی معاملہ میں ہو سکتا ہے، جس کا حکم کتاب وسنت میں صراحتہ بیان نہ ہوا ہو۔

اجتہاد دین کی ایک فطری ضرورت ہے، کیوں کہ ساری باتیں نص میں نہیں ہو سکتیں، نص میں صرف بنیادی باتیں ہی ہوتی ہیں۔ نئے حالات میں ضرورت ہوتی ہے کہ منصوص احکام کا انطباق نئے حالات میں تلاش کیا جائے۔ اسی کا نام اجتہاد ہے۔ یہ اجتہاد ہمیشہ جاری رہتا ہے، اسی لیے بخاری میں یہ روایت ہے کہ صحیح اجتہاد پر دگنا ثواب ہے اور اجتہادی خطا پر ایک ثواب، بشرطیکہ نیت درست ہو۔

مولانا عبدالحمید نعمانی۔ قرآن نے دین کے تعلق سے کہا ہے **اليوم اكملت لكم دينكم واتممت عليكم نعمتي ورضيت لكم الاسلام** دیناً دین مکمل ہے اور جب دین مکمل ہے تو کسی بھی شرعی مسئلے میں جس کا تعلق سماج سے ہو یا انسانی ضروریات سے ہو تو اس کا جواب نفیاً یا اثباتاً ہاں یا نہیں میں ملنا چاہیے۔ بعد کے دور میں امت کے سامنے جو مسائل پیدا ہونے یا درپیش ہوں گے، مثال کے طور پر انشورنس کا مسئلہ ہے، بشیر کا ہے، اعضا کی بیوند کاری کا ہے، بین الاقوامی حالات کے پیش نظر جو خارجی و داخلی سطح پر مسائل پیدا ہوں گے، دوسرے فرقے سے ہمارے تعلقات کس نوعیت کے ہونے چاہیے، شرعی نقطہ نظر سے ہم دوسروں سے کہاں تک قریب ہو سکتے ہیں اور دوسروں کو کہاں تک قریب لا سکتے ہیں، اسی طرح ملک و سماج کے مشترک مسائل، اب ان مسائل کے تعلق سے اگر پوچھا جائے کہ بتائیے قرآن میں یا حدیث میں ان کے تعلق سے کیا حکم ہے؟ تو ظاہر ہے کتاب و سنت کے اندر ان کی صراحت نہیں ہے، تو جب نفی یا اثبات میں ان مسائل کے تعلق سے کتاب و سنت سے جواب نہیں ملتا تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ دین مکمل کیسے ہوا؟ مکمل کا مطلب ظاہر اتو یہی ہے کہ اب اس کے بعد کسی چیز کی ضرورت نہ ہو۔ حالاں کہ یہاں ضرورت پڑ رہی ہے۔ تو اب یہیں سے ہمیں سمجھنا ہوگا کہ دین کے مکمل ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس میں سارے مسائل صراحت سے مذکور ہیں۔ دین کے مکمل ہونے کا معنی یہ ہے کہ اصولی طور پر قرآن نے تمام مسائل کا حل پیش کر دیا ہے، مثال کے طور پر کسی فرو یا قوم سے مقابلے کی بات، قرآن نے بتایا کہ اس کے لیے ایسی تیاری ہو کہ وہ مرعوب ہو جائے۔ اب اس کا مطلب یہ ہوا کہ جس طرح کے اسلحہ یا وسائل جنگ مد مقابل کے پاس ہوں اس نوعیت کے اسلحہ آپ کے پاس بھی ہونے چاہیے، اب اگر آپ کے مقابل کے پاس ایٹم بم ہے یا لیزر بم ہے تو آپ کموار سے اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ تو

مولانا عبدالوہاب خلیجی۔ قیاس: اولہ شرعیہ میں جسے نمبر کی دلیل ہے۔ فرع، اصل، علت اور حکم اس کے ارکان اربعہ ہیں۔ جب کسی مسئلہ میں کتاب اللہ، سنت مصطفیٰ ﷺ اور اجماع سے حل ثابت نہ ہو تو قیاس جہت شرعی ہوتا ہے۔ بشرطیکہ قیاس کسی نص یا فرع سے متصادم نہ ہو نیز جس اصل پر فرع کو محمول کیا جا رہا ہے وہ نص یا اجماع سے ثابت ہو۔ قیاس پر قیاس صحیح نہیں ہے۔ نیز حکم اور حکم کے درمیان شرعی طور پر معتبر اور مناسب معنی پایا جاتا ہو۔ اور انہیں جیسے طرہی اوصاف علت نہیں ہو سکتے۔ تفصیل کے لیے اصول کا مراجعہ کیا جائے۔

اجتہاد: کسی حکم شرعی کو معلوم کرنے کے لیے، غایت درجہ کوشش کر کے نام ہے۔ اور اس قسم کے جہد صرف کرنے والے کو مجتہد کہلاتا ہے۔ بشرطیکہ وہ اپنے اجتہاد کے لیے ضروری حد تک اولہ شرعیہ سے واقف ہو، مثلاً آیات احکام، احکام سے متعلق احادیث اور ان کی علت و مصلحت کا تحقیقی علم رکھتا ہو، ناخ و منوخ اور مواقع اجماع مختلف پر پوری طرح مطلع ہو اور عربی زبان و لغت اور اصول فقہ و شریعت سے بھی بخوبی واقف ہو۔ ایسا شخص اگر معرفت حق کے لیے کوشش کرتا ہے اور جو رائے اس کے سامنے حق ہو کر ظاہر ہوتی ہے وہ کتاب و سنت کے دلائل اور معانی شرعیہ کی روشنی میں درست ثابت ہوتی ہے تو وہ دہرے اجر کا مستحق ہوتا ہے ورنہ اکہرے اجر کا، جیسا کہ تمام وقت کے اجتہاد کے متعلق صحیحین میں عبداللہ بن عمرو اور ابو ہریرہ سے منہما سے روایت آئی ہے۔

قیاس و اجتہاد کی ضرورت: یقیناً کتاب و سنت کے دلائل سے جو حکم جس قدر زیادہ واقف ہوگا اس کو اجتہاد و قیاس کی اتنی ہی کم ضرورت پڑے گی، تاہم مسائل متجددہ و متنوعہ کے پیش نظر اجتہاد کی ضرورت دائمیت سے انکار ممکن نہیں، بشرطیکہ مجتہدین امت اجتہاد کی تعلیم اور لازمی شرطوں سے متصف ہوں۔

مولانا وحید الدین خان۔ فقہا چار مصادر شریعت سے ہیں، قرآن، سنت، اجماع اور قیاس۔ میرے نزدیک مصادر شریعت تین ہیں، کتاب، سنت اور اجتہاد میرے نزدیک قیاس اور اجتہاد دونوں اجتہاد کے دو درجے ہیں۔ اجماع کے بغیر جو اجتہاد ہو وہ قیاس ہے اور جس اجتہاد پر عمومی اتفاق ہو جائے وہ اجماع ہے۔

اب اگر کوئی کہے کہ قرآن نے ایٹم بم رکھنے کا حکم تو نہیں دیا ہے، اس لیے مسلم ممالک کو اس کی کیا ضرورت؟ تو اس کا جواب یہی ہوگا کہ قرآن نے اصول بتا دیا ہے، اس اصول کی روشنی میں علم دین کے ماہرین جزئیات کی تحقیق کرتے ہیں اور اس کے مطابق حکم دیتے ہیں۔ قرآن نے ایک اصول دے دیا کہ ایسی تیاری ہو کہ عد مقابل مرعوب ہو سکے اور ظاہر ہے کہ آج کی دنیا میں اس کے لیے ایٹم بم کی ضرورت ہے۔

اس طرح کے جدید مسائل جو سامنے آتے ہیں ان میں بہر حال رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے، ان کے حل کی ضرورت ہوتی ہے۔ حل مسائل کی دو صورتیں سامنے آتی ہیں۔ کبھی مجتہدین امت اس نئے مسئلے میں متفق ہو جاتے ہیں اور کبھی ان کے آپس میں اختلاف رونما ہو جاتا ہے۔ پہلی صورت کو اصطلاح شریعت میں اجماع کہتے ہیں اور دوسری صورت کو قیاس سے تعبیر کرتے ہیں۔ اتفاق اور اجماع والی صورت میں تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے، وہ حکم واجب الاتباع ہوگا۔ ہاں! اختلاف کی صورت میں یہ ہوگا کہ سارے مجتہدین کا اور ان کی آراء کا احترام کیا جائے گا، لیکن ایک شخص اتباع ان میں سے کسی ایک ہی کا کر سکتا ہے۔ ایک وقت میں سب کی بات مان لے یہ ممکن ہی نہیں ہے۔

جس طرح انبیائے کرام بہت سے ہیں اور ہم پر ہر ایک کا احترام واجب ہے، لیکن جہاں تک ماننے کی بات ہے تو ہم اپنے ہی نبی کو مانیں گے، دوسرے کو نہیں۔ ائمہ کی پیروی کا بھی یہی حال ہے کہ ہم احترام تو سب کا کریں گے، لیکن مانیں گے اپنے ہی امام کی۔

یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ تقلید غیر منصوص مسائل میں ہی ہوتی ہے، جو مسائل کتاب و سنت میں منصوص ہیں، جیسے خدا ایک ہے، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ تو ان میں ہم کسی کی تقلید نہیں کریں گے، یہ حکم تو صراحت کے ساتھ موجود ہے ہی۔ اسی طرح ایسے مسائل جن کی صراحت تو قرآن میں ہے لیکن الفاظ کے معنی کے تعین میں اختلاف ہو گیا، قراء ایک ہی لفظ ہے جس کا معنی کسی امام نے جنس بتایا جبکہ دوسرے نے طہر بتایا، نکاح کا اصلی معنی وطی ہے لیکن عقد کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، تو تعین معنی میں علماء کا اختلاف ہو جاتا ہے۔ اب ان میں ہر ایک کی بات تو مان نہیں سکتے، کیوں کہ یہ نا ممکن ہے، اس لیے کسی ایک پر اعتماد کرنا ہوگا۔ یہ خیال کرتے ہوئے کہ یہ لوگ حضور کے زمانہ سے قریب رہے، پھر دین کو ہم سے زیادہ بہتر

طریقے سے سمجھا، یہی تقلید ہے جو صرف دین ہی میں نہیں وہ صنعت و حرفت مثلاً خیاطی، معماری وغیرہ میں کی جاتی ہے۔ تقلید حوالے سے ایک بڑی غلط فہمی یہ ہے کہ لوگ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ مقدم کتاب و سنت کے حکم کی بجائے مجتہد کے حکم کی پیروی کرتے۔ حالانکہ یہ بہت بڑی چوک ہے، کیوں کہ کوئی بھی مجتہد اپنی طرف حکم صادر نہیں کرتا، وہ تو نص کے اندر جو پوشیدگی ہوتی ہے، اس کو خود کے کتاب و سنت کے حکم کو ظاہر کر دیتا ہے۔ اس کی حیثیت اس شخص ہے جو بادام کا چھلکا تو ذکر مغز نکالتا ہے، وہ بادام پیدا نہیں کرتا، چھلکا ہٹا دیتا ہے، اسی لیے اصول فقہ کی کتاب میں مجتہد کی تعریف ہے ہو مظهر للحکم الشرعی وہ حکم ظاہر کرتا ہے، صادر نہیں۔ قرآن نے خدا و رسول کے بعد ایک ایسے طبقے کا ذکر کیا جس کی طرف لوگ رجوع کرتے ہیں اور اس کی تعبیر استنباط سے ہے اور استنباط مسائل ہی دراصل اجتہاد ہے، استنباط لغت میں پانی نکالنے کہتے ہیں اور پانی نکالنے والا پانی پیدا نہیں کرتا، بلکہ زمین کے اندر موجود ہوتا ہے، بس وہ مٹی کھود کر اس پانی تک رسائی حاصل کر لیتے مجتہد کا عمل بھی درحقیقت اسی نوعیت کا ہے۔

سوال (۲):۔ مجتہدین کے مختلف طبقات کے کیا معنی

اور کیا آج بھی مجتہدین کا کوئی طبقہ موجود ہے؟

مولانا محمد احمد مصباحی:۔ ہر فقہ وسعت اور اجتہاد کی قوت یکساں نہیں، علمی صلاحیت اور احکام استخراج و بیان کے لحاظ سے فقہاء میں فرق مراتب ہے، فقہاء کے اور ان کی مثال میں فقہاء کے نام ذکر کرتے ہوئے، اسی فرق مراد واضح کیا گیا ہے، یہ ہمارے فقہائے کرام کی دیانت و امانت ہے فقہ جس درجے کا تھا، اسی حد پرہ کر اس نے اپنا کام کیا اور بعد نے اس فقہ کے کام کی نوعیت اور اس کا دائرہ عمل دیکھ کر اس کے کا تعین کیا، لیکن اگر کوئی شخص اپنا مرتبہ اپنی حیثیت سے ہزار گنا کر چکا ہو تو ممکن ہے اسے یہ تعین مراتب اور تفریق درجات پس ہو اور اپنے کو امام اعظم کا ہم پلہ جتانے اور بالکل مساوی و ہم پلہ کی راہ میں اسے بہت بڑی رکاوٹ سمجھتا ہو۔ مگر حق یہی سب فقہاء و مجتہدین ہم پلہ اور ہم رتبہ نہیں۔

علامہ محمد امین بن عابدین شامی نے شرح عقود رسم لغت

ہوسکتا ہے کئی نہیں تو جزوی اصحاب تیز آج بھی موجود ہوں، اور آئندہ بھی ہوتے رہیں۔

مولانا عبدالوہاب خلیجی: - علمائے فقہ و اصول نے مجتہدین کے متعدد طبقات ذکر کیے ہیں۔ کوئی مجتہد فی المذہب ہوتا ہے، کوئی مجتہد منسوب (اصولی طور پر کسی مجتہد سے متفق اور فروعات میں کئی طور پر متفق نہ ہو) اور کوئی مجتہد مطلق ہوتا ہے۔ الحمد للہ مکمل یعمل علی شاکلہ کے تحت مجتہدین کا ہر طبقہ کہیں نہ کہیں پایا جاتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ آج کل مجتہدین اور فقہاء کا سیلاب اُٹھ آیا ہے اور شیخ الاسلام اور فقیہ العصر کے بھاری بھر کم القاب سے ملقب حضرات کی بہتات نظر آتی ہے۔ واللہ المستعان۔

مولانا وحید الدین خان: - فقہانے مجتہدین کے کئی طبقے بنائے ہیں۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ غیر ضروری تطویل ہے حقیقی معنوں میں مجتہدین کی دو قسمیں ہیں:

(۱) جزئی مجتہد اور (۲) کلی مجتہد، مثلاً طینی انجکشن کا طریقہ قدیم زمانے میں موجود نہ تھا، اب جو شخص انجکشن کے معاملے میں اجتہاد کر کے اس کا شرعی حکم بتائے، وہ جزئی مجتہد ہے، اسی طرح سیکولرزم قدیم زمانے میں موجود نہیں تھا۔ اب سیکولرزم پر اجتہاد کر کے جو اس کا شرعی حکم بتائے وہ کلی مجتہد ہے۔

مولانا عبدالحمید نعمانی: - اجتہاد دراصل نوپیدا غیر منصوص مسائل کو کتاب و سنت کے اصولی احکام کی روشنی میں حل کرنے کا نام ہے، نئے نئے مسائل زمانہ گزرنے کے ساتھ پیدا ہوتے رہتے ہیں تو ظاہر ہے اجتہاد کا تسلسل بھی برقرار رہے گا، اسی لیے علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے کہ اجتہاد قیامت تک ہوتا رہے گا۔ لیکن اس کے ساتھ ایک بنیادی بات یہ ہے کہ دین کے جو عمومی مسائل ہیں، ائمہ اربعہ نے تمام مسائل کا حل پیش کر دیا ہے۔ ائمہ اربعہ کے علاوہ بھی امام اوزاعی وغیرہ دوسرے ائمہ ہوئے، لیکن ان کی فقہ مدون نہیں ہو سکی، ائمہ اربعہ کی فقہ مدون شکل میں موجود ہے، جو دین کے عمومی مسائل کے تمام جزئیات کا حل بتاتی ہے، تو یہ حضرات مجتہد مطلق ہیں اور آج کے زمانے میں نہ تو اجتہاد مطلق کی ضرورت ہے اور نہ ہی اس کے لیے جس قسم کی صلاحیت درکار ہے، وہ کسی میں موجود ہے، ہمیں خدا کی قدرت سے انکار نہیں، آج بھی ایسی صلاحیت کا انسان پیدا ہو

سکتا ہے۔ طبقات ابن کمال پاشا کے حوالے سے بیان کیے ہیں۔
مولانا مجتہدین فی الشرح، جیسے ائمہ اربعہ اور ان کے امثال سے اصولی قواعد وضع کیے اور اولیٰ اربعہ (کتاب، سنت، اجماع) سے احکام نکالنے کے اصول مقرر کیے اور اصول و فروغ میں کسی کی عینیت نہ کی۔

مولانا مجتہدین فی المذہب جیسے امام ابو یوسف، امام محمد اور دیگر ائمہ کا یہ اپنے استاذ کے مقررہ قواعد کے مطابق اولیٰ اربعہ سے احکام پر قادر ہوتے ہیں، یہ اصولی قواعد میں اپنے استاذ کے احکامات سے ہیں اگرچہ بعض فروغ میں استاذ سے اختلاف کرتے ہیں۔
مولانا مجتہدین فی المسائل، یہ اصول و فروغ کسی میں امام کی صلاحیت نہیں رکھتے لیکن جن مسائل میں امام سے کوئی اختلاف نہ آتی ہو، ان کے احکام اپنے امام کے مقررہ اصول و قواعد کے مطابق استنباط کرنے پر قادر ہوتے ہیں۔ جیسے امام ابو جعفر طحاوی، امام

چھارم، اصحاب تخریج، جیسے ابوبکر بھصاں رازی وغیرہ، یہ اجتہاد میں عینیت نہیں رکھتے، لیکن اصول سے پوری آگاہی اور ماخذ سے عینیت رکھتے ہیں، اس لیے امام یا ان کے اصحاب سے منقول کسی مسئلہ کی تفصیل یا کسی محتمل حکم کی توضیح اپنی رائے اور وسعت نظر کی بنیاد پر کرتے ہیں۔

مولانا اصحاب ترجیح جیسے ابوالحسن قدوری اور صاحب ہدایہ، ان کا یہ روایات کو بعض دیگر روایات پر ترجیح دینا ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کے الفاظ لاتے ہیں: هذا اولی، هذا اصح رواۃ، اصح، هذا اوفق للقیاس، هذا ارق للناس۔

مولانا اصحاب تیز، یہ اتنی صلاحیت رکھتے ہیں کہ اقوی، قوی، صحیح، الروایہ، ظاہر المذہب اور روایت نادرہ میں امتیاز کر لیں۔
مولانا صاحب الدقائق، صاحب مختار، صاحب دقایہ وغیرہم مصنفین ہیں، ان کی ذمہ داری یہ ہے کہ اپنی کتابوں میں نامقبول اقوال و روایات نقل نہ کریں۔

مولانا معتدلین، جو تیز کی بھی قدرت نہیں رکھتے اور جو پاگئے مسائل کی طرح کتاب میں جمع کر دیتے ہیں، فالویل لمن قلد۔
مولانا قلیل۔ اتنی۔

سکتا ہے، لیکن موجود بین میں اس کی مثال ناپید ہے۔ خلاصہ یہ کہ دین کے عمومی مسائل میں اجتہاد کی ضرورت نہیں ہے، رہے وہ مسائل جو حالات کے لحاظ سے آج پیدا ہو رہے ہیں، ان میں غور و فکر اور تحقیق و اجتہاد کا سلسلہ تو بہر حال برقرار رہے گا، لیکن چون کہ آج دین کی کامل بصیرت اور نصوص پر گہری نظر رکھنے والے لوگ عفا ہیں اس لیے یہ کام انفرادی کی بجائے اجتماعی سطح پر ہو رہا ہے۔ دنیا بھر میں جو فقہی اکیڈمیاں ہیں وہ یہ کام بخوبی کر رہی ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ طریقہ انفرادی طریقہ سے زیادہ بہتر ہے۔

رہی اجتہاد کے مختلف درجات کی بات تو اس کے لیے آپ کو سب سے پہلے مجتہد مطلق اور مقلد مطلق کو سمجھنا ہوگا۔ جو کتاب وسنت کو سامنے رکھ کر اصول بناتا ہے اور مسائل کا استخراج و استنباط کرتا ہے، وہ کسی اور عالم کی پیروی نہیں کرتا۔ مجتہد مطلق کی مثال ائمہ اربعہ ہیں، وہ اصول و فروع کسی میں بھی کسی دوسرے کی پیروی نہیں کرتے۔ مقلد مطلق وہ ہے جس کو شریعت کا کچھ بھی علم نہیں۔ اس نے اہل علم سے مسئلہ سنا اور اس پر آنکھ بند کر کے عمل کر رہا ہے، یہ مسئلہ کیسے ثابت ہوا اور کون سی دلیل ہے اس کے لیے نہ تو وہ جانتا ہے اور نہ جاننے کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ ان دونوں طبقات کے چچ میں بھی کئی طبقات ہیں جو بعض مسائل میں تو خود اپنی رائے رکھتے ہیں مگر بعض دوسرے میں وہ امام اعظم کی تقلید کرتے ہیں۔ بعد کے ادوار میں امام طحاوی، ابن ہمام وغیرہ خود مجتہد ہیں لیکن وہ اصول میں امام اعظم کی اور مسائل میں امام محمد اور امام ابو یوسف کی پیروی کرتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ اہل علم کو بھی اپنے سے زیادہ علم رکھنے والے کا اتباع کرنا پڑتا ہے۔ اسی سے اجتہاد کے اور مجتہدین کے مختلف طبقات سامنے آتے ہیں۔

سوال (۳): امام اعظم ابو حنیفہ اور دوسرے تینوں ائمہ کا اصل علمی کارنامہ کیا ہے؟ اور کیا وجہ ہے کہ پوری امت انہی چاروں کی تقلید پر متفق ہو گئی؟

مولانا محمد احمد مصباحی: عہد رسالت اور عہد صحابہ میں لوگ قرآن و سنت کی عام ہدایات اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طرز عمل کو سامنے رکھتے ہوئے کار بند تھے۔ خلوت و جلوت میں خوف خدا، عدل، امانت، عام نصیحت و خیر خواہی، دعوت خیر، منع شر، کار خیر میں تعاون، کار شر سے کنارہ کشی وغیرہ عام اصول تھے

جس پر ہدایت قرآنی مشتمل تھی، اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ہی فضائل و محاسن پر صحابہ کرام کی تربیت فرمائی، جزئی امور میں صحابہ کرام کو اگر کوئی اشکال پیش آتا تو سرکار کی بارگاہ میں رجوع کرتے یا اکابر صحابہ سے معلوم کرتے، تمدن کی وسعت اور اسلامی رقبہ کے پھیلاؤ کے بعد واقعات و معاملات کی بے پناہ کثرت ہوتی گئی اور افراد بھی اچھے برے، حق کوش، ناحق کوش، عدل پرور، ظلم شیوہ ہر طرح کے پیدا ہونے لگے، ایسے ماحول میں اقامت خیر اور دفع شر کے لیے مبسوط اصول و قوانین اور مفصل جزئیات مرتب کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی تاکہ ان قوانین کی روشنی میں افراد اپنے معاملات کی صحت و عدم کو سمجھ سکیں اور جہاں حکومت کی مداخلت کی ضرورت ہو وہاں حکومت ان قوانین کے تحت رعایا کے معاملات حل کر سکے۔

اس طرف باضابطہ اور ہمہ گیر توجہ سب سے پہلے امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مبذول فرمائی اور ایک فقہی مجلس کی شکل میں اپنے تلامذہ کو جمع کر کے مسلسل جدوجہد کی، اسی روش پر دیگر ائمہ بھی چلے اور اصول فقہ اور فقہ کی شکل میں دو مستقل فن وجود میں آئے، ان سب پر مفصل گفتگو اور مستقل تبصرہ کا موقع نہیں، مگر چند باتوں کی جانب اشارہ ہو سکتا ہے، مثلاً

(۱) ان حضرات نے کتاب وسنت اور آثار صحابہ میں نظر کر کے یہ واضح فرمایا کہ احکام کی شریعت کا ہدف پانچ چیزوں (نفس، دین، عقل، مال، نسب) کا تحفظ ہے۔ اور سارے احکام اسی امور پر گردش کرتے ہیں۔

(۲) طلب اور ممانعت کے مدارج و مقاصد اور دلالت کے احوال و مراتب پر غور کیا، یعنی کس چیز کا مطالبہ لازمی طور پر اور شدت کے ساتھ ہے، پھر اس مطالبہ سے کون سا اہم امر مقصود ہے، جس آیت سے یہ مطالبہ مفہوم ہو رہا ہے، اس کی دلالت، اس پر بہت واضح اور نمایاں ہے یا دقیق اور مبہم یا مختل ہے، لفظ دیگر قطعی و جزئی ہے یا یقینی؟ احتمالی؟ اگر حدیث سے کسی فعل کا مطالبہ سمجھ میں آ رہا ہے تو خود اس حدیث کا ثبوت کس درجہ کا ہے۔ وہ حدیث متواتر ہے یا مشہور یا آحاد ہے؟ صحیح ہے یا حسن یا ضعیف وغیرہ؟ پھر طلب واضح ہے یا مبہم؟ ان امور پر نظر کے نتیجے میں احکام کے بھی درجات و اقسام طے ہوئے۔ مثلاً فرض، واجب، سنت مؤکدہ، سنت غیر مؤکدہ، مستحب، حرام، مکروہ،

ہو سکتے ہیں (بعض فقہاء اجماع کا دعویٰ اپنے مخالف کو مرعوب کرنے کے لیے بطور ہتھکنڈہ استعمال کرتے ہیں جب کہ تحقیق کے بعد اختلافی مسائل خلاف میں ایسے مرمومہ اجتہادات کی پول کھل جاتی ہے۔ لہذا اجماع کا دعویٰ کرنے میں کمال احتیاط سے کام لینا چاہیے)

مولانا وحید الدین خان: میرے نزدیک فقہاء میں کوئی نہ امام اعظم ہے اور نہ کوئی امام اصغر، سارے فقہاء برابر ہیں۔ میرے نزدیک انہی چاروں کی تقلید پر اتفاق کر لینا درست نہیں۔ کیوں کہ چاروں فقہاء نے اپنے زمانے کے لحاظ سے فقہی خدمت انجام دی۔ نئے دور میں نئے فقہاء مطلوب ہیں، جو دوبارہ حالات کے لحاظ سے فقہی خدمت انجام دیں۔

مولانا عبدالحمید نعمانی: ابھی میں نے کہا کہ قرآن میں جو باتیں صراحت کے ساتھ نہیں ہوتی ہیں ان میں اجتہاد کیا جاتا ہے، بلاشبہ ائمہ اربعہ کے علاوہ بھی کئی ایک مجتہد پیدا ہوئے اور انہوں نے اجتہاد کیا۔ لیکن جن حضرات کی اجتہادی کاوشیں مدون شکل میں ہمارے پاس موجود ہیں، وہ یہی چاروں ائمہ ہیں۔ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل۔ اس لیے امت کی مجبوری ہے کہ وہ انہی میں سے کسی ایک کی تقلید کرے، کسی اور امام کے اجتہادات مدون ہی نہیں ہیں تو ان کی تقلید کیوں کر ممکن ہے؟ اس کے ساتھ یہ بات بڑی اہمیت کی حامل ہے کہ قرآن کے جو احکامات ہیں، جو احادیث ہیں، جو صحابہ کے معمولات ہیں، وہ سب کے سب انہی چاروں میں موجود ہیں، کوئی حکم یا عمل ان سے الگ نہیں مل سکتا، اس لیے وہ حضرات بھی جو اجتہاد کا دعویٰ کرتے ہوئے آج تقلید کا انکار کرتے ہیں وہ جو کچھ بھی اجتہاد کرتے ہیں، ان کا وہ اجتہاد ائمہ اربعہ میں سے کسی کے یہاں ضرور موجود ہوتا ہے تو شرعی مسائل میں اختلافات توسع کے لیے ہیں اور یہ توسع ائمہ اربعہ کی تقلید سے حاصل ہو جاتا ہے، اب ہمیں کسی بھی قول یا عمل پر عمل کرنے کے لیے الگ جانے کی ضرورت نہیں، ائمہ اربعہ کے یہاں سب کچھ موجود ہے۔ زور سے آمین کہنے کا مسئلہ ہو، یا قرأت خلف الامام کا مسئلہ ہو، ان مسائل میں آج کچھ لوگ اختلاف کرتے ہیں اور اجتہاد کرتے ہیں، حالانکہ وہ جو تحقیق بھی لے کر آتے ہیں وہ کسی نہ کسی امام کے یہاں موجود ہے، ان کا اجتہاد کوئی الگ سے نہیں ہوتا۔

ساتھ، مکروہ، تنزیہی، خلاف اولیٰ، مباح۔

اصول وقواعد کی تائیس کے بعد جزئیات کی تفریع و تدوین کا سلسلہ میں فقہاء امت کی جانکاہی و عرق ریزی جاننے والے کوئی کتاب اٹھا کر اس کی فہرست پر نظر ڈالیے آپ کو معلوم ہوگا کہ امت اور عبادات سے لے کر نکاح و معاملات، وقف، میراث، عیالت وغیرہ تمام ابواب سے متعلق احکام کا ذخیرہ نہایت خوش اسلوب سے مرتب کر دیا گیا ہے، دیتا کے بڑے بڑے ماہرین قانون بھی اس پر مستند مجموعے پیش کرنے سے قاصر ہیں۔

اس بارے کے مذاہب پر اتفاق امت کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے احکام مدون کر دیے اور بعد کے اہل نظر متبعین حالات کے تغیر کی تسخیر اور ان میں اضافہ کرتے رہے۔ عام آدمی جو خود استدلال کی صلاحیت نہیں رکھتا، شرعی زندگی گزارنے کے لیے کوئی مذہب اپنا سکتا ہے، جس میں ضرورت کے تمام مسائل مدون اور مدونہ میں موجود ہوں، امام اوزاعی، امام لیث بن سعد، امام ابن حبان وغیرہم کے مذاہب مدون اور محفوظ و منقول نہ ہوئے، اس لیے امت انہیں اپنانے بلکہ جاننے سے بھی قاصر رہی۔

مولانا عبدالوہاب خلیجی: امام ابوحنیفہ اور دیگر ائمہ غیر ہم رحمہم اللہ مجتہدین امت ہیں اور ان کی کوششیں قابل ستائش و استفادہ اور ان شاء اللہ باعث اجر و ثواب ہیں۔ لیکن ان حضرات کے لیے عصمت کا دعویٰ نہیں کیا جاسکتا۔ امام دارالرحمت ابن انس رحمہم اللہ کا مشہور قول ہے "کمل منّا مأخوذ منہ" یعنی اللہ عزہ سے منقول ہے (یعنی نبی ﷺ کے علاوہ کوئی شخص یا کس جس کی بات لی اور چھوڑی نہ جاسکتی ہو۔ لہذا امت کے اجتہاد کے ہر قول و فتویٰ کو لائق اتباع سمجھنا کسی صورت میں جائز نہیں ہے بلکہ مخالف دلیل صحیح اور نص صریح قول و عمل کا ترک کرنا ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہم اللہ نے اس پر علماء امت کا فتویٰ کیا ہے۔ ائمہ اربعہ کی تقلید پر کبھی کسی دور میں اجماع منعقد ہوا۔ ائمہ اربعہ رحمہم اللہ نے اپنے متبعین اور تلامذہ کو سختی سے منع کیا کہ وہ صحیح سنت مصطفیٰ ﷺ پر عمل کرنے کی دعوت دی ہے۔ یہ خطہ نیز یعنی جامد تقلید پر امت کے علماء مجتہدین کیوں کر متفق

مولانا محمد احمد مصباحی: - محدثین و مفسرین سے مراد صحاح ستہ وغیرہ کے مصنفین اور مشہور کتب تفسیر کے مرتبین ہیں تو بلاشبہ وہ مقلد تھے، جس کی وجہ یہ ہے کہ استخراج احکام کے لیے صرف حفظ حدیث کافی نہیں اور بھی بہت سے لوازم ہیں، جن کے بغیر کار اجتہاد کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔ ان لوازم کا فقدان ان خدا ترس حضرات کے لیے اجتہاد سے مانع اور تقلید کا باعث ہوا۔

مولانا عبدالوہاب خلیجی: - بعض محدثین و مفسرین اصولی طور پر ائمہ اربعہ کی طرف انتساب کرتے تھے، لیکن فروعات میں ان کے پابند نہ تھے جیسا کہ آج کل کے اکثر متبعین مذاہب علماء کا طریقہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ائمہ اربعہ کے بعض اجل تلامذہ نے ایک تہائی سے دو تہائی تک مسائل فرعیہ کے اندر اپنے اساتذہ کا ساتھ نہیں دیا۔ لہذا اگر مقصود اصلی اتباع دلیل ہو تو میرے خیال میں انتساب اگر متحسن امر نہیں تو حرام و مکروہ بھی نہیں ہے بلکہ جواز اور مباح کے دائرہ میں آتا ہے۔

مولانا وحید الدین خان: - مفسرین کا لفظ میرے نزدیک اس بحث میں مبہم ہے۔ کیوں کہ مفسرین چودہ سو سال تک چلے ہوئے ہیں۔ البتہ طبقہ اول کے محدثین کے بارے میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے، میرے مطالعے کے مطابق محدثین کا کوئی فقہی مسلک نہ تھا۔ اس معاملے میں میری رائے وہی ہے جو ابن رجب حنبلی کی رائے ہے۔

مولانا عبدالحمید نعمانی: - وہ اسی لیے کہ اجتہاد خصوصی ذہن اور عمل کا نام ہے اور یہ سب کے بس کی چیز نہیں ہے، چاہے وہ محدث ہو، مفسر ہو یا اور کوئی۔ میں نے کہا کہ امت میں ہمیشہ دو ہی طبقے رہے ہیں، ایک وہ جو بات مانتا ہے اور دوسرا وہ جس کی بات مانی جاتی ہے، جس کی بات مانی جائے گی وہ مجتہد ہوگا اور جو بات مان رہا ہے وہ مقلد ہے۔ سمجھو بوجھ اس کے اندر بھی موجود ہے لیکن اس درجے کی نہیں کہ وہ خود اجتہاد کر سکے۔ اسی لیے آپ دیکھیں گے کہ کتب احادیث پڑھنے کے دوران یہ سوال بھی اٹھتا ہے کہ یہ لوگ کس کے مقلد تھے، امام مسلم کس کی تقلید کرتے تھے، فقہی امور میں امام نسائی کس کا اتباع کرتے تھے۔ اہل علم میں اس تعلق سے اختلاف بھی ہوتا ہے۔ کچھ حضرات انہیں شافعی بتاتے ہیں، کچھ حنفی بتاتے ہیں، کچھ حنبلی بتاتے ہیں تو یہ بحث کیوں ہے؟ اسی لیے کہ یہ حضرات محدث ہونے کی حیثیت سے معروف ہیں۔ انہوں نے احادیث کی تلاش و جستجو کی، تحقیق کی، دوسروں سے حدیثیں

اب کچھ لوگ آج یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ قرآن میں کہاں لکھا ہے کہ انہی چاروں میں سے کسی ایک کی تقلید کرو؟ تو اس سوال کا جواب یہ ہے کہ قرآن نے ہمیں ان میں سے کسی ایک کی تقلید کا حکم نہیں دیا۔ لیکن بعد میں جو حالات سامنے آئے یہ حالات وجوب پر دلالت کرتے ہیں۔ یعنی صورت حال ایسی بنی ہے کہ انہیں میں سے کسی ایک کا اتباع کرنا آپ کی مجبوری ہے۔ آپ نہ تو بیک وقت ان چاروں کی پیروی کر سکتے ہیں کہ یہ ممکن نہیں ہے اور نہ ان سے ہٹ کر کسی اور کی تقلید کر سکتے ہیں کہ یہ بھی ممکن نہیں ہے، کیوں کہ ان سے ہٹ کر کوئی اجتہاد سامنے آ ہی نہیں سکتا۔ اسی لیے علمائے کہا ہے کہ ”حالات“ کے پیش نظر ان چاروں میں سے کسی ایک کی پیروی واجب ہے اور اس سے انکار سخت گمراہی ہے، رہا یہ کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، امام طحاوی، رحمۃ اللہ علیہ اور صاحب فتح القدیر وغیرہ نے بعض مسائل میں اختلاف کیا ہے، یہ ان کے تفردات ہیں اور تفردات بھی ایسے کہ وہ کسی نہ کسی امام متبوع کے یہاں ضرور موجود ہیں، اس کے ساتھ یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ امت کبھی گمراہی پر متفق نہیں ہوگی، اس لیے امت کا جو عمل ہے وہ غلط نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے امام ترمذی وغیرہ نے کہا کہ عمل امت سے ضعیف حدیث صحیح کی منزل میں آ جاتی ہے، اور اسی وجہ سے صحیح حدیث کے مقابل اگر ضعیف حدیث معمول بہ ہے تو وہ زیادہ لائق اتباع ہے، سنت کہتے ہی اسی کو ہیں جو معمول ہو، مثال کے طور پر بخاری شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وضو کرتے تھے اور اپنی زبوں کو بوسہ لیتے تھے، یا جو تاہن کر نماز پڑھتے تھے، تو یہ چیزیں اگرچہ حدیث صحیح سے ثابت ہیں لیکن چون کہ ان پر عمل نہیں رہا، اس لیے یہ سنت نہیں ہیں، اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی حالت میں ان کے نواسے ان پر چڑھ جاتے تھے، یہ حدیث موجود ہے، لیکن یہ امت میں معمول اور جاری نہیں ہوا، اس لیے اس حدیث کی وجہ سے ایسا نہیں ہو سکتا کہ کوئی نواسہ تلاش کرنے جائے اور نماز کی حالت میں اپنے اوپر سوار کر لے۔ تو خلاصہ یہ کہ حدیث صحیح کا موجود ہونا ہی کافی نہیں ہے، ہمیں یہ بھی دیکھنا پڑے گا کہ اس کے تعلق سے صحابہ کا عمل کیسا رہا، تابعین کا عمل کیسا رہا، تبع تابعین کا عمل کیسا رہا وغیرہ۔

سوال (۳): - کیا حضرات محدثین و مفسرین بھی مقلد تھے؟

اگر ہاں تو کیوں؟

ظاہر ہے کہ اس طرح کے ارشادات کے مخاطب کو فہم و یقین اور مدینہ و مصر کے وہ دوکاندار اور کاشت کار یا صنعت کار نہیں جو کتاب و سنت اور اخبار و آثار کی تصریحات، اشارات، دلالات اور اقتضات سے نااہل اور اپنے کاروبار میں مصروف ہیں، وہ فوجی اور ملازمت پیشہ بھی نہیں جو تلاوت و قرأت سے زیادہ کی صلاحیت نہیں رکھتے، اہل اجتہاد کے لیے اجتہاد کا دروازہ ہمیشہ کھلا ہے اور نااہل کے لیے شروع ہی سے بند ہے۔

غائب اگر کوئی طبقہ یہ چاہتا ہے کہ اہلیت اجتہاد ہو یا نہ ہو اجتہاد کا دروازہ ہر شخص کے لیے چوڑا کھلا رہنا چاہیے تو بہت صفائی کے ساتھ عرض ہے کہ جو دروازہ صرف اہل حضرات کے داخلے کے لیے کھلا اگر اس سے صرف نااہلوں کی آمد و رفت ہونے لگے تو اسے خفی کے ساتھ بند کر دینا ہی عقل و دانش اور ایمان و حکمت ہر ایک کا تقاضا ہے، اسی میں متاع گراں مایہ کی حفاظت ہے اور غلاف و رزی میں کھلی ہوئی بربادی۔ تجربہ شاید ہے کہ آج اہلیت اجتہاد تو درکنار ارشادات ائمہ کے مصادر و مآخذ سے کامل آشنائی بھی مفقود ہے، اہلیت کے بغیر منصب اجتہاد پر تمکن کا شوق اور اس کی جسارت ناروا ایسے ہی دلوں میں ہوتی ہے جو خوف الہی سے عاری ہوں۔

مولانا عبدالوہاب خلیجی: - یقیناً تقلید جلد نے علم

و تحقیق کے دروازے بند کر دیے، کیونکہ جب آدمی کسی ایک امام کے تمام اقوال کو ہی دین سمجھنے لگتا ہے اور اسی کی پیروی کو اپنے لیے باعث نجات سمجھتا ہے اور دیگر ائمہ کے اقوال اور اولہ پر نظر نہیں کرتا یا ان کے درمیان جمع و تطبیق اور ترجیح کی صورتوں کو روئے کار نہیں لاتا تو بلاشبہ علم و تحقیق اور اجتہاد و ترجیح کی راہ بند ہو جاتی ہے۔ اور اگر حضرات مقلدین تقلید کے بجائے تحقیق و اتباع کی راہ اختیار کرتے تو اصحاب مذاہب ائمہ کرام کی خدمات علمیہ و فقہیہ کو مزید فروغ حاصل ہوتا اور ان سے استفادہ بھی عام ہوتا اور جو لوگ مذہب اسلام قبول کرنا چاہتے ہیں وہ مسلمانوں کے تقلیدی فقہی مذاہب اور ان کے فکری و علمی جمود اور آپسی اختلاف و انتشار کے باعث تروک و شکار ہو کر دولت اسلام سے محروم نہ ہوتے۔ لہذا علماء امت کی خدمات جلیلہ سے استفادہ کرتے ہوئے ہمیں اولہ صحیحہ اور نصوص شرعیہ کی پیروی کرنی چاہیے اور ”اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونه اولیہ“ (اعراف: ۳) تم لوگ اس کا اتباع کرو جو تمہارے رب کی طرف سے

آئیں اور خود انہیں بیان کیا، ان کا مشغلہ یہی تھا، انہوں نے احادیث سے مسائل کے استنباط و استخراج کا عمل نہیں کیا۔ اس میں بھی شبہ نہیں کہ بعض محدثین نے اجتہاد بھی کیا لیکن ان کا اجتہاد باضابطہ نہیں ہے اور نہ وہ اہل علم ہیں۔ مثلاً میں اگر سوال کروں کہ تراویح کے بارے میں امام بخاری کا کیا مسلک ہے؟ وہ نہیں پڑھتے تھے، یا آٹھ پڑھتے تھے، یا بارہ پڑھتے تھے؟ تین طلاق کے بارے میں ان کا کیا نظریہ تھا؟ یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ انور کی زیارت کو جانا کیسا ہے؟ اس طرح کے سینکڑوں مسائل ہیں، جن کے تعلق سے اگر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ثابت کیا جائے تو اس کا جواب نہیں مل سکتا۔

آپ کا سوال محدثین اور مفسرین کے طبقے سے ہے اور ان کے پاس سے ہاں اور نہیں میں جواب نہیں دیا جاسکتا۔ اس لیے کہ محدثین مفسر ہونا ایک خاص وصف ہے، ہو سکتا ہے کہ محدث یا مفسر ہونے کے ساتھ وہی مجتہد بھی ہو یا ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ مجتہد نہ ہو مقلد ہو، تو مجتہد یا مقلد ہونے کا سوال اگر کسی فرد کے تعلق سے کیا جائے تب تو صحیح ہے لیکن امت کے تعلق سے اگر کیا جائے تو ہاں یا ناہاں اس کا جواب نہیں مل سکتا۔ امت سے محدثین اور مفسرین مقلد تھے اور بعض مجتہد تھے، لیکن انہو کے بعد جو محدث و مفسر بھی تھے، کے علاوہ کسی اور کی فقہ باضابطہ دون نہ ہو سکی۔

سوال (۵): - اس الزام کی کیا حقیقت ہے کہ تقلید نے علم و تحقیق کے دروازے بند کر دیے؟ اگر یہ سچ ہے تو پھر ان عبقری علماء کرام کی علمی خدمات کو کیا نام دیں گے جن پر آج بجا طور پر امت کو اس کے کا حق ہے؟

مولانا محمد احمد مصباحی: - اولاً ہمیں یہ تسلیم کرنا چاہیے کہ تقلید نے علم و تحقیق کے دروازے بند کر دیے۔ تحقیق کا عمل برابر ہوتا ہے اور جیسا کہ آپ نے اشارہ کیا فقہائے مقلدین کی حیرت انگیز و تحقیقی خدمات اس پر شاہد عدل ہیں اور اگر یہ کہیں کہ تقلید نے دروازہ بند کر دیا تو یہ بھی ہمیں تسلیم نہیں۔ جو شخص اجتہاد کی اہلیت رکھتا ہے اس کے لیے تقلید جائز نہیں، اسی لیے ائمہ کرام نے اجتہادی خدمات رکھنے والے اپنے تلامذہ سے یہ فرمایا کہ ”ہم نے جس ماخذ سے ماخذ کیا ہے اس سے تم بھی اخذ کرو“

یہ فرمایا کہ ”ہمارے بیان کردہ احکام پر تمہارے لیے عمل جائز ہے۔ جب تک یہ نہ جان لو کہ ہم نے یہ احکام کہاں سے اخذ کیے۔“

تمہارے پاس آئی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسرے رفیقوں کا اتباع نہ کرو۔ اور اتخذوا احبارہم ورہبانہم ارباباً من دون اللہ (التوبہ: ۳۱) ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عاملوں اور درویشوں کو رب بنالیا ہے کی تفسیر ماثور جو عدی بن حاتم سے مستخرج مسند احمد و سنن ترمذی میں منقول ہے، اگر سامنے رکھی جائے تو تقلید جامد کی قباح و شاعت کھل کر سامنے آجائے گی اور امت تقلید پر فخر کرنے کے بجائے شرم و ندامت کے آنسو بہائے گی۔

مولانا وحید الدین خان: میرے نزدیک یہ الزام نہیں بلکہ ایک درست بات ہے۔ تقلید ہمیشہ تخلیقی فکر کا دروازہ بند کرتی ہے اور مسلمانوں میں ایسے ہی ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہزار سال کی مسلم تاریخ میں صرف ایک تخلیقی مفکر پیدا ہوا۔ اور وہ تھے علامہ ابن خلدون۔

مولانا عبدالحمید نعمانی: یہ جو لوگ کہتے ہیں کہ تقلید نے علم و تحقیق کے دروازے بند کر دیے ہیں وہ مسائل کا صحیح شعور نہیں رکھتے۔ ان کو پتا ہی نہیں کہ تقلید کیا چیز ہے، مجتہد امام کی رہنمائی میں صحیح جگہ پہنچنا تقلید کہلاتا ہے۔ تقلید کا مطلب نہ تو آوارگی ہے اور نہ ایسی غلامی ہے کہ آدمی سو فیصد اندھا ہو جائے۔ بلکہ امام سے حسن ظن رکھتے ہوئے شریعت کا جو نشانہ ہے، جو مطلوب ہے اسی کی پیروی کرنے کا نام تقلید ہے۔ تقلید اور اتباع میں کوئی بنیادی فرق نہیں ہے اور اتباع کرنا اپنے سے بڑے کا یہ فطرت ہے۔ اس لیے یہ کہنا کہ تقلید نے لوگوں کو اندھا کر دیا ہے یا غلام بنا دیا ہے، تقلید کے مفہوم سے ناواقفگی کا نتیجہ ہے، اگر تقلید کا مطلب آنکھ بند کر کے دوسروں کی پیروی لے لیا جائے تو پھر سوال ہوگا کہ مقلدین نے اتنے سارے علمی و تحقیقی کام کیوں کیے؟ آپ نظر اٹھا کر دیکھ لیجیے کل سے آج تک سارے بڑے بڑے علمی و تحقیقی کارنامے انہوں نے انجام دیے جو خود مقلد تھے۔ ان کے علاوہ کسی نے نہیں کیا۔ حدیث کی خدمت ہو، فقہ کی ہو، قرآن کی ہو، سب انہی لوگوں نے کی ہے، حدیث، تفسیر، فقہ کسی بھی فن میں علماء کے طبقات آپ دیکھ لیجیے، طبقات حنفیہ، طبقات شافعیہ، طبقات مالکیہ، طبقات حنبلیہ تو ملیں گے لیکن کہیں بھی آپ کو طبقات غیر مقلدین نام کی کتاب نہیں مل سکتی تو اہل علم و مجتہدین کے طبقات یہی چاروں ہیں، کوئی پانچواں طبقہ موجود نہیں ہے۔ آج جو لوگ ان چاروں سے ہٹ کر راہ

نکالنے کی کوشش میں ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ یہ ان کی روش بھی کمتر لوگوں کی تشددانہ تقلید ہی ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ جو لوگ ائمہ اربعہ کی تقلید کی شدت سے مخالفت کرتے ہیں وہ کہیں، اس سے زیادہ شدت سے امام ابن تیمیہ کی تقلید کرتے ہیں۔ ابن تیمیہ کی تقلید کرتے ہیں تو جو لوگ آج مقلد کہلانے کی بجائے اپنے کو اہل حدیث کہہ رہے ہیں وہ بھی اپنے بڑوں کی تقلید ہی کر رہے ہیں۔

سوال (۶): امام اعظم ابوحنیفہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے شرعی احکام کی تخریج و استنباط کے لیے اصول وضع کیے، دوسرے ائمہ مجتہدین بھی کسی نہ کسی طور سے ان کے فیض یافتہ ہیں، پھر کیا وجہ ہے کہ غیر مقلدین حضرات سب سے زیادہ انہیں کے خلاف صف آرا رہتے ہیں؟

مولانا محمد احمد مصباحی: امام اعظم سے عداوت کوئی نئی چیز نہیں خود ان کے زمانے کا واقعہ ہے، جسے خطیب نے بھی بیان کیا ہے کہ امام اوزاعی سے بیروت میں حضرت عبداللہ بن مبارک شاگرد امام ابوحنیفہ کی ملاقات ہوئی، انہوں نے پوچھا یہ کوفہ میں ابوحنیفہ کنیت رکھنے والا کون مبتدع پیدا ہوا ہے؟ حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں، میں اپنے گھر واپس آیا فاقبلت علی کتب ابی حنیفہ امام ابوحنیفہ کی کتابیں دیکھنی شروع کیں (اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہ کی لکھی ہوئی کتابیں ان کے پاس موجود تھیں) ان سے کچھ مسائل منتخب کر کے لکھے اور سرخی بیڑالی: قال النعمان بن ثابت، پھر امام اوزاعی کے پاس گیا، مجھ سے وہ اور اوراق انہوں نے لے لیے اور مطالعہ کے بعد پوچھا یہ نعمان بن ثابت کون ہیں؟ ابن مبارک نے کہا ایک شیخ ہیں، جن سے عراق میں میری ملاقات ہوئی، فرمایا: هذا نبیل من المشائخ، ابن مبارک نے بتایا یہ وہی ابوحنیفہ ہیں، جن کا آپ نے ذکر کیا تھا۔ بعد میں امام اوزاعی کی ملاقات امام ابوحنیفہ سے مکہ میں ہوئی اور عبداللہ بن مبارک کے پیش کردہ مسائل اور دیگر مسائل پر گفتگو کے بعد انہوں نے امام اعظم کے تبحر علمی کا اعتراف کرتے ہوئے اپنے قول سے استغفار کیا اور عبداللہ بن مبارک سے فرمایا: ابوحنیفہ کے بارے میں مجھے جو کچھ بتایا گیا تھا میں نے انہیں اس کے برخلاف پایا، تم ان کی بارگاہ فیض سے وابستہ رہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے عصر ہی میں وہ حاسدین کی عداوتوں اور غلط پروپیگنڈوں کا نشانہ تھے۔

نہیں، یہ امام ابو یوسف بیان کرتے ہیں کہ بعض اوقات امام ابو حنیفہ سے میرا اختلاف ہوتا اور کوئی فیصلہ نہ ہو پاتا، پھر میں محدثین کو فہم کے یہاں جاتا کہ میرے یا میرے شیخ کے قول کی تائید میں کوئی حدیث مل جائے، جس کے ذریعہ اختلاف کا تصفیہ ہو۔

مجھے امام کے قول کی تائید میں ایک دو حدیثیں مل جاتیں، میں آکر امام کو سناتا وہ قبول نہ کرتے میں عرض کرتا یہ تو آپ کے قول کے موافق ہے، اسے آپ کیوں نہیں لیتے؟ وہ فرماتے اس میں فلاں فلاں علت قاصر ہے۔ اہل کو فہم کا علم حدیث مجھ سے مخفی نہیں، غور کیجیے جس شیخ کی نظر اتنے جلیل القدر ائمہ حدیث سے فزوں تر ہو، خود اس کی حدیث دانی کا پایہ کتنا بلند ہوگا؟ مگر تعصب و عناد کی بیماری کو کوئی علاج نہیں۔

محدث کا کام سونا جمع کرنا ہے اور ناقد کا کام پرکھ کر بتانا کہ کون سونا کتنا کھرا ہے کتنا کھوٹا؟ اسی طرح محدث کا کام شفا بخش دواؤں کا ذخیرہ کرنا ہے اور فقیہ کا کام امراض اور مرلیضوں کی تشخیص کے ساتھ ان دواؤں کا استعمال کرانا ہے، امام اعظم کے استاذ امام اعمش سے کچھ مسائل دریافت کیے گئے وہ نہ بتا سکے۔ امام ابو حنیفہ سے پوچھا انہوں نے بتادیا۔ استاذ نے پوچھا تم نے یہ جوابات کہاں سے اخذ کیے؟ عرض کیا فلاں فلاں حدیثوں سے، جو آپ نے اس اس سند سے مجھ سے بیان فرمائیں۔ فرمایا اے فقہا تم لوگ طیب ہو اور ہم محدثین عطار ہیں، اور ابو حنیفہ تم تو دونوں ہو۔ میں نے سو دن میں جو حدیثیں تم سے بیان کیں وہ ایک ساعت میں تم مجھے سنائے دے رہے ہو۔

دونوں واقعہ الخیرات الحسان لابن حجر العسقلانی میں ہیں۔ پھر فقہ واجتہاد کا کمال علم حدیث میں رسوخ کے بغیر متصور بھی نہیں، حدیث کے تمام مراحل اور شعبوں کو عبور کیے بغیر پایہ اجتہاد تک رسائی ناممکن ہے۔

مولانا عبدالوہاب خلیجی: امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی جانب کسی کتاب کی نسبت خواہ وہ اصول میں لکھی گئی ہو یا فروع میں صحیح نہیں ہے۔ فقہ حنفی کا سارا ذخیرہ امام محمد بن حسن شیبانی کی علمی کاوشوں کا مرہون منت ہے۔ جب کہ قاضی ابو یوسف کا منصب قضا اس کی نشر و اشاعت کا موثر ذریعہ ہے۔ جیسا کہ خود شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مشہور تالیف حجتہ اللہ البالغہ میں اسباب اختلاف الفقہاء فی الفروع کے تحت اس موضوع کا خلاصہ پیش کیا ہے

مگر اس تاریخی حقیقت سے انکار کی گنجائش نہیں کہ ابو حنیفہ وہ پہلے ہیں جنہوں نے استنباط کے اصول و قواعد وضع کیے اور فقہی احکام بیان کیے۔ دیگر ائمہ نے بھی ان سے استفادہ کیا، امام ابن حجر عسقلانی نے الخیرات الحسان میں یزید بن ہارون کی روایت لکھی ہے کہ طلیح ثوری نے کسی حیلے سے امام ابو حنیفہ کی کتاب الرہن کی نقل لی اور اس سے استفادہ کیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام اعظم نے تصنیف کتاب الرہن بھی تھی۔

با عرض امام اعظم نے خود کو کوئی کتاب نہ لکھی، یا لکھی اور ناپید ہو گیا۔ کاندھب ان کے تلامذہ نے قلم بند کیا یا ثقافت نے زبانی طور پر روایت کی تو اس سے امام اعظم کی فقہی خدمات اور علمی جلالت پر شک نہیں آتا۔ اجلہ صحابہ میں سے حضرت علی، حضرت عبد اللہ ابن عمر، حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی کوئی کتاب نہ آج تک ہے نہ پہلے کسی زمانے میں تھی لیکن تفسیر و حدیث اور فقہ میں ان کی عظمت شان سے کسی باخبر منصف مزاج کو انکار نہیں۔ آخر سنی نے سارے لوگوں کو امام ابو حنیفہ کی عیال کیوں بتایا؟ خود اپنی بیعت استاذ امام محمد یا امام مالک رحمہم اللہ کی عیال نہیں بتایا؟ کیا امام حنفی امام ابو حنیفہ کی تقلید جامد یا اندھی عقیدت میں مبتلا تھے؟

میں سمجھتا ہوں کہ اہل انصاف جس امر کو امام اعظم کی اولیت اور امت شان کی دلیل سمجھتے ہیں، وہی اہل عناد کی عداوت و مخالفت کی ہے، امام اعظم نے آزادانہ اجتہاد سے کام نہ لیا۔ بلکہ پہلے اجتہاد اصول و ضوابط مقرر کر کے، دلائل کے مراتب اور ان کی حیثیتوں کا جائزہ لیا، پھر دلائل اور قواعد کی روشنی میں فروع و احکام کی تخریج فرمائی، امام عادلین رحمہم اللہ نے بھی اس عادلانہ روش کی پیروی کی۔ مگر آج کے مرنے والے سر میں آزادانہ اجتہاد یا ہوائے نفس کے مطابق انتخاب نہ ہو سکتا ہے تو یہ اصول و ضوابط اس کی آزادی طبع اور غلط روی میں سنگ گراں ثابت ہوتے ہیں۔ اس لیے دل کا بخار اسی پر ہے جس نے اس طریقے کی بنا ڈالی۔

امام اعظم کے خلاف علم حدیث میں کم مائیگی کا پروپیگنڈا بھی کوئی نہیں کر سکتا۔ امام ابو یوسف جو امام اعظم کے شاگرد اور ان کی مجلس فقہ کے رئیس، علم حدیث میں ان کے تخریر اور مہارت کا اعتراف بڑے بڑے محدثین نے کیا ہے، جس کے باعث اعدائے زمانہ کے لیے بھی مجال انکار

اور اصول فقہ کے باب میں امام شافعیؒ کی تالیف "الرسالۃ" کو اول تالیف گردانا ہے اور یہی درست ہے۔ بہر حال امام ابو حنیفہؒ ایک بزرگ عالم و فقیہ ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ علم حدیث میں عدم رسوخ کے سبب ان کی فقہ مسائل شرعیہ میں دیگر ائمہ کرام کی فقہ کے مقابلے میں صحت و صواب سے بعید ہے۔ بایں ہمد ذاتی طور پر ان سے بغض و عناد رکھنا یا ان کے خلاف صف آرا ہونا کسی حال میں درست نہیں ہے۔ البتہ مسائل کی تحقیق و تنقیح میں مخالف اولہ شرعیہ صحیحہ اقوال پر رد کرنا علماء کا دینی فریضہ ہے اور حق کی توضیح و تبیین میں کسی قسم کی مداخلت جائز نہیں ہے بشرطیکہ ادب و احترام کو ملحوظ خاطر ہو۔

مولانا وحید الدین خاں: میرے نزدیک امام ابو حنیفہ نے جو اصول وضع کیے وہ کلی تہی میں درست نہ تھے۔ ان کی اصول سازی میں ایک ایسی چیز شامل ہو گئی جو روح شریعت کے مطابق نہ تھی اور وہ ہے فقیہت۔ مثال کے طور پر امام ابو حنیفہ کا یہ اصول کہ الحق لا یجعد دسب سے بڑی وجہ ہے کہ مسالک فقہی کا اختلاف شدید بن گیا۔ حالاں کہ یہ شدت ایک ایسا غلط تھا جو اسلام میں ممنوع ہے۔

مولانا عبدالحمید نعمانی: یہ تنگ نظری اور ایک طرح کی معاندت کا معاملہ ہے، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا جو حج تحقیق ہے اور استنباط کے جو اصول وضابطے ہیں، ان میں بہت گہرائی ہے، بہت بلندی ہے، جیسا کہ امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے میزان الشریعہ الکبریٰ میں یہ بات لکھی ہے کہ جب یہ لوگ اپنی کم فہمی کی وجہ سے اسے سمجھ نہیں پاتے تو مخالفت پر کمر بستہ ہو جاتے ہیں۔ حضرت امام اعظم سے خصوصی معاندت کی کچھ خاص وجوہات ہیں۔ ایک یہ کہ وہ ائمہ میں اقدم ہیں۔ بہت سی روایتوں کے مطابق انہوں نے کئی ایک صحابہ کو دیکھا ہے اور ان سے استفادہ کیا ہے۔ دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ ان کی فقہ عملی شکل میں مدون ہو گئی۔ حکمرانوں نے باب قضاء میں اس کو نافذ کیا۔ ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ مقلدین میں امام ابو حنیفہ کی تقلید کرنے والوں کی تعداد ہمیشہ زیادہ رہی ہے، آپ کہہ سکتے ہیں کہ ۹۵ فی صد مقلدین امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کرتے ہیں تو اب مخالفین تقلید نے یہ دیکھا کہ ہم جہاں جاتے ہیں، دنیا کے جس خطے میں پہنچتے ہیں وہاں حنفی پہلے سے موجود ہوتے ہیں، اس کی وجہ سے ان کا مقابلہ بھی زیادہ تر اختلاف سے ہی ہوتا ہے، اور جواب دینے والے بھی

یہی ہوتے ہیں، ان کی کات کرنے والے بھی زیادہ اختلاف کرتے ہیں، اس لیے فطری طور پر ان کو عداوت بھی سب سے زیادہ امام ابو حنیفہ اور فقہ حنفی سے ہوتی ہے۔

ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ان کو لگتا ہے کہ کتاب و سنت کا نعرہ تو لگاتے ہیں مگر جب عوام کو رجوع کرنا ہوتا ہے تو وہ حنفی مفتیوں سے رجوع کرتے ہیں کہ دنیا میں زیادہ وہی ہیں۔ خود امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں جو ان کی مخالفتیں ہوئیں وہ اسی لیے ہوئیں کہ لوگ دیکھتے تھے کہ حدیث کی خدمت تو ہم کر رہے ہیں لیکن عوام کا رجوع امام ابو حنیفہ کی طرف ہوتا ہے۔ حالاں کہ یہ واضح سی بات ہے کہ کوئی مریض دوا خانہ نہیں جاتا، جہاں ہزاروں اطرح کی دوائیں ہوتی ہیں، ہر کوئی ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے۔ تو محدثین کی مثال دوا خانے والے کی ہے، جن کے پاس دوائیں تو بہت سی ہیں، لیکن انہیں یہ نہیں معلوم کہ کون سی دوا کس مرض میں کام آئے گی۔ یہ کام مجتہد کرے گا، جس کی دواؤں کی ساخت پر ان کے اثرات پر اور مریض کی حالت پر گہری نظر ہے۔ تو عوام کا فقہ حنفی کی طرف رجوع کرنا بھی امام ابو حنیفہ کی مخالفت کی ایک بہت بڑی وجہ ہے اور اس کا سلسلہ بہت دراز ہے۔ چوں کہ فقہ حنفی کی عمر سب سے لمبی ہے اس لیے اس کی مخالفت کا تسلسل بھی سب سے زیادہ دراز ہے۔

سوال (۷): تقلید شخصی کا مفہوم کیا ہے اور امت کو اس کی ضرورت کیوں ہے؟

مولانا محمد احمد مصباحی: جو شخص اجتہاد اہلیت نہیں رکھتا مگر مجتہدین کے اقوال تک اس کی رسائی ہے اور بے مشفقہ مسائل کے علاوہ بڑی تعداد میں ایسے مسائل بھی ہیں جن پر مجتہدین کے متنازع فکر مختلف ہیں، ایسی حالت میں وہ کسی ایک ہی مجتہد پیروی کر سکتا ہے، اسی کا نام تقلید شخصی ہے، اس کے لیے بھی اس کے اصول و فروع کو جاننا، سیکھنا، پوچھنا، سمجھنا ضروری ہے اگر وہ یہ وقت دو مجتہد کے قول مثلاً جواز و عدم جواز دونوں پر عمل کرنا چاہے تو یہ نقیضین کی آرزو ہوگی جس کا وقوع محال ہے اور اگر یہ چاہے کہ وقت جو آسان معلوم ہوا اسے اپنا لیا کرے تو یہ شریعت کی نہیں ہوا نفس کی پیروی ہوگی اور اگر اسے یہ تکلیف دی جائے کہ تمام مذاہب تحقیق کر وہ ہر قول کو کتاب و سنت اور قیاس و اجتہاد کی روشنی میں پرکھ لے، دوسرے کو چھوڑ دے اور جواب دینے والے بھی

ولا تقلدوا مالکاً ولا الشافعی ولا الاوزاعی ولا الثوری
 وغذوا الاحکام من حیث اخذوا“ نہ میری تقلید کرو اور نہ
 مالک، نہ شافعی، نہ اوزاعی اور نہ ثوری کی تقلید کرو بلکہ احکام وہاں سے
 لو جہاں سے یہ حضرات اخذ کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ اپنے شاگرد
 خاص امام ابو یوسف کو نصیحت فرماتے ہیں ”انسا بشر نقول القول
 الیوم ونرجع عنہ غدا“ یعنی مجھ سے سنی ہوئی ہر بات مت لکھ لیا
 کرو کیونکہ ہم بشر ہیں آج ایک بات کہتے ہیں اور کل اس سے پلٹ
 جاتے ہیں۔ اور امام ابوحنیفہ کا مشہور قول ہے ”اذا صحح الحديث
 فهو مذهبی“ یعنی جب صحیح حدیث مل جائے تو اسی کو میرا مذہب
 سمجھو۔ اور امام مالک کا فرمان ”لن یصلح آخر هذه الامة الا
 بما صلح به اولها“ یعنی امت کا آخری دور اس وقت اصلاح
 و درستگی کو نہیں پہنچ سکتا جب تک اوائل امت کی راہ اختیار نہ کرے۔
 (یعنی منہج صحابہ پر کتاب و سنت کی کامل پیروی کے بغیر امت کی اصلاح
 ممکن نہیں) (ایضا: اللهم للفقهاء والعلماء الموقعین لابن
 القيم والمیزان للشعرانی وغیرہ)

تقلید شخصی کے وجوب کے قائلین کے پاس مغالطات کے سوا کوئی
 معتبر دلیل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا خوف اور کتاب اللہ و سنن صحیحہ کی پیروی
 کا جذبہ خالص ہی انسان کو اپاہت اور فکری و عملی انار کی سے نجات دے
 سکتے ہیں۔ ورنہ بعض فقہاء (ساجد اللہ، اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمائے)
 کی حلت و حرمت کے باب میں حیلہ سازیوں اہل علم و تحقیق سے مخفی
 نہیں۔ لہذا امت کو نہ صرف یہ کہ تقلید کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اتحاد
 امت کے لیے یہ زہر ہلاکت ہے۔ تقلید شخصی کے رواج سے پہلے کی
 ابتدائی چار صدیوں میں امت مسلمہ کے متعلق مقلدین کیا رائے قائم
 کریں گے جو کسی ایک متعین شخص کی تقلید پر متفق نہ تھی؟ جب کہ قرون
 ماقبلہ، بہترین ادوار میں اسلام نے نمایاں ترقی کی ہے اور یہ ترقی
 صرف اتباع کتاب و سنت کا ثمرہ تھی۔

مولانا وحید الدین خان: میرے نزدیک تقلید شخصی

اصولاً ایک نادرست چیز ہے۔ وہ صرف ضرورت شرعی کی بنا پر درست
 قرار پاسکتی ہے۔ اور وہ یہ کہ جو آدمی براہ راست عربی مآخذ سے مسئلہ
 دریافت کرنے کی پوزیشن میں نہ ہو وہ کسی ایسے شخص کا مقلد بن جائے،
 جس کے علم اور نیت پر اس کو اعتماد ہو۔

یہ عامی کی قوت و صلاحیت سے باہر ہے، جس کا وہ مکلف نہیں، وہ
 سنی عمر کیا کر بھی اتنی اہلیت پیدا کرنے سے عاجز ہے پھر عمل کب
 سے گا؟ قبر میں جانے کے بعد یا میدان قیامت میں؟ اور اگر کوئی
 بے قید تیار ہو جائے کہ تمہیں زحمت کرنے کی ضرورت نہیں، میں
 نے تمام امر کے اقوال و دلائل کی تحقیق تمام فرمانے کے بعد ایک بے
 علم و غیر متواضع مذاہب تیار کیا ہے، تم اسے لے لو اور حسب ضرورت استعمال
 کرتے رہو، اس میں ساری مشکلات سے نجات ہے اور یہ ساری
 مشغلوں کا انتخاب لا جواب ہے۔ اب وہ شخص وہ نسخہ کیسا ہاتھ میں
 لے گا؟ کچھ بند کر کے اس پر عمل کرتا رہے تو یہ بارہ سو سال پہلے کے کسی
 کو چھوڑ کر پندرہویں صدی کے ایک عالم بے قید کی تقلید شخصی ہوگی
 تاریخ اسی پر پوری دنیا کے غیر مقلدین سختی سے کاربند ہیں۔

مگر بقول شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ابتدائی دو صدیوں کے بعد
 سے ہی پوری دنیائے اسلام ایک امام مجتہد کی پابندی پر کاربند ہے، پھر
 اتنی کیا رہا؟ صرف یہ کہ قدیم امام جو علم و تقویٰ، فقاہت و اجتہاد، عہد
 امت سے قرب و غیرہ ہر لحاظ سے اعلیٰ و اعظم تھا اسے چھوڑ کر آج کے
 دور سے اتنی و پست شخص کی پیروی ہو۔

ایک امام معین کی پیروی بھی اسی لیے ہوتی ہے کہ وہ خدا و رسول
 کے احکام سے ہمیں باخبر کرتا ہے اور جہاں جہاں اس نے خود اجتہاد کیا
 تو اپنی طرف سے اس نے کوئی چیز حلال یا حرام نہیں ٹھہرائی ہے بلکہ
 اس کتب و سنت میں نظر غائر کے نتیجے میں جس چیز کو اس نے خدا
 کے یہاں حلال جانا ہے، اسے حلال بتایا ہے، جسے حرام جانا
 اسے حرام بتایا ہے اور ہم نے اس کی دیانت و تقویٰ کا مشاہدہ اور
 اس کے سوا علم کا تجربہ بالواسطہ یا بلاواسطہ کر لینے کے بعد اس پر اعتماد
 کیا ہے اور اس کے اقوال کو قبول کیا ہے۔

مولانا عبدالوہاب خلیفی: تقلید شخصی، یعنی غیر
 کسی کا مطلق التزام اور تمام امور میں کسی ایک عالم و فقیہ کی مکمل
 اتباع ایک حرام، منکر اور اجماع کے خلاف امر ہے۔ بعض حالات میں
 ضرورت و قیود و حدود کے ساتھ بعض علماء نے تقلید کو جائز قرار دیا
 جس کے لیے کتب اصول کا مراجعہ کرنا چاہیے۔ یقیناً امت مسلمہ
 نے اپنی اسی راست کی پیروی میں ہے جس کی پیروی سلف صالحین
 نے کی۔ چنانچہ امام احمد کا مشہور قول ہے ”لا تقلدونی

مولانا عبدالحمید نعمانی :- ابھی جیسا کہ میں نے بتایا کہ مخصوص مسائل میں تقلید کی ضرورت نہیں ہے اور ایسے ہی جو مسائل اجماعی ہیں، متفق علیہ ہیں، ان میں بھی تقلید کا کوئی سوال نہیں اٹھتا۔ ہاں! جو غیر مخصوص مسائل ہیں اور ان میں مجتہدین کے مابین اختلاف ہو گیا ہے، اب ان مسائل میں ہم سب کی باتیں کیسے مان سکتے ہیں یہ تو ممکن ہی نہیں۔ تو اب یہیں پر تقلید کی ضرورت پڑتی ہے۔ کیوں کہ کوئی عمل جب بھی کرے گا تو ایک ہی پر کرے گا۔

تقلید شخصی دراصل اتباع ہو اسے روکنے کے لیے ہے، تقلید شخصی نہیں ہوگی تو جس کو جو مسئلہ جہاں آسان نظر آئے گا اس کا اتباع کرے گا تو گویا یہ شریعت کی نہیں اپنی طبیعت کی پیروی ہوگی۔

اب مثال کے طور پر ایک شخص نے وضو کیا اور مس ذکر کر لیا تو ایک امام کے نزدیک تو اس کا وضو ٹوٹا دوسرے کے نزدیک نہیں ٹوٹا۔ پھر وضو کے بعد اس کے جسم سے خون نکل آیا تو ایک کے نزدیک تو وضو ٹوٹ گیا دوسرے کے نزدیک نہیں ٹوٹا۔ تو ایک ہی وقت میں اس نے مس ذکر بھی کر لیا اور اس کے بدن سے خون بھی نکل آیا تو اس کا وضو تو دونوں اماموں کے نزدیک ٹوٹ گیا۔ اب گویا اس نے بغیر وضو کے ہی نماز پڑھی۔ اب وہ کہے کہ مس ذکر کے مسئلہ میں ہم نے امام ابوحنیفہ کی پیروی کی اور خون کے مسئلہ میں امام شافعی کی پیروی کی۔ اس طرح میری نماز درست ہو گئی، کیوں کہ دونوں امام برحق ہیں۔ تو اس کا یہ فریب دراصل اماموں کی تقلید نہیں، ہوائے نفس کی تقلید ہے۔ اسی لیے تقلید شخصی ضروری ہے۔ ایک ساتھ دو چار ائمہ کی تقلید نہیں کی جا سکتی۔ اسی لیے منطق کا مسئلہ ہے کہ آن واحد میں دو چیزوں کی طرف فکر کا انتقال بھی محال ہے، اور عمل بھی بہ یک وقت محال ہے۔

علاوہ ازیں تقلید مطلق تو سب کے نزدیک جائز ہے، قرآن کا حکم ہے کہ فاسئلوا اہل الذکر ان کنتم لا تعلمون۔ اس کو سب مانتے ہیں اور یہ اصول ہے کہ جو چیز کلیات میں جائز ہوگی وہ جزئیات میں بھی جائز ہوگی تو جب تقلید مطلق جائز تو عقلی طور پر تقلید شخصی جو تقلید مطلق کی ہی فرع ہے ضرور جائز ہونی چاہیے۔

اس کے ساتھ ایسا بھی نہیں کہ حالات و ضروریات سے آنکھیں موند کر تقلید کی جاتی ہو۔ تقلید شخصی کے اندر بھی اس بات کی وسعت ہے کہ اگر ضرورت ہو، مجبوری ہو تو ہم توسع کے لیے دوسرے امام کے قول

پر عمل کر سکتے ہیں۔ جیسے مفتوح الخیر شوہر کے بارے میں اب ہمارے یہاں امام مالک کے قول پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ تقلید شخصی کا معنی ہرگز تقلید جلد نہیں ہے۔

سوال (۸) :-

تقلید کی مخالفت کے پیچھے کیا واقعی دعوے

الکتاب والسنۃ کا جذبہ کارفرما ہے؟

مولانا محمد احمد مصباحی :- غیر مقلدین

پہلے تو بہت شدد و کد کے ساتھ یہ اعلان کیا کہ کتاب و سنت کی پیروی اگر ائمہ کی پیروی و شرک جلی ہے اور تمام مقلدین مشرک مباح الدم ہیں اور اتخذوا احبارہم و رہبائہم اربابا من دون اللہ کے مصداق ہیں، وہ ائمہ کی تحلیل و تحریم کو مان کر ان کے پیجاری ٹھہرے اس لیے سو سال کی پوری امت شرک خالص پر گزری۔

اس دعوے کا تقاضا یہ تھا کہ غیر مقلدین ایسا مجموعہ احکام منظر پر لاتے جو صرف کتاب و سنت کی تصریحات پر مشتمل ہو اور کسی امام کی قیاس و اجتہاد اور تحلیل و تحریم سے یکسر خالی ہو، مگر یہ کام غیر مقلدین نے آج تک نہ ہو سکا۔ جیسے پچھلے الوی فرقہ نے صرف کتاب اللہ کے اعتبار سے نعرہ بلند کیا مگر کوئی ایسا نظام عمل پیش کرنے سے عاجز رہے جو سوائے قرآن مجید کی تصریحات پر مشتمل اور تمام شعبہ زندگی پر حاوی ہو۔

غیر مقلدین کوئی ایک مسئلہ بھی ایسا نہ پیش کر سکے جو کتاب و سنت میں ان کے اجتہاد کا شرہ ہو۔ ان کا کارنامہ بس یہ رہا کہ بزم خوشی تقلید جامد سے ہٹ کر ”تقلید سیال“ پر آ گئے۔ یعنی کسی ایک امام کا مذہب اختیار کرنے کے بجائے اپنی راحت بدن اور ہوائے نفس کے مطابق مختلف ائمہ کے مذاہب سے کچھ کچھ مسائل چھانٹ کر ایک مجب مرکب تیار کر لیا۔ اب وہ خود ہی بتائیں کہ ایک امام کی تحلیل و تحریم ماننے والا اتخذوا احبارہم و رہبائہم اربابا من دون اللہ کا مصداق ہوا تو چند اماموں کی تحلیل و تحریم کو ماننے والا اس مصداق کیوں نہیں ہوا؟ وہ تو کسی ایک حبر و راہب نہیں بلکہ بقول آج کے واقعہ چند احبار و رہبان کو رہبائہ من دون اللہ بنانے والا ہے، وہ تو اس کا سچا اور پورا مصداق ہے!

اگر یہ کہیں کہ ہم نے چند احبار کو اپنی تحقیق اور اتباع کتاب و سنت کے تحت مانا ہے تو ایک امام کا مقلد بھی یہی کہتا ہے کہ ہم نے اپنے امام خدا یا رسول نہیں مانا ہے، بلکہ خدا کا بندہ، رسول کا امتی، ان کے

پورے طور پر شریعت کا اتباع کرنے کے لیے ہی انہوں نے اجتہاد کیے ہیں۔ تو اجتہاد کتاب و سنت کی دعوت سے کوئی الگ چیز نہیں ہے۔ ہم یہ حسن ظن رکھتے ہیں کہ ائمہ اور مجتہدین کا جو فہم ہے، یہ عام لوگوں کے فہم سے بڑھ کر ہے۔ اس میں نسبتاً یہ احتیاط ہے کہ ہم اپنے سے بالاتر فہم والے کے اوپر اعتماد کر کے قرآن و سنت کا اتباع کریں۔ یہ کتاب و سنت کی حقیقی پیروی ہے، مخالفت نہیں۔ پھر کتاب و سنت کی دعوت دینے والے کوئی نمونہ بھی تو پیش کریں، جس کو ہم کہیں کہ یہ کتاب و سنت کی دعوت ہے۔ اور اس سے ہٹ کر کتاب و سنت کی مخالفت ہے۔ انہوں نے اب تک کوئی نمونہ پیش نہیں کیا ہے۔

سوال (۹): غیر مقلدیت کا وجود کب سے اور کیوں ہوا؟

مولانا محمد احمد مصباحی: ہندوستان میں شاہ اسماعیل دہلوی نے اس کی تخم ریزی کی اور میاں جی نذیر حسین دہلوی نے اس کی کاشت تیار کی، یعنی یہ پودا تیرہویں صدی کے ربیع دوم میں لگا اور ربیع سوم و چہارم میں پیداوار مارکیٹ میں فروخت ہونے لگی۔

مولانا عبدالوہاب خلیجی: مقلدیت اور غیر مقلدیت جیسا کہ عرض کیا گیا اصطلاح حادثہ ہے۔ اصل دین، اتباع کا نام ہے "اتبعوا ما انزل الیکم من دیکم" لہذا اتباع کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی خود اسلام کی تاریخ۔ ولله الحمد۔ اگر کوئی ائمہ اور بعد کی تقلید کو حرام اور بعد کے کسی عالم کی تقلید کو واجب گردانتا ہے تو اس کی مثال "فسر من المطر وقام تحت المیزاب" یعنی بارش سے بچنے کے لیے پرنا لہ کے نیچے کھڑے ہونے کی ہے۔ ہر حال میں دہلیلوں کی پیروی اور حق کا اتباع واجب ہے۔ کسی عالم و فقیہ کی وہی بات لائق اخذ و اعتناء ہے جو دلیل سے مبرہن ہے اور ایسی صورت میں اصل اتباع، دلیل کا ہے نہ کہ اُس عالم کا۔ یہی وجہ ہے کہ خالی از دلیل یا مخالف دلیل قول کا قمعین کتاب و سنت کی دنیا میں کوئی اعتبار نہیں۔ چاہے اس کا قائل وقت کا بڑے سے بڑا عالم کیوں نہ ہو۔ لہذا سوال تو یہ مناسب تھا کہ مقلدیت کا وجود کب سے ہوا؟ کیونکہ اتباع اصل شئی ہے اور تقلید شئی حادث یعنی چوتھی صدی ہجری کی پیداوار۔ (سوال نمبر ۹ راور ۱۰ کا جواب اسی میں ہے)

مولانا وحید الدین خان: غیر مقلدیت کے آغاز کی قطعی تاریخ بتانا، شاید ممکن نہیں ہے۔ لیکن عام طور پر اس کا آغاز غالباً

شریعت کا غواص اور ان کے احکام کا مسلح اور منظر بھی مانا ہے اور ہمیں بھی تحقیق سے معلوم ہے کہ انہوں نے نہایت اخلاص و امانت، کمال علم و ادب اور وفور آلات اجتہاد کے ساتھ کتاب و سنت کے سمندر میں نہایت ہی کر کے احکام شریعت کے تابناک گوہر نکالے ہیں اور ہم نے انہیں باتھ لیے ہیں تاکہ خدا و رسول کی اطاعت اور زندگی کے ہر شعبے میں شریعت حق کی پیروی ہو سکے۔

الحاصل تقلید کی مخالفت کے پیچھے اتباع کتاب و سنت کا جذبہ کار نہیں، بلکہ اتباع نفس کا جذبہ کار فرما ہے۔ یا ان ہی کے الفاظ میں "تقلید جامد" سے ہٹ کر "تقلید سیال" کا راحت بخش داعی کار فرما ہے۔

مولانا عبدالوہاب خلیجی: تقلید کی ضد اتباع ہے۔ تقلید کا لفظ اپنے عربی معنی میں ایک محدث لفظ ہے۔ لہذا مقصود اصلی یہاں طور پر اتباع کتاب و سنت ہونا چاہیے اور تقلید جلد کی مخالفت کرنے والوں کا رخ نظر بھی یہی ہے۔

مولانا وحید الدین خان: تقلید کی موجودہ مخالفت جو بہ نزدیک صرف کٹر پین یا گروہی عصیبت کی بنا پر ہے۔ میں تقلید کا مخالف ہوں۔ یعنی عوام کے لیے تو میں تقلید کو درست مانتا ہوں۔ لیکن خواص اہل علم کے لیے نہیں۔

مولانا عبدالحمید نعمانی: ممکن ہے بہت سے لوگوں کی نیت صالح ہو، لیکن بیشتر لوگ نیک جذبات کے تحت کتاب و سنت کی دعوت نہیں دیتے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اکثر لوگوں کے نزدیک اس مسئلہ ہوتا ہی نہیں ہے۔ میں یہ قطعی طور پر نہیں مان سکتا کہ ان کے سینوں میں ائمہ، صالحین، اسلاف اور اولیاء اللہ سے زیادہ اتباع شریعت کا جذبہ موجود ہے۔ جتنے اولیاء کرام اور بزرگان دین ہونے والے سب کا مطالعہ کر جائیے، حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ تک، یا دوسرے اولیاء کرام ہیں، مثلاً علامہ غریب نواز، حضرت صابر کلیری، شہاب الدین سہروردی یا آج کے جتنے صالح لوگ ہیں، سب کسی نہ کسی امام کے مقلد ہیں تو کیا آج تک کتاب و سنت کے نام پر تقلید کی مخالفت کر رہے ہیں، ان کے سینوں میں حضرات سے زیادہ جذبہ اتباع شریعت ہے؟ جی نہیں! کتاب و سنت کی دعوت کا آخر معنی ہے کیا؟ کیا ائمہ نے کتاب و سنت سے ہٹ کر کوئی قانون بنایا؟ کتاب و سنت کے منشا تک پہنچنے کے لیے اور

امام ابن تیمیہ سے شروع ہوتا ہے۔

مولانا عبدالحمید نعمانی :- اس طرح کے کچھ لوگ ہمیشہ رہے ہیں جو امت کی عام روش سے ہٹ کر چلنا چاہتے ہیں۔ لیکن انہیں آپ شرمندہ قلبیہ کہہ سکتے ہیں۔ وہ امت کا عام رویہ نہیں ہے، اسے آپ امت کے Main stream سے کٹے ہوئے انحرافی نظریے کی پیداوار کہہ سکتے ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ غیر مقلدیت کا تو کوئی مطلب ہی نہیں ہوتا ہے۔ میرے نزدیک اسلامی تاریخ میں کوئی ایسا طبقہ نہیں، جسے ہم صحیح معنی میں غیر مقلد کہہ سکتے ہیں۔

سوال (۱۰) :- غیر مقلدیت نے امت کو ائمہ اربعہ کی تقلید سے آزاد کرایا ہے یا کسی دوسری تقلید میں الجھا دیا ہے؟

مولانا محمد احمد مصباحی :- ایک نئی تقلید میں الجھا دیا ہے، آزادی تو جب ہوتی کہ ہر غیر مقلد مجتہد ہوتا اور الگ الگ اجتہاد سامنے آتا۔ یا کم از کم یہی ہوتا کہ مثلاً رفیع الدین یا آمین بالجبر قرأت خلف الامام اور دوسرے صد ہا مسائل میں کسی کو امام ابوحنیفہ کی دلیل وزنی معلوم ہوتی، کسی کو امام مالک کی، کسی کو امام شافعی یا امام احمد بن حنبل کی، اور ہر ایک اپنی تحقیق کے مطابق آزادی کے ساتھ بے روک ٹوک عمل کرتا۔

مگر صورت حال یہ ہے کہ ہزاروں غیر مقلد جنگلی اور گنوار ہیں جن کے لیے صحیح طور سے سورۃ فاتحہ پڑھنا یا اردو میں لکھا ہوا ترجمہ قرآن سمجھنا بھی دشوار ہے، وہ اجتہاد یا تحقیق کیا کریں گے۔ کچھ غیر مقلد اگر عالم ہیں تو سب کا مذہب وہی ہے جو میاں جی اور ان کے معاصر و موافق رفقاء نے ثبت قرطاس فرما دیا۔ کوئی شخص اس سے سرمو اعتراف کرتا ہوا نظر نہیں آتا۔ نتیجہ سامنے ہے کہ نہ آزادانہ اجتہاد رہا، نہ آزادانہ تحقیق اور فکر و جستجو، ایک طے شدہ، مقررہ اور اجباری رہبان کے ہاتھوں نئی کتابوں میں درج شدہ مذہب کی ”تقلید جامد“ رہ گئی۔ اجتہاد تو ان کے یہاں کچھ تھا نہیں ”تقلید سیال“ بھی رخصت ہو گئی۔

مولانا وحید الدین خاں :- بطور واقعہ اس معاملے میں جو نتیجہ نکلا ہے وہ یہی ہے کہ اس کی وجہ سے امت تقلید سے آزاد نہیں ہو سکی، بلکہ وہ ایک نئی تقلید میں مبتلا ہو گئی ہے۔

مولانا عبدالحمید نعمانی :- آپ کسی حدیث کو کہہ رہے ہیں کہ ضعیف ہے کیوں کہہ رہے ہیں، اس لیے کہ اسے وہابی نے

منہیٰ کی یا ابن کثیر نے ضعیف کہا۔ تو آپ کا اس حدیث کو ضعیف کہنا تقلید ہوئی۔ تو جس طرح فن کے اندر آپ مقلد میں تقلید کر رہے ہیں پھر احکام شریعت کے لیے جو فقہی اصول ہیں ان میں بھی آپ کو تقلید سے انکار کا حق نہیں پہنچتا۔ وہاں آپ کسی صاحب بصیرت کی ہی تقلید کر رہے ہیں جس نے کتاب و سنت سے احکام استخراج کیے ہیں۔

سوال (۱۱) :- جماعت سلفیہ اور جماعت اہل حدیث میں فرق بھی ہے یا اختلاف صرف ناموں کا ہے؟

مولانا محمد احمد مصباحی :- اصل میں غیر مقلدین کا جب وجود ہوا اور ابن عبد الوہاب کا اعتقادی مذہب انہوں نے اپنایا اور عمل میں مذاہب ائمہ سے آزادی کا نعرہ بلند کیا تو مقلدین نے انہیں وہابی یا لاندہب یا غیر مقلد کا نام دیا۔ کوئی نام انہیں پسند نہ آیا۔ انہوں نے ماضی کی صدیوں کا مطالعہ کیا، ماضی میں سلفی اور محدث یا اہل حدیث نام کے گروہ انہیں نظر آئے، یہ نام انہیں اچھے لگے، انہیں سے اپنی تشہیر گوارا کر لی، کبھی اپنے کو محمدی یا اثری بھی کہتے ہیں شاید اور زیادہ اچھے نام کی تلاش ابھی جاری ہے۔

مولانا عبدالوہاب خلجی :- جماعت سلفیہ جماعت اہل حدیث اور انصار اللہ، وغیرہ میں کوئی فرق نہیں، یہ سب صحابہ و تابعین یعنی مطلق کتاب و سنت، ثابت اجماع اور قیاس شرعی، حسب ضرورت قبول کرنے والی جماعت کے مختلف نام ہیں۔ اور جب مقصود و منشور ایک ہو تو ناموں کا فرق کوئی معنی نہیں رکھتا۔ ”لا مشاحۃ فی الاصطلاح“

مولانا وحید الدین خاں :- جہاں تک میں جانتا ہوں دونوں میں کوئی حقیقی فرق نہیں ہے، ضمنی نوعیت کا فرق پایا جاسکتا ہے۔ لیکن جہاں تک میں جانتا ہوں، دونوں کے درمیان حقیقی نوعیت کا کوئی فرق موجود نہیں۔

مولانا عبدالحمید نعمانی :- دیکھیے! جب آدمی کے سامنے کوئی مضبوط بنیاد نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کی نصرت و تائید حاصل نہ ہو اسی طرح انتشار پیدا ہوتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جب مامون کے زمانہ میں خلق قرآن کا مسئلہ سامنے آیا اور حضرات امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے یہ پوچھا گیا کہ قرآن مخلوق ہے یا غیر مخلوق؟ اور ان پر جرح کیا گیا تو انہوں نے صاف صاف یہی کہا کہ ہم نے کتاب و سنت میں

حنفیوں میں علامہ ابن ہمام کے تقررات ہیں، شاہ ولی اللہ کے تقررات ہیں، وغیرہ وغیرہ۔ علامہ ابن تیمیہ کے جتنے تقررات ہیں سب کی تعداد ۷۰/۷۲ ہے اور باقی مسائل میں وہ خود بھی مقلد ہیں، ان کو اہل حدیث غیر مقلد کہنا بالکل غلط ہے۔

سوال (۱۲): جماعت اہل حدیث کا اختلاف صرف فقہی ہے یا نظری و اعتقادی بھی ہے؟

مولانا محمد احمد مصباحی: غیر مقلدین اعتقاداً کتاب التوحید اور تقویۃ الایمان کے پابند ہیں اور علماء ایک نئی تشکیل اور جدید تدوین کے، دونوں کی کچھ تفصیل جامع الشواہد میں محدث سورتی مولانا وحسی احمد علیہ الرحمہ نے دی ہے۔

مولانا عبدالوہاب خلیجی: جماعت اہل حدیث پورے اسلام کی نمائندہ جماعت ہے، اور وہ مخالف کتاب و سنت و اجماع صحیح کسی عقیدہ و عمل یا فکر و نظر کو قبول نہیں کرتی۔ ویسے ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کے عقائد کتاب و سنت سے ماخوذ ہیں اور بنیادی طور پر ان کے درمیان عقیدہ کے باب میں کوئی قابل ذکر و لحاظ اختلاف نہیں ہے۔ صوفیاء اور خانقاہیوں کے درمیان مروجہ عقائد میری مراد نہیں ہیں۔ کیونکہ ائمہ اربعہ میں سے بعض کی طرف انتساب کرنے والے بہت سے لوگ عقائد کے اعتبار سے اشعری اور ماتریدی ہیں۔ اور تصوف کے متعلق مزید چار سلسلے رائج اور مشہور ہیں۔ جیسا کہ سب لوگ جانتے ہیں۔

مولانا وحید الدین خان: جہاں تک میں جانتا ہوں، جماعت اہل حدیث کا اختلاف دونوں نوعیت کا ہے۔ فقہی مسائل کے اعتبار سے بھی اور اعتقادی مسائل کے اعتبار سے بھی۔

مولانا عبدالحمید نعمانی: غیر مقلدین کے زیادہ تر اختلافات فقہی ہیں، لیکن کچھ ایسے مسائل بھی ہیں جو نظریاتی ہیں۔ یہ نظریاتی اختلافات ان لوگوں نے شیخ ابن تیمیہ کے اتباع میں اپنا لیے ہیں، مثلاً یہ کہ اللہ فوق میں ہے اور یہ کہ انسانوں کی طرح اس کے ہاتھ پاؤں بھی ہیں، تو اس طرح کے نظریاتی اختلاف کے اندر اہم احتیاط کریں اور ان کی تکفیر نہ کریں تو کم از کم وہ گم راہ تو ہیں ہی۔ ان کی گمراہی میں کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا۔

سوال (۱۳): غیر مقلدیت نے ”دعوة الی الکتاب والذی“ کے نام پر امت کو متحد کیا یا اس کے انتشار کے مزید سامان بہم پہنچا ہے؟

یہ سب باتیں پایا اور اپنے اسلاف سے سنا کہ یہ مخلوق ہے۔ اس لیے سے مخلوق نہیں کہہ سکتے۔ بعد میں اسی بنیاد پر امام احمد ابن حنبل کو لے لے اپنے آپ کو سلفی بھی کہنے لگے تو عالم عرب میں دراصل حنابلہ کی کہا جاتا ہے، جو امام احمد ابن حنبل کے مقلد ہیں۔ اور آج بھی عالم میں وہی سلفی ہے جو حنبلی ہے، غیر مقلدیت کا تعلق سلفیت سے کچھ نہیں ہے۔ غیر مقلدیت درحقیقت کتاب و سنت کی بالبعیرت سے انحراف کا نام ہے اور جہاں تک اہل حدیث کا معاملہ ہے تو یہ عرب و غریب ہے۔ پہلے یہ مگر یہی تھی اور پھر اہل حدیث ہو گئے، پھر آپ کو سلفی کہنے لگے۔ یہ اس وقت ہوا جب عالم عرب میں بڑوں کا رواج ہوا اور یہاں کے اہل حدیث کے رابطے وہاں سے ہو گئے۔ سب سے پہلے آپ کسی بھی اہل حدیث کے ساتھ سلفی لکھا ہوا نہیں دکھا سکتے۔ وہ ہم کیا کہیں کہ کل تک تو اہل حدیث رہے اور آج اچانک سلفی ہو گئے۔ اسی لیے ہمیں یہ باور کرنا پڑتا ہے کہ جن کی کوئی ٹھوس بنیاد نہیں ہوتی ان طرح سے اپنا نام بدلتے رہتے ہیں۔

مولانا محمد حسین بنا لوی نے برٹش حکومت کے زمانہ میں اپنے طبقہ اہل حدیث رجسٹرڈ کرایا تھا۔ اس سے پہلے وہ محمدی کہلاتے تھے، بعد میں ہونے کی وجہ سے آدمی ہر طرف لڑھکتا رہتا ہے۔

اب رہا ہندوستانی اہل حدیث اور عالم عرب کی جماعت سلفیہ کا قابل کی بات تو عالم عرب میں جتنے بھی سلفی ہیں، تقریباً سب سب مقلد ہیں، ہندوستانیوں کی طرح مخالف تقلید نہیں، پھر عموماً وہ سب سب میں اور تھوڑے بہت شافعی اور مالکی بھی ہیں۔ لیکن ہندوستان کے اہل حدیث کا جو نظریہ ہے اور مخالفت تقلید کی جو لہر ہے، اس سے ان کی حلقہ نہیں ہے۔ ہاں! اس کے باوجود اب ہندوستانی اہل حدیث کے ساتھ روابط کو بڑھانے کے لیے ان سے ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

علامہ شاکانی یمن کے ایک زیدی شیعہ تھے، انہوں نے تقلید کی بات کا آغاز کیا اور ایک نئی روش پیدا کی تو ان کے بعد سے ہی یہ سب یہ چلا ہے۔ رہا علامہ ابن تیمیہ یا علامہ ابن قیم کا ذکر، جن کا یہ سب بہت چرچا کرتے ہیں تو خود وہ بھی غیر مقلد نہیں تھے، وہ سب سب مقلد تھے، حضرت غوث اعظم بھی مقلد تھے، اب یہ کہ بعض سب انہوں نے اختلاف کیا تو یہ ان کے اپنے تقررات ہیں، جیسے

پر زیادہ سے زیادہ عمل کرے، اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ کتاب وسنت دعوت نے لوگوں کو اتباع شریعت کی طرف متوجہ نہیں کیا ہے، بلکہ کے اتباع پر جو ساق قائم تھا، اس میں انتشار و خلفشار پیدا کر دیا ہے عوام اپنی طور پر سخت الجھن کا شکار ہو گئے ہیں۔

سوال (۱۴):

سعودی عرب کے مفتی کردار میں اس کی غیر مقلدیت کا کیا کردار ہے؟

مولانا محمد احمد مصباحی:

رہنے والے شیوخ نجد کو غیر مقلدیت سے زیادہ عقیدہ وہابیت سے ہے اور اس کو وہ طاقت، دولت، افراد وغیرہ کے ذریعہ پھیلانے میں منہمک ہیں، وہ حنبلیت کے مدعی ہیں مگر اقتدار پر قابض ہونے کے بعد دیگر مذاہب کے مصلے مسجد حرام سے ختم کر دیے۔ تعظیم و احترام کو عبادت اور شرک کہتے ہیں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے آثار و مقابر کو اعظام کا درجہ دیتے اور ان کی شکست و ریخت کو بت شکنی سمجھتے ہیں۔

مولانا عبدالوہاب خلیجی:

سعودی عرب کے کردار پر لوگوں کی آراء مختلف ہو سکتی ہیں۔ میرا حسن ظن ہے کہ سعودی عرب کی اسلامی حکومت امت مسلمہ کے مفاد میں کام کر رہی ہے اور ”رموز مملکت خویش خسرواں دانشد“ کے تحت وہ جو بھی قدم اٹھا رہی ہے اس کے پیچھے دور رس مقاصد کار فرما ہیں۔ دور دراز علاقوں میں بیٹھے اور جھوٹے بے سرو پاپا باتوں کی اشاعت کرنے والی میڈیا کے دام فریب میں مبتلا حضرات کو خواہ خواہ اس مملکت سے بدگمانیاں اور خدائیں برپا ہیں۔ جب کہ یہ حکومت بفضلہ تعالیٰ شدت پسندی کے خلاف ہمیشہ سینہ سپر رہی ہے اور آج بھی ہے اور ان شاء اللہ آئندہ بھی دہشت گردی سے نبردانی رہے گی۔ حکومت کا منشور اتباع کتاب وسنت اور رد بدعت کے ساتھ امت مسلمہ کی خیر خواہی ہے۔ اور شاید ان ہی اصولوں پر کار بند ہونے کے سبب مسلمانوں کے بعض طبقات کو اس حکومت سے بلا وجہ رد و گدہ ہے۔ ویسے میرا یہ بھی دعویٰ نہیں کہ حکومت اپنے ہر فیصلہ اور اقدام میں درست ہے۔ لیکن بہر حال اس کے محاسن، معائب پر غالب ہیں اور اگر کسی کو کوئی خامی و خرابی نظر آتی ہو تو وہ خیر خواہی کا نام ہے۔ اس کو چاہیے کہ حکومت یا اس کے سفارت خانے سے رجوع کرے۔

مولانا وحید الدین خان:

مسلمانوں کے حوالے سے سعودی عرب کا کوئی مفتی کردار نہیں ہے اور اگر

مولانا محمد احمد مصباحی:۔ امت اندر اربعہ کو برحق مانتے ہوئے اپنے اپنے امام کی تقلید پر مطمئن تھی غیر مقلدیت کے وجود میں آتے ہی انتشار اور جنگ و جدال کا ماحول برپا ہو گیا۔ فوجداری، مقدمہ کورٹ، پکچری سب کی نوبت آئی اور سلسلہ اب بھی جاری ہے۔

مولانا عبدالوہاب خلیجی:

انصار الدین، امت کو یقیناً کتاب وسنت اور اعتصام بحبل اللہ کے پلیٹ فارم پر متحد کرنے کے آرزو مند ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی تعداد میں اضافہ فرمائے اور کوششوں کو بار آور کرے۔ جماعت اہل حدیث نے ہمیشہ امت کو انتشار سے بچانے اور شاہراہ قرآن وحدیث پر متحد کرنے کا فریضہ انجام دیا ہے۔ پہلے بھی امت کا اتحاد کتاب وسنت پر قائم تھا اور آج بھی اسی متحدہ پلیٹ فارم پر اتحاد قائم اور راسخ ہو سکتا ہے۔ کاش! لوگ غور و فکر سے کام لیتے۔

مولانا وحید الدین خان:

میرے نزدیک یہ ہے کہ اس کوشش کا عملی نتیجہ مفتی صورت میں نکلا ہے۔ اور اس کا سبب غلو ہے۔ جب بھی غلو کا طر یقہ اختیار کیا جائے گا ہمیشہ اس کا نتیجہ مفتی صورت میں برآمد ہوگا۔

مولانا عبدالحمید نعمانی:

خوشنما نام کے ساتھ سامنے آتی ہے۔ معتزلہ کی تحریک اصحاب العدل والتوحید کے نام سے اٹھی تھی۔ لیکن ظاہر ہے کہ وہ گمراہی تھی، قادیانیت کی تحریک کو دیکھیے وہ حفظ ختم نبوت کی تحریک، خدا کی نعمت کی تحریک بنا رہے ہیں، تو اس طرح کی جنسی تحریکیں ہوتی ہیں، کسی خوب صورت نام کے ساتھ ہی سامنے آتی ہیں اور یہ باطل کی کمزوری ہے کہ وہ کبھی بھی اپنی اصلیت کو واضح کر کے سامنے نہیں آسکتی۔ شیطان اپنی ہر شیطانی کو خوب صورت بنا کر پیش کرتا ہے، اس طرح کی تمام انحرافی تحریکوں کا یہی حال ہے، ان کا کتاب وسنت کی دعوت یا اتباع شریعت کے جذبے سے اصلاً کوئی تعلق نہیں ہوتا، آج بھی وہ لوگ جو اسلاف کے حقیقی معنی میں اتباع کرتے ہیں، صحابہ، تابعین، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین اور اولیاء اللہ کا احترام کرتے ہیں، ان کے اندر اتباع شریعت کا جذبہ ان سے بہت زیادہ ہوتا ہے جو صرف کتاب وسنت کے نام سے اپنا کام چلانا چاہتے ہیں، کون کتاب وسنت کی پیروی کو اولین اور بنیادی فریضہ نہیں سمجھتا؟ ہر ایک کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ وہ کتاب وسنت کے مطالبات

ہے تو مجھے اس کا علم نہیں۔

یا واجب ہے؟

مولانا محمد احمد مصباحی: - اجتہاد کی

اجازت اہلیت سے مشروط ہے اور وہ صدیوں سے مفقود ہے مگر ائمہ نے جامع اصولوں کی روشنی میں فروع کا جو ذخیرہ ہمیں دیا ہے، اس میں پیدا ہونے والے اکثر مسائل کا حل یقیناً مل جاتا ہے اور کچھ کے لیے نظر و فکر اور الحاق کی ضرورت پیش آتی ہے، یہ کام انفرادی و اجتماعی طور پر ہر دور میں ہوتا آیا ہے اور آج بھی جاری ہے۔ اسی لیے مقلدین کے یہاں ہر نئے مسئلے کا حل مل جاتا ہے اور غیر مقلدین کے یہاں بے شمار پرانے مسائل بھی تشنہ ہیں۔

مولانا عبدالوہاب خلیجی: - اجتہاد کا دروازہ کس

نے اور کب بند کیا کہ آج ان کے کھولنے کی ضرورت پیش آئی؟ مسائل لامتناہی ہیں اور شرعی اصول کے اندر ان کے حل کی پوری صلاحیت موجود ہے اور ماشاء اللہ متعدد مسائل کے اندر امت کی رہنمائی کرنے والے علماء راتین سے بھی یہ دنیا خالی نہیں ہے۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ قیاس و اجتہاد کے اصول کو نظر انداز نہ کیا جائے اور اس بحر کی شناوری وہی لوگ کریں جو اس کے اہل ہیں..... مع..... ہر مدتی کے واسطے دارور سن کہاں

مولانا وحید الدین خان: - کچھ علماء کا یہ کہنا ہے کہ

فقہائے اربعہ کے بعد کے زمانہ میں اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔ اس رائے کی واحد بنیاد یہ ہے کہ ان کے نزدیک بعد کے زمانے میں علم کا رسوخ کم ہو گیا۔ یہ سب اس ضمن میں بلاشبہ اصل ہے۔ کیوں کہ حدیث میں واضح طور پر موجود ہے کہ اجتہاد ہی خطا پر بھی آدمی کو ایک ثواب ملتا ہے۔ میرے نزدیک اجتہاد کا دروازہ نہ کبھی بند ہوا ہے اور نہ کبھی بند ہو سکتا ہے۔ میں صرف یہ کہہ سکتا ہوں کہ اجتہاد ایک عبادت ہے اور عبادت کبھی بند نہیں ہوتی، اس سلسلے میں جو اصل بات ہے، وہ یہ ہے کہ اگر عالم کی نیت درست ہے تو اس کو اپنے اجتہاد کا ثواب ملے گا اور اگر اس کی نیت درست نہیں ہے تو اس کو اس کا ثواب نہیں ملے گا۔

عصر حاضر میں اجتہاد کی ایک لازمی ضرورت یہ ہے کہ عالم علم شریعت کے ساتھ علم زمانہ سے بھی بخوبی طور پر آگاہ ہو۔ مثال کے طور پر وہ عربی زبان کے علاوہ انگریزی زبان کی اچھی استعداد رکھتا ہو تاکہ اس کی پہنچ جدید مصادر تک ہو سکے۔ اس دو طرفہ علم کے بغیر کوئی شخص موجودہ

مولانا عبدالحمید نعمانی: - دیکھیے! ہم لوگوں نے جو

سمجھا ہے، جو سمجھا ہے اور رابطہ ہونے کے بعد جب بات چیت ہوئی ہے تو اس کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ سعودی حکومت اور وہاں کے ذمہ داران کا غیر مقلدیت سے کوئی لینا دینا نہیں ہے، چاہے محمد بن عبدالوہاب ہوں چاہے آج کے دوسرے ذمہ داران ہوں، آل شیخ وغیرہ۔ ان کا تحریری بیان موجود ہے کہ ہم ائمہ اربعہ کی توہین کے خلاف ہیں، ہم چاروں ائمہ کا احترام کرتے ہیں اور ہم لوگ حنبلی ہیں اور ہمارا حیدہ وہی ہے جو ہمارے اسلاف کا رہا ہے۔ لیکن یہ لوگ جو ہندوستان میں اہل حدیث اور غیر مقلد کے نام سے جانے جاتے ہیں، یہ اپنے آپ کو وہاں کی سلفیت سے جوڑ کر ایک طرح کی غلط فہمی اور مغالطہ پیدا کرتے چاہتے ہیں، ورنہ سعودی حکومت کا وہاں بالکل ایسا کردار نہیں ہے کہ وہ غیر مقلدیت کو اہمیت دے۔ جب جمعیت العلماء نے تحفظ سنت و طہر میں یہ سوال اٹھایا تھا تو وہاں کے ذمہ داروں نے باضابطہ کہا کہ اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ لیکن ہاں! کچھ لوگ وہاں اس طرح کے نظریات کے حامل ضرور ہیں، جو با اثر بھی ہیں۔

سعودی کے اندر چوں کہ دو طبقات ہیں، ایک حکومت کا طبقہ ہے اور دوسرا عام لوگ ہیں اور دوسرا مذہبی طبقہ ہے جسے آل شیخ کہا جاتا ہے۔ آل شیخ کے اندر کچھ لوگ ایسے ضرور رہے ہیں، جن کے اندر آزادی کا پہلو تھا۔ لیکن ان کو آپ برصغیر میں جو معروف معنی میں اہل حدیث قرار دے سکتے ہیں۔ لیکن وہاں پر جو حکومتی طبقہ ہے، ان کا جو مزاج ہے، اس سے اہل ایسے آزاد رویہ کی تائید نہیں ہوتی ہے۔ حکومتی افراد تقریباً سب مسلک حنبلی ہیں۔ اس لیے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ حکومت کی وجہ سے یہ مقلدیت کو فروغ ہو رہا ہے۔ ہاں! لیکن یہ جو میں نے کہا کہ یہ تحیڑن پیدا کرتے ہیں، تو یہ اپنے اس حربے سے کہ وہاں پر اپنے کو اہل حدیث میں پیش کرتے ہیں اور یہاں پر یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ سعودی میں ہمارے ہی نظریات کے لوگ ہیں۔ اس حربے سے ان کو فائدہ حاصل ہوتا ہے اور یہ اپنا فروغ کرتے ہیں۔

سوال (۱۵): - کیا اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا ہے؟ اگر ہاں! تو

ہاں! اگر نہیں تو عصر حاضر میں تحقیق و اجتہاد کی کون سی صورت ممکن

زمانہ میں کامیاب مجتہد نہیں بن سکتا۔

مولانا وحید الدین خان :- ماہنامہ جام نور میر۔

پاس آتا ہے، میں اس کو ایک اچھا رسالہ سمجھتا ہوں، میں یہی کہہ سکتا ہوں کہ میری دعا ہے کہ ماہنامہ جام نور ہمیشہ ترقی کرتا رہے۔ اور مسلمانوں کے لیے زیادہ سے زیادہ نفع کا باعث بنے۔

مولانا عبدالحمید نعمانی :- ہمارا پیغام یہی ہے کہ

کتاب وسنت سے ہماری وابستگی مضبوط سے مضبوط تر ہو اور جو صحابہ اکابر اور اولیاء اللہ اور بزرگان دین کا عمل ہے، جو توارث ہے، اس سے ہمارا رشتہ نہ ٹوٹنے پائے۔ اگر ہمارا رشتہ ان چیزوں سے چھوٹ جائے گا تو کتاب وسنت پر عمل کا دعویٰ مشکوک ہو جائے گا۔ آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہمارے جذبات کو صحابہ و تابعین، بزرگان دین و صالحین سے کرنے کی کوشش ہو رہی ہے۔ لیکن سچائی یہ ہے کہ جب تک ان لوگوں سے ہماری وابستگی، عقیدت مندی مستحکم نہیں ہوگی، عمل میں وہ جذبات صداقت نہیں آسکے گا۔

ہمارا بنیادی مقصد تو بلاشبہ کتاب وسنت پر عمل کرنا ہی ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم اپنے اسلاف کو اپنا باغی سمجھیں، ہاں! اگر کسی مسئلے میں کسی سے کوئی خطا سرزد ہوگئی ہو تو ہم انہیں معطون کرنے کے بجائے معذور سمجھیں گے۔ انہیں معطون کرنا قطعی طور پر غلط ہے۔ انہیں معذور سمجھتے ہوئے کتاب وسنت کا جو صحیح منشا ہے اور جس پر امت قائم رہی ہے اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں اور کوئی ایسا عمل نہ کریں کہ کتاب وسنت، اجماع امت اور اکابر کے توارث کے خلاف ہو اور کسی طرح اپنے اندر اسلاف سے غلط فہمی پیدا ہونے دیں۔ ہمنا ہوتا

جملہ برادران اہل سنت سے اپنے لیے، اپنے والدین اور ان کے والدین کے لیے دعائے مغفرت کی درخواست کرتے ہیں

حافظ وقاری مولانا امجد علی قادری مصباحی

شیخ الحدیث: دارالعلوم محبوب سبحانی امام احمد رضا چوک، کرا، ممبئی
پروپر اشتر

عزیزی جنرل اسٹور

جری مری، ممبئی (مہاراشٹر) 09324024579

مولانا عبدالحمید نعمانی :- اجتہاد کا دروازہ دور

رسالت سے کھلا ہوا ہے، یہ دروازہ آج بھی کھلا ہوا ہے اور قیامت تک مسائل میں اجتہاد ہوتا رہے گا۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے محققین نے یہی لکھا ہے۔ اگر اجتہاد کا دروازہ بند کر دیا جائے تو عصری مسائل جو پیش آتے ہیں، ان کا حل کیسے پیش کیا جاسکے گا۔ اصل مقصد مسائل کا حل ہے۔ خواہ یہ اجتماعی سطح پر ہو خواہ انفرادی سطح پر، آج اجتہاد کا عمل اجتماعی سطح پر بہتر انداز میں ہو رہا ہے۔ اجتہاد کا دروازہ بند نہیں ہوا ہے اور نہ بند کرنے کا کسی کو حق ہے، آج چوں کہ مسائل بہت زیادہ بڑھ گئے ہیں اور ہر مسئلے میں جدید و قدیم کو مد نظر رکھتے ہوئے بہت سے پہلو پیدا ہو گئے ہیں۔ پھر اجتہاد کے لیے جس طرح کی صلاحیت اہل علم میں چاہیے تھی تقریباً مفقود ہے، کوئی ایک آدمی ایسا نظر نہیں ہوتا جو خود نبی سارے مسائل کو حل کر دے، ایسی صورت میں اجتماعی اجتہاد بہت ہی بہتر اور قابل تعریف عمل ہے۔

سوال (۱۶) :- ماہنامہ جام نور اور اس کے قارئین کے لیے پیغام؟

مولانا محمد احمد مصباحی :- ”جام نور“ خوب

سے خوب تر، مفید سے مفید تر کی جستجو میں جا رہا ہے، اسی بنیاد پر قارئین بھی اس کے دل دادہ ہیں۔ دونوں کا سفر استقامت اور روز بروز ترقی کے ساتھ جاری رہے، یہی آرزو اور یہی پیغام۔

مولانا عبدالوہاب خلجی :- ماہنامہ جام نور کے

مدیران اور مقالہ نگاران سے یہی گزارش ہے کہ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کریں، اسلام کے اصل الاصول کتاب اللہ اور سنت مصطفیٰ ﷺ کی بالا دستی کے لیے اشیب قلم کو مبیز لگائیں اور بدعات و غرافات نیز جذبات و عواطف سے پرہیز کریں۔ اور قارئین گرام حق و صواب کی جستجو میں کوئی گمراہ نہ اٹھارہیں، اپنے آپ کو بدعتیہ عقیدگی اور عملی انحطاط سے محفوظ رکھیں، زور بیان و قلم اور علماء سوء کی لہن ترانیوں سے متاثر نہ ہوں بلکہ قرآن وسنت پر مبنی دلائل تلاش کریں اور انہیں کو حرز جاں بنائیں کیوں کہ معاملہ دین کا ہے اور الحمد للہ اللہ کا دین دلائل صحیحہ پر مبنی ہے۔ اللہ تعالیٰ حق کے کاموں پر ہم تمام لوگوں کا حامی و ناصر ہو۔ والصلوة والسلام علی خیر خلقہ محمد وعلی آلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین والحمد لله رب العالمین۔

تقلیدِ رحمت یا نہ رحمت؟

نوٹ:- ماہنامہ ”جام نور“ اپنے اس کالم میں عصر حاضر کے کسی بھی مسئلہ کے تحت ہندوستان کے نامور علمائے کرام و دانشوران قوم و ملت سے ان کی تحریری رائے لیتا ہے۔ موصول ہونے والی آراء خواہ وہ مثبت یا منفی پہلو پر ہوں، شائع کی جاتی ہیں تاکہ متعلقہ مسئلے کے دونوں پہلوؤں پر اب علم و تدبیر اور عام قارئین تک پہنچ سکیں اور متعلقہ مسئلہ پر علمائے کرام و دانشوران قوم کی تحقیقی و تجزیاتی رائے کی روشنی میں مسئلے کے صحیح نتائج پر آمد ہو سکے، علماء و دانشوران کی سہولت کے پیش نظر مندرجہ بالا سوال سے متعلق چند ذیلی نکات بھی دیے گئے تھے، تاکہ مندرجہ ذیل خطوط پر دلائل و حجتیں کے ساتھ وہ اپنا تحقیقی جواب دے سکیں۔ (ادارہ)

نکات

- (۱) تقلید کی حقیقت کیا ہے؟
- (۲) قرآن و سنت کے ہوتے ہوئے امر کی تقلید کی کیا ضرورت ہے؟
- (۳) کیا حضرات مفسرین و محدثین بھی مقلد تھے؟ اگر ہاں تو کیوں؟
- (۴) تقلید اتحاد امت کی ضامن ہے یا انتشار امت کی؟
- (۵) امت کو تقلید سے کیا فوائد ملے اور کیا نقصانات؟

ایک تیمیہ نے اہل تصوف کے خلاف بھی جنگ کی اور اہل تقلید کے خلاف بھی، ان کے تفردات سے پورے عالم اسلام میں بحث و مناظرہ اور جنگ و جدال کا آغاز ہو گیا۔ تو بتائیے از حمت کیا ہے؟ تقلید یا مخالفت تقلید؟

مفتی عبد المنان اعظمی

(۱) **تقلید** کی تعریف کی گئی ہے کہ تسلیم القول بلا دلیل۔ یہ عام انسان کا فطری تقاضا ہے کہ وہ عمل کے لئے کوئی اسوہ اور نمونہ چاہتا ہے۔ یہ عام مسلمانوں کی مجبوری ہے کہ وہ خود قرآن و حدیث سے احکام کو اخذ نہیں کر سکتے اس لئے اہل علم سے ہی پوچھ کر عمل کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا حکم بھی ہے، ارشاد باری ہے فاسئلوا اہل الذکر ان کنتم لا تعلمون (اگر تم خود نہیں جانتے تو جاننے والوں سے پوچھو۔) اور تاریخ کا مشاہدہ ہے کہ عام اہل اسلام عہد رسالت سے ہی اسی روش پر قائم رہے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی جو ہندوستان کے عظیم ترین کے مستند ہیں اپنی کتاب حجتہ اللہ البالغہ میں تحریر فرماتے ہیں وہ شخص جو صرف نبی کے فرمان پر چلتا ہے اور جس کو اللہ و رسول نے حلال کیا ہے حلال سمجھتا ہے۔ البتہ جب اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا علم نہ ہو، نہ ہی وہ مختلف حدیثوں کے جمع کرنے کا طریقہ جانتا ہے اور نہ حدیث سے استنباط کر سکتا ہے، اس وقت کسی عالم رشید کا اتباع کرے اور یہ گمان کرے کہ یہ اپنے قول میں سچا ہے اور سنت رسول کے ماتحت فتویٰ دیتا ہے اور اگر وہ اس کے خلاف کرے تو وہ فوراً اس سے علیحدہ ہو جاتا ہے۔

اس اتباع کا کون انکار کر سکتا ہے جب کہ واقعہ یہ ہے کہ عہد رسالت سے ہی مسلمانوں میں فتویٰ پوچھنے اور فتویٰ دینے کا رواج چلا آ رہا ہے۔ فقہی شخص ایک (آدمی) سے ہی ہمیشہ مسائل پوچھتے یا کبھی دوسرے سے بھی پوچھ لے اس میں کچھ فرق نہیں۔ (حجتہ جلد ۱ ص: ۳۷)

و مزید فرماتے ہیں ایک شبہ یہ ہے کہ چاروں مذاہب فقہی جو مدون ہو چکے ہیں اور احاطہ تحریر میں آچکے ہیں، اس پر امت کا اجماع

ہو چکا ہے یا معتد بہ لوگوں کا اجماع ہو چکا ہے کہ ان کی تقلید جائز ہے اور اس میں بہت سی مصلحتیں بھی ہیں جو مخفی نہیں، خصوصاً اس زمانے میں تقلید ضروری اور درست ہے کہ جس میں لوگوں کی بہتیں پست ہو گئی ہیں اور خواہشات نفسانی کا غلبہ ہو گیا ہے اور ہر آدمی اپنی رائے پر تازہ کرنے کا ہے۔ (حجتہ، جلد ۱، ص: ۳۷۲)

ائمہ اربعہ کے مقلدین جو آج موجود ہیں حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے ان کی تقلید کا صحیح نقشہ اپنی تحریر میں بیان کیا اور اس کی تصحیح و تائید فرمائی ہے۔ اس قسم کی تقلید کی حرمت کا قول ابن حزم ظاہری نے کیا ہے جو اہل سنت و جماعت کے طبقے سے خارج ہے۔ بلکہ ہمارا کہنا تو یہ ہے کہ آج کل کے غیر مقلدین حضرات بھی اس قسم کی تقلید کرنے پر مجبور ہیں۔ البتہ یہ اپنے اپنے ذوق اور مقدر کی بات ہے کہ ہم کو امام اعظم کی تقلید راس آبی اور ان کو نواب صدیق حسن خاں اور ثناء اللہ صاحب امر تیسری اور محمد جونا گڑھی کی تقلید پسند ہو گئی افسوس از کئے کسستی وہ کہنے پیوستی: تو ہی ناداں چند لکھوں پر قناعت کر گیا۔ ورنہ گلشن میں علاج تنگی داماں بھی تھا

(۲) تمام گمراہوں کی گمراہیوں اور بد دینیوں کا نقطہ آغاز یہی نقطہ نظر ہے۔

(الف) غیر مقلد حضرات یہی کہتے ہیں کہ قرآن وحدیث کی موجودگی میں تقلید اور پیروی کی کیا ضرورت ہے یہ پہلی سیڑھی ہوئی۔

(ب) اہل قرآن کہتے ہیں کہ حدیث کی تدوین حضور ﷺ کے سو سال بعد ہوئی، معلوم نہیں کہ کیا غلط سے کیا صحیح؟ ہمارے لئے کتاب اللہ کافی ہے، حدیث کی ہم کو حاجت نہیں، بلکہ بعض دریدہ و بن کو یہ بھی کہتے سنا کہ رسول اللہ ﷺ کی بھی ہم کو ضرورت نہیں، انھوں نے کلام الہی ہم تک پہنچا دیا ان کا کام پورا ہو گیا اور اب قرآن سمجھنا اور عمل کرنا ہمارا کام ہے۔

(ج) یورپ کے دہریے کہتے ہیں ہماری عقل اور ہمارا علم ہمارے لیے کافی ہے، ہم کو دنیا چلانے کے لئے خدا کی ضرورت ہے نہ اس کے احکام کی، یہ تیسری اور آخری منزل ہے۔ تو کیا مسلمانوں کو بھی اجتہاد اور آزادی رائے کے درجہ بدرجہ بلند ہوتے ہوئے زینوں کی آخری منزل تک پہنچنا چاہیے؟ اور مادر پدر آزادی کے بعد تن بدن اور دین و ایمان سے آزادی بھی مسلمان کا مقدر تو نہیں..... مع

چیت یاران طریقت بعد ازیں تدبیر ما؟

یہ سوال جو آپ نے کیا ہے ہندوستان میں سب سے پہلے مولوی اسماعیل صاحب دہلوی نے آواز اٹھائی تھی، انھوں نے اپنی کتاب تقویۃ الایمان صفحہ ۳ پر لکھا: ”عوام الناس میں مشہور ہے کہ اللہ و رسول کا کلام سمجھنا سخت مشکل ہے، اس کی سمجھ کو بڑا علم چاہیے، ہم کو یہ سمجھ کہاں کہ ان کا کلام سمجھیں اور اس پر چلتا پڑے بزرگوں کا کام ہے ہم کو یہ طاقت کہاں کہ اس کے موافق چلیں، ہم کو تو یہی باتیں کفایت کرتی ہیں، سو یہ بات غلط ہے، اس واسطے کہ اللہ صاحب نے فرمایا ہے کہ قرآن مجید میں باتیں بہت صاف اور صریح ہیں، ان کا سمجھنا کچھ مشکل نہیں۔ اور اللہ رسول کے کلام کو سمجھنے کے لئے بہت علم نہیں چاہیے کہ پیغمبر تو نادانوں کو راہ بتانے اور جاہلوں کو سمجھانے اور بے علم کو علم سکھانے آئے تھے۔

حالانکہ جب میرا دل میں یہ بات واضح ہو گئی کہ قرآن وحدیث سے براہ راست سمجھنا اور تخریج جزئیات مسائل، مجتہدین کا منصب ہے، اور جو لوگ اس کی استعداد نہیں رکھتے ان کا فرض تو مجتہدین سے پوچھ پوچھ کر عمل کرنا ہے تو پھر اس سوال کی کیا گنجائش کہ قرآن وحدیث کے ہوتے ہوئے ائمہ تقلید کی کیا ضرورت؟۔

استعداد استنباط اور تخریج مسائل کا شعور نہ رکھنے والوں کا براہ راست قرآن سے استخراج و استنباط اور اخذ مسائل تو زہر ہلاہل ہے، ارشاد رسول ﷺ: ”من قال فی القرآن براءۃ فلیتوا مقعده فی النار۔ من قال فی القرآن براءۃ فان اصاب فقد اخطا“ جس نے قرآن میں اپنی رائے سے کچھ کہا اس نے اپنا گھکانہ جہنم میں بنالیا۔ جس نے قرآن میں اپنی رائے سے کچھ کہا اتفاقاً اگر وہ صحیح بھی ہو تو غلطی پر ہے۔ (مشکوٰۃ شریف، ص: ۳۵)

قہر ہے تصویر سی غفلت بھی طریق عشق میں آنکھ چمکی قیس کی اور سامنے محمل نہ تھا

عن عمر ابن الخطاب قال سمعت رسول اللہ ﷺ قال سألت عن ربی عن اختلاف اصحابی من بعدی فاوحی الی

محمد ان اصحابک عندی بمنزلة النجوم فی السماء بعضها اقوی من بعض و لكل نور فمن اخذ شینا مما هم علیہ حلا فہم فہو عندی علی الہدی۔

”میں نے حضور ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے رب تبارک و تعالیٰ سے اپنے بعد اپنے صحابہ کے اختلاف کے بارے میں پوچھا تو رب نے فرمایا اے محمد ﷺ آپ کے صحابہ میرے نزدیک آسمان کے ستاروں کی طرح ہیں۔ بعض بعض سے نورانیت میں کم و بیش ہیں پر سب نورانی تو ہیں ان کے اختلافات میں جس کی بھی اقتدا کرے میرے نزدیک ہدایت پر ہے۔“ (مشکوٰۃ شریف، ص: ۵۵۴)

بیان اللہ! قرآن موجود ہے، حدیث موجود ہے، و خواص قرآن ﷺ نے پردہ فرمایا ہے، اور آسان ہدایت کے ثواب و سیارے صحابہ ہیں تو ربانی ہدایت ہوتی ہے یا ہم اقتدیم اقتدیم اور آپ پوچھتے ہیں کہ کسی تقلید کی کیا ضرورت؟ گویا ہم تو ہیں ہی۔ اب میں آپ کو شیخ جو پوری مرحوم نے کیا خوب فرمایا۔

خیث رو جس اندھیرے جھل میں سرخ شعلوں سے کھلتی ہیں چلا ہے بھٹکا ہوا مسافر کہ اس طرف روشنی ملے گی

لما اشکوا بنی و حزنی الی اللہ

(۳) ایک روایت سنئے! امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ امام حدیث سلیمان اعمش کے پاس تھے، ان سے کسی نے چند مسئلے پوچھے، انھوں نے امام سے کہا، ان مسائل کا آپ کے پاس کیا جواب ہے؟ آپ نے تمام مسئلوں کا جواب دے دیا، امام اعمش نے پھر پوچھا کہ کہاں سے آپ نے جواب دیا؟ آپ نے انہیں حدیثوں کو پڑھا جو اس سے پہلے امام اعمش سے سن چکے تھے کہ فلاں حدیث سے فلاں مسئلہ اخذ کیا اور فلاں سے۔ حضرت اعمش بے اختیار بول اٹھے: کففاک ما حدثتنی فی مائتہ یوم حدثتنی فی ساعة ایھا الفقہاء انتم الاطباء و نحن السائلہ۔ بس بس ابوحنیفہ جتنی حدیثیں میں نے تم سے سو دن میں بیان کی تھیں تم نے ان سب کو ایک گھنٹہ میں سنا دیا۔ اے فقیہو! تم طیب ہو محمد بن عطار ہیں۔

اس سے آپ کو فقہاء و محدثین و مفسرین کا فرق واضح ہو گیا ہوگا، مجتہدین کو حدیث کی مہارت اور تفسیر کی معرفت کے ساتھ ساتھ استنباط و قیاس و تائیس بھی ماہر ہونا چاہیے، مفسرین و محدثین کو اس کی ضرورت نہیں۔

مفسرین و محدثین کی حالت کا اس بات سے اندازہ لگائیے کہ قرآن عظیم میں طلاق کی عدت کا بیان ان الفاظ میں ہوا و المطلقت یتربصن ۳۰ یوم ثلاثہ قروء جن عورتوں کو طلاق دی گئیں وہ اپنی عدت تین قروء تک گزاریں۔

تحت میں قرء کا معنی حیض بھی ہے اور طہر بھی، امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے اس آیت میں قرء کے معنی حیض قرار دے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے معنی طہر مقرر کیے، مفسرین چاہے حنفی ہوں یا شافعی، انھوں نے اس سلسلے میں کوئی تحقیق نہیں پیش کی۔ شافعی مفسر نے امام شافعی کا قول طہر حنفی مفسر نے اپنے امام کا مذہب حیض لکھ دیا، وجہ یہی ہے کہ ان کے پاس ملکہ اجتہاد نہیں تھا، اور ان مذاہب کے پھیلنے کے لئے کسی قسم کی سخت اور پروپیگنڈہ کی ضرورت نہیں ہوئی، مفسرین نے اور محدثین نے اپنی پسند اور ذاتی ترجیح پر ان مذاہب کو اختیار کیا، امام عبداللہ ابن مبارک مؤرخین فی الحدیث کہتے جاتے ہیں حضرت امام اعظم کے مقلد تھے اور انہی کے موافق فتویٰ دیتے تھے، آپ کی مدح میں فرماتے ہیں:

لقد زان البلاد و من علیہا اصام المسلمین ابوحنیفہ

بأحكام و آثار و فقہ کآیات الزبور علی الصحیفہ

فما فی المشرقین لہ نظیر ولا فی المغربین ولا بکوفہ

ترجمہ: شہر اور اس کے بسنے والوں کو زینت دی مسلمانوں کے امام ابوحنیفہ نے، احکام اور آثار اور فقہ سے، جیسے کہ زبور کی آیتیں کتاب کے مشرقین میں ان کا کوئی ہمسر نہیں، نہ مغربین میں نہ کوفہ میں۔

حضرت مسر ابن کلام جو مشہور عارف باللہ ہیں فرماتے ہیں:

حسبی من الخیرات ما اعددتہ. یوم القیامۃ فی رضا الرحمن
دین النبی محمد خیر الوری. ثم اعتقادی بملذہب النعمان

ترجمہ: جن نیکیوں کو میں نے جمع کیا ہے قیامت کے دن خدا کی رضا کے لئے وہ مجھے کافی ہیں، محمد خیر الوری ﷺ کا دین اور اس کے بعد ابوحنیفہ کے مذہب کا اعتقاد۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی شہادت سنئے: اصحاب تخریج جو تھے وہ تخریج کرتے اور اجتہاد فی المذہب کرتے اور یہ حضرات ان میں کسی ایک کے مذہب کی طرف منسوب ہوتے۔ چنانچہ کہا جاتا فلاں شافعی ہیں اور فلاں حنفی۔ اور گاہے ایک محدث بھی کسی ایک مذہب کی منسوب ہوتا، اس لیے کہ وہ کثیر مسائل میں اس کی موافقت کرتا مثلاً امام نسائی اور بیہقی کو شافعی کی طرف منسوب کیا جاتا اور میں کہتا ہوں کہ امام رضی اللہ عنہ جو امام حنفی کا شاگرد شافعی کے بھانجے تھے، امام صاحب کی طرف نسبت کر کے حنفی کہتے ہیں، اسی طرح سے مفسرین میں قاضی بیہقی اور خازن وغیرہ شافعی کہے جاتے ہیں اور امام نسائی اور بیہقی حنفی، اس لیے میں کہتا ہوں کہ یہ مستند اب کسی سوال و جواب کے لئے باقی نہیں رہے تو اسلام کی ایک محقق تاریخ ہے کہ محدثین اور مفسرین اپنے موضوع میں ماہر ہونے کے بعد بھی امام کی تقلید کرتے تھے۔

(۴) تقلید اور اجتہاد کو اتحاد اور افتراق سے بالذات کوئی علاقہ نہیں، اس کے اسباب و عوامل ہی کچھ دوسرے ہوتے ہیں۔ دیکھیے شاہ ولی صاحب کی تحقیق میں چوتھی صدی ہجری تک امت میں تقلید کا رواج نہیں تھا، آپ تحریر فرماتے ہیں: واضح رہے کہ چوتھی صدی ہجری کے پہلے تک ایک خاص مذہب اور ایک خاص مذہب کی تقلید پر لوگوں کا اجماع نہیں تھا۔ قوت القلوب ابو طالب کی فرماتے ہیں کہ کتب اور مجموعے بعد کی پیداوار ہیں، لوگوں کے اقوال پر حکم دینا اور لوگوں میں سے کسی ایک کے مذہب پر فتویٰ دینا قول کا پابند ہونا، اور ہر چیز میں اُسے ہی نقل کرنا اور ایک مذہب پر تحقیق و تفقہ کرنا قدیم لوگوں یعنی قرن اول اور قرن ثانی میں نہیں تھا۔ میں کہتا ہوں قرن اول اور قرن ثانی کے بعد کچھ تخریجات شروع ہوئیں۔ مگر چوتھی صدی کے لوگ ایک مذہب کی تقلید خالص اور اس کی تحقیق و تفقہ پر مشفق نہیں ہوئے تھے، جیسا کہ تتبع سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

جی چاہے صاحب قوت القلوب کی وضاحت کے موافق دو صدی کی مقدار مقرر کریں چاہے شاہ ولی اللہ صاحب کے تتبع کے موافق چارہ ہجری تک طول دیں، اس زمانے میں قابل اعتراض تقلید کا وجود ہی نہیں تھا، براہ راست قرآن و حدیث سے ہی اکتساب فیض ہوتا تھا، تو ہونا چاہیے تھا کہ اس دوران میں کسی قسم کا افتراق نہ ہو لیکن اگر آپ دو ہجری تک ہی اس کی مدت مانتیں تب بھی مندرجہ ذیل عالم آشوب، ہنگام طوفان انگیز، خون ریز، عرصہ رستائیں قائم ہوئے اور گروپ اور گروہ وجود میں آئے جس میں طرفین مسلمان ہی تھے۔

(۱) فتویٰ شہادت عثمان رضی اللہ عنہ (۲) جنگ جمل و جنگ صفین (۳) مقابلہ نہروان (۴) عالم آشوب کر بلا (۵) بنو امیہ و بنو عباس جنگیں، پورا عالم اسلام وقفہ وقفہ سے فتنہ و فساد کی چکی میں پستار ہا، تقلید تو اس وقت تک شائع و ذائع ہی نہیں ہوئی تھی کہ اس کو ان خونریزیوں اور سازبازوں کی علت قرار دی جائے، تو کہیں ہر کس و نا کس کے قرآن و حدیث سے براہ راست ہدایت طلبی کے آثار نے اسلام اور مسلمانوں کو توبت تک تو نہیں پہنچایا، اگر آپ چاہیں تو اس براہ راست ہدایت طلبی کی دو ایک مثالیں پیش کروں:

”میدان کر بلا میں امام حسین رضی اللہ عنہ کے خلاف صف آرا ہونے کا استدلال اس حدیث سے تھا اذا بویع لخلیقین فاقتلوا الا من جب و خلیفوں کے لئے بیعت کر لی جائے تو آخری والے کو قتل کر دو“۔ (مشکوٰۃ شریف، ص: ۳۲۰)

اور نہروان کے خارجی حضرت مولیٰ المسلمین علی کرم اللہ وجہہ کو قرآن کی اس آیت کی بنیاد پر کافر کہتے اور ان کے ساتھ جہاد جائز قرار دے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان السحکم الا للہ حکم تو خدا ہی کے لئے ہے اور مولیٰ نے انسانوں کو اپنے معاملہ کا حکم بنایا۔ پس فرمائیے کہ یہ افتراق حق تو نتیجہ ہے نہیں، کہیں براہ راست ہر خاص و عام کے قرآن سے ہدایت کا ضیاء نہ تو نہیں؟

یہ کیسا امتحان جذب دل الہا نکل آیا ہم الزام ان کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

ان کے بعد تقلید کا دور آیا اور تمام عالم اسلام میں ائمہ کی تقلید کرنے والے ہی رہ گئے۔ حجاز، یمن، مصر، شام، عراق، حلب، عرب و عجم میں امام کے مقلدین کی کثرت ہوئی۔ مغربی ممالک مراکش، اندلس میں امام مالک کے مقلدین کی کثرت ہوئی اور روم، ہند، ماواراء النہر اور افغان وغیرہ میں عجم کے مقلدین کی کثرت ہوئی۔

کہا جاتا ہے کہ ان مختلف مذاہب میں یا اہم بحث و مناظرہ، حجت و تکرار اور تقریر و تحریر میں ایک دوسرے کے خلاف زور آزمائی ہوئی رہی مگر وجود دنیا کے سامنے ہے یہ ہے کہ ساتویں صدی ہجری میں ابن تیمیہ حرامی ظہور پذیر ہوئے اور انھوں نے تقلید کو شرک قرار دیا اور نہاد، غیر اللہ کو تعبد کی پوجا بتایا۔ اہل تصوف کے خلاف ان کے زاویوں اور خانقاہوں میں جا کر جہاد بالسیف بھی کیا اور مختلف مسائل فرعیہ میں ان کے تفردات۔ عالم اسلام میں ایک پھیل چل گئی۔ تو بادشاہ وقت نے مناظرہ کی مجلسیں مقرر کیں، صورتحال یہ ہوئی کہ سارے مقلدین کا ایک کامن پلیٹ اور تھاب ابن تیمیہ صاحب ان کی مخالفت میں صف آرا رہے۔

ایک مناظرہ کا حال سنئے جس کو مناظر حسن گیلانی نے اپنی کتاب ”نظام تعلیم و تربیت“ میں بیان کیا مقلدین کی طرف سے حضرت شیخ سراج بن عمر مقرر ہوئے اور شیخ ابن تیمیہ سے کلام شروع ہوا، آخر میں شیخ ابن تیمیہ کی یہ حالت ہوئی کہ شیخ سراج ہندی کو کہنا پڑا ایسا ابن تیمیہ کا کالعصفور اذا اودت عن آخذک توتد من غصن الہی غصن آخ، اے ابن تیمیہ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم پھدکے والے ہو گئے ہو جب میں ایک ڈال پر پکڑنا چاہتا ہوں تو تم دوسری ڈال پر پھدک جاتے ہو، آخر کار بادشاہ نے جس کے دربار میں مناظرہ ہوا تھا اس شخص میں نظر بند کر دیا اور فتویٰ دینے سے روک دیا، بار بار ایسے ہی ہوا، آپ کی تحریک اپنی تقلید کا کام ہو گئی اور آپ نامراد و زندگی گزار کر قید کی مثال کر گئے۔

یہ مجھے بتایا جائے تقلید کی برکت سے سارے مذاہب اربعہ کے مقلدین تو ایک موقف پر قائم ہوئے، تو فساد کی کون ہوا؟ پورا عالم اسلام یا ان سب کے تعلق ہو کر ایک نیا محاذ قائم کرنے والا؟ یہ تقلید ہی کی برکت تھی کہ تمام بحث و مباحثہ اور اختلاف و تکرار کے باوجود تمام مقلدین نے خالص حرم کعبہ پر پے پے مصطفیٰ پچھائے اور اپنے طور پر نمازیں پڑھیں اور دنیا کو ایک شعور دیتے رہے کہ مسلمان ظاہری اختلاف کے باوجود ایک قوم اور ایک گروہ ہیں۔ ابن تیمیہ نے اپنی تحریک تو مسل اور استبداد وغیرہ اللہ کے خلاف بھی جاری رکھی تھی، اس پر جامع ازہر کے شیخ جاد الحق نے ایک تبصرہ فرمایا:

ان كان المراد بسبب ذاته او بسبب منزلته من الله و جاهد عنده. فهذا هو الذي استندم الخلاف حوله بين علماء فقريتي بنكره لان مجرداً لجاه لا يعطى شفاعته و على رأس هذا الفريق ابن تيمية و قد الف في ذلك رسالة فيها ان يرد ما جاء عن الصحابة في جوازہ اما بالظعن في السند بالضعف او الوقف على الصحابة او على من بعده و فعله حجة و اما بالتاويل. (بيان للناس، ص: ۸۲)

ترجمہ اگر مراد یہ ہے کہ رسول اللہ کی ذات اور ان کے مرتبے اور ان کی قدر کی وجہ سے جو خدا کے نزدیک ہے شفاعت ہو سکتی ہے کہ نہیں تو یہ مسئلہ وہ جس کے گرد علماء کا اختلاف ہے۔ ایک فریق اس کا انکار کرتا ہے کیوں کہ اس کے نزدیک صرف مرتبہ شفاعت کا سبب نہیں اور اس جماعت کے علماء ابن تیمیہ کھڑے، اس نے اس موضوع پر ایک کتاب لکھی جس میں اس بات کا رد کرنا چاہا جو صحابہ کرام سے اس کے جواز میں منقول ہے تو یہ شخص کا اعتراض کیا، کسی کو صحابہ پر موقوف کیا یا الہی ذات پر موقوف مانا جس کا قول و فعل حجت نہیں یا اس میں کوئی تاویل کی۔

امیری گزارش ہے کہ جب مہر رسالت سے ہی فتویٰ پوچھنے والوں اور بتانے والوں دونوں ہی طبقہ کے لوگوں کا وجود رہا، اور یہ تسلسل پیہم بات صدیوں کے بعد کسی ایک فرد کو کیسے یہ حق حاصل ہو سکتا ہے کہ فتویٰ پوچھ کر عمل کرنے والوں کو شرک قرار دے۔

صحابہ کرام سے شفاعت بالوجاہت کا جواز ثابت، اور اسی پر سات صدیوں تک امت اجابت مضبوطی سے قائم رہی تو جناب ابن تیمیہ کو یہ حال کے بعد کیسے یہ حق مل گیا کہ لطائف ائیل سے ان روایتوں کا انکار کریں۔

”علماء کی ذمہ داری ہے کہ ہر مسئلہ کو قرآن و حدیث کے معیار پر پرکھیں، اگر کسی امام یا جید عالم دین کا قول بھی قرآن و سنت سے متصادم ہو تو اس کو چھوڑ دیں اور اسی حکم پر عمل کریں جو قرآن و سنت کے عین موافق ہو“

مولانا ظفر الرحمن قیسی

تقلید کی حقیقت کو جاننے کے لیے اس کی لغوی و اصطلاحی تعریف اور تاریخی تناظر میں اس کے فروغ اور رائج ہونے کے تعلق کو جاننا ضروری ہے۔
تقلید کے لغوی معنی: لغت میں تقلید کا معنی گنے میں کسی چیز کا الٹا کرنا ہے۔ لیکن جب اس کا صلا لفظ دین کے ساتھ آئے یا دین کے مفہوم میں تو اس وقت اس کا معنی کسی بات کو بغیر دلیل اور غور و فکر کے قبول کرنا ہے۔ صاحب المنجد نے لکھا ہے: ”قلده فی کذا ای تبعه من غیر تأمل نظر“ (المنجد عربی، ص: ۱۵۹) یعنی تقلید ایسی پیروی کا نام ہے جو غور و غوض سے خالی ہو۔
اصطلاحی تعریف: علامہ حسین احمد انصاری نے تقلید کی تعریف یوں کی ہے: ”دلیل کے بغیر کسی قول کو تسلیم کیا جائے اور دوسرے مسلک کو اس کی دلیل معلوم کیے بغیر اختیار کیا جائے۔“ (فتا اسلام ص: ۵۰۷)

علامہ حسن شرنبلالی حقیقت تقلید کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: العمل بقول من ليس قوله احدى الحجج الا الشرعية بلا حجة فليس الرجوع الى النبي صلى الله عليه وسلم والاجماع من التقليد لأن كلا منهما، حجة شرعية لا حجة الحجاج الشرعية وعلی هذا اقتصد الكمال فی تحريره وقال ابن امير الحاج وعلی هذا عمل العامی بقول المتأخر وعمل القاضی بقول العدول لأن كلا منهما وان لم يكن احدى الحجج فليس العمل به بلا حجة شرعية لا جواب الاخذ العامی بقول المفتی وأخذ القاضی بقول العدول (جمع الجوامع ص: ۲۵۱)

یعنی تقلید کا اصل ایسے شخص کی بات پر عمل کرنا ہے جس کا قول چاروں شرعی حجتوں (کتاب و سنت، اجتہاد اور قیاس) پر مبنی نہ ہو۔ رسول اللہ صلی علیہ وسلم اور اجماع کی طرف رجوع کرنا تقلید نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ دونوں حجت شرعیہ میں سے ہیں۔ علامہ کمال نے اپنی کتاب ”تحریر“ میں اور ابن الحاج نے فرمایا کہ جاہل کا مفتی کے قول اور قاضی کا فتوہ کے قول پر عمل کرنا تقلید نہیں، کیوں کہ اگر یہ شرعی حجت میں سے نہ ہو تو اس پر عمل کرنا درست نہیں معلوم یہ ہوا کہ اگر ہم قرآن و حدیث کے مطابق زندگی گزاریں یا کوئی ایسا مسئلہ درپیش آگیا، جس کے متعلق قرآن و حدیث میں کوئی نص موجود نہیں ہے اور ہم اس سلسلے میں قرآن و حدیث کی روشنی میں اجتہاد و قیاس کریں تو یہ اتباع ہے، تقلید نہیں۔ یہی شریعت اسلامی میں ہم سے مطلوب ہے۔ جبکہ تقلید یہ ہے کہ ہم کسی ایک امام کے اقوال و آراء کے مابین اپنے آپ کو محدود کر لیں، انہوں نے شریعت کو جس انداز سے سمجھا ہم بھی من و عن اسی طرح سمجھیں۔ ان کے اقوال و افعال کو قرآن و سنت کے مطابق ثابت کرنے کے لیے ہر طرح کی کوشش کی جائے گرچہ باطل و ایلات کا ہی سہارا کیوں نہ لینا پڑے، حالانکہ تمام ائمہ کرام اور سلف صالحین نے ایسی تقلید سے سختی کے ساتھ منع کیا ہے۔ امام اعظم حضرت ابوحنیفہ سے کسی شاگرد نے پوچھا کہ اگر آپ کا فتویٰ کتاب اللہ یا سنت رسول کے خلاف ہو تو کیا کرنا چاہیے؟ تو آپ نے جواب فرمایا:

اذا قلت قولاً و کتاب اللہ یخالفہ قال اتر کو اقولی لکتاب اللہ فقیل اذا کان خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخالفہ قال اتر کو اقولی لخبیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقیل اذا کان قول الصحابة یخالفہ قال اتر کو اقولی لقول الصحابة (المختصر المبول ص: ۳۸)

یعنی جب میرا قول کتاب اللہ، سنت رسول یا قول صحابہ کے خلاف ہو تو میرے فتوے کو چھوڑ دو اور کتاب و سنت اور قول صحابہ پر عمل کرو۔ اسی طرح حضرت امام مالک نے منقول ہے، وہ فرماتے ہیں:

انما انا بشر اخطی واصيب فانظر وافی قولی فكل ما وافق الكتاب و السنة فخذ وابه و ما لا یوافق الكتاب و السنة فاتركه (اعلام الموقعین ص: ۶۳) یعنی میں بشر ہوں، مجھ سے غلطی اور درستی دونوں کا احتمال ہے، میری ہر ایک بات کی تحقیق کیا کرو۔

کتاب وسنت کے موافق ہو اس پر عمل کر لیا کرو اور جو مخالف ہو اس کو رد کر دیا کرو۔

گویا ہماری امت کے علماء کی ذمہ داری ہے کہ ہر مسئلہ کو قرآن وحدیث کے معیار پر پرکھیں۔ اگر کسی امام یا جید عالم دین کا قول بھی قرآن وسنت سے متصادم ہو تو اس کو چھوڑ دیں اور اسی حکم پر عمل کریں جو قرآن وسنت کے عین موافق ہو۔ جہاں تک اس امت کے کم پڑھے لکھے اور جاہل حضرات کا تعلق ہے تو انہیں (فہمستعلوا اہل الذکر ان کنتم لا تعلمون) کے مطابق علماء کرام سے رجوع کرنا چاہیے اور علماء کرام انہیں خاص ایک امام کی فقہ اور فتاویٰ سے مسائل بتانے کے بجائے قرآن وحدیث کی روشنی میں تمام مسائل کا حل بتائیں۔ تقریباً چوبیسویں صدی عیسوی کے آغاز تک یہی طریقہ رائج تھا۔ اس وقت تک کسی ایک امام کی پیروی کا چلن نہیں ہوا تھا اور ہر شخص کی کوشش ہوتی تھی کہ کسی خاص ایک امام کی تقلید کی بجائے قرآن وحدیث کے مطابق اپنی زندگی گزارے۔

● جب ہم تاریخ اسلامی کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ صحابہ کرام، تابعین، عظام، تبع تابعین اور محدثین و مفسرین مقلد نہیں تھے، بلکہ وہ لوگ قرآن وحدیث اور اجماع و قیاس کی روشنی میں زندگی گزارتے تھے (۲) یعنی جب کوئی مسئلہ پیش آ جاتا تھا تو سب سے پہلے قرآن مجید میں اس کا حل تلاش کرتے تھے، اگر وہاں مل جاتا تو اس پر عمل کرتے ورنہ پھر احادیث نبویہ میں اس کا حکم ڈھونڈتے تھے اور اس کے مطابق عمل کرتے تھے اور وہاں بھی اس کا حل نہیں ملتا تھا تو پھر اجماع کی طرف رجوع کرتے تھے اور اگر اس سلسلہ میں کوئی اجماع بھی موجود نہیں ہوتا تھا تو پھر اجتہاد اور قیاس کا سہارا لے کر اس سلسلے میں حکم تلاش کرتے تھے۔

تاریخ اسلامی ہمیں بتاتی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صحابہ کرام سرور کائنات علیہ التحیات والصلوات کو جیسا کرتے دیکھتے یا آپ کسی معاملے میں فتویٰ یا کسی سوال کا جواب دیتے تو اسے حضرت کے اصحاب سنتے اور یاد رکھتے اور اس کے مطابق عمل کرتے تھے۔ جب آنحضرت ﷺ کا زمانہ گزر گیا اور صحابہ کرام کا دور آیا، تب انہوں نے رسول اکرم ﷺ کی زندگی میں اپنی دیکھی ہوئی سنی ہوئی باتوں پر خود عمل کیا اور اگر کوئی نیا مسئلہ کسی صحابی کو پیش آ گیا تو اوروں سے پوچھ لیا، اگر کسی بات میں کوئی حکم صریح کتاب وسنت سے نہ ملتا تو منصوصات کتاب وسنت پر غور کیا اور اس کی علت کو دریافت کر کے اسی پر پیش آئے ہوئے معاملے کو قیاس کیا اور اگر کوئی مسئلہ مشکل ہوا تو آپس میں صلاح ومشورہ کر کے اس کو طے کر لیا۔

صحابہ کے زمانہ میں جو لوگ منہ پیدا ہوئے یا نئے ایمان لائے انہوں نے صحابہ سے اسی طور پر علم دین حاصل کیا، جس طرح صحابہ نے آنحضرت سے سیکھا تھا۔ یعنی جس صحابی کو پایا اور اسے فقیہ جانا، اس سے مسائل شریعت کو اخذ کیا اور احادیث نبوی کو سیکھا، تابعین کے بعد تبع تابعین کا دور آیا وہ بھی اسی طور سے اپنے شہر کے مشہور اور نامی فقیہ سے مسائل دریافت کرتے۔ وہ انہیں قرآن وحدیث کے مطابق مسائل کا حل بتاتے تھے۔ اس دور میں ہر شہر کا ایک علیحدہ امام اور ہر مقام کا ایک خاص عالم اور فقیہ تھا، جو لوگ اس کی باتوں کو ماننے یا اس کے فتوؤں پر عمل کرتے یا اس کی سند سے احادیث کو روایت کرتے وہ اس کی طرف منسوب ہوتے اور اس عالم کے مذہب پر چلنے والے کہلاتے۔

جب ہم صحابہ کرام، تابعین و تبع تابعین اور محدثین و مفسرین کی زندگیوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے سختی کے ساتھ تقلید کی مخالفت کی اور کسی ایک امام کی پیروی کے بجائے کتاب وسنت کو گھلے لگائے رکھنے کی تلقین کی۔

حضرت ابو بکر صدیق فرماتے ہیں: ان اطعت اللہ ورسولہ فاطیعونی وان عصیت اللہ ورسولہ فاقیمونی“ (تاریخ الخلفاء ص: ۱۱۸) یعنی اگر میں اللہ ورسول اللہ کی اطاعت کروں تو میری پیروی کرو، ورنہ میری اصلاح کر دیا کرو۔ اسی طرح کے اقوال حضرت عمر بن الخطاب (اعلام الموقعین/ ۳۵) حضرت عبداللہ ابن مسعود (اعلام الموقعین/ ۱/ ۴۷) حضرت عبداللہ بن عباس (واری ص: ۵۳) حضرت معاذ بن جبل (اعلام الموقعین/ ۱/ ۴۹) حضرت علی بن ابی طالب (اعلام، ج: ۱ ص: ۵۰) حضرت عروہ بن زبیر (واری ج: ۱ ص: ۴۷) حضرت سروق بن اجدع (ایقان ص: ۱۳) محمد بن سیرین (ایقان ص: ۱۳) قاضی شریح (اعلام ج: ۱ ص: ۲۲۳) امام زہری (اعلام ص: ۱/ ۶۵) امام حسن بصری، امام شافعی، حضرت عمر بن عبدالعزیز، امام اوزاعی، حضرت ابو وائل شافعی وغیرہ سے مروی ہیں۔ جو اس امت کے اجلہ محدثین، مفسرین اور فقہاء میں شمار کیے جاتے ہیں اور ان حضرات نے کسی خاص ایک امام کی تقلید سے سختی کے ساتھ منع کیا ہے۔ (تفصیل کے کے لیے دیکھیے ”مقلدین ائمہ کی عدالت میں“

مولف ابوالحسن محمد یحییٰ گوندلوی ص: ۳۷ تا ۳۸

● کتاب وسنت کے رہتے ہوئے تقلید کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ پیش آمدہ تمام مسائل میں کتاب وسنت سے رہنمائی حاصل کرنی چاہیے۔ اللہ رب العالمین کا ارشاد گرامی ہے: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اطِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ وَاولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ** فان تنازعتم في شئ فمن ذلک فاعرفوا ان الله والرسول - یعنی اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اللہ اور اللہ کے رسول اور اولی الامر کی اطاعت کرو۔ اگر کسی مسئلہ میں اختلاف ہو جائے تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو۔ اس آیت میں اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے اور اولی الامر کی اطاعت کو اللہ اور رسول کے تابع لاکر بیان کیا گیا ہے۔ یعنی جب تک اولی الامر کتاب وسنت کے دامن کو مضبوطی سے تھام کر اس کی روشنی میں کوئی حکم صادر فرمائیں تو اس پر عمل کرنا ضروری اور واجب ہے۔ اس کے بعد بتایا گیا کہ اگر کسی مسئلہ میں اختلاف ہو جائے تو اس اختلاف کو ختم کرنے کے لیے کتاب وسنت کی طرف رجوع کیا جائے۔

صحابہ کرام میں جب کسی معاملہ میں اختلاف ہو جاتا تو وہ کتاب وسنت کی طرف رجوع کرتے اور جب انہیں کتاب وسنت کی دلیل مل جاتی تو کسی ایک کو بھی اختلاف نہ رہتا۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں خلافت کا معاملہ نیز مدفن النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور وراثت نبوی کا معاملہ بھی اس وقت ختم ہو گیا، جب صدیق الامۃ حضرت ابوبکر نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں بیان فرمائیں۔

جہاں تک جاہل اور ان پڑھ لوگوں یا ایسے کم پڑھے لکھے لوگوں کا معاملہ ہے جو قرآن وحدیث سے استفادہ کی قدرت نہیں رکھتے تو ان کو چاہیے کہ وہ ”فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون“ کے تحت علماء کرام سے رجوع کریں اور علماء انہیں قرآن وحدیث کے مطابق رہنمائی فرمائیں۔ بعض حضرات بڑے شدد مد کے ساتھ یہ بات اٹھاتے ہیں کہ ایسے کم پڑھے لکھے لوگوں کے لیے تقلید کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے؟ تو کیا ایسے حضرات تقلید کے لیے فتویٰ کتابوں اور ائمہ کرام کی تحریروں کو سمجھنے کے لائق ہیں؟ اگر نہیں؟ اور اس صورت میں بھی انہیں علماء ہی سے رجوع کرنا ہوگا تو وہ علماء سے یہ کیوں نہ کہیں کہ انہیں قرآن وحدیث کے مطابق رہنمائی کی جائے تاکہ اگر صاحب سے کوئی اجتہادی غلطی ہوگئی ہو تو وہ اس کو دہرانے سے بچ جائیں۔

”امت کا بنیادی مرض عدم اتحاد ہے، لیکن اسے مسئلہ تقلید سے جوڑنا درست نہیں، جو لوگ تقلید کو انتشار امت کا باعث سمجھتے ہیں وہ بتائیں کہ جب تقلید کا باضابطہ تصور نہیں تھا اس وقت امت منتشر کیوں ہوئی؟“

مولانا وارث مظہری ☆

اجتہاد و تقلید کی بحث قدیم ہے اور پچھلے ہزار سالوں میں اکابر علما نے اس پر بہت کچھ لکھا ہے اور اس کے تمام اہم اور اصولی و علمی پہلوؤں کا احاطہ کیا ہے۔ بنیادی طور پر ان پر نگاہ ڈالنی چاہیے۔ موجودہ تقاضوں کے نام پر اجتہاد کے حوالے سے تقلید کو جن پہلوؤں سے موضوع بحث یا مورد عتاب بنایا گیا ہے، اس میں دخل اس فکری آزادی کا زیادہ ہے، جو مذہب کی فکری تحریکات کے زیر اثر اسلام کی متواتر فکر میں نقب لگانا چاہتی ہے، اگرچہ ہمارے علمی حلقوں کی کوتاہی فکر و عمل بھی ایک حد تک اس کی ذمہ دار ہے۔

قرآن وحدیث میں تقلید کی بنیادیں موجود ہیں: **فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون** اور اللہ کے رسول نے فرمایا: ”علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين المهديين من بعدی“ نیز **اقصدوا بالذکر من بعدی** ابوبکر سے کہا کہ ”اے ابوبکر! ہماری رائے آپ کی رائے کے تابع“ (ایسا تسع لرا یک) کلالہ کے معاملے میں حضرت عمر نے فرمایا کہ مجھے خدا سے شرم آتی ہے کہ میں ابوبکر کے قول کی مخالفت کروں (انسی لا ستحیی من اللہ ان اخالف ابابکر) عہد نبوت سے تیسری صدی تک تقلید مختلف شکلوں میں جاری رہی۔ تیسری صدی میں تقلید شخصی کی شکل میں تقلید کی عملی و نظریاتی تنظیم اسی کا امتداد تھی۔

تقلید عامی کی ضرورت اور عالم کی مصلحت میں شامل ہے۔ وہ نہ تو واجب ہے اور نہ فرض، تقلید یقیناً صرف قرآن وسنت کی ہی مطلوب

ہے۔ متعین امام کی تقلید اسی مفتی میں ہے یا ہونی چاہیے کہ وہ کتاب و سنت کے صحیح احکام تک رسائی کا ذریعہ ہیں، اس لیے اگر کوئی فقہی رائے صحیح و مستند حدیث کے خلاف ہو تو ہم اسی لمحے اس رائے کو ترک کر دیں گے۔ خود ہر امام اور دوسرے اہل علم سے اس نوع کے اقوال مروی ہیں۔ تقلید کا یہ رویہ جس کے تحت امام کو آخری حجت قرار دیا جائے بلاشبہ مذموم ہے۔

جو لوگ تقلید کا انکار اور اس کی مذمت کے قائل ہیں، حقیقت یہ ہے کہ وہ بھی معروف معنوں میں پورے طور پر تقلید کا قلابہ ہی اپنی گردن میں لے ہوئے ہیں۔ اگرچہ متقدمین کی بجائے متاخرین کی تقلید کا۔ اس طرح زیادہ سے زیادہ وہ ایک پانچویں مسلک کے متبعین ہیں۔ بلاوا۔ طہ قرآن و حجت کی اتباع کا ان کا دعویٰ دلیل محتاج ہے۔ ہر کوئی امام داؤد ظاہری، ابن حزم اور شوکانی نہیں بن سکتا، ویسے عموماً جن شخصیات کے اقوال و آراء پر وہ اپنے عدم تقلید کے رویے میں اعتماد کرتے ہیں، وہ بجائے خود مقلد تھیں، انہوں نے کبھی اجتہاد و امامت کا دعویٰ نہیں کیا۔

حضرات مفسرین و محدثین کی بڑی تعداد یقیناً مقلد تھی، مجتہد نہ تھی، حوالوں سے بات طویل ہو جائے گی، ان میں سے بعض خواہ مقلد نہ ہوں مگر استنباط مسائل میں ان کی فہم کی بنیاد بھی خود اختراعی نہ تھی۔ وہ بھی اصولی طور پر فقہاء و مجتہدین کی ہی تشکیل کاوشوں کا شہرہ تھی۔ محدثین بنیادی طور پر روایت کے امام تھے نہ تو انہوں نے روایت کو اپنا موضوع بنایا اور نہ ہی یہ بات ان کی مصلحت میں تھی۔ روایت پر ان کا زور روایت میں مانع نہیں لیکن ان کی اپنی نزاکتوں کے ساتھ روایت اور فقہ کی تمام تر اصولی نزاکتوں کو نبھانا محال تو نہیں، تاہم مشکل ترین ضرور ہے۔ اس لیے محدثین نے معاملے میں یا تو مجتہدین پر اعتماد کیا یا پھر اپنے اجتہاد و استنباط کو خود اپنی حد تک محدود رکھا۔ اسی لیے ان محدثین کے پیروکار بھی پیدا نہیں ہوئے۔ لیکن اس سے یقیناً ان کی حیثیت کم نہیں ہوتی۔ یہ تقسیم کار ہے، حقیقی فرق نہیں۔ امت ان محدثین و مفسرین کی بھی اسی طرح مرہون احسان ہے جس طرح ائمہ مجتہدین کی۔ وہ روایت کے معاملے میں محدثین پر اعتماد کرتی ہے اور روایت کے معاملے میں ائمہ مجتہدین پر۔

جہاں تک اتحاد امت کو تقلید و عدم تقلید سے وابستہ کر کے دیکھنے کی بات ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ اس کا باضابطہ تعلق امت کے اتحاد و انتشار کے لیے نہیں ہے۔ امت کی تقریباً 99% صد آبادی مقلد ہے۔ لیکن پورے طور پر یہ حقیقت تسلیم شدہ ہے کہ امت کا بنیادی مرض عدم اتحاد ہے۔ یہی تمام مسائل کی جڑ ہے۔ دراصل اتحاد یا عدم اتحاد کا تعلق انسان کے خارجی سماجی رویے سے ہے۔ آپ مغرب کے موجودہ اتحاد اور اسلام کے زوال میں بھی سیاسی و سماجی انتشار کی تاریخی حقیقت کو سامنے رکھ کر اس پر غور کر سکتے ہیں۔ تاہم تقلید اجتماعی تنظیم کی ایک شکل ہے یا ہو سکتی ہے۔ یہ مقابل عملی نہ کہ اصولی سطح پر ممکن انتشار کا ذریعہ۔ مذکورہ بالا باتوں سے امت کو تقلید سے حاصل ہونے والے فائدے یا نقصان کی کسی قدر حاکم ہو جاتی ہے، تاہم اس حوالے سے میں مزید مختصر اپنے موقف کی وضاحت کرنا چاہوں گا۔

اقبال نے شاعرانہ انداز میں یہ حقیقت پسندانہ بات کہی ہے کہ

زاہدِ عالمان کم نظر اقتدا بر رفتگان محفوظ تر

تاہم یہ بات بجائے خود دلیل کی محتاج ہے کہ کیا چوتھی صدی کے بعد امت میں، عالمان کم نظر ہی پیدا ہوتے رہے؟ فکر اسلامی کی تاریخ اس کی اقبال نے دوسری جگہ خود اپنے اس نظریے سے تقریباً رجوع کر لیا تھا (دیکھیے تشکیل جدید البیات اسلامیہ کا چھٹا خطبہ: الاجتہاد فی الاسلام)۔ یہ مستقل بحث کا موضوع ہے، جس پر لکھا جا رہا ہے اور لکھ جانے کی ضرورت ہے۔ میری نظر میں مقاصد شریعت کو سامنے رکھ کر اصول فقہ کو حجت اور ترقی نہ دیئے جانے اور اجتہاد کے نظریاتی اور عملی پہلوؤں کو بہت حد تک نظر انداز کر دیئے جانے کی وجہ سے دور متاخر میں فقہ میں ایک سہولت آگیا۔ شاہ ولی اللہ دہلوی شخصیت اس کی شدید ترین شاکی نظر آتی ہے۔ بلاشبہ اس فقہی جمود سے امت کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ لوگ عہد و سطی کے جزئیات سے بھی آغراف کو دین سے آغراف تصور کیے بیٹھے ہیں۔

میری نظر میں معذرت کے ساتھ علماء و مشائخ کے ایک بڑے طبقے نے شخصیت پرستی کو کتاب و سنت کے اتباع کا نام دے رکھا ہے۔ جس کے نتیجے میں کہا جاسکتا ہے کہ: ما انزل اللہ بہ من سلطان۔

”میری ذاتی رائے یہ ہے کہ تقلید کی بحث سے امت میں انتشار پیدا ہوگا، ہمارے لیے بہت سے ضروری کام پڑے ہوئے ہیں، جیسے تعلیم، فقر و فاقہ اور غربت کا ازالہ اور مشترک امور و مسائل میں مسلمانوں کو متحد کرنا وغیرہ“

مولانا شفیع مونس ☆

جناب مولانا خوشنورانی صاحب! محترم و مکرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔۔۔۔۔ آپ کا خط مورخہ ۲۱ فروری ۲۰۰۷ء پیش نظر ہے، جس میں آپ نے اپنے رسالہ جام نور کے خاص شمارہ ”اجتہاد و تقلید نمبر“ کے لیے بعض سوالات کے جواب طلب فرمائے ہیں۔

میرا خیال ہے کہ اس وقت ملت اسلامیہ داخلی اور خارجی سطح پر جس طرح کے مسائل اور آزمائشوں سے دوچار ہے، اس میں اس نوعیت کے مسائل کو چھیڑنا ان کے وقت کا کوئی صحیح اور بہتر مصرف نہیں ہے۔ اس کے رد عمل میں ایک نامناسب جواب الجواب کا سلسلہ شروع ہو سکتا ہے، جو ملت کے مفاد میں نہیں ہوگا۔۔۔۔۔ آپ کے سوالوں کا مختصر جواب درج ذیل ہے:

(۱) تقلید کی حقیقت یہ ہے کہ یہ عام مسلمانوں کی ضرورت ہے، جن کی نظر کتاب و سنت اور امر اور مباحثہ شریعت پر نہیں ہے۔ البتہ علماء جن کی کتاب و سنت پر نظر ہو ان کے لیے یہ ضروری نہیں۔ کسی مسئلہ میں کوئی عالم جب شرعی دلائل کا جائزہ لے اور اس کے سامنے فی الواقع حق واضح ہو جائے تو اس صورت میں اس کے خلاف تقلید جائز نہیں، البتہ وہ عالم اس سے مستثنیٰ ہے جو اجتہاد نہ کر سکتا ہو۔

(۲) قرآن و سنت کی موجودگی میں تقلید ائمہ کا جواب اوپر آچکا ہے، البتہ یہ رجحان امت کے لیے نقصان دہ بلکہ خطرناک ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں ایک امام کی رائے سے امت مشکلات میں مبتلا ہو اور کتاب و سنت میں اس سے بہت کم دوسرا نقطہ نظر اختیار کرنے کی پوری گنجائش موجود ہو پھر بھی اس امام کی پیروی کو لازمی سمجھا جائے۔

(۳) حضرات محدثین و مفسرین بہت ذی علم، کشادہ دل اور متواضع تھے اور وہ خود اپنے مسلک سے بہت کم دوسرے مسلک کے ائمہ کی رائے پر عمل کر لیتے تھے، ان کے یہاں تقلید یا عدم تقلید کی بحث نہیں تھی۔ ان کا موقف تھا کہ اذا صح الحدیث فہو مذہبی یعنی زیر بحث مسئلہ میں اگر کوئی صحیح حدیث رہنمائی کر رہی ہے تو وہی میرا مسلک ہے، میری ذاتی رائے کی کوئی اہمیت نہیں۔

خود امام ابو حنیفہ کی متعدد روایوں سے ان کے قابل شاگردوں امام ابو یوسف، امام محمد اور امام زفر نے اختلاف کیا اور امام صاحب کی رائے کو حرف آخر نہیں قرار دیا مگر اس کے باوجود ان تمام حضرات کی آراء فقہ حنفی کے جزو کا درجہ رکھتی ہیں۔

(۴) میری ذاتی رائے یہ ہے کہ تقلید کی بحث سے امت میں انتشار پیدا ہوگا، ہمارے لیے بہت سے ضروری کام پڑے ہوئے ہیں۔ تعلیم، فقر و فاقہ اور غربت کا ازالہ۔ مشترک امور و مسائل میں مسلمانوں کو متحد کرنا اور ان میں ملی شعور پیدا کرنا، مسلمانوں کے اندر سے مضبوط سیاسی قوت بن کر انجمن، بدعات و خرافات، رسوم و رواج کو مٹانا جیسے کام ہماری خاص توجہ کے طالب ہیں۔

(۵) ائمہ گرام و مجتہدین نے امت کو مختلف مسائل میں بھٹکنے سے بچانے کے لیے ایک راہ نکالی، ان کے لیے سہولت پیدا کی۔ لیکن بعد کے لوگوں نے ان ائمہ کے اقوال و آراء کو حرف آخر سمجھ کر خود امت کے اندر ناقابل عبور مسلکی دیواریں کھڑی کر دیں۔ کتاب و سنت کی صحیح حالت میں موجودگی اس بات کی ضمانت ہے کہ جب تک مسلمان اس سے چپے رہیں گے، گمراہ نہ ہوں گے، اصل یہ ہے کہ تقلید کے معاملہ میں اعتدال و توازن قائم ہونا چاہیے۔ اس کے لیے دوسرے مسالک کا احترام لازمی ہے۔

میں یہاں عصر حاضر کے ایک روشن خیال اور دیدہ ور عالم اور رہنما کی بات نقل کرنا مناسب خیال کرتا ہوں۔

”فقہ کے مذاہب اربعہ جب مشخص و مدون ہو گئے اور تقلید شخصی کا التزام قائم ہو گیا تو سوال پیدا ہوا: ان چاروں میں افضل کون ہیں؟ حضرت امام ابو حنیفہ یا امام شافعی؟ اب بحث شروع ہوئی اور بحث نے جنگ و جدال کی شکل اختیار کر لی۔ چنانچہ ہلاکو خان کو اسلامی ممالک پر حملے کی سب سے پہلی ترتیب خراسانیوں کے اسی جھنڈے سے ملی تھی، پھر جب تاتاریوں کی تلوار چل گئی تو اس نے نہ شافعی کو چھوڑا نہ حنفی کو۔“ ☆ ☆ ☆

علامہ موقف بھی ہے کہ عامی کے لیے تقلید واجب ہے، خواص کے لیے نہیں، گزشتہ طویل مدت نے ہر طرح واضح کیا ہے کہ تقلید بلاشبہ رحمت اور ملت کے اتحاد کی ضامن ہے۔

مولانا کوکب نورانی (پاکستان)

اللہ کریم جل شانہ نے دین اسلام کو ہمارے لیے پسند کیا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے ہمیں عطا فرمایا۔ یہ دین ہمیشہ سے ہے اور تمام ادیان پر یہ غالب ہوگا۔ اس کا مل واکمل دین کا ہم تک پہنچنا جن رجال و احوال سے وابستہ ہے، ہم ان پر اعتماد کرتے ہیں، دین اللہ والوں میں ان کا اعتبار ہے اور وہ ہستیاں آج بھی اہل ایمان میں باعث افتخار ہیں۔ ان محسن ہستیوں پر اعتبار و اعتماد نہ کیا جائے تو ہم اپنی عزت و شخصیت بھی معجز نہیں کر سکتے۔ جانے وہ کون ہیں جو ان ہستیوں پر اعتراض کر کے اپنی ہی بنیادیں ہلارہے ہیں اور انہیں دیکھتے کہ ان کی بے جا تباہی سے خود ان کی تضحیک اور دین کی توہین و تحقیر کا ”غیروں“ کو موقع مل رہا ہے اور اہل ایمان کی اجتماعیت متاثر ہو رہی ہے۔

”تقلید“ کوئی ایسا فعل نہیں جو دین سے الگ کوئی راستہ بتا دین سے دور کرنا ہو بلکہ یہ فعل تو عام شخص کے لیے دین پر عمل کو ممکن اور آسان بناتا ہے۔ دین کے تحفظ کے نام پر اگر ہم علمائے حق اور ائمہ دین پر زبان اعتراض دراز کریں تو یہ سنگین ظلم ہی شمار ہوگا۔ دین کے محافظ و پاس بان اہل حق انہوں نے دنیا میں بسنے والے لوگوں کی آسانی کے لیے ایسے مستقل طریقے اور علوم و فنون وضع کیے ہیں جن کے ذریعے فتنوں کا مقابلہ اور اختلاف سازشوں کا سد باب ہو سکے۔ سبھی مانتے ہیں کہ دین اسلام رب تعالیٰ دنیا تک کے لیے مکمل ضابطہ حیات ہے اور دین سے وابستہ ہر شخص (عامی) دین سے بہ تمام و کمال واقف نہیں، نہ ہی ہر شخص کا دین سے پوری طرح واقف ہونا ممکن ہے۔ اسی لیے قرآن کریم میں واضح ارشاد ہے: **فاسئلو اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون** ”اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے پوچھو“۔ یعنی اپنے وہ مسائل جن کا حل تم نہیں جانتے وہ حل سے پوچھو جو لوگ جانتے ہیں۔

ایک معین آدمی، جو ماہر استاد، کتاب و سنت کا واقف، قابل اعتماد، قوت اجتہاد یہ میں جسے کمال حاصل ہو، اس میں شرائط اجتہاد پوری طرح پائی جائیں۔ اس کے قول کو ماننا اور بغیر دلیل کے عمل کرنا تقلید مطلق کہلاتا ہے۔ ایک شخص کو دین کا سچا اور صحیح عالم و عامل مانا تو یہ یقین کیا کہ وہ شخص خدا رکھنے والا اور قابل اعتماد ہے، وہ جو بتائے گا دین کے مطابق و موافق بالکل صحیح بتائے گا۔ اس لیے اس سے دلیل مانگے بغیر اس کی بات کو تقلید کہلاتا ہے۔ واضح رہے کہ ہم فروعی مسائل میں تقلید کرتے ہیں اور اصولی مسائل میں اتباع کرتے ہیں اور واجب الاتباع کا اتباع کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے: **واتبع سبیل من اناب الی**۔

قرآن کریم ہی میں ہے: **اطيعوا الله واطيعوا الرسول واولی الامر منکم**۔ **لعلہ الذین یستنبطونہ منہم** — **ویتبع غیر المؤمنین ان** — **لیستفقہوا فی الدین** — **فاعتبروا یا اولی الابصار**۔ قرآن ہی نے اہل علم کی شان و مرتبت واضح فرمائی تو والدین ہم کو علم درجہ — **انما یخشی اللہ من عباده العلماء**۔ **قل هل یتوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون**۔

اہل ایمان بخوبی جانتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابی حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا تو دین ہی کی تعلیم مقصد سے انہیں بھیجتے ہوئے طریقہ تعلیم بھی واضح فرمایا اور اہل یمن کو ہر مسئلہ میں ان سے رجوع کی اجازت دی، یہی تقلید شخصی ہے۔ ترک تقلید تو نفس پرستی کی علامت ہے۔ عوام میں تدین کہاں؟ ان کی سلامتی اتباع ہی میں ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ عام نفوس کا طبعی میلان مفاسد کی طرف ہو جاتا ہے۔ حکام و تعلیمات کا پابند بنایا جانا اور اصلاح نفس ضروری ہے، یوں تقلید شخصی نہ صرف علاج ہے بلکہ ضروری ہے۔ جب اتباع ہوئی زیادہ ہو تو طبیعت کو اپنی طبیعت کے موافق بنانے کی روش اپنائی جا رہی ہو تو ترتیب و تنظیم کیسے ہوگی؟ تقلید کے موضوع پر علمائے حق اہل سنت اور علمائے اہل بدعت کی طرف سے اتنا کچھ لکھا جا چکا ہے کہ کوئی گوشہ شاید ہی تشہر رہا ہو۔ تقلید کی تعریف کے لیے ہم اگر کہنا ہیں دیکھیں تو جھٹک ملاحظہ ہو:

کتاب التعلیقات، کشف اصطلاحات الفنون میں یہ تعریف درج ہے: **عبارة عن قبول قول الغير بلا حجة ولا دلیل** — **عبارة**

عن اتباع الانسان غيره فيما يقول او يفعل معتقدا للتحقيقه فيه من غير نظر و تأمل في الدليل كأن هذا المتبع جعل في الغير او فعله، قلادة في عنقه— اخذ القول من غير معرفة دليله

اور وفربنگ دائره معارف اسلامي میں یہ تعریف درج ہے: تقلید یہ ہے کہ انسان کسی غیر (حجت) کے قول یا فعل کو صحیح مان کر اس کی دلیل پر تو تامل کیے بغیر اس کا اتباع کرے، اس معنی میں تقلید، اجتہاد کی ضد ہے۔

جناب اشرف علی تھانوی یہ تعریف لکھتے ہیں: تقلید کہتے ہیں کسی کا قول محض اس حسن ظن پر مان لینا کہ یہ دلیل کے موافق بتلاوے گا اور اس سے دلیل کی تحقیق نہ کرنا۔“ (تحفۃ العلماء، ص ۲۴۰/۲)

غیر مقلدین بخاری و مسلم کے قائل ہیں، دلیل کے طور پر اسے پیش کرتے ہیں۔ وہ بتائیں کہ امام مسلم خود بخاری سے روایت کیوں نہیں کرتے؟ جب کہ امام بخاری ان کے استاذ ہیں۔ اصول حدیث، صحیح، حسن، ضعیف (یعینہ بغیرہ) اقسام، (غریب صرف ترمذی میں ہے، تفسر درہ) کی وجہ سے غریب ہے۔ غرابت، صحت کے معنایں نہیں)، اصول حدیث کی یہ شرائط کہاں سے لی ہیں؟ ان پر آیت قرآنی پیش کریں؟ اسماہ رجاں پر بحث کرتے ہیں۔ ثقہ، صدوق، قابل احتجاج۔ وہ بتائیں کہ اصول حدیث کو مانتے ہو تو اصول فقہ کیوں نہیں مانتے؟ وہ اصول حدیث کو جائز سمجھتے ہیں تو ہم پر اصول فقہ مانتے کی وجہ سے اعتراض کیوں کرتے ہیں؟

اسماہ رجاں پر پہلی کتاب ”الکمال“ ہے، اس کی تلخیص علامہ مزی نے تلخیص تہذیب الکمال کے نام سے لکھی، اس کی مزید تلخیص حافظ ابن حجر عسقلانی نے تہذیب التہذیب کے نام سے کی۔ پھر تہذیب التہذیب میں جتنے راوی ہیں ان کے مختصر حالات حافظ نے تہذیب التہذیب کے ہر سے الگ کتاب میں جمع کر دیے۔ پھر ذہبی کی کتاب میزان الاعتدال میں جن راویوں کا صراحۃً ذکر نہیں ہوا ان کے ذکر و تعارف کے لیے حافظ ابن حجر نے لسان المیزان مرتب فرمائی۔

غیر مقلدین بتائیں کہ ابن حجر اور ذہبی جو کچھ راویوں کے بارے میں کہتے ہیں اسے مانتے ہو یا نہیں؟ کیا یہ تقلید شخصی نہیں؟ ان سے سوال ہے کہ بخاری و ذہبی کے لیے اتباع کی کیا دلیل ہے تمہارے پاس؟ تم صحاح کو مانتے ہو، ہم اہل سنت و جماعت، بخاری سے امام اعظم کو بہت اور نبی سمجھتے ہیں۔

واضح رہے کہ بغیر شرائط کے ہم نہیں مانتے۔ ہمارا موقف یہی ہے کہ عامی کے لیے تقلید واجب ہے، جو شخص قابل ہو اور صحیح فہم رکھتا ہو اور مسئلہ نکال سکتا ہو اس کے لیے نہیں۔ میرا ایک اہم سوال ہے غیر مقلدین سے، وہ بتائیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اب تک کتاب و سنت کا پورا پورا پابند کوئی شخص ہوا ہے یا نہیں؟

جواب اگر نفی میں ہو تو غیر مسلم ضرور معترض ہوں گے کہ اسلام کیسا دین ہے جس کا پورا پابند کوئی نہیں ہوا۔ ان سے عرض کروں کہ اگر مانو کہ ایسے شخص ہوئے ہیں اور ان کے افعال و اقوال با سند محفوظ ہوں تو ایسے متبع قرآن و سنت کی پابندی و پیروی، تقلید و اتباع میں کیا خرابی ہے؟ بلاشبہ ان لوگوں کی پیروی قرآن و سنت ہی کی پیروی ہے۔

اہل ایمان جانتے ہیں کہ ہر حدیث واجب العمل نہیں، ہر سنت واجب العمل ہے۔ ہر سنت، حدیث ہے؟ کیا ہر حدیث، سنت ہے؟ ابن حزم جیسے شخص نے بھی اعتراف کیا ہے کہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ حدیث ضعیف کو بھی قیاس پر ترجیح دیتے تھے۔ گزشتہ طویل مدت نے ہر طرح واضح کیا ہے کہ تقلید بلاشبہ رحمت اور اتحاد امت اور جمعیت ملت کی ضامن ہے۔

ارادہ تھا کہ کچھ واقعات نقل کروں گا اور غیر مقلدین کی کتب سے اپنی تائید بھی پیش کروں گا لیکن عشرہ محرم کی مجالس اور اس کے بعد بھارت کے سفر اور لوگوں میں گھرے رہنے کے باعث مہلت نہ ملی۔ کچھ حوالے بھی نقل کیے تھے لیکن وہ کاغذ بھی محفوظ نہ رہے۔ یہ قلم برداشتہ مختصر تحریر میں نے دہلی سے ممبئی کی پرواز میں مکمل کی ہے۔ اس کا لہجہ اور انداز میری مستقل تحریروں سے مختلف لگے تو درگزر فرمائیں۔

☆☆☆

مذاکرہ

شام کے نامور عالم دین شیخ ڈاکٹر سعید رمضان بوٹی کا ایک غیر مقلد عالم سے مناظرہ

میں نے کہا: اس کا مطلب تو یہ ہے کہ ہر شخص ویسی ہی اجتہادی صلاحیت کا مالک ہے، جیسی ائمہ مجتہدین کے پاس تھی، بلکہ آپ کے مطابق تو کئی مرتبہ دوسرے لوگ ان سے بڑھ بھی سکتے ہیں، کیوں کہ جو شخص ائمہ کے اقوال و دلائل کا جائزہ لے کر کتاب و سنت سے قریب تر کو ترجیح دینے کی اہلیت رکھتا ہوگا وہ تو بلاشبہ ان سے بڑا قابل اور لائق و فائق ہوگا۔

یہ سن کر اس نے کہا: دراصل عوام کی تین قسمیں ہیں:

(۱) مقلد (۲) متبع (۳) مجتہد

پس جو شخص اس اہلیت کا مالک ہو کہ مذاہب (مسالک) اربعہ کے دلائل کا تقابلی مطالعہ کر کے کتاب و سنت سے قریب تر کو ترجیح دے وہ ”متبع“ کہلاتا ہے، اور یہ تقلید و اجتہاد کا درمیانی مرتبہ ہے۔

اس پر میں نے کہا: پھر مقلد کا کیا کردار ہونا چاہیے؟

جواب میں اس نے کہا: سارے مجتہدین جس مسئلہ میں متفق ہوں اسی میں ان کی تقلید کرنی چاہیے۔

تو میں نے کہا: اگر کسی ایک ہی مجتہد کی تقلید دائمی طور پر کی جائے تو کوئی خرابی لازم آئے گی؟

فوراً اس نے جواب دیا: ہاں! یہ تو حرام ہے۔

میں نے کہا: حرام! کیوں کر حرام ہے؟ تقلید کی حرمت پر کیا دلیل ہے؟ اس نے جواب دیا: اس کی دلیل یہ ہے کہ اس شخص نے اپنے اوپر اپنی طرف سے وہ چیز لازم کرنی جو اللہ تعالیٰ نے اس پر لازم نہیں کی تھی۔

اس پر میں نے اس سے سوال کیا: آپ قرأت سبعہ میں سے کس کی قرأت کے مطابق قرآن پڑھتے ہیں؟

جواب دیا: حفص کی قرأت کے مطابق۔

میں نے کہا: اسی ایک قرأت کے مطابق ہمیشہ بالائزہام پڑھتے ہیں یا کسی دن دوسرے قرأت پر بھی عمل کرتے ہوئے دوسری کے مطابق قرآن پڑھتے ہیں؟

جواب دیا: نہیں! اسی قرأت حفص پر ہی مداومت کرتا ہوں۔

ایک متعصب اور غالی غیر مقلد چند حق پسند اور منصف مزاج کے ہمراہ میرے پاس آیا، جب سلسلہ کلام شروع ہوا تو میں نے یہ عرض کی: احکام الہیہ کو سمجھنے کے لیے آپ کے پاس کیا طریقہ کار ہے؟ آپ کتاب و سنت سے براہ راست استفادہ کرتے ہیں یا ائمہ کے اقوال و دلائل کا جائزہ لیتا ہوں، پھر ان کی جودلیل سے بہت سے زیادہ قریب ہوتی ہے، اسی پر اعتماد کرتا ہوں۔

میں نے اس سے بطور مثال کہا: اگر آپ کے پاس پانچ ہزار روپے ہوں اور اس پر چھ مہینہ گزر گیا ہو اور وہ رقم اس درمیان آپ کے پاس ہی رہی ہو، پھر آپ نے اس سے سامان تجارت خریدا اور اس سے کما شروع کیا تو آپ اس کی زکوٰۃ کب نکالیں گے؟ دوسرے نے کہا: بعد پانچ یا پورے سال گزرنے کے بعد؟

میں نے کہا: اس نے جواب دیا: آپ کے اس سوال کا جواب ہے کہ آپ سامان تجارت میں زکوٰۃ واجب سمجھتے ہیں؟

میں نے کہا: میں آپ سے پوچھ رہا ہوں اور میرا مدعا فقط اتنا ہے کہ یہ خاص طریقہ سے جواب عنایت فرمائیں، اس کے لیے یہ کتابیں میرے سامنے ہیں، کتاب و سنت اور اقوال ائمہ بھی آپ کے پیش نظر ہے۔

میں نے ان کا مل کے بعد کہا ہے: برادر! یہ دین کا معاملہ ہے، کوئی غلطی نہیں، جس میں بغیر سوچے ذہن و دماغ سے جواب دیا جائے گا۔ اس جواب جاننے کے لیے کچھ پڑھنے اور مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے۔ نیز اس کے لیے وقت درکار ہے اور اس وقت ہم کسی مسئلہ پر گفتگو کرنے کے لیے جمع ہوئے ہیں۔

میں نے کہا: ٹھیک ہے، تو کیا ہر مسلمان پر یہ واجب ہے کہ وہ ہر مسئلہ کے اقوال و دلائل کا جائزہ لے اور جو قرآن و سنت کے مطابق ہو اس پر عمل شروع کر دے؟

اس نے جواب دیا۔

میں نے کہا: کیا بات ہے کہ قرأتِ حفص کو ہی ہمیشہ بالالتزام اپناتے ہیں؟ جب کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر یہ لازم نہیں کیا، بلکہ قرآنِ کریم رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے جیسے تو اتر کے ساتھ منقول ہوا، اس کے مطابق پڑھنا چاہیے۔

اس پر اس نے کہا:۔ ایسا اس لیے کہ مجھے دوسری قراتوں کا مطالعہ یا علم نہیں، اس کے علاوہ یہ پڑھنا میرے لیے ممکن نہیں۔

اب میں نے کہا: ٹھیک آپ کی طرح ایک شخص نے فقہ شافعی کا مطالعہ اور دوسرے ائمہ کی تحریروں پر مطلع نہیں ہو سکا، اور نہ ہی اس کے لیے یہ ممکن تھا کہ سارے مسالک کے دلائل کا مطالعہ کر سکے، اب اگر آپ ایسے شخص کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ اس پر لازم ہے کہ پہلے سارے ائمہ کی اجتہادی تحریروں کا مطالعہ کرے، یہاں تک کہ سب پر عمل کرنے کی کوشش کرے تو سب سے پہلے تو آپ پر لازم ہوا کہ آپ قرأتِ سبوحہ سیکھیں اور ساری قراتوں کے مطابق قرآن کی تلاوت فرمائیں۔ اگر اس مقام پر اپنی عاجزی کا مظاہرہ کرتے ہیں تو میں عرض کروں گا، خدا را اس مسکین مقلد کو بھی اپنی ہی منطق کی رو سے معذور جانے۔

علاوہ ازیں، ہم یہ بھی آپ سے سوال کرنے کے مجاز ہیں کہ آپ نے یہ کہاں سے لازم کیا کہ مقلد ایک امام کے مسائل نہ لے بلکہ دوسرے امام کے مسائل پر بدل بدل کر عمل کرے، جب کہ اللہ تعالیٰ نے تو یہ بھی بندوں پر لازم نہیں کیا۔

یعنی آپ کے مطابق اگر ایک مذہب فقہ پر استمرار کے ساتھ گامزن رہے گو اللہ تعالیٰ نے لازم نہیں کیا، تو بار بار بدل کر عمل کرنے کو کب لازم فرمایا؟

یہاں پہنچ کر اپنی ہی پرانی بات میں نیا شوشہ جڑتے ہوئے کہا: تقلید یوں ہی حرام نہیں، بلکہ اس لیے حرام ہے کہ مقلد کسی کی تقلید کا التزام یہ سمجھ کر کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے۔ (جب کہ ایسا نہیں)

میں نے کہا: چلیے آپ کی بات تسلیم کر لیں کہ ایسا اعتقاد رکھے کہ تقلیدِ رب تعالیٰ کی واجب کردہ اشیاء میں سے ہے تو غلط ہے، آپ کی بات درست ہے۔ لیکن اگر مقلد کو یہ علم ہے کہ اللہ نے اس کا مکلف نہیں بنایا کہ وہ کسی خاص امام کی تقلید کرے تاہم وہ اپنے اختیار سے ایسا کرے تو؟ اس نے جواب دیا۔ پھر تو ایسی تقلید میں کوئی حرج نہیں۔

اس پر میں نے کہا: جو کتاب آپ پڑھاتے ہیں، اس میں کے موقف کے خلاف بات لکھی ہے، اس میں واضح لفظوں میں تحریر ہے کہ کسی خاص امام کی تقلید (بغیر اعتقاد واجب) بھی حرام، بلکہ اوقات کفر ہے۔

اس نے کہا: کہاں؟

میں نے یہ عبارت دکھائی: "بَلْ مِنَ التَّوْحِيدِ وَاحِدًا بَعِيدًا كَلْ مَسْئَلَةٍ فَهِيَ مُتَعَصِّبٌ مَخْطِئٌ مُقَلِّدٌ تَقْلِيدًا أَعْمَى وَمَنْ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيعًا" تو کافی غور و خوض اور تاویل کے بعد فرمایا: یہاں بھی سے مراد یہی ہے کہ وہ شریعت کی جانب سے واجب کردہ تصور کے یہاں عبارت میں تھوڑی کمی رہ گئی ہے۔

میں نے پوچھا: صاحبِ تحریر کی یہی مراد جو آپ فرما رہے ہیں اس پر کیا دلیل ہے؟ کیوں نہیں کہہ دیتے کہ صاحبِ تحریر غلطی پر ہے۔ (لیکن واہ رے جذبہ تقلید و تائید) وہ شخص اسی پر مصر رہا کہ عبارت اپنی جگہ درست ہے اور اس میں کچھ محذوف ہے۔ اس پر عملاً اس کتاب کے مؤلف کو خطا سے معصوم قرار دیا۔

میں نے کہا: اس تقدیر پر بھی اس عبارت کا کوئی منافی نہیں، کہ دنیا میں کوئی ایسا مسلمان نہیں جو اس بات سے ناواقف ہو کہ اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید شریعتِ اسلامی نے نہیں واجب قرار دے، بلکہ اسے اچھی طرح معلوم ہے کہ ہر مکلف کو اختیار ہے کہ وہ ایک کی فقہی مسائل میں تقلید کرے۔

اس پر کوئی جواب نہ دے سکا تو کہا: میں نے ہزاروں لوگوں کو کہتے سنا ہے کہ کسی ایک مسلک کی تقلید شرعاً لازم ہے، اس سے انحراف ممکن نہیں۔

میں نے مطالبہ کیا: کسی ایک صاحبِ علم کا نام یا اس کی تحریروں میں جواب مکمل خاموشی رہا، تاہم اس بات کی رٹ لگا تا رہا کہ بعض لوگ ایک مذہب سے دوسرے مذہب کے مطابق احکام پر عمل کو قرار دیتے ہیں۔

میں نے چیلنج کرتے ہوئے اس سے کہا:۔ آپ ایک بھی ایسا نہیں دکھا سکتے جو ایسا باطل عقیدہ رکھتا ہو، البتہ عثمانیوں کے دورِ اقتدار کے آخر میں کچھ لوگ مذہبِ جنابی سے عدول گمراہ جانتے تھے، جس

میں نہیں کرتے۔ یقیناً وہ تعصب پر مبنی تھا۔

پھر میں نے اس سے کہا: مقلد اور متبع کے درمیان آپ نے جو یہ ہے، اس کی اصل کیا ہے؟ آیا یہ فرق لغوی ہے یا اصطلاحی؟

جواب دیا: یہ لغوی فرق ہے۔

میں نے لغتوں کا حوالہ طلب کیا، تاکہ دونوں لفظوں میں لغوی تباہ ہو سکے، تو یہ بھی آنجناب نہ کر سکے۔

پھر میں نے کہا: بے شک حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ایک ایسے سے کہا، جس نے مسلمانوں کی تائید شدہ چیزوں پر اعتراض کیا اور حسی المہاجرون فانما انتم تبع۔ اس اثر میں موافقت کو سے تعبیر کیا گیا، جب کہ اس میں بحث و نظری گنجائش نہیں۔

تاکہ سن کر اپنی بات بدل دی اور کہا کہ پھر یہ فرق اصطلاحی ہوگا اور یہ حق حاصل نہیں کہ کسی چیز کے لیے اصطلاح قائم کر لوں؟

کیوں نہیں! میں نے کہا: ضرور آپ کو یہ حق حاصل ہے، مگر یہ عروضہ اصطلاح امر واقعہ کو نہیں تبدیل کر سکتی، پس یہی جس کو

”متبع“ کا نام دیتے ہیں، اگر دلائل کا ادراک کرے اور طریقہ سے واقف ہوگا تو یہ مجتہد ہوا اگر بعض مسائل میں استنباط کی

تائید اور بعض میں دلائل سے جہالت ثابت ہو تب بھی اب ایسا جس میں مجتہد اور بعض میں مقلد یا اس کے بالعکس قرار پائے گا

محسوس ہوا۔ اور وہ یہ کہ تقسیم صرف دو طرفہ یعنی عقیدہ میں منحصر ہے اور ہر ایک کا حکم عیاں ہے۔

اب تک بات کچھ نہ بن سکی تو کہا: منع وہ شخص ہے جو اقوال اور کے مابین خط امتیاز کھینچ سکے اور قوی دلائل کو سمجھ کر ضعیف پر ترجیح

دیتا رکھتا ہو اور یہ مرتبہ بہر حال نری تقلید کے علاوہ ہے۔

میں نے کہا: اگر ایسا ہے تو یہ مرتبہ تواجد و اجتہاد میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ آپ بذات خود ایسے ہیں؟

جواب دیا: میں بقدر استطاعت ایسا ہی کرتا ہوں۔

میں نے اچھے معلوم ہے کہ آپ ایک مجلس میں تین طلاق کو ایک سے والوں میں سرفہرست ہیں تو کیا آپ نے اپنے فتویٰ صادر

کے پہلے تمام ائمہ کے اقوال و دلائل اور تحریروں کا مطالعہ کر لیا ہے کہ بعد کسی ایک دلیل کی قوت کی بنا پر اسے ترجیح دی؟ اس کے علاوہ اس کے سامنے یہ حدیث پاک رکھ دی ”ان عسو ممبر

العجلانی طلق زوجته ثلاثاً فی مجلس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد أن لا عن منها فقد قال کذبت علیہا یا رسول اللہ ان امسکتہا ہی طالق ثلاثاً“ اور میں نے پوچھا کہ

آپ کا اس حدیث پاک کے بارے میں کیا خیال ہے؟ جمہور فقہانے اسلام یا ابن تیمیہ کے مذہب پر اس کی دلالت کیا ہے؟

جواب دیا: مجھے یہ حدیث نہیں معلوم۔

میں نے کہا: پھر کیسے آپ نے ایسے مسئلہ میں فتویٰ صادر کیا، جس میں مذاہب اربعہ کے امام متفق و متحد ہیں اور آپ نے ان کے دلائل کا

مطالعہ کیے بغیر ان کے خلاف فتویٰ دیا؟ گویا خود آپ ہی اپنے اصل موقف سے منحرف ہوئے اور اتباع کا معنی اصطلاحی جسے آپ کے دماغ

نے گڑھا ہے ہمارے سر تھوپنا چاہتے ہیں۔

کہنے لگے: اس وقت میرے پاس مذاہب اربعہ کی فقہ پر مشتمل کوئی دلیل کتاب نہ تھی، جس کی جانب میں رجوع کرتا اور دلائل معلوم کرتا۔

میں نے کہا: پھر آپ کو فتویٰ دینے میں اتنی جلدت سے کام نہ لینا تھا وہ بھی جمہور علماء کی مخالفت میں؟ جب کہ آپ ان کے دلائل سے قطعاً

نا آشنا تھے۔

کہنے لگے: پھر میں کیا کرتا؟ مجھ سے سوال کیا گیا تھا اور میرے پاس مرجع کتب نہ تھیں۔

میں نے کہا: کیوں نہیں کہہ دیا ”مجھے معلوم نہیں“ جب کہ صالح علماء اور متواضع ائمہ دین کا طریقہ رہا ہے۔ یا اگر یہ نہ کر سکتے تھے تو کسی کی

مخالفت میں فتویٰ نہ دے کر صرف اتنا کر دیتے کہ مذاہب اربعہ کے امام اور ان کے مخالفین کی آرا نقل کر دیتے، بلکہ مذکورہ صورت حال میں تو

آپ پر یہی فرض تھا، کیوں کہ آپ کے اعتراف حقیقت کے مطابق آپ نے ان کے دلائل کا مطالعہ نہیں کیا، اس کے باوجود اپنی رائے سے

ان کے خلاف فتویٰ دیا، مخالفین کی رائے اپنی رائے زنی کے معاون و مؤید ثابت ہو تو آپ جمہور امت کا خیال ترک کر بیٹھیں، تعصب و عناد

میں اس مقام تک پہنچا ہوا آپ جیسا انسان پھر دوسروں کو تعصب ہونے کا طعنہ دے، سخت تعجب ہے!

کہا: میں ”سبل السلام“ اور ”فقد النبی“ جیسی کتابوں کا مطالعہ کر چکا تھا۔

میں نے کہا: مسئلہ ذیل میں تو مذکورہ بزرگ ائمہ کے فریق ہیں اور

ان کی پیش کردہ دلیلیں تصویر کا ایک رخ پیش کرتی ہیں، وہ بھی وہی رخ جس سے ان کے موقف کو تقویت ملے، کیا آپ جیسے محقق کو یہ بات زیب دیتی ہے کہ کسی مختلف فیہ مسئلہ میں صرف اپنے ہمنواؤں کی دلیلیں دیکھ کر انہیں کے حق میں فتویٰ صادر کر دیں؟

کہا کہ آخر میرے ایسا کرنے میں خرابی کیا ہے؟ مجھ سے جب کسی مسئلہ کی بابت سوال ہوا تو میں صرف اسی کا مکلف ہوں کہ اپنے مطالعہ کی روشنی میں فتویٰ دوں۔

اس پر گرفت کرتے ہوئے میں نے کہا: آپ ہی نے ابھی تسلیم کیا کہ میں متبع ہوں اور دوسروں کو بھی ایسا ہی ہونا چاہیے، پھر اتباع کی تشریح آپ نے یوں کی کہ تمام مذاہب کے اقوال و دلائل کا جائزہ لے کر کتاب و سنت کے قریب ترین دلیل کو راجح قرار دینا ہے، جب کہ اس معاملہ میں آپ نے اپنے موقف و منہج سے روگردانی کی، یہ جانتے ہوئے کہ مذاہب اربعہ میں اجتماعی طور پر ایک مجلس میں تینین طلاق دینا تین واقع ہوتی ہے، یہی نہیں بلکہ آپ کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ اسی ثبوت میں ان کے یہاں ٹھوس دلائل موجود ہیں، اب ان دلیلوں پر مطلع ہوئے بغیر رائے زنی کرتے ہوئے آپ نے خرق اجماع کا ارتکاب کیا، کیا آپ کو پہلے سے معلوم تھا کہ اس مسئلہ میں ان کی دلیلیں مردود ہیں؟ کہا کہ میں ایسا نہیں سمجھتا تھا، مگر میرے پاس وہ کتابیں دستیاب نہیں تھیں کہ میں ان دلائل کا جائزہ لیتا۔

میں نے پوچھا: پھر آپ نے انتظار کیوں نہ کیا؟ آپ نے جلد بازی سے کیوں کام لیا؟ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کا مکلف نہ کیا تھا، انصاف سے کہیے: جمہور ائمہ کی رائے پر مطلع نہ ہونا ہی ابن تیمیہ کی رائے کو قوی تصور کرنا آپ کو روایتیہ اور اندھی تقلید اس کے علاوہ کئی اور چیز کا نام ہے؟

اس نے کہا کہ میرے پاس جتنی کتابیں مہیا تھیں، انہیں میں دلائل دیکھ کر میں مطمئن ہو گیا، اور اس سے زیادہ کام میں مکلف نہ تھا۔ میں نے پوچھا: اگر کوئی مسلمان اپنے پاس موجود کتاب میں کوئی دلیل دیکھ کر مذہب جمہوریہ مخالفت کو واجب کر دے گرچہ ان کی دلیلیں نہ دیکھیں ہوں، کیا ایسا کرنا ممکن ہے؟

ہاں! ممکن ہے، اس نے جواب دیا۔

میں نے کہا: اگر کوئی نو مسلم اللہ تعالیٰ کے ارشاد: "وللہ المشرق

والمغرب فاینما نولوا فثم وجه اللہ ان اللہ واسع عليم" (بقرہ: ۱۱۵) کو دیکھ کر یہ سمجھ بیٹھے کہ نماز میں کسی بھی جانب چاہے، جیسا کہ آیت کریمہ کا ظاہری لفظ دلالت کرتا ہے، اس کے لیے کو معلوم ہو کہ ائمہ اربعہ اور علما کرام استنباط قبلہ کو سخت نماز سے مانتے ہیں۔ لیکن ان کی دلیلوں پر مطلع نہیں ہوا، ایسا شخص جب نماز کھڑا ہو تو کیا کرے؟ آیا اپنی فہم کے مطابق دلیل قطعی پر عمل کرے؟ متفقہ فیصلہ کی اتباع کرے؟ جو اس کے فہم خاص کے برعکس ہے۔ کہنے لگے: ہاں اپنی فہم کے مطابق عمل کرے۔

یعنی مشرق کی جانب چہرہ کر کے نماز پڑھے اور اس کی درست ہوگی؟ میں نے پوچھا۔

جواب دیا: ہاں درست ہوگی، کیوں کہ وہ اپنے اطمینان قلب کا مکلف تب میں نے کہا: فرض کرو یہی اطمینان قلب اس کو اس حاصل ہو جائے کہ زنا کرنے، شراب پینے اور مال حرام کھانے خرچ اور مضاائقہ ہو سکتا ہے؟ تو کیا اللہ اس کے لیے یہ سارے حلال کر دے گا؟

یہ سن کر آجناب خاموش رہے، پھر کہا کہ بہر حال ایسی حال وہی اور خیالی ہے اس کا صدور شاذ و نادر ہے۔

میں نے کہا: جناب! وہی اور خیالی نہیں بلکہ یہ امر واقعہ سے نہیں! اس سے بھی عجیب و غریب حادثات رونما ہوتے رہتے ہیں۔ مسلمان جسے نہ قرآن وحدیث کا علم ہے، نہ علوم اسلامیہ میں مہارت، اس نے آیت مذکورہ دیکھ کر ظاہری لفظ سے یہ گمان کر لیا کہ کسی چہرہ کر کے نماز ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں، جب کہ دنیا کے مسلمان جہت قبلہ میں متوجہ دیکھتا ہے؟ اس کے باوجود آپ اس صورت وہی قرار دے رہے ہیں اور دلی اطمینان کو اتنا معتد و معتبر گردان رہے ہیں کہ اس کے ہوتے نص قطعی میں اپنی ذہنی اونچ سے تصرف تک رہے ہیں، یاد رہے کہ یہ چیز بھی آپ کی مفروضہ تقسیم کے معارض لوگوں کی تین قسمیں ہیں (۱) مقلد (۲) متبع اور (۳) مبتدع۔

پھر بات بناتے ہوئے کہا کہ ایسے شخص کو بحث و تفتیش کرنی چاہیے میں نے کہا: اس کے پاس تحقیق کے ذرائع مفقود تھے، جسے آپ کے ساتھ مسئلہ طلاق میں ہوا تھا، تو کیا یہ شخص اپنے دلی اطمینان ہی مصر رہے گا اور اجماع امت کو قابل اعتنا نہ سمجھے؟

ساتھ ہے، بالکل اسی طرح اس تو مسلم نے ائمہ کا اتباع سنا پھر قرآنی آیت کو اپنی ناقص فہم کے مطابق سمجھا اور اس پر عمل کر کے استقبال قبلہ نہ کیا تو اس کی نماز کب درست ہوگی؟

اس نے کہا: برادر! قرآن نور ہے نور..... اور کیا نور بھی اپنے وجود و ولایت میں کبھی کسی کا محتاج ہوتا ہے؟

میں نے کہا: جی ہاں! قرآن کا نور ہی قاری و ناظر کی عقلوں میں منعکس ہوتا ہے، بھی تو وہ اللہ کی مراد اس سے سمجھ لیت ہے، مگر اہل علم اور جاہل میں کچھ تو فرق ہوتا ہے؟

میری پیش کردہ دونوں مثالوں میں سوز و غمت و یکسانیت ہے، اب جواب آپ کے سر ہے کہ دونوں سرگرواں شخص اپنی ذاتی معلومات کی اتباع کریں یا ماہرین فن کی تقلید؟

پھر بھی اڑیل اپنی ہٹ پر اڑا رہا کہ اطمینان قلب بہر حال اصل ہے تو میں نے پھر وہی مثال دہرائی کہ دلی اطمینان پر اعتماد کر کے اطباء کے مشوروں کو ٹھکرا کر اپنے بچہ کو گویا عمارتوں والے پر شرعی مواخذہ ہے یا نہیں؟

تعصب و عناد اور حماقت کی ابتلاء کرتے ہوئے بے دھرم کہتا ہے کہ اس پر کوئی ذمہ داری عاید نہیں ہوتی۔

تب میں نے سوچا کہ ایسے اڑیل اور متعصب شخص سے گفتگو بے سود ہے، اہل بصیرت انصاف کریں۔ کیا روئے زمین پر اس سے بڑھ کر کوئی اندھی تقلید کرنے والا یا عقل و خرد کا مفلس ہوگا، جو تعصب و عناد کی رو میں بہہ کر شرعی مسلمات کا انکار کر تیٹھے؟

سبحان اللہ! ایک جاہل اپنی فہم ناقص پر اعتماد کر کے مسلمانوں کے قبلہ سے منحرف ہو کر نماز ادا کرے تو اس کی نماز کی صحت کی ضمانت دی جائے، اور ایک عام انسان اپنے ذاتی مطالعہ کی بنیاد پر کسی کا علاج کر کے مریض کو موت کے گھاٹ اتار دے تو اس کے بارے میں کہا جائے، اس پر کوئی مواخذہ نہیں؟

اگر ولی اطمینان کا درجہ اس قدر بلند ہے تو کیا وجہ ہے کہ ہمیں اس کے استعمال پر پابندی لگائی جائے، ہمیں بھی تو یہ حق حاصل ہونا چاہیے کہ کہہ سکیں احکام شریعت سے ناواقف شخص پر ائمہ مجتہدین کی تقلید اس لیے ضروری ہے کہ ان کی دلیلیں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے قریب تر ہیں۔ اور ان کی فہم سلیم ان کا زیادہ ادراک کرنے والی تھی۔ ﷺ

کہ ہاں! جب خود غور و فکر اور تلاش و جستجو نہیں کر سکتا تو وہ روئے اپنی صواب دید کے مطابق عمل کرے۔

میں نے کہا: آپ کی بات بڑی عجیب و غریب ہونے کے ساتھ انتہائی سچی ہے، اگر آپ کی طرف منسوب کر کے کسی سے کہہ دوں تو؟

نے بڑی جرأت سے جواب دیا: جس سے چاہیں کہہ دیں۔ نہیں۔

میں نے کہا: ہاں! جب آپ کو اللہ کا خوف نہیں تو بھلا کس کا خوف؟ آپ اللہ کا ارشاد ”فاسئلواہل الذکر ان کنتم لا تعلمون“ (سورہ نحل، آیت: ۴۳) ٹھکرا سکتے ہیں تو پھر کس کی مانیں گے؟

میں آکر کہا: برادر! یہ ائمہ کوئی معصوم نہیں تھے، ہاں رہی وہ خصوص تو یہ ضرور اس ذات پاک کا کلام ہے جو جملہ انسانوں سے پاک و منزہ ہے، پھر کوئی ذی فہم غیر معصوم کے فیصلے سے کب مستغنی ہو سکتا ہے؟

میں نے کہا: نادان! ”وللہ المشرق والمغرب..... الخ“ ہے نہ کہ اس جاہل تو مسلم کی فہم اور میں تو انہیں دو عقلوں کے فیصلہ چاہتا ہوں، بایں طور کہ ائمہ بھی معصوم نہیں اور جاہل تو نہیں تاہم اول الذکر علوم اسلامیہ میں مہارت تامہ رکھتے ہیں۔ اس سے قطعاً جاہل و بیگانہ اور نیکس ناواقف ہے۔

کہہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس سے زیادہ مکلف نہیں کیا۔

میں نے کہا: پھر میرے سوال کا جواب دیجیے! ایک شخص کا بچہ بیمار ہے، اس کا علاج کیا اور سب نے آخر میں متفقہ طور پر فیصلہ دیا کہ اس کا آپکیشن ہرگز نہ دیا جائے ورنہ بچہ کی موت واقع ہو جائے، برخلاف بچہ کے باپ نے کہیں کسی طبی جریدے میں آپکیشن کا آپکیشن فلاں مرض میں مفید ہے۔ اس نے اپنی جہرہ سے کر کے اطباء کے اجماعی مشورہ کو پس پشت ڈال کر آپکیشن دیا اور بچہ موت کی آغوش میں پہنچ گیا۔ بتایا کہ ہرگز نہ دیا جائے؟

یہ واقف کے بعد انتخاب نے فرمایا: یہ تو دوسری بات ہے۔

میں نے کہا: ہرگز نہیں، معاملہ بالکل یکساں ہے، اس شخص نے جس فیصلہ سے اس کے پیچھے کیا حکمتیں تھیں، اسے نظر انداز کر کے مقابلہ میں اپنی ذاتی معلومات پر اعتماد کیا، نتیجہ تمہارے

اظہار خیالات

اس کالم میں آپ سیاسی، سماجی، ادبی، مذہبی اور ملی کسی بھی مسئلہ پر اپنی فکر اور اپنے خیال کا برملا اظہار اور بے لاگ تبصرہ کر سکتے اور اتنی نوٹ کے ساتھ شائع کیا جائے گا، واضح ہو کہ اس سلسلے میں آپ کی تحریر مختصر اور جامع ہونی چاہیے۔

اجتہاد اور تقلید امت کی بنیادی ضرورت

پروفیسر سید محمد امین

خانقاہ عالیہ برکاتیہ، مارہرہ مظہرہ، ضلع گجرات

قرآن و حدیث اسلام کے بنیادی دستور ہیں۔ ان پر عمل پیرا ہونا اور ان سے ہدایت حاصل کرنا ہر مسلمان کا بنیادی فریضہ ہے۔ نیز مطالبات تک رسائی کے لیے صرف قرآن و حدیث کا ترجمہ پڑھ لینا کافی نہیں ہے، بلکہ اس کے لیے اور بہت سارے علوم اور شرائط پڑھنی ہیں۔ حضرات صحابہ کرام اور تابعین عظام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے قرآن و حدیث کے سمندر کی غواصی کر کے بے شمار جھلکے کرامت مسلمہ کے سامنے پیش کر دیے ہیں، جن سے قیامت تک دنیا فائدہ اٹھاتی رہے گی۔ ائمہ مجتہدین کا یہ وہ لازوال کارنامہ اور باکمال ہے، جس کا قیامت تک نہ حق ادا کیا جاسکتا ہے، نہ جواب لایا جاسکتا ہے، اس لیے اجتہاد اور تقلید امت مسلمہ کی بنیادی ضرورت ہے، مٹا ہی نہیں قرآن اور معانی حدیث پر کما حقہ عمل نہیں کیا جاسکتا۔ ہمارے امام اعظم امام الامامہ حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اللہ تعالیٰ بے شمار رحمتوں کے پھول برسائے جنہوں نے اجتہاد کے اصول متعین کیے اور تدوین فقہ کی بنیاد ڈالی اور امت مسلمہ کے آسانیاں پیدا کر گئے، جن کا شمار نہیں ہو سکتا۔

ادھر پچاس سو سال کے اندر غیر مقلدیت اور وہابیت نے نہ برصغیر میں وبا کی شکل اختیار کر لی ہے، جسے دیکھو قرآن فہمی اور حدیث کیے پھرتا ہے اور ایک شترے بے مہار کی طرح حضرات ائمہ اور بزرگان دین پر تبرا بازی کرتا نظر آتا ہے، ایسے ماحول میں ماہنامہ جام نور اجتہاد و تقلید نمبر نکال کر امت مسلمہ کو صحیح صورت حال سے آگاہ کرنے کا ایک اہم فریضہ انجام دیا ہے، اس شمارے میں ہندو پاک اور دیگر دل و دماغ کہلائے جانے والے اہل علم کی تحریریں شامل ہیں، تقلید مخالف خیال کی بھی آراء شامل کی گئی ہیں تاکہ دونوں رخ واضح ہو سکے القدر مولانا خوشتر نورانی صاحب کو اس نمبر کی بروقت پیش کش پر مبارکباد پیش کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اہل علم کی یہ کاوشیں مقبول و ندی ہوں اور امت مسلمہ کو صحیح صورت حال سے آگاہ کریں تاکہ وہ اپنے بزرگوں کی دینی خدمات کے معترف ہو کر ان کے حضور ادب اور کاشعور بیدار رکھیں۔ آمین بحاجہ النبی الامین علیہ اکرم الصلوٰۃ و افضل التسلیم!

مخالضین تقلید نے تقلید کی ایک فنی روایت قائم کی

حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالہ

زیب سجادہ آستانہ قادریہ، بدایوں شریف

جام نور کے ”اجتہاد و تقلید نمبر“ کا اعلان پڑھ کر مسرت ہوئی، یہ وقت کی اہم ضرورت ہے، آج جس تیزی سے امت کے سادہ لوح و متقدمین اور مجتہدین کی تقلید سے برگشتہ کر کے سعودی عرب کے بعض شیوخ کی تقلید پر آمادہ کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں، ان کو دیکھ کر جماعت اہل سنت کی جانب سے اس پیمانے پر دفاعی اقدامات نہیں کئے جا رہے ہیں جو اس قسم کی منظم تحریک سے نمٹنے کے لئے کافی ہوں

اجتہاد و تقلید

ہم نور اور اس کی مجلس مشاورت و ادارت مبارک یاد کی مستحق ہے، جس نے اس خلا کو محسوس کرتے ہوئے مسائل اجتہاد و تقلید کی تشریح و تفہیم کے لئے خصوصی نمبر نکالنے کا فیصلہ کیا ہے، میں صمیم قلب سے اس اقدام کا خیر مقدم کرتا ہوں، اور دعا گو ہوں کہ رب مقتدر اس موقع نمبر کو زیادہ سے زیادہ نفع بخش بنائے، اور اس کو گم گشتگان راہ کے لئے ذریعہ ہدایت و رہنمائی بنائے۔ آمین

تقلید ائمہ کو حرام و شرک قرار دینے والے اور بزرگمذہب و علم باللحدیث کرنے والے حضرات کی کتابوں کا مطالعہ کیجیے آپ پر یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ ان لوگوں نے اس سے زیادہ کچھ نہیں کیا کہ ائمہ متبوعین کی تقلید کا قلاوہ گردن سے اتار کر ابن حزم، ابن تیمیہ، ابن قیم، شوکانی اور البانی کی مدعی تقلید کا طوق اپنی گردن میں ڈال لیا، مذاہب اربعہ کی مخالفت کی اور اس کے نتیجہ میں ایک پانچویں مسلک کی بنیاد ڈال دی۔ ائمہ مجتہدین، فقہاء بعض تابعین و صحابہ کی شانوں میں بے ادبیاں اور گستاخیاں کرنا اپنا شعار بنالیا، تشدد اور فکری انحراف کا یہ حال کہ گزشتہ ایک ہزار سالہ اسلامی تاریخ میں گزرے ہوئے لاکھوں مقلدین، علماء، صلحا، صوفیا، محدثین و مفسرین کو گمراہ اور جاوہ حق سے منحرف کہنے اور کلکتے میں ذرا جھجک محسوس نہیں کرتے۔ ہر چھوٹے بڑے کو آپ دیکھیں گے کہ وہ چند مٹھی بھر غیر مقلدین کے علاوہ تمام احناف، شوافع، اشاعرہ، ماتریدیہ اور صوفیہ کو کافر مشرک اور گمراہ کہتا ہوا نظر آئے گا۔ تقلید سے چھٹکارہ اور آزادروی آخر کار ان کو اتنی پستی میں لے جاتی ہے کہ وہ دین و ایمان ہی سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ ایک مشہور غیر مقلد عالم نے اپنا پچیس سالہ تجربہ اس طرح بیان کیا ہے: ”پچیس برس کے تجربے سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ آخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں، ان میں بعض عیسائی اور بعض لاد مذہب بن جاتے ہیں، جو کسی دین و مذہب کے پابند نہیں رہتے اور احکام شریعت سے فسق و خروج تو اس آزادی کا ادنیٰ نتیجہ ہے۔“ (محمد حسین بٹالوی: اشاعت السنۃ، جلد شماره ۲ ص ۵۳) یہ ہے ترک تقلید کا آخری نتیجہ۔ اللہ اپنی حفظ و امان میں رکھے اور ہمیں اپنے اسلاف کرام صحابہ و تابعین، مجتہدین اور اولیاء کاملین کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

تقلید کی مخالفت ایک سازش کا نتیجہ ہے

حضرت شاہ سید محمد اکبر مودودی چشتی

زیر سجادہ آستانہ عالیہ صمدیہ، کچھوند شریف، ضلع اوریا

تقلید کا وجوب آیات قرآنیہ، احادیث صحیحہ، اجماع امت، اور اقوال مفسرین سے ثابت ہے، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ”اهدنا الصراط المستقیم صراط الذی ینعمت علیہم“ اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ صراط مستقیم وہی ہے جس پر اللہ کے انعام و بندے چلیں۔ اس امت کے اولیاء، صلحا، محدثین، مفسرین، فقہاء اور حاکم القدر علماء نے ائمہ مجتہدین کی تقلید فرمائی ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہی صراط مستقیم ہے۔ سرکارِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا ”لا تفرق جمع امتی علی الضلالۃ“ یعنی میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی، اگر تقلید کر گمراہی ہوتی تو امت اسلامیہ کے یہ حاکم القدر ائمہ، علماء، محدثین، مفسرین اور اولیاء و صلحا ہرگز تقلید پر اتفاق و اجماع نہ کرتے۔

اجتہاد کا ثبوت بھی احادیث صحیحہ سے ہے، احکام شرعیہ میں بہت سے مسائل ایسے ہیں جن کا حکم و ثبوت صراحۃً کتاب و سنت میں نہیں ہے ایسے مسائل کے حل کے لئے اجتہاد ناگزیر ہو جاتا ہے، اگر ایسے مسائل میں اجتہاد سے صرف نظر کر لیا جائے تو اس قسم کے مسائل میں حلت و حرمت کا ادراک ایک امر دشوار ہے۔

قرآن کریم میں مسلمانوں کے ایک گروہ کو ”تلفقہ“ حاصل کرنے کی ترغیب دی گئی ہے، قرآن کریم کی اس ترغیب پر بلیک کہتے ہوئے بعض علم و اجتہاد نے اپنی تمام صلاحیتیں اور قوتیں حصولِ تفقہ میں صرف کر دیں، جس کے نتیجہ میں انہوں نے کتاب و سنت کا گہرا مطالعہ کر کے تمام احکام شریعت کو نہ صرف یہ کہ محکم دلیلوں کے ساتھ مدون کر دیا بلکہ کتاب و سنت سے مسائل کے استخراج و استنباط کے لئے ایسے قواعد کلیہ اور محکم اصول وضع فرمائے جن کی روشنی میں ہر نوپیدا مسئلہ کا حکم کتاب و سنت سے اخذ کیا جاسکتا ہے، اہل علم کی اسی جماعت کو ہم مجتہدین کہتے ہیں، جب اس امت کے مجتہدین کی غیرت پر نظر کرتے ہیں تو ہمیں بے شمار اماں و زریں حروف سے لکھے ہوئے نظر آتے ہیں، مگر ان میں وہ چار مجتہدین سب

سے نمایاں ہیں جن کی اتباع و تقلید گزشتہ ایک ہزار یا اس سے زیادہ برس سے یہ امت متفقہ طور پر کرتی آرہی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ حقیقت اطاعت و اتباع صرف اللہ جل جلالہ اور اس کے حبیب کریم ﷺ کی ہے، ائمہ کی تقلید صرف ان کے فہم میں کی جاتی ہے، یعنی ایک عام آدمی کے لئے یہ ایک دشوار گزار امر ہے کہ وہ مسائل شریعت کو ان کے تفصیلی ادلہ کے ساتھ کتاب و سنت سے مستنبط کرے، لہذا اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ فہم کتاب و سنت کے سلسلہ میں ان مجتہدین میں سے کسی پر اعتقاد کرے۔

مذہب اربعہ اپنے اصول و قواعد اور کلیات و فروع کے ساتھ مدون و مرتب ہیں، یہ مرتبہ دیگر ائمہ کے مذاہب کو حاصل نہیں ہوا، لہذا اب انہیں چار میں منحصر ہو گئی۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا نام نامی وہ لوگ بہت استعمال کرتے ہیں جو تقلید کو حرام و شرک قرار دیتے ہیں، مگر ذرا صاحب کا یہ فرمان ملاحظہ فرمائیں: ”ولما اندرست المذاهب الحق الا هذه الاربعة كان اتباعها اتباعاً للسواد الاعظم والخروج عنها خروجاً من السواد الاعظم“۔ (ترجمہ) ”اور جب ان مذاہب اربعہ کے علاوہ باقی سبھی مذاہب کا اعدام ہو گئے تو اب ان کے اتباع سواد اعظم کا اتباع کہلائے گا، اور ان مذاہب اربعہ سے خروج سواد اعظم سے خروج ہوگا۔“

آج جب کہ اسلام کو مختلف قسم کی سازشوں کا سامنا ہے وہیں سے امت کے خلاف ایک بڑی سازش یہ بھی ہے کہ اس کو اس کے اسلاف طریقتہ سے الگ کر دیا جائے، اور یہ سازش کہیں عمل بالجہدیت کے خوشنما غروں کے ساتھ اور کہیں ترک تقلید کی دعوت کے ساتھ رچی جا رہی ہے۔ سازش کی جڑیں عالم اسلام میں مضبوط کرنے کے لئے امریکی ڈالر اور سعودی ریال دونوں کی تجوریاں کھول دی گئی ہیں، ہمارے مخالف کی کوشش کہ کسی طرح اس امت کو اس کے اسلاف کے نقش قدم سے منحرف کر دیا جائے۔ ایسے نازک وقت میں اس بات کی سخت ضرورت تھی کہ اس امت کے خلاف کوئی مؤثر و مستحکم اقدام کر کے الحاق حق اور ابطال باطل کا اہم فریضہ انجام دیا جائے، تاکہ امت کے ایمان و عقیدے کی حفاظت ہو۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ماہنامہ جام نور کے مدیر اعلیٰ اور ان کے رفقاء کار کو اس اہم کام کی توفیق مرحمت فرمائی، اور ان حضرات نے وقت کے ایک دینی تقاضے کو پورا کرنے کے لئے یہ قابل ستائش اقدام کیا۔

میں اس اقدام پر ہمیم قلب سے جام نور کے ذمہ داران کو مبارکباد پیش کرتا ہوں، اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اس میں آپ کا مایہ فرمائے اور خالصاً لوجہ اللہ خدمت دین و سنت کی توفیق مرحمت فرمائے۔ (آمین)

تقلید شخصی: دین فطرت کا فطری مطالبہ

مفتی محمد میاں ثمر دہلوی

سجادہ نشین خانقاہ مظہریہ مسعودیہ، اندرون شانی سید فتح پوری

بارگاہ رب کریم میں بندوں کی نیاز مندانہ حاضری اور عبادت کی سب سے زیادہ پسندیدہ اور مقبول صورت وہ ہے جو اس برتر و بے نیاز و حشر شریک کی سب سے زیادہ پسندیدہ، سب سے زیادہ مقرب اور سب سے زیادہ مقبول و محبوب مخلوق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سکھائی ہوئی ہے، جسے کہا جاتا ہے۔ نماز اول تا آخر اظانف و معارف، ذکر و عبادت اور محاسن و کمالات قرب و عہدیت کا مجموعہ ہے، بالخصوص سبع مثانی کا ہر نماز واجب اور لازمی قرار دیا جانا (لا صلوة الا بقاتحة الكتب) اور وہ بھی ایک بار نہیں بلکہ نماز کی ہر رکعت میں اس کا اعادہ، علاوہ دیگر بے شمار امور و رموز کے اس حقیقت کو بھی ظاہر کرتا ہے کہ اس مقدس کلام کے ذریعہ بندوں کو جس نعمت کے حصول کے لیے دعا سکھائی گئی ہے، وہ ان نعمتوں سے نہیں ہے، جن کے حصول کے بعد طلب پوری ہو جاتی ہے، بلکہ اس دعا میں بندوں کو اس نعمت عظمیٰ کا طلب گار بنایا گیا ہے، جس کے حصول کے ساتھ ہی طلب مزید کی توفیق و ترقی سے بھی سرفراز فرمایا جاتا ہے اور اس راہ پر چلانے کی التجا سکھائی گئی ہے، جس کی منزل، قرب خداوندی کا حقدقدس ہے، جو لاحد و ہے۔ لہذا طالبین کی طلب کو شرف قبول کی جن نعمتوں سے نوازا جاتا ہے وہ حسب استعداد نہ صرف ان کے احوال زندگی کو بہتر ہوتی ہیں، بلکہ عطا و عنایات غیر متناہیہ سے وابستہ ہو جاتی ہیں۔ اس لیے حضور سرکار ابد قراری صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام وفادار امتیوں کی انفرادی اجتماعی زندگی کی تمام ضرورتوں حاجتوں اور حالتوں کے تقاضوں کے لیے قیامت تک ہر دور میں کافی دعاوی یہی جامع دعا ہے: اھدنا الصراط

تسمیہ الی ولا الضالین ۵۔ جس میں صراط مستقیم کی ایسی واضح جامع مانع تعریف فرمائی ہے، جس میں نہ اہل علم کے لیے اس کے یقین میں کسی شبہ کی گنجائش اور نہ عوام کے لیے اس کے پہنچانے میں کوئی وقت، سیدھے راستے کی تسہیل کو چلنے والوں کے روشن اور ناقابل انکار ایسے وہی نشانِ حجت خدا واد کے ساتھ مشروط و مروط فرمایا ہے، جسے بزور بازو اور کوشش و محنت کی بنیاد پر کوئی حاصل نہیں کر سکتا۔ بلکہ ہر زمانہ میں مقبول حجت خدا و رسول (تعالیٰ و تقدس و صلی اللہ علیہ وسلم) سے نوازے جانے والے اہل زمانہ ہی متعم علمہم اور انعمت علیہم کے صحیح مصداق ہوتے رہیں۔

وَمَنْ يَطْعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ

قرآن حکیم نے صراط مستقیم کی اس تشریح سے ہر دور کے ان انسانوں کے زعم باطل پر کاری ضرب لگائی ہے، جو عجب اور تکبر کی لاعلاج بیماری میں مبتلا اور باطل میں گرفتار ہونے کے باوجود حق پر ہونے کے دعویدار ہوں اور حقیقت میں فتنہ و فساد کے علم بردار ہوتے ہوئے خود کو مصلح گردان کر علم و حجت سے بدرجہا بلند و برتر شخصیات سے نہ صرف اختلاف اور کج بحثی کریں بلکہ بے جا علن طعن اور مجاہدہ و مکابہ کی جارحانہ روش اپنائیں، جس کی آغاز میں یعنی حضرت آدم علیہ السلام کے جسم خاکی میں نفخ روح فرماتے ہی، تمام ملائکہ کو حضرت آدم کے آگے سجدہ واجب حکم تھا، ابلیس یعنی جو اس وقت تک عزرائیل اور تمام فرشتوں میں بڑا عبادت گزار اور جلیل القدر عالم ہی نہیں بلکہ مستجاب الدعوات کی حیثیت سے حضور اور محترم تھا، سوائے حق سبحانہ تعالیٰ کے اس کے دل کا تکبر اور خود پسندی کا خبث کوئی نہیں جانتا تھا، اللہ تعالیٰ شانہ نے سجدے کا حکم فرما کر اسے پکڑ لیا اور ابلیس نے نہ صرف یہ کہ سجدہ نہ کیا بلکہ باز پرکھنے پر حضرت حق جل مجدہ سے کج بحثی کرتے ہوئے انتہائی بے حیائی اور ڈھٹائی کے ساتھ یہ کہہ کر اس کی دہشت میں اس سے بہتر ہوں اور اس کی دلیل یہ پیش کی کہ تو نے مجھے آگ سے پیدا فرمایا اور آدم کو ابلیس یعنی نے تکبر اور خود پسندی کے گھمنڈ میں اندھا ہو کر، باطل پر ہوتے ہوئے، اپنے حق پر دکھانے میں اتنا بھی نہ دیکھا کہ میں کس کے مخالف و رزی کر رہا ہوں اور کس کے سامنے احقاً نہ دلیل پیش کر رہا ہوں، اس وقت راندہ درگاہ ہونے کے بعد اور قیامت تک کی مہلت لینے کے لیے اپنی بد باطنی کا غبار نکالتے ہوئے اولاد آدم کو انتقام گمراہ کرنے کا اعلان اور اظہار کیا کہ میں ان سب ہی کو گمراہ کر دوں گا، سوائے تیرے ان کے جو اخلاص سے نوازے گئے ہیں۔ خدائے ذوالجلال نے بھی فرما دیا کہ میرے بندوں پر تیرا کچھ قابو نہیں، سوائے ان گمراہوں کے جو تیری راہ میں آجائیں۔ چنانچہ حضرت آدم سے حضور نبی آخر الزماں کی مدت تک ابلیس نے اپنی کوششوں میں کوئی کسر نہ چھوڑی، تمام پچھلی امتوں میں تفرقہ ڈالا کہ کہ بنی اسرائیل میں بہتر ۲۴ فرتے ہوئے اور اس آخری امت میں ۳۰ فرتوں کی پیشین گوئی حدیث پاک میں فرمائی گئی جو اہل علم سے پوشیدہ نہ تھی۔ حضور داتاے بل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انکشاف فرما دیا کہ میری امت کے ان بہتر فرقوں میں صرف وہ ایک فرقہ ناجی ہوگا جو میرے اور صحابہ کے طریقہ پر ہوگا، باقی ۲۴ فرقے سب ناری (جہنمی) ہوں گے۔ یہ حدیث تمام امت مسلمہ کے لیے بڑی عبرت ناز اور فکر انگیز ہے۔ ان کے ہجوم میں فرقہ ناجیہ کے امتیاز اور تشخیص کا تحفظ تمام اہل ایمان کے لیے ناگزیر ہے۔ یہ ایسا اہم اور نازک مسئلہ ہے جس پر آخرت کی نجات و نجات کا کامی کا دار و مدار ہے۔ انفس کے دینی معلومات سے محرومی اور ناواقفیت اور دنیوی تعلیم کی خوش فہمی نے ۲۴ جہنمی فرقوں سے ایک جہنمی فرقہ کی پیدائش حاصل کرنے کی بجائے بہت سے لوگوں کو بڑے فخر اور برتری کے انداز میں یہ کہتے سنا جاتا ہے کہ سب ایک ہیں، سب حق پر ہیں۔ شیعوں، صوفیوں وغیرہم سب بھائی بھائی ہیں، ان میں کوئی فرق نہیں۔ حالانکہ یہ دھوکہ اور غلط فہمی کے علاوہ کچھ نہیں اور حقیقت کے سر اسر ہے کہ کورہ حدیث سے بغاوت ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو دینی شعور اور بیداری و پاس داری عطا فرمائے۔ آمین۔

ان میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ سب کو متفق اور متحد کرنے پر قادر ہے۔ لیکن نیکی اور بدی، حق و باطل، ایمان اور کفر کی پہچان، ایک دوسرے سے متعارف ہو کر متوقف ہے۔ ابلیس کا واقعہ بنیاد ہے حق و باطل اور ایمان و کفر کے درمیان امتیاز کے لیے اور چونکہ اس نے اپنی تبلیغی سرگرمیوں کی چھوٹ بے قیامت تک کی مہلت حاصل کر لی ہے، اس لیے جاہد مستقیم سے ہٹ جانے والے فرقوں کا اس کے ساتھ خصوصی رابطہ اور دونوں کے درمیان امتیازی نشان ہے، خواہ کسی بھی شکل میں ہو۔ مگر تکبر، خود پسندی، اپنے سے برتر کو کم تر دکھانے کی ضد اور اس کی شان میں گستاخی وغیرہ یہ سب امت تمام فرقہ خالہ کو اس سے ورثہ میں ملی ہیں، چنانچہ فرقہ ناجیہ اہل سنت و جماعت کے مقابل اور حریف فرقوں میں مذکورہ خصوصیات کسی نہ کسی

حد تک ضرور پائی جاتی ہیں۔ مثلاً ۱۲۰۹ھ میں پیدا ہونے والے فرقہ واریہ کے تعارف میں محدث دیوبند مولانا حسین احمد مدنی اپنی کتاب الشہداء الثاقب میں رقم طراز ہیں: ”محمد ابن عبدالوہاب نجدی ابتدائے تیرہویں صدی میں نجد عرب سے ظاہر ہوا اور چونکہ یہ خیالات باطلہ اور عقائد فاسد تھے، اس لیے اس نے اہل سنت و جماعت سے قتل و قتال کیا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ جملہ اہل عالم اور مسلمانان دیار مشرک و کافر ہیں، ان سے قتل و قتال اور ان کے اموال کو ان سے چھین لینا، حلال اور جائز بلکہ واجب ہے۔ چنانچہ وہ اب صدیق حسن خاں نے خود اس کے ترجمہ میں ان دونوں باتوں تصریح کی ہے۔“ ایسے ہی فرقہ غیر مقلد کے بارے میں شیخ علمائے دیوبند مولانا گنگوہی اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں: ”جو شخص تقلید شخصی کو جو مامور و مسخر من اللہ تعالیٰ ہے، شرک یا بدعت کہتا ہے وہ جاہل و گمراہ ہے“ اور جیسا کہ مذکورہ آیات قرآنیہ سے روشن ہے کہ تقلید شخصی ایک ایسی فطری و دینی ضرورت ہے، جس کے بغیر اب کسی دور میں بھی امت مسلمہ کے لیے چارہ نہیں ہے۔ نیز مشہور غیر مقلد اب وحید الزماں لکھتے ہیں: ”ہمارے اہل حدیث بھی نے ابن تیمیہ اور ابن قیم اور شوکانی اور شاہ ولی اللہ اور مولوی اسماعیل صاحب کو دین کا ٹھیکہ دار بننا رکھا ہے، جہاں کسی مسلمان نے ان بزرگوں کے خلاف کسی قول کو اختیار کیا، بس اس کے پیچھے پڑ گئے، برا بھلا کہنے لگے، بھائیو ذرا غور کرو اور انصاف کرو کہ جب تم نے ابوحنیفہ اور شافعی کی تقلید چھوڑ دی تو ابن تیمیہ اور ابن قیم اور شوکانی جو ان سے بہت متاخر ہوئے، ان کی تقلید کی کیا ضرورت ہے؟“۔ (حیات وحید الزماں ۱۰۲)

لہذا خوب واضح ہو گیا کہ غیر مقلدین کے لیے بھی تقلید شخصی کے بغیر چارہ نہیں ورنہ کتے کے گوشت کی حرمت کا حکم بتائیں کہ کس آیت یا حدیث میں ہے

تقلید ایک عظیم نعمت ہے

مولانا محمد الیاس عطاردی قادری رضوی

امیر سنی دعوت اسلامی، فیضان مدینہ، ہنری منڈی، سوداگران، کراچی (پاکستان)
سنگ مدینہ محمد الیاس عطاردی قادری رضوی عقی عنہ کی جانب سے تیسرے حضرت علامہ ارشد القادری علیہ رحمۃ اللہ القوی عزیزی محی قبلہ مولانا خوشنورانی صاحب زید مجدہ مدیر ماہنامہ جام نور کی خدمت عالی میں گند خضر اکو چومتا ہوا جھومتا ہوا مشکبار سلام..... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،
جام نور کے خصوصی ایڈیشن تقلید نمبر کی اشاعت پر آپ کو اور آپ کے سارے عملے کو ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں۔ اللہ عزوجل ماہنامہ جام نور کو دن گیارہویں اور رات بارہویں ترقی عطا فرمائے (امین بحوالہ النبی ﷺ) اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم

الحمد للہ عزوجل میں مقلد ہوں اور مقلد بھی امام اعظم، فقیہ ائمہ حضرت ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا۔ الحمد للہ اپنے خفی ہونے پر مجھے ناز ہے اور ناز کیوں نہ ہو کہ اس میں مغفرت کی بشارت جو ہے۔ چنانچہ درمختار وغیرہ میں ہے: حضرت سیدنا امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم نے اپنی زندگی میں 55 حج ادا فرمائے۔ آخری بار خد ام حرم محترم کے تعاون سے کعبہ مشرفہ کے اندر داخلہ کی سعادت ملی تو دونوں ستونوں کے درمیان کھڑے ہو کر نماز میں متکمل قرآن پاک ختم کیا اور دیر تک مناجات اور گریہ و زاری میں مشغول رہے۔ بیت اللہ کے ایک گوشہ سے ہاتھ فیبی نے آواز دی! اے ابوحنیفہ! تو نے سن معرفت کے ساتھ ہمیں پہچانا اور ہمارے دین کی خوب خدمت کی، قَدْ غَفَرْنَا لَكَ وَلَئِنْ اتَّبَعْتَ مَعْرُ كَنَا عَلَى مَذْهَبِكَ اِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ یعنی ہم نے تیری اور تاقیامت ہونے والے تیرے پیروکاروں کی مغفرت کر دی ہے۔ (الدر المختار ج ۱ ص ۱۲۶، ۱۲۷ ملخصاً دار المعرفۃ بیروت) اللہ عزوجل کی اُن پر رحمت ہو اور ان کے صدقے ہماری مغفرت ہو۔

خفی ہونے کے ناطے میں نے اپنے امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کی توصیف بیان کی، البتہ مذاہب اربعہ برحق ہیں اور ان ہر چہار مذاہب کے سب پیروکار نجات کے حقدار۔ میرے آقا اعلیٰ حضرت، امام اہل سنت، والی نعمت، عظیم البرکت، عظیم المرتبت، پرولانہ شمع رسالت، مجدد دین و ملت، حامی سنت، مالکی پدعت، عالم شریعت، پیر طریقت، باعث خیر و برکت، آفتاب حقیقت، حضرت علامہ مولانا مفتی الحاج الحافظ القاری الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن فتاویٰ افریقہ صفحہ 59 پر ایک استفتاء کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں: ”چاروں مذاہب والے حقیقی یعنی بھائی ہیں، ان کی مال شریعت مطہرہ اور ان کا باپ اسلام۔ طحاوی علی الدر المختار میں ہے: نجات پانے والا اگر وہ چار مذاہب حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی میں سے ہے اب جو ان چاروں سے خارج ہے وہ بدعتی جہنمی ہے۔“ (فتاویٰ افریقہ ص 59 نوری کتب خانہ مرکز الاولیاء لاہور) اللہ رب

آخرت غزوہ و فتنہ ہمیں ایسی باغیانہ عقل سے پناہ عنایت فرمائے کہ جو تقلید جیسی با عظمت نعمت کے ضیاع کا باعث بن کر جنت سے محروم کر دے۔

تقلید مخالفین تقلید کی بھی مجبوری ہے

ڈاکٹر شکیل احمد اعظمی

بڑا گاؤں، کریم الدین پور، گھوسی، ضلع منو (یوپی)

اسلام کا بنیادی ضابطہ اور مطالبہ تو دراصل اللہ و رسول کے احکام کی اطاعت و فرماں برداری ہے۔ لیکن قرآن و سنت میں چونکہ سارے احکام واضح اور صریح نہیں ہیں، ان میں کہیں اجمال کہیں ابہام اور کہیں یہ ظاہر تعارض ہے۔ ایسی صورت میں قرآن و حدیث سے احکام و مسائل کا استنباط و استخراج بے حد دشوار ہے۔ اس لیے قرین عقل اور اسلم و صائب طریقہ یہی ہے کہ ہم اپنے ناقص علم اور کوتاہ عقل و فہم سے کام لے کر از خود کوئی فیصلہ نہ کریں، بلکہ یہ دیکھیں کہ قرآن و سنت کے ان ارشادات سے ہمارے جلیل القدر علمائے اسلاف نے کیا سمجھا ہے۔ قرون اولیٰ کے جن بزرگوں نے اپنی ساری عمریں صرف کر کے مسائل کا استنباط کیا ہے اور جو علوم قرآن و حدیث کے زبردست ماہر تھے اور فضل و کمال زہد و ورع، ذکاوت و حافظہ، دین و دیانت اور فکر و فراست میں درجہ کمال پر فائز تھے اور دور صحابہ و تابعین سے قرب زمانی کے باعث قرآن و سنت کی مراد کو بہتر سمجھتے تھے، ان پر اعتماد کرتے ہوئے، مسائل پر جزیئہ اجتہاد میں ان کے احکام کا اتباع اور تقلید کریں۔

درحقیقت تقلید ائمہ مجتہدین کا اصل مقصد دین کی حفاظت اور قرآن و حدیث پر پابندی عمل کرنا ہے۔ تقلید ائمہ اربعہ درحقیقت عمل بالقرآن و سنت ہی ہے۔ دور رسالت میں دوسری صدی کے اوائل تک تقلید شخصی اور غیر شخصی دونوں کا رواج ہو چکا تھا اور پھر چوتھی صدی کے آخر میں تمام مسلمانوں میں تقلید شخصی پر اتفاق و اجماع ہو گیا اور آج تک اس کا رواج امت محمدیہ میں بدستور چلا آ رہا ہے اور اس سنت قدیمہ متوارثہ سے انکار، اتباع امت اور سواد اعظم سے انحراف اور تقلید کو شرک و بدعت قرار دینا، غیر مقلدوں کی ضد، ہمت دھری، حقائق سے چشم پوشی اور صریح گمراہی ہے۔ جب ائمہ اربعہ یعنی امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کی فقہ کتابی شکل میں مدون ہو کر تمام ممالک اسلامیہ میں پھیل گئی، تقلید شخصی کے سلسلہ میں کوئی بھی اختلاف نہ رہا، بلکہ اس کے خلاف کرنے کو سواد اعظم سے انحراف کے مترادف سمجھا جانے لگا۔ جو سخت ترین گناہ ہے۔ اس لیے کہ یہ فرمان رسول گرامی التبعوا السواد الاعظم فانہ من شد شد فی النار۔

حق تعالیٰ نے خیر القرون میں بے شمار صحابہ کرام تابعین و تبع تابعین و من بعدہم کو اس دولت اجتہاد سے نوازا اور خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن روانہ کرتے وقت صاف اور واضح لفظوں میں اجتہاد کی تحسین و تصویب فرمائی، حدیث پاک کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ بن جبل کو یمن کا قاضی بنا کر روانہ فرمایا تو یہ پوچھا کہ اگر کوئی قضیہ پیش آجائے تو کس طرح فیصلہ کرو گے؟ عرض کیا کتاب اللہ کے موافق فیصلہ کروں گا، فرمایا اگر وہ مسئلہ کتاب اللہ میں نہ ملے ہو؟ عرض کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے فیصلہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر اس میں بھی نہ ملے؟ عرض کیا اس وقت اجتہاد و استنباط کر کے اپنی رائے سے فیصلہ کروں گا اور تلاش میں اہل کسر اور کمی نہ کروں گا۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر (فرط مسرت سے) اپنا دست مبارک میرے سینے پر مارا کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اپنے رسول کے قاصد کو اس بات کی توفیق دی، جس پر اللہ کا رسول راضی اور خوش ہے۔

اس حدیث پاک سے بہت ہی واضح انداز میں اجتہاد و تقلید کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل یمن کے لیے اپنے صحابہ میں سے صرف ایک جلیل القدر صحابی کو بھیجا اور انہیں حاکم و قاضی اور معلم و مجتہد بنا کر اہل یمن پر لازم فرما دیا کہ وہ ان کی اطاعت و اطاعت کریں، انہیں صرف قرآن و سنت ہی نہیں بلکہ قیاس و اجتہاد کے مطابق بھی فتویٰ صادر کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ اس کا صاف صاف مطلب یہی ہے کہ آپ نے اہل یمن کو ان کی تقلید شخصی کی، نہ صرف اجازت دی بلکہ اس کو لازم بھی قرار دے دیا۔

غور فرمائیے کہ جب ہر علم و فن میں ان علوم و فنون کے ماہرین کی آراء پر اعتناء کیا جاتا ہے، خواہ وہ علوم و فنون، دینی و شرعی ہوں یا دنیاوی تو کوئی وجہ نہیں کہ مسائل شرعیہ میں، ہم ماہرین علوم شرعیہ کے احکام کو قابل عمل اور لائق اعتناء نہ سمجھیں اور ہم اپنے خام ذہن و فکر اور ناقص علم و فہم کی بنیاد پر براہ راست قرآن وحدیث سے استخراج مسائل کا دعویٰ کریں، وہ بھی حرص و ہوس، نفس پرستی اور انحطاط عقلی کے اس پر آشوب و پرفتن دور میں۔ کیا غیر مقلدوں کے گروہ کا ہر عامی و عالم براہ راست قرآن وحدیث سے مسائل کے استنباط کی اہلیت و صلاحیت رکھتا ہے؟

آخر کوئی بھی غیر مقلد دینی و شرعی مسائل اپنے علماء اور مفتیوں سے ہی تو دریافت کر کے ان پر عمل کرتا ہے، یا جاہل مطلق ہوتے ہوئے بھی خود ہی براہ راست قرآن وسنت سے مسائل معلوم کر کے ان پر عمل کرتا ہے۔ ظاہر ہے ایسا نہیں ہے تو پھر کوئی غیر مقلد انصاف و دیانت کے ساتھ یہ بتائے کہ وہ جس عالم و مفتی کے بتائے ہوئے فتویٰ پر عمل کرتا ہے، تو کیا وہ اس مفتی اور عالم کو مطاع تحقیقی سمجھ کر ایسا کرتا ہے، یا ان کو شارح شریعت سمجھ کر، کلی ہوئی بات ہے کہ وہ اس مفتی اور عالم کے حکم اور فتویٰ کو حکم شرع ہی سمجھ کر عمل کرتا ہے، اس مفتی اور عالم کے حکم و فتویٰ کو خود ساختہ ذاتی حکم سمجھ کر نہیں عمل کرتا تو پھر تقلید شخصی سے انحراف و گریز اور اسے شرک و بدعت قرار دینے کے باوجود اسی روش کو اختیار کرنا، کہاں کی دانش مندی ہے۔ یہ سوائے خود فریبی، نافرینی اور قہر و روئش بر جان و روئش کے اور کیا ہے؟ اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم

کے علاوہ صلاح و فلاح اور حزم و احتیاط کی کوئی دوسری سبیل، ممکن ہی نہیں، اس لیے فاسئلوا اہل الذکر ان کتم لا تعلمون

نئے دور کے جدید مسائل اہل علم کو دعوت فکر و تحقیق دے رہے ہیں

مولانا سید شاہ محمد اشتیاق عالم شہبازی

سجادہ نشین خانقاہ عالیہ شہبازیہ، مولانا چک، بھاگپور (بہار)

یاد ان نے کیا ہے مجھ کو بھی بندہ مسکین کیا شمار میں ہے

ماہنامہ جام نور نوع بہ نوع خصوصیت کے اعتبار سے ترقی کے مختلف مدارج اور مقبولیت عامہ کے مراحل سے گزر رہا ہے۔ حالات کے تقاضوں کو قریب سے دیکھنا اور اسی اعتبار سے اپنے آپ کو سمجھنا اور سنوارنا اس کی خصوصیت بن چکی ہے۔ اکثر ضروری اور کبھی غیر ضروری مباحث و آراء سے اس کے اوراق بھرے پڑے نظر آتے ہیں۔ عزیزم آپ کی جہد پیہم لائق تحسین ہے۔

جام نور کا یہ شمارہ اجتہاد و تقلید نمبر ہے، اس کی خبر آپ کے مسلسل مکتوب سے معلوم ہوئی اور اس کی اہمیت آپ کے پچھلے ماہ کے ادارہ سے واضح ہوگئی۔ میں بذات خود مذکورہ عنوان کے تعلق سے آپ کے موقف کے ساتھ ہوں اور اس سچائی سے کسی اہل فکر و نظر کو انکار نہیں ہونا چاہیے کہ دور حاضر میں سلفیت کے نام پر غیر مقلدیت کا فتہ ہمارے ارد گرد بھی اپنی منصوبہ بند حکمت عملی کی بدولت پاؤں پار رہا ہے اور ہماری نئی نسلیں اس دام ہمرنگ زمیں کا شکار ہوتی چلی جا رہی ہیں۔ میں خود اس موضوع پر ایک رسالہ لکھنے کی ضرورت محسوس کر رہا تھا مگر مختلف موضوعات پر پے درپے میری کتابیں شائع ہوتی رہیں اور یہ موضوع اب تک تشنہ تحریر رہا۔

اجتہاد و تقلید کے عنوان سے بحث و تجویس دور جدید کی دریافت نہیں، اسلاف نے انتہائی شد و مد کے ساتھ کتاب وسنت، اجماع و قیاس کے وسیلے سے اس پر ہزاروں ہزار دلائل اپنی تصانیف کثیرہ میں جمع کر دیے ہیں اور سیکڑوں مباحثے اور مناظرے ہو چکے ہیں مگر افسوس یہ کہ عربی و فارسی زبان تو کجا ہماری نئی نسل اردو زبان سے بھی نا آشنا کی حد تک دور ہوتی چلی جا رہی ہے۔ اسلاف کے وہ علمی ذخیرے یا تو کتب خانوں میں بند ہیں یا معدودے چند علماء و محققین کے سینوں اور ان کی آنکھوں میں محفوظ ہیں، آپ نے ہم لوگوں کی گول ناگومر و مریات کے پیش نظر مبسوط مقالہ لکھنے کی فرمائش سے آزاد کر دیا ہے، آپ کی اس نوازش پہ سو جان سے قربان۔ مزید کرم افزائی یہ کہ ہماری حقیر رائے کو قیاس رائے کا متغہ عنایت فرما کر زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کے ایک صفحہ پر محدود کر دیا ہے اور وہی آپ کا مطلوب ہے۔ اب میں کہوں تو کیا کہوں اور لکھوں تو کیا لکھوں، بہر کیف! آپ کے پاس ”لکھ پتی“ حضرات کافی ہیں، جو شرق و مغرب، شمال و جنوب میں اہل قلم میں شمار کیے جاتے ہیں اور ان کی ایک پہچان ہے، ان کے قیمتی مضامین رسالہ کی زینت بنیں گے۔ اس کا مطالعہ ہماری نئی نسل کو مختلف جہتوں سے اجتہاد و تقلید کی اہمیت اور امت کے اجماعی موقف سے آشنا کرے گا۔ عصر حاضر کا موجودہ منظر نامہ

سیاسی، معاشی، تمدنی حالات اور سائنسی ایجادات و انکشافات کے تناظر میں روز بروز نئے مسائل سے بھرتا چلا جا رہا ہے۔ بعض غیر ضروری مسائل ہیں تو بہت سارے ضروری مسائل بھی ساتھ ساتھ ہیں اور وہ لمحہ بہ لمحہ محققین کو دعوت غور و فکر دے رہے ہیں۔ آوارگی قلم سے محفوظ رہتے ہوئے اور فقہ اسلامی کے اصول و مبادی کی اہمیت، افادیت اور موزونیت کو مد نظر رکھتے ہوئے حل طلب بھی ہیں اور عقدہ کشا بھی۔

جی تو یہی چاہ رہا ہے کہ آپ کے دیے گئے عنوان پر جی کھول کر گفتگو کی جائے لیکن ایک طرف زیادہ سے زیادہ ”فکل اسکپ سائز“ کے ایک صفحہ کی شرط اور دوسری جانب اپنی علالت، جو Paralysis کی صورت میں اچانک دو ماہ قبل سامنے آئی (اور بھگدھ رو بہ صحت ہونے کا سفر تیزی سے جاری ہے) تفصیلی گفتگو کی راہ میں حائل ہے۔ میری بہت ساری دعائیں اور نیک خواہشات آپ کے اور آپ کے رسالہ کے ساتھ ہیں۔ مولائے قدیر اسے ہدایت کا ذریعہ اور قبولیت عامہ کا سبب بنائے۔ آمین

غیر مقلدین کے پاس آخر جدید مسائل کے حل کی صورت کیا ہے؟

مفتی عبد المنان کلیمی

مفتی شہر مراد آباد، صدر مجلس علمائے ہند، مراد آباد

امت مسلمہ کا اجماعی موقف ”ائمہ مجتہدین کی تقلید“ صرف جائز و مستحسن ہی نہیں بلکہ نہایت ضروری ہے، وہ بھی آج کے سائنسی ایجادات و انکشافات کے ترقی پذیر دور میں جہاں ائمہ مجتہدین کی تقلید اور ان کے فقہی و اجتہادی کارناموں سے استفادہ کرنا اور ان کی گراں قدر رایوں سے اتفاق کرتے ہوئے، ان کی تقلید و پیروی کرنا، اس قدر ضروری ہو گیا ہے کہ اس سے مجال انکار کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔

غیر مقلدین کا یہ سمجھنا اور کہنا کہ ائمہ مجتہدین کی تقلید شرک و بدعت ہے یہ ان کی کھلی، جہالت اور اصول شرع قرآن و حدیث اور اجماع صحابہ کے آفاق اور ہمہ گیر مدلول و منطوق سے ناواقفیت کی بین دلیل ہے۔

مفتی مجتہدین تقلید جو اپنے آپ کو سلفی اور اہل حدیث کہتے ہیں ان کے پاس اس سوال کا کیا جواب ہے کہ ان میں جو لوگ عربی داں اور علوم قرآن و حدیث سے واقف ہیں، وہ برغم خویش قرآن و حدیث پر عمل پیرا ہیں۔ لیکن ان کے شعبین جو بالکل قرآن و حدیث کے علم سے نابلد ہیں یا ان کے پاس اتنی صلاحیت نہیں ہے کہ قرآن و حدیث سے مسائل جان سکیں تو آخر وہ کیا کریں گے؟ ایسے لوگ قرآن و حدیث کے مقلد کہلائیں گے یا ان غیر مقلد علماء کے پیروکار سمجھے جائیں گے؟

علاوہ ازیں غیر مقلدین علمائے ہند کہتے ہیں کہ حضور اقدس تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ اتنی اور اتنی ہیں اور ہمیں ان تمام حدیثوں کا علم بین و جامع حاصل ہے۔ اس تعلق سے اگر وہ کچھ بھی موشگافی کی جرأت کرتے ہیں تو اس میں بھی سابقین علمائے حدیث کی تقلید و اتباع کی واضح بھٹک موجود ہوگی۔

یہی وہ دور رس نکات ہیں جس بنا پر علمائے متبحرین نے یہ فیصلہ صادر فرمادیا کہ ضلالت و گمراہی اور فکری کج روی سے محفوظ رہنے کا اب صرف یہی ایک راستہ ہے کہ امت مسلمہ چار فقہائے مجتہدین پر اعتماد و بھروسہ کر کے ان کی تقلید کو ضروری سمجھے اور ان کے فقہی اجتہادات پر عمل پیرا ہو کر سعادت اخروی حاصل کرے۔ کیونکہ ان ائمہ مجتہدین کی تقلید فی الحقیقت قرآن و حدیث اور اجماع صحابہ کی پیروی سمجھی جائے گی۔

مجھے حیرت ہے اس ترقی یافتہ دور کے غیر مقلدین پر جو یکسر تقلید و اجتہاد کا انکار کر دیتے ہیں اور ان سب علمی، فقہی اور اجتہادی کارناموں کو ضلالت و گمراہی کا نام دیتے ہیں۔ کیا یہ غیر مقلدین بتا سکتے ہیں کہ آج کے بہت سارے جدید مسائل جن کا واضح ذکر قرآن و حدیث اور اجماع صحابہ میں نہیں اور امت مسلمہ ان مسائل سے دوچار ہے، آخر ان مسائل کے حل اور تصفیہ کا ان کے نزدیک کیا طریقہ ہے؟ تو لامحالہ کسی نہ کسی اسٹیج پر ان غیر مقلدین علماء کو اجتہاد و تقلید ہی کا سہارا لینا پڑے گا۔

اسی وجہ سے شیخ و استاذی، شمس العلماء و الفقہاء حضرت علامہ قاضی شمس الدین قدس سرہ العزیز درس حدیث کے وقت اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ”دیگر فرق باطلہ کے مقابلہ میں غیر مقلدین (نام نہاد اہل حدیث) سے بحث و مناظرہ کرنا نہایت آسان ہے“۔ اور حضرت شمس العلماء اس کی

بہت ساری مثالیں دیا کرتے تھے جس کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔

یہ غیر مقلدین اپنے دعویٰ باطلہ میں کہاں تک حق بجانب ہیں وہ سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کتاب مستطاب ”الفضل الموبی“ کا غیر جانب دارانہ حقیقت پسندانہ مطالعہ فرمائیں یقیناً وہ اپنے نظریات و افکار سے یکسر رجوع پر مجبور ہوں گے اور قبول حق کرتے ہوئے نظر آئیں گے۔

خصوصی شمارے کے موضوعات اقتضائے حال کے مطابق ہوتے ہیں

ڈاکٹر فضل الرحمن شرر مصباحی

پرنسپل کوٹھی، طیبہ کالج، قرول باغ، نئی دہلی

محترم خواجہ صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔۔۔ مؤقر جام توری خصوصی پیش کش ”تقلید و اجتہاد نمبر“ کی اشاعت پر میری طرف سے مبارکباد قبول فرمائیے، آپ خصوصی شماروں کے لیے جن موضوعات کا انتخاب کرتے ہیں وہ اقتضائے حال کے مطابق ہوتے ہیں، ہمارا المیہ یہ ہے کہ ان موضوعات پر سیر حاصل گفتگو کرنے کے لیے جس کھلے ذہن کی ضرورت ہے، اس کا نشان اہل قلم کی نجی مجلسوں میں تو ملتا ہے، کاغذ و قلم اس تک آتے آتے اس کا رنگ پھیکا ہو جاتا ہے اور کبھی کبھی ہیئت بھی بدل جاتی ہے۔ جام نور کا ایک خصوصی شمارہ ”جہاد نمبر“ بھی شائع ہو چکا ہے، جس کی ملک و بیرون ملک میں خوب تعریف و توصیف ہوئی ہے، یقیناً اس سے آپ بہت زیادہ خوش نہیں ہوئے ہوں گے، کیونکہ تعریف و توصیف جیسے الفاظ کی مارکیٹ ویلوی کم ہو گئی ہے، اہل قلم نے جہاد کے تعلق سے جتنا زور قلم صرف کیا ہے، اس سے زیادہ مواد یہ مجبوری حالات ان کے بطون و دماغ میں محبوس ہو کر رہ گئے ہیں، جس جہاد کے تعلق سے اسلام کی شخصیات مجاہد کے نام سے معروف ہیں، اس جہاد پر کھل کر گفتگو کرنے سے اکثر اہل علم نے غصہ بھر کیا ہے۔

اب آپ نے ”تقلید و اجتہاد نمبر“ کا اعلان کر کے نہایت پر خطر وادی میں قدم رکھ دیا ہے، قیاس و اجتہاد کی اہمیت و ضرورت پر اہل فکر و نظر کے مضامین کا مجھے بے صبری سے انتظار رہے گا۔ ☆☆☆☆

صوبہ گجرات ہمت نگر کی مرکزی درس گاہ

دارالعلوم حسنیہ

دارالعلوم حسنیہ شہر ہمت نگر میں واقع مسلک اہل سنت و جماعت کا ایک عظیم ادارہ ہے، قطب ہمت نگر حضرت حسن شہید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نام پاک سے منسوب ہے، جس کا سنگ بنیاد ۱۴۰۸ھ میں سنی پٹنی جماعت نے علماء کرام کے مقدس ہاتھوں سے رکھا، دارالعلوم میں گجرات و بیرون گجرات کے کثیر طلبہ زیر تعلیم ہیں، اس میں اعداد و دیہ سے لے کر عالم و فاضل تک تعلیم ہوتی ہے، اس کے علاوہ حفظ و قرأت کا علیحدہ شعبہ ہے، عصری علوم، انگلش، کمپیوٹر، خیاطی وغیرہ کی بھی تعلیم ہوتی ہے، اس سال ادارہ نے گجراتی رسالہ سہ ماہی ”الحسن“ بھی جاری کیا ہے۔

ترسیل و زور و خط و کتابت کا پتہ: دارالعلوم حسنیہ

جامع مسجد کیسپس، ہمت نگر، ضلع ساہیو، گجرات فون: 02772-241764

باب



اصحاب اجتہاد

- | | | | |
|---|-------|--------------------------|---|
| امام اعظم ابوحنیفہ کا علمی مقام اور اجتہادی خدمات | _____ | مولانا فیس احمد مصباحی | ← |
| امام مالک کی علمی و اجتہادی خدمات | _____ | مولانا ذکی اللہ مصباحی | ← |
| امام شافعی کی علمی و اجتہادی خدمات | _____ | ڈاکٹر عبدالکحیم ازہری | ← |
| امام احمد بن حنبل کی علمی و اجتہادی خدمات | _____ | مولانا انوار احمد بغدادی | ← |

امام اعظم ابو حنیفہ کا علمی مقام اور اجتہادی خدمات

مقررہ عنوان پر گفتگو سے پہلے میں جام نور کے چیف ایڈیٹر ادیب شہیر محترم مولانا خوشتر نورانی زید حبیبہ کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے ماہ نامہ جام نور کے ”اجتہاد و تقلید نمبر“ میں قلمی شرکت کے لیے مجھ ناچیز کو دعوت دی اور میرے لیے مذکور بالا عنوان کا انتخاب فرما کر سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کرنے کا موقع عنایت کیا۔

سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے علمی مقام اور گونا گوں دینی و علمی خدمات کو اجاگر کرنا اور اقوام عالم کے سامنے رکھنا ہم حنفیوں کی مذہبی اور اخلاقی ذمہ داری ہے اور وقت کا تقاضا بھی۔ کیوں کہ ”اسلاف بے زار مٹھی بھر جماعت“ نے ائمہ مجتہدین خصوصاً امام اعظم رضی اللہ عنہ کے تعلق سے بے سرو پا باتیں وضع کر لی ہیں، اور انہیں بنیاد بنا کر شب و روز اس پروپیگنڈہ میں مصروف ہے کہ مذہب حنفی کتاب و سنت کے خلاف صرف قیاس اور رائے کی کمر و اور غیر اسلامی بنیادوں پر قائم ہے۔ اس مٹھی بھر جماعت کے افراد بخاری و مسلم کی چند حدیثیں رٹ کر ”رٹو طوطے“ کی طرح ہر جگہ موقع بے موقع انہیں کو دہراتے ہیں اور ”اہل حدیث“ ہونے کا دم بھرتے ہیں، اور امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر ”مجتہد مطلق“ اور عظیم الشان تابعی امام کی تقلید کو شرک، بدعت اور پتہ جانے کیا کیا ٹھہراتے ہیں، جب کہ حضرت امام کے صدیقیوں بعد پیدا ہونے والے افراد مثلاً ابن تیمیہ، ابن قیم، ابن عبد الوہاب نجدی، میاں نذیر حسین دہلوی، نواب صدیق حسن خاں قنوجی، عبد الرحمن مبارکپوری، ناصر الدین البانی اور عبد اللہ بن باز کی باتیں آنکھ بند کر کے بے چون و چرا ماننے اور ان پر عمل کرتے ہیں اور ہم مقلدوں سے کہیں آگے بڑھ کر ”کورانہ تقلید“ کا عملی ثبوت پیش کرتے ہیں۔ ہر ہوش مند انسان یہ جانتا ہے کہ ہم (احناف) اس با عظمت امام کی تقلید کرتے ہیں جن کے زمانے سے عہد رسالت کا فاصلہ ایک صدی سے بھی کم ہے، جن کی دینی اور علمی عظمتوں کا ایک جہاں معترف ہے،

جن کی علمی رفعتوں کی بشارت اور پیشین گوئی خود حدیث نبوی میں ہے اور جنہوں نے فقہ کے اصول اور فروع کی تدوین فرما کر بعد آنے والے علما اور فقہاء اور پوری امت مسلمہ پر زبردست احسان ہے۔ جب کہ یہ اسلاف بے زار لوگ، ان لوگوں کے مقلد ہیں جن کے زمانے اور عہد رسالت کے درمیان صدیوں کا فاصلہ ہے اور سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں جن کی کوئی دینی و علمی حیثیت نہیں۔ اس عنوان کے دو بنیادی جز ہیں (۱) حضرت امام اعظم کا علمی مقام (۲) آپ کی اجتہادی خدمات۔

اب میں حضرت امام کی بارگاہ میں اس امید کے ساتھ مختصر سوغات لیے حاضر ہوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس نیک اور مقبول بندے کے فیوض و برکات سے مجھ حقیر کو بھی بہرہ ور فرمائے گا اور میرے دنیا و آخرت کی سعادتوں اور فیروز مند یوں کا سامان کرے گا۔

احب الصالحین و لست منهم

لعل اللہ یرزقنی صلاحاً

(میں تو خود نیک نہیں، (مگر) نیکوں سے اس امید پر محبت

ہوں کہ اللہ تعالیٰ (ان کی برکت سے) مجھے بھی نیک بنا دے۔

نام اور نسب:- آپ کا اسم گرامی ”نعمان“، کنیت ”ابو حنیفہ“

آپ کے والد کا نام ثابت ہے۔ آپ کا خاندان ابتداء کاہل میں تھا، آپ کے دادا جن کا نام بعض تذکرہ نگاروں نے زوطی اور بعض

زوطی لکھا ہے۔ جنگ میں گرفتار ہو کر کوفہ آئے اور مسلمان ہو کر یہیں

تیم اللہ کی ولاء میں رہ پڑے ان کا پیشہ تجارت تھا، حضرت علی کرم اللہ

سے ان کی ملاقات ہوئی اور اس حد تک تعلقات تھے کہ وہ کبھی کبھی ان

خدمت میں ہدیہ بھیجتے رہتے تھے (مناقب الامام الاعظم

للکوردی، ج ۱ ص ۶۵، ۶۶)

ان کے بیٹے ”ثابت“ بھی کوفہ میں تجارت کرتے تھے۔ خود

امام اعظم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کوفہ میں ان کے والد کی رویت

نگہبان ہو جاتا ہے اور اسے اس طرح روزی دیتا ہے جو اس کے شان و گمان میں بھی نہیں ہوتا۔“

اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ ۹۳ھ میں امام اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کی عمر سولہ سال تھی جس سے واضح طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آپ کی ولادت ۷۷ھ میں ہوئی۔

ابن خلکان نے وفیات الاعیان میں آپ کی وفات کے بارے میں اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آپ کی وفات رجب کے مہینہ میں ہوئی، اور کہا گیا ہے کہ شعبان کے مہینہ میں ہوئی۔ اور سال وفات ۱۵۰ھ ہے، اور کہا گیا ہے کہ ہمدانی الاولیٰ کی گیارہ تاریخ تھی۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ سن وفات ۱۵۳ھ ہے لیکن یہاں قول زیادہ صحیح ہے۔ (وفیات الاعیان، ج ۵، ص ۳۱۳، ۳۱۴)

اس طرح وفات کے وقت آپ کی عمر تری ۸۳ سال تھی، کیوں کہ آپ کی ولادت ۷۷ھ اور وفات ۱۵۰ھ ہے۔

تحصیل علم:۔ تعلیم کے متعلق ان کا اپنا بیان یہ ہے کہ ابتدا میں انہوں نے قرأت، حدیث، نحو، ادب، شعر اور کلام وغیرہ ان تمام علوم کا مطالعہ کیا تھا جو اس زمانے میں رائج اور متداول تھے۔ (مناقب الامام الاعظم للموفق بن احمد المکی ج ۱، ص ۵۷، ۵۸) اس کے بعد آپ نے علم کلام میں مہارت پیدا کی اور ایک مدت تک اس میں مصروف رہ کر اتنا کمال پیدا کر لیا کہ اس فن میں ان کی طرف نگاہیں اٹھنے لگیں۔ ان کے مشہور شاگرد زفر بن ہذیل رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے کہ امام اعظم نے ان سے کہا: ”پہلے میں علم کلام سے دل چسپی رکھتا تھا اور اس حد کو پہنچ گیا تھا کہ میری طرف اشارے کیے جاتے تھے۔“ (مصدر سابق، ص ۵۹)

موفق بن احمد کی نے یحییٰ بن شیمان کے حوالے سے حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ بیان نقل کیا ہے: ”میں ایک ایسا شخص تھا جسے علم کلام کی بحثوں میں مہارت حاصل تھی۔ ایک زمانہ ایسا گزرا کہ میں ان ہی بحثوں اور مناظروں میں مشغول رہتا تھا اور چوں کہ مباحثے اور مناظرے کرنے والے لوگ زیادہ تر بصرہ میں تھے اس لیے میں بیس سے زیادہ مرتبہ بصرہ گیا۔ کبھی کبھی سال چھ مہینے بھی وہاں رہ کر خوارج کے مختلف گروہوں اباضیہ، صفریہ، اور حشویہ سے مناظرے کرتا رہا۔ میں علم کلام کو سب سے اعلیٰ علم سمجھتا تھا اور ول میں کہتا تھا کہ یہی اصل دین ہے۔ ایک مدت کے بعد دل میں یہ خیال آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

کی ایک دوکان تھی (مناقب الامام الاعظم للموفق بن احمد ج ۱، ص ۱۶۲) ولادت و وفات:۔ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سن ولادت کے بارے میں مختلف اقوال ہیں (۱) ۶۱ھ میں (۲) ۷۰ھ میں (۳) ۷۷ھ میں (۴) ۸۰ھ میں۔

خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں مزاحم بن داؤد کی روایت سے ۶۱ھ اور ابو نعیم کی روایت سے ۸۰ھ سن ولادت لکھا ہے۔

(تاریخ خطیب، ج ۱۳، ص ۳۳۰) ابن خلکان نے وفیات الاعیان میں مذکورہ بالا دونوں اقوال کو نقل کر کے ۸۰ھ کی روایت کو ترجیح دی ہے۔ (وفیات الاعیان، ج ۵، ص ۳۱۳، ۳۱۴) جب کہ میرے نزدیک راجح یہ ہے کہ آپ کی ولادت ۷۷ھ میں ہوئی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ قاضی ابو عبد اللہ حسین بن علی بصری (متوفی ۳۶۶ھ) نے یہ سند متصل احمد بن الصلت سے (اخبار ابی حنیفہ و اصحابہ، ص ۴) اور امام ابن عبد البر نے یہ سند متصل ابو جعفر محمد بن عمرو اور عبد اللہ بن جعفر رازی، اور محمد بن سنان سے، امام اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کے سب سے عظیم شاگرد امام ابو یوسف کی یہ روایت نقل کی ہے: ”میں نے ابو حنیفہ (رضی اللہ عنہ) سے سنا کہ میں ۹۳ھ میں اپنے والد کے ساتھ حج کو گیا، اس وقت میری عمر سولہ سال تھی۔ میں نے ایک بوڑھے شخص کو دیکھا جس کے پاس لوگوں کا زبردست ہجوم تھا۔ میں نے والد صاحب سے پوچھا کہ یہ بوڑھے بزرگ کون ہیں؟ انہوں نے کہا: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں، ان کا نام عبد اللہ بن حارث بن جرز ہے۔ پھر میں نے دریافت کیا: ان کے پاس کیا ہے؟ تو والد صاحب نے بتایا کہ ان کے پاس وہ حدیثیں ہیں جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ آپ مجھے ان کی بارگاہ میں لے چلیں تاکہ میں بھی ان سے حدیث سیکھ لوں۔ یہ سننے کے بعد والد صاحب آگے بڑھے، اور لوگوں کی بھیڑ سے بچتے ہوئے چلے، اس طرح میں ان کے قریب پہنچ گیا اور میں نے ان سے سنا کہ وہ کہہ رہے تھے۔

قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: من تفقه في دين الله كفاه الله وهمه و رزقه من حيث لا يحسبه۔
”اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے دین کی بصیرت (سمجھ) حاصل کر لی اللہ تعالیٰ اس کا اور اس کی فکر وں کا

وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین سے یہ باتیں پوشیدہ نہیں تھیں جن میں ہم مباحثہ کرتے ہیں۔ وہ حضرات ان باتوں کو جانتے ہوئے ان کی طرف راغب نہیں ہوئے، بلکہ ان باتوں سے منع ہی کیا اور میں نے یہ بھی دیکھا کہ وہ حضرات دین کے مسائل اور ابواب فقہ میں غور و خوض کرتے تھے اسی میں ان کی گفتگو ہوتی تھی، اور اسی میں ان کی مجلسیں ہوا کرتا تھیں، اور وہ اسی کی تعلیم و تربیت دیا کرتے تھے، اسی میں ان کے مناظرے ہوا کرتے تھے۔ اور اسی حالت میں صحابہ کا دور ختم ہوا، اور ان ہی کی پیروی تابعین نے کی ہے۔

جب ہم پر یہ بات عیاں ہو گئی تو ہم نے مناظرے چھوڑ دیے اور علم کلام میں غور و خوض کرنا چھوڑ دیا، سلف صالحین کا طریقہ اختیار کیا اور اصحاب معرفت کی صحبت میں بیٹھے۔ (مصدر سابق، ۵۹)

اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے ابتدا میں علم کلام میں کمال پیدا کیا اور اس علم کے ارباب اختصاص اور اصحاب کمال میں آپ کا شمار ہونے لگا۔ اس سے یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ آپ نے اس وقت فلسفہ و منطق اور مذاہب کے اختلافات کے متعلق بھی کافی واقفیت حاصل کر لی تھی، کیوں کہ ان علوم پر دسترس حاصل کیے بغیر کوئی انسان علم کلام میں کمال حاصل نہیں کر سکتا۔ بعد میں انھوں نے فقہ کی تدوین اور قرآن و حدیث سے شرعی احکام کے استنباط اور مسائل کے استخراج میں منطقی استدلال اور عقلیات کے استعمال کا جو کمال دکھایا اور بڑے بڑے پیچیدہ مسائل کو حل کرنے میں جو شہرت حاصل کی وہ اسی ابتدائی ذہنی و فکری تربیت کا نتیجہ تھی۔

ایک مدت تک علم کلام میں مشغول رہنے کے بعد آپ نے اس سے رخ موڑا اور علم فقہ (قانون اسلام) کی تدوین اور قرآن و حدیث کی طرف متوجہ ہوئے اس کے تعلق سے درج ذیل دو روایتیں بھی ملتی ہیں:

(۱) امام اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کے جلیل القدر شاگرد امام زعفر بن حفص علیہ الرحمۃ حضرت امام اعظم سے ان کا بیان نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

”علم کلام میں میری شہرت اتنی بڑھ گئی کہ میری طرف انگلیوں سے اشارہ کیا جانے لگا۔ میری مجلس حضرت حماد کے حلقہ درس کے پاس ہی تھی۔ ایک دن ایک عورت نے آکر مجھ سے سوال کیا کہ ایک شخص کی بیوی ایک باندی ہے، وہ شخص چاہتا ہے کہ اپنی بیوی کو صحیح

طریقہ سے طلاق دے، وہ کتنی طلاقیں دے؟ میں نے اس خاتون کو کہا تم جا کر حماد سے پوچھو، پھر وہ جو جواب دیں مجھے باخبر کرو۔ حماد کے پاس گئی، پھر یہ جواب لائی کہ جب عورت حیض سے پاک جائے خاوند اس سے ہم بستری نہ کرے، اور اس کو ایک طلاق دے اور بیوی سے الگ رہے۔ جب عورت کو دوسری مرتبہ حیض آجائے اور وہ اس سے پاک ہو جائے تو پھر بھی شوہر اس سے الگ رہے۔ ہم بستری نہ کرے اور دوسری طلاق دے دے اور عورت سے علاحدہ رہے۔ پھر جب اس کو تیسرا حیض آجائے اور اس سے پاک ہو جائے وہ شوہر کے نکاح سے نکل گئی۔ اب اس کو اختیار ہے جس سے چاہے کرے۔ عورت سے یہ جواب سن کر میں نے اپنی جوتیان اٹھا کر حضرت حماد کے حلقہ درس میں جا کر بیٹھ گیا۔ پھر جو کچھ ان سے یاد کر لیتا۔ حضرت حماد کا معمول تھا کہ وہ دوسرے دن اپنے شاگرد سے پڑھے ہوئے اسباق کے متعلق سوال کرتے تھے۔ ان کے جواب میں غلطیاں کرتے تھے، لیکن مجھے بالکل صحیح صحیح یاد ہوا کہ لہذا حضرت حماد نے مجھ کو اپنے قریب بیٹھنے کی جگہ عنایت فرمائی۔ (تاریخ بغداد للخطیب، ج ۳، ص ۳۳۳، مناقب الامام الاعظم المکی، ج ۱، ص ۵۵)

حضرت امام ابو یوسف کا بیان ہے کہ امام اعظم (رضی اللہ عنہ) سے پوچھا گیا کہ آپ کو علم فقہ کی طرف کس طرح رغبت ہوئی فرمایا: ”میں نے جب علم میں رسوخ حاصل کرنے کا ارادہ کیا تو قرآن پر نظر ڈالی۔ علم کلام اور عقائد کے متعلق خیال آیا کہ اس میں فائدہ کم اور عاقبت کا کھکا ساتھ لگا ہوا ہے۔ اور علم نحو و ادب کے متعلق خیال کہ میرا مشغلہ بچوں کو پڑھانا بن جائے گا۔ اور شعر و شاعری میں۔ جاتعریف و توصیف اور غلط بیانی کے سوا کچھ نہیں۔ اور علم قرآنیت دوسروں کو پڑھانے کے سوا کچھ نہیں۔ اور تفسیر میں کلام الہی سے بحث ہے، اور یہ نازک مرحلہ ہے۔ اور میں نے جب فقہ پر نظر ڈالی تو مجھ اس کی جلالت شان ظاہری ہوئی۔ اس میں علماء، مشائخ اور ارباب دانش سے واسطہ پڑتا ہے۔ اقامت دین، فرائض کی ادائیگی اور عبادت کے طور طریقوں کی معرفت کا تعلق اسی مبارک علم سے ہے۔“

(تاریخ بغداد للخطیب، ج ۳، ص ۳۳۱، مناقب دور فقہات میں اگرچہ آپ مناظرہ کی طرف راغب نہ تھے۔)

علامہ سیوطی کے شاگرد سیرت شامی کے مصنف علامہ محمد بن یوسف شامی نے بھی اس کی تائید کی ہے۔ علامہ محمد بن عابد بن شامی رد المحتار میں لکھتے ہیں:

فی حاشیة الشبرا مجلسی علی المواہب عن العلامة الشامی تلمیذ السبوطی، قال: ماجزم به شیخنا من ان ابا حنیفة هو المراد من هذا الحديث ظاهر لا شک فيه، لانه لم یبلغ من ابناء فارس فی العلم مبلغه احد (رد المحتار، ج ۱ ص ۳۷)

”مواہب لدنیہ کے شبرا مجلسی کے حاشیہ میں ہے کہ علامہ سیوطی کے شاگرد علامہ شامی نے کہا: ”وہ جس پر ہمارے شیخ نے یقین کیا ہے کہ ابوحنیفہ ہی اس حدیث سے مراد ہیں؛ بالکل ظاہر ہے کہ اس میں کچھ شک و شبہ نہیں اس لیے کہ اہل نائے فارس میں سے کوئی بھی ان کے درجہ تک نہیں پہنچا۔“

علامہ ابن حجر عسقلانی کی شافعی اپنی کتاب ”الخیرات الحسان“ میں اس کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فیه معجزة ظاهرة للبی صلی اللہ علیہ وسلم حیث اخبر بما سيقع (الخیرات الحسان فی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفة النعمان، ص ۱۳، دار الکتب العربیہ الکبریٰ، مصر)

”یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کھلا ہوا معجزہ ہے کہ آئندہ ہونے والی بات کی خبر دی۔“

حدیث کی ان بشارتوں سے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے علمی مقام و مرتبہ کی بلندی آفتاب نیم روز کی طرح نظر آتی ہے جس کا اعتراف نہ صرف ان کے مقلدین اور تبعین نے کیا ہے بلکہ دوسرے ائمہ مجتہدین بھی کھلے دل سے اس کا اعتراف کرتے نظر آتے ہیں جس کی ایک بھٹک آپ نے ابھی ملاحظہ فرمائی۔ مزید تفصیل آگے آئے گی۔

اور آپ کے علمی مقام کی بلندی کی سب سے واضح دلیل یہ ہے کہ آپ کی ذات میں ایک مجتہد کے سارے اوصاف کامل طریقے پر موجود تھے، تمام اہل علم نے آپ کو ”مجتہد مطلق“ مانا ہے۔ اب مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ان اوصاف و شرائط کو ذکر کر دیا جائے جو ایک مجتہد کے لیے ضروری ہے تاکہ یہ حقیقت کھل کر سامنے آجائے کہ اس مجتہد مطلق، مجتہدوں کے سرخیل، فقہ و اجتہاد کے امام اعظم کا علمی مقام کتنا بلند ہے۔

شرائط اجتہاد:- امام غزالی لکھتے ہیں: کہ مجتہد کے لیے ایک شرط یہ ہے کہ اس کا علم تمام علوم شرعیہ کا احاطہ کیے ہوئے ہو اور وہ غور و فکر سے

آلی طور پر کئی کئی شیعہ اور خوارج سے مناظرے کی نوبت آجاتی تھی۔ غرض کے دوران آپ کی حاضر جوابی، تجربہ علمی اور ذہانت و فطانت عین دید ہوتی تھی۔ آپ کے سیرت نگاروں نے اس زمانے کے کچھ غوروں اور مباحثوں کے احوال لکھے ہیں۔ ان ہی میں خوارج کے ساتھ آپ کا وہ تاریخی مناظرہ بھی ہے جو کسی زانیہ اور شرابی کے مؤمن سے یا نہ ہونے سے متعلق تھا۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم سے متعدد آیتیں پڑھ کر مناظرہ کرنے والے خوارج کو اس بات کا حق کرنے پر مجبور کر دیا کہ زنا کار اور شرابی گناہ کبیرہ کے مرتکب ہونے کے باوجود دائرہ ایمان سے خارج نہیں ہوتے آخر کار ان خوارج کے ہاتھ بچھڑا اور مذہب اہل سنت اختیار کر لیا۔

اس مناظرہ کی تفصیل علامہ موفق بن احمد کی علیہ الرحمہ مناقب الامام الاعظم ابی حنیفة، ج ۱ ص ۱۲۳، ۱۲۵ پر لکھی ہے۔

علمی مقام:- سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا علمی مقام بلند ہے، وہ علم و تفقہ کے وہ نیر تاباں ہیں جس کی درخشانی اور بے سامنے آسمان نے علم و معرفت کے نجوم و کواکب کی درخشانی گم نہ کر آتی ہے۔ ان کے علمی مقام کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ حدیث نبوی میں ان کے متعلق بشارت آئی ہے: امام ابو نعیم نے حلیۃ میں یہ حدیث روایت کی ہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لو کان العلم بالتاویلہ رجال من ابناء فارس۔

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر علم ثریا کے پاس ہوتا تو اس کے کچھ افراد اسے حاصل کر لیتے۔ اور شیخ شیرازی نے ”الآلقاب فی حضرت قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں بت کی ہے۔“

لو کان العلم معلقاً بالثریا لتاویلہ قوم من ابناء فارس۔ اگر علم ثریا پر آویزاں ہوتا تب بھی کچھ اہل نائے فارس اسے حاصل کر لیتے۔

امام جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب ”تبیس الصحیفہ مناقب الامام ابی حنیفة“ (ص ۴۷۳) پر اس طرح کی حقیقت کی ہیں اور لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان احادیث میں حقیقت کے تعلق سے بشارت دی ہے۔

حکم شرعی معلوم کر سکتا ہو، اور یہ جانتا ہو کہ مسائل کے استنباط میں کون سے علوم مقدم ہیں اور کون سے علوم مؤخر ہیں۔ دوسری شرط یہ ہے کہ وہ نیک اور پرہیزگار ہو اور وہ گناہوں سے اجتناب کرنے والا ہو جو اس کی بدنامی کا باعث اور پرہیزگاری کے خلاف ہوں۔

شرعی علوم میں کتاب اللہ، سنت رسول، اجماع اور وہ علوم عقلیہ ہیں جن کی مدد سے استدلال کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ کتاب اللہ کے علم سے یہ مراد نہیں کہ قرآن مجید کی تمام آیتوں کا علم ہو، بلکہ ان آیتوں کا علم ضروری ہے جن کا تعلق احکام سے ہے اور وہ پانچ سو آیتیں ہیں اور یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ پانچ سو آیات حفظ ہوں، بلکہ اسے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ وہ آیات قرآن مجید میں کہاں کہاں ہیں تاکہ ضرورت کے وقت ان کو تلاش کر سکے۔ اسی طرح حدیث کا عالم ہونے سے یہ مراد نہیں کہ وہ تمام احادیث مرویہ کا حافظ ہو بلکہ یہ ضروری ہے کہ احکام سے متعلق احادیث کا اسے علم ہو۔ مثلاً سنن ابوداؤد یا سنن بیہقی میں کن احکام سے متعلق حدیثیں ہیں۔ اور مجتہد کے لیے ضروری ہے کہ اسے معلوم ہو کہ کس حکم سے متعلق حدیث سنن ابوداؤد یا سنن بیہقی میں کس جگہ مذکور ہے تاکہ ضرورت کے وقت وہ حدیث تلاش کر سکے۔

اجماع کا علم ہونے سے یہ مراد ہے کہ مجتہد کو اس کا علم ہو کہ اس سے پہلے کن کن مسائل پر اجماع ہو چکا ہے تاکہ اس کا حکم خلاف اجماع نہ ہو۔ یا اس کو یہ علم ہو کہ یہ مسئلہ اس زمانے میں پیدا ہوا ہے اور اس سے پہلے اس پر اجماع نہیں تھا، علوم عقلیہ سے مراد یہ ہے کہ مثلاً ایجاب صغریٰ اور کلیت کبریٰ شکل اول کے نتیجہ دینے کی شرط ہے۔ اسی طرح (قیاس کی) باقی تینوں شکلوں کی شرطیں بھی وہ جانتا ہو، تاکہ نتیجہ تک پہنچنے میں غلطی نہ کرے۔ کتاب و سنت کے علم کے لیے کچھ علوم مشترک ہیں جن کا مجتہد کو جاننا ضروری ہے۔ ان میں سے لغت، نحو، صرف اور علم بلاغت ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ مجتہد ان علوم میں زرخیزی، فصیحی و طویل اور سیبویہ کی طرح ہو، بلکہ ضروری یہ ہے کہ اس کو ان علوم میں اس قدر مہارت ہو کہ وہ قرآن اور حدیث کے معنی، عربی اسلوب کے مطابق صحیح طور پر سمجھ سکے۔ مجتہد کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ عقائد کے دلائل سے واقف ہو۔ یہاں تک کہ وہ عقلی دلائل سے عالم کا حادث ہونا، اللہ تعالیٰ کا موجود ہونا، اور اس کا واجب الوجود اور ایک ہونا ثابت کر سکے، اور ضرورت نبوت قرآن مجید کی وجہ اعجاز اور نبی اکرم ﷺ کی نبوت اور ختم نبوت، عقلی اور

عقلی دلائل سے ثابت کر سکے، تاکہ مسائل کلام و عقائد میں مقلد سے ممتاز ہو۔ لغت، صرف و نحو، علم بلاغت اور علم کلام کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ کلام صریح، کلام مجمل، عام، خاص، محکم، متشابہ، مطلق، مقید وغیرہ کا بھی عالم ہو۔ علاوہ مجتہد کے لئے کتاب و سنت کے ناخ و اور منسوخ کا علم ہے اس لئے کہیں وہ ایسا حکم نہ بیان کر دے جو قرآن یا منسوخ ہو چکا ہو۔

یہ تو وہ علوم تھے جو کتاب و سنت میں مشترک ہیں۔ وہ ہیں جو سنت (حدیث) کے ساتھ خاص ہیں۔ جن کی وجہ سے اور غیر صحیح روایت اور مقبول اور نہ مقبول حدیث کے درمیان اسی طرح اس کے لئے علم درایت حدیث اور علم اسماء الرجال کرنا بھی ضروری ہے۔ تاکہ اسے حدیث کے راویوں کی معتدالت کا علم ہو سکے۔ (المستصفیٰ للامام محمد الغزالی، جلد ۳، ص ۳۴۵ ملخصاً) مطبوعہ مطبعہ کبریٰ، بولاق بمصر ۱۲۹۴ھ۔ احکام فی اصول الاحکام للعلامة سیف الدین الآمدی، ج ۱، ص ۱۴۰، مطبوعہ محمد علی واولادہ، مصر اور علامہ بزودی، الموافقہ ابراہیم بن موسی الشاطبی، ج ۳، ص ۶۷، مطبوعہ محمد علی واولادہ، مصر بھی مجتہد کی یہی شرائط بیان کی ہیں۔ امام غزالی نے مذکورہ شرائط اجتہاد لکھنے کے بعد یہ صراحت بھی کی ہے۔

”ہم نے اجتہاد کی شرائط میں جو علم قرآن، علم حدیث قرآن، علم اصول حدیث، علم اسماء الرجال، علم اجماع، علم لغت و نحو اور عقائد کے ضروری مسائل کی جانکاری ہونے کا ذکر شرط مجتہد مطلق کے لیے ہے جو تمام شرعی احکام میں اجتہاد کرنے کے لیے یہ شرطیں نہیں کہ وہ ہر مسئلہ کا جواب دے سکے، کیوں علیہ الرحمہ سے چالیس مسائل پوچھے گئے جن میں سے پچیس میں انھوں نے کہا: ”میں نہیں جانتا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے مسائل میں توقف کیا، بلکہ صحابہ میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہ نے بھی بہت سے مسائل میں توقف کیا تو جس کا اسے علم ہو دے اور جس کا علم نہ ہو اس میں توقف کرے۔“ (المستصفیٰ للامام محمد الغزالی، ج ۳، ص ۳۵۴ ملخصاً) ان تصریحات کی روشنی میں یہ حقیقت سامنے آئی کہ مجتہد کے لیے قرآن و حدیث اور ان کے متعلق

خوابیدہ تھے۔ یہاں تک کہ ابو حنیفہ نے انہیں بیدار کر دیا۔
(الخیرات الحسان، ص ۵ مطبوعہ دارالکتب العربیہ الکبریٰ، مصر)
امام محمد شین، جلیل القدر تابعی سلیمان اعش، صحابی رسول سیدنا
انس رضی اللہ عنہ کے ممتاز شاگرد ہیں۔ ان سے کسی شخص نے کچھ مسائل
پوچھے۔ اس وقت سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی وہاں حاضر
تھے۔ امام اعش رضی اللہ عنہ نے وہ مسائل امام اعظم سے پوچھے، آپ نے
فورا ان کے جوابات دیے، امام اعش نے کہا یہ جواب آپ نے کہاں سے
دیئے؟ آپ نے فرمایا: ان حدیثوں سے جو میں نے خود آپ ہی سے سنی
ہیں، پھر آپ نے وہ حدیثیں سند کے ساتھ سنائیں۔ امام اعش نے کہا:

حسبك ما حدثتك به فی مائة يوم تحدثني به فی
ساعة واحدة، ما علمت انک تعمل بهذه الاحادیث، یا
معشر الفقہاء، انتم الاطباء ونحن الصیادلة، وانت ایہا
الرجل اخذت بكل الطوفین (مصدر سابق، ص ۶۱) بس کیجیے، جو
حدیثیں میں نے سو دن میں آپ کو سنائیں آپ گھڑی بھر میں مجھے
سنائے دیتے ہیں، مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ ان حدیثوں میں یوں عمل
کرتے ہیں۔ اے گروہ فقہاء! تم طبیب ہو اور ہم (محدثین) دوا فروش
ہیں اور اے ابو حنیفہ! تم توفیق و حدیث دونوں کے جامع ہو۔

حضرت عبداللہ بن مبارک نے فرمایا: کوئی شخص امام ابو حنیفہ سے
زیادہ اس لائق نہیں ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے، کیوں کہ وہ متقی، پرہیز
گار، صاحب ورع و تقویٰ عالم اور فقیہ ہیں، انہوں نے علم کو اس طرح
متکشف کیا جس طرح کسی نے نہیں کیا۔

امام احمد بن حنبل نے ان کے بارے میں کہا کہ وہ علم، تقویٰ، دنیا
سے بے رغبتی اور آخرت کی دل چسپی میں اس مقام پر فائز تھے کہ اسے
کوئی دوسرا حاصل نہیں کر سکتا۔ خلیفہ منصور کی طرف سے انہیں
قاضی (جج) کا عہدہ قبول کرنے پر مجبور کیا گیا، یہاں تک کہ انہیں اس
کے لیے کوڑے مارے گئے، مگر انہوں نے یہ عہدہ قبول نہ کیا۔

(امام بخاری کے استاذ) یحییٰ ابن ابراہیم فرماتے ہیں کہ ابو حنیفہ
اپنے زمانے کے بہت بڑے عالم تھے۔ حضرت معمر فرماتے ہیں: میں
نے ایسا کوئی شخص نہیں دیکھا جو عربی زبان و ادب کے معاملے میں اچھی
طرح گفتگو کر سکتا ہو، قیاس بھی کر سکتا ہو، حدیث کی شرح بھی کر سکتا ہو،
اور ان امور میں امام ابو حنیفہ سے زیادہ علم رکھتا ہو۔

ضروری ہے۔ اور سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ شرائط
جامع کامل تھے۔ اس کا عملی ثبوت وہ ہزاروں شرعی اور قانونی
مسائل جو ان کے اجتہاد کے نتیجے میں منظم ہو کر سامنے آئے۔

باب فضل و کمال کا اعتراف:۔ اسی بنیاد پر ایک جہان علم
سورج اور آپ کی علمی جلالت، فقہی بصیرت اور مجتہدانہ صلاحیت کا
محض نظر آتا ہے۔ خود آپ کے ہم عصر علماء، محدثین اور قرآن
کے رمز شناس آپ کی علمی جلالت کی شہادت دے رہے ہیں۔
اس میں ارباب فضل و کمال کی شہادتیں پڑھیں اور حضرت امام
ابو سلام عقیدت پیش کیجیے۔

محمد بن ادریس شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا:

اساس فی الفقہ عیال علی ابی حنیفہ: لوگ فقہ میں ابو
حنیفہ ہی ہیں۔

یہ بھی فرمایا: من اراد ان يعرف الفقہ فلیلزم ابا حنیفہ
۔ جو شخص فقہ کی معرفت حاصل کرنا چاہے اسے چاہیے کہ ابو
حنیفہ کے شاگردوں کا دامن پکڑے۔

امام شافعی علیہ الرحمہ والرضوان جب بغداد گئے تو امام اعظم ابو حنیفہ
رضی اللہ عنہ کی قبر پر حاضر ہوئے اور دو رکعت نماز پڑھی، جس
میں تحمید کے علاوہ) کسی بھی تکبیر میں رفع یدین نہیں کیا۔ اور ایک
دعا پڑھی ہے کہ وہ فجر کی نماز تھی۔ پھر انہوں نے اس میں دعا
کیا پڑھی (جب کہ ان کے یہاں فجر کی نماز میں دعاے قنوت
نہیں ہے) کسی نے پوچھا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ تو امام شافعی
جواب دیا: اس امام کے ادب و تعظیم کی وجہ سے مجھے گوارا نہ ہوا کہ
ان کے بارگاہ میں ان کے مذہب کے خلاف عمل کروں۔

امام مالک علیہ الرحمہ والرضوان سے امام شافعی نے پوچھا: آپ
ابو حنیفہ کو کیسا پایا؟ تو انہوں نے فرمایا:

سب رجلا لو کلمک فی المساری ان یجعلھا ذہبا
و حیحہ۔ میں نے انہیں ایسا یا کمال آدمی پایا کہ اگر وہ اس ستون کو
تکڑا کرنا چاہتے تو اپنی وکیل سے ثابت کر دیتے۔

حضرت فضیل بن عیاض نے فرمایا: امام ابو حنیفہ کی جلالت شان
کی کافی ہے کہ وہ مشہور فقیہ اور صاحب ورع و تقویٰ تھے۔
حضرت نصر بن شکیل کا بیان ہے کہ لوگ فقہ کے معاملے میں

خلف بن ایوب فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم عطا فرمایا، آپ سے صحابہ کرام کو ملا، ان سے تابعین کی طرف منتقل ہوا، پھر امام ابوحنیفہ اور ان کے شاگردوں کو ملا، جو شخص چاہے راضی ہو اور جو چاہے ناراض ہو۔

حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں: اگر اللہ تعالیٰ امام ابوحنیفہ اور سفیان ثوری رضی اللہ عنہما کے ذریعہ میری مدد نہ فرماتا تو میں عوام الناس میں سے ہوتا۔ یہ بھی فرمایا: کہ اگر میں نے امام ابوحنیفہ کی زیارت نہ کی ہوتی تو میں بھی سکے (کرنسی) بیچنے والوں میں سے ہوتا۔ اور اگر ابوحنیفہ نہ ہوتے تو میں مبتدعین میں سے ہوتا۔ حضرت عبداللہ بن مبارک سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو فرماتے: حضرت عبداللہ بن مسعود نے اس طرح فرمایا، اور امام ابوحنیفہ نے اس طرح فرمایا۔ حاضرین میں سے کوئی شخص کہتا کہ آپ ابوحنیفہ کو ابن مسعود کے ساتھ ملا رہے ہیں تو فرماتے: اگر تو امام ابوحنیفہ کو دیکھتا تو عظیم شخصیت کو دیکھتا۔ حضرت سفیان ثوری علیہ الرحمۃ ورضوان فرماتے ہیں: ”ہم امام ابوحنیفہ کے سامنے ایسے تھے جیسے باز کے سامنے چڑیاں ہو، ابوحنیفہ علماء کے سردار ہیں۔“

حضرت جعفر بن ربیع کہتے ہیں: ”میں پانچ سال امام ابوحنیفہ کی خدمت میں حاضر رہا، میں نے ان سے زیادہ طویل خاموشی والا کوئی شخص نہیں دیکھا۔ جب ان سے کسی مسئلے کے بارے میں سوال کیا جاتا تو یوں معلوم ہوتا جیسے علم کا دریا بہ رہا ہو۔“ یہ بھی فرمایا کہ سب سے بڑے فقیہ امام ابوحنیفہ ہیں، میں نے فقہات میں ان جیسا کوئی عالم نہیں دیکھا۔ (تحفیل التعلیف فی معرفۃ الفقہ والتصوف للشیخ عبدالحق الحداد الدہلوی (مترجم) ص ۲۱۹، ۲۲۰، اعتقاد پبلیک ہاؤس، نئی دہلی)

حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں: میں امام اوزاعی علیہ الرحمۃ سے ملنے شام گیا۔ بیروت میں ان سے ملاقات ہوئی۔ مجھ سے کہا اے خراسانی! کوفہ میں یہ کون بدعتی پیدا ہوا ہے؟ یہ سن کر میں گھر آیا۔ امام ابوحنیفہ کی کتابیں نکالیں اور ان سے چیدہ چیدہ مسائل چھانت کر جمع کیے اس کام میں مجھے تین دن لگ گئے پھر میں امام اوزاعی کے پاس گیا، وہ مسجد کے مؤذن بھی تھے اور امام بھی۔ میرے ہاتھ میں کتابیں دیکھ کر کہا: یہ کیا ہے؟ میں نے ہاتھ بڑھا کر کتابیں ان کے حوالے کر دیں۔ انہوں نے ایک مسئلہ پر نظر ڈالی، جس پر لکھا تھا ”قال“

النعمان“ (نعمان نے فرمایا) اذان کہہ کر کھڑے کھڑے پڑھ لیا۔ پھر کتاب آستین میں رکھ لی، پھر تکبیر کہہ کر نماز پڑھنے سے فارغ ہو کر کتاب آستین سے نکالی اور پوری کتاب پڑھ کر کہا: یہ نعمان ثابت کون ہیں؟ میں نے کہا: ایک شیخ ہیں عراق میں ملاقات ہوئی تھی۔ کہا: ”بڑی شان کے شیخ ہیں۔“ جو بہت ساقیض حاصل کرو۔ میں نے کہا: یہ وہی ابوحنیفہ ہیں جن نے مجھے روکا تھا (تاریخ بغداد للخطیب البغدادی، ج ۱۳، ص ۳۸) امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ”میں نے امام سے زیادہ حدیث کے متقی یا حدیث کے نکات جاننے والا کسی دیکھا اور میں نے جس مسئلے میں بھی امام ابوحنیفہ سے مخالفت کی کیا تو مجھ کو معلوم ہوا کہ ان کا مذہب آخرت کی نجات کے لیے آمد ہے۔ اور جب بھی مسائل کی استنباط میں میرا جھکاؤ ایک طرف ہوتا تھا تو حال یہ ہوتا کہ وہ حدیث صحیح کی مجھ سے کبھی بصیرت رکھتے تھے میں اپنے والدین سے پہلے امام ابوحنیفہ کے کرتا ہوں۔“ (مصدر سابق ص ۳۲۰)

حضرت ابو مطیع حکم بن عبداللہ کہتے ہیں: ”میں نے کسی سفیان ثوری سے زیادہ فقیہ نہیں دیکھا مگر امام ابوحنیفہ ان سے کبھی فقیہ تھے۔“ (مصدر سابق ص ۳۳۱)

حضرت یزید بن ہارون سے پوچھا گیا کہ امام ابوحنیفہ ثوری میں کون بڑا فقیہ ہے تو انہوں نے کہا: ”سفیان ثوری حنفیہ میں بڑے ہوئے ہیں اور امام ابوحنیفہ فقہ میں، پھر فرمایا کہ حضرت ابو عاصم ثمالی سے یہی سوال کیا تھا کہ ان دونوں میں کون ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ کا ایک غلام بھی سفیان ثوری بڑا فقیہ ہے۔“ (مصدر سابق ص ۳۳۲)

حضرت علی بن عاصم نے فرمایا: کہ اگر ابوحنیفہ کے علم کو ان زمانے کے علماء کے علم کے ساتھ تولا جائے تو امام ابوحنیفہ کے علم بھاری رہے گا۔ (اختیار ابی حنیفہ واصحابہ لقاظمی الصمیری، بحوالہ ابن ابی حنیفہ ص ۹۵)

امام اعظم ابوحنیفہ اور قرآن کریم:- امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو قرآن کریم سے حد درجہ شغف تھا۔ آپ قرآن مجید کے حافظ کثرت سے قرآن کی تلاوت فرماتے تھے اور نماز میں قرآن مجید

فی الحدیث“ کہا ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: ”اگر شعبہ نہ ہوتے تو عراق میں حدیث اتنی عام نہ ہوتی“ ۱۶۰ھ میں ان کا وصال ہوا۔ جب سفیان ثوری کو ان کی وفات کی خبر پہنچی تو فرمایا آج علم حدیث مر گیا۔ امام شعبہ کو حضرت امام اعظم سے قلبی لگاؤ تھا عاتبانہ ان کی ذہانت اور نکتہ رسی کی تعریف کرتے رہتے۔ ایک بار امام اعظم کا ذکر آیا تو امام شعبہ نے فرمایا: ”جس طرح مجھے یقین ہے کہ آفتاب روشن ہے اسی یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ علم اور ابوحنیفہ ہم نشین ہیں۔“

امام بخاری کے استاذ حضرت یحییٰ بن معین سے کسی نے امام اعظم کے بارے میں پوچھا کہ ان کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔ تو فرمایا: اس قدر کافی ہے کہ شعبہ نے انہیں حدیث روایت کرنے کی اجازت دی، شعبہ آخر شعبہ ہی تھے۔“ (عقود الجمان باب وہم)

کوفہ کے علاوہ حضرت امام نے بصرہ کے محدثین سے حدیثیں حاصل کیں اس وقت بصرہ بھی علم و فضل خصوصاً علم حدیث کا بہت اہم مرکز تھا۔ یہ شہر بھی حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بسایا تھا اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ شہر مرکز حدیث بن گیا تھا۔ علامہ ذہبی جیسے علم حدیث کے ماہر نے دوسرے اور تیسرے دور میں جن عظیم شخصیتوں کو محدث کا خطاب دیا ہے وہ بصرہ یا کوفہ کے رہنے والے یا یہاں اکثر آمد و رفت رکھنے والے تھے۔

جب امام اعظم نے ان دونوں مراکز سے ہزاروں ہزار احادیث حاصل کیں مگر امام اعظم ہونے کے لیے ابھی اور بہت کچھ ضرورت باقی تھی، یہ کی حرمین طہین سے پوری فرمائی۔ یہ گذر چکا کہ آپ نے پہلا سفر حج ۹۶ھ میں کیا تھا، اور آپ نے اپنی عمر میں پچپن حج کیے ۱۵۰ھ میں آپ کا وصال ہوا تو اس سے ثابت ہوا کہ ۹۶ھ کے بعد کسی سال حج ناغہ نہ ہوا اس لیے حرمین طہین کی حاضری کم از کم ۹۶ھ کے بعد پچپن بار مسلسل بلا ناغہ ہوئی۔ اس عہد میں حضرت عطاء بن رباح مکہ معظمہ میں مرتاج محدثین تھے، یہ تابعی تھے دو صحابہ کرام کی صحبت کا شرف انہیں حاصل تھا خصوصاً حضرت ابن عباس، ابن عمر، اسامہ، جابر، زید بن ارقم، عبد اللہ بن سائب، عقیل بن رافع، ابو درد اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے احادیث سنی تھیں۔ یہ محدث ہونے کے ساتھ بہت عظیم مجتہد بھی تھے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ عطاء کے ہوتے ہوئے لوگ میرے پاس کیوں آتے ہیں؟ ایام حج میں حکومت کی طرف

رتے تھے قاضی ابو عبد اللہ صحری نے خارجہ بن مصعب کے حوالے سے لکھا ہے کہ آپ نے ایک رکعت میں قرآن مجید ختم فرمایا ہے۔

(انبار ابی حنیفہ اصحابہ ص ۳۵)

حضرت خارجہ بن مصعب کہتے ہیں: خانہ کعبہ میں چار اماموں نے پورا قرآن مجید ختم کیا ہے، حضرت عثمان بن عفان، حضرت عیسیٰ داری، حضرت سعید بن زبیر، حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ حضرت یحییٰ بن نصر کہتے ہیں: کسان ابو حنیفہ ربما ختم القرآن فی شہور رمضان ستین ختمہ۔ (ترجمہ: کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ امام عتیفہ صرف رمضان کے مہینہ میں ساٹھ مرتبہ قرآن مجید ختم کرتے تھے مذکورہ بالا روایت سے خوب واضح ہو گیا کہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا تلاوت قرآن سے بڑا گہرا لگاؤ تھا، وہ قرآن سے شریں ہو کر استنباط بھی فرماتے تھے اور کثرت سے تلاوت بھی فرماتے تھے۔

امام اعظم اور حدیث:- اوپر شرائط اجتہاد کے بیان میں گذرا کہ ایک مجتہد کے لیے دیگر اسلامی علوم کے ساتھ علم حدیث میں بھی ضرورت ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ علم حدیث میں مرتبہ اول پر فائز تھے یہ اور بات ہے کہ انہوں نے وقت کے تقاضے کے پیش نظر روایت حدیث کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی، بلکہ ان سے مسائل کا راجع فرما کر امت مسلمہ کے لیے آسانیاں پیدا فرمادیں۔ قیامت آنے والے مسلمانوں کی مشکلات حل فرمادیں۔ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا زمانہ وہ زمانہ ہے جس میں حدیث کا درس شباب پر تھا، حدیث و اسلامیہ میں اس کا درس زور و شور سے جاری تھا، اور آپ کا تعلق اس خصوص میں ممتاز تھا، علم حدیث میں اس شہر کا امتیاز امام محمد رحمہ اللہ حاصل بخاری کے دور تک باقی رہا۔ اسی لیے موصوف اتنی بار کوفہ کو دہرایا کہ: میں کوفہ کتنی بار گیا شائیں کر سکتا۔“

امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ والرضوان نے حدیث کی تحصیل کی ابتداء ہی کوفہ سے کی۔ کوفہ میں کوئی ایسا محدث نہ تھا جس سے آپ نے حدیث کا علم حاصل نہ کیا ہو۔ ابوالحسن شافعی ہیں، مگر انہوں نے کھلے فظوں میں یہ اعتراف کیا ہے کہ توفانے وہ مشائخ ہیں جو کوفہ کے رہنے والے تھے۔ ان کے تحریف لائے جن سے امام اعظم نے حدیث اخذ کی۔

امام اعظم کے مشائخ حدیث میں امام شعبہ بن حجاج بھی ہیں، علامہ حدیثیں یاد تھیں، امام سفیان ثوری نے انہیں ”امیر المومنین

سے اعلان عام ہو جاتا تھا کہ عطا کے علاوہ اور کوئی فتویٰ نہ دے۔ اساطین محدثین، امام اوزاعی، امام زہری، امام عمر بن دینار، انہیں کے تلمیذ خاص تھے۔ امام اعظم جب ان کی خدمت میں تلمذ کے لیے حاضر ہوئے تو حضرت عطا نے ان کا عقیدہ پوچھا، امام اعظم نے کہا: میں اسلاف کو برا نہیں کہتا، گنہگاروں کو کافر نہیں کہتا، تقدیر پر ایمان رکھتا ہوں اس کے بعد عطا نے آپ کو حلقہ درس میں شامل کر لیا۔ دن بدن حضرت امام کی ذکاوت و فطانت روشن ہوتی گئی، جس سے حضرت عطا ان کو اپنے قریب سے قریب تر کرتے گئے یہاں تک کہ حضرت عطا دوسروں کو ہٹا کر حضرت امام اعظم کو اپنے پہلو میں بیٹھاتے۔ حضرت امام جب مکہ حاضر ہوتے تو اکثر حضرت عطا کی خدمت میں حاضر رہتے۔ ان کا وصال ۱۱۵ھ میں ہوا تو ثابت ہوا کہ تقریباً بیس سال ان سے استفادہ کرتے رہے۔

مکہ معظمہ میں حضرت امام نے وقت کے ایک اور امام حضرت عکرمہ سے علم حاصل کیا۔ عکرمہ سے کون واقف نہیں یہ حضرت علی، ابن عمر، عقبہ بن عمر و صفوان، جابر، ابوقادہ، ابن عباس رضوان اللہ علیہم اجمعین کے شاگرد ہیں۔ تفسیر و حدیث میں تقریباً ستر مشہور ائمہ تابعین ان کے شاگرد ہیں۔ جب حضرت امام اعظم مدینہ طیبہ میں حاضر ہوئے تو فقہائے سبعہ میں سے دو بزرگ باحیات تھے ایک سلیمان بن کادوسر انصر تھا۔ یہام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے غلام تھے۔ دوسرے حضرت سالم جو حضرت فاروق اعظم کے پوتے، اور حضرت عبداللہ بن عمر کے صاحبزادے تھے۔ حضرت امام اعظم نے خصوصیت سے ان دونوں اماموں سے احادیث اخذ کیں، ان کے علاوہ دوسرے ائمہ احادیث سے بھی فیض پایا۔ (نزہۃ القاری ص ۱۲۰/۱۲۱ مطبوعہ دائرۃ المعارف گھوٹی ۱۹۸۴ھ)

علامہ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ ”حضرت امام اعظم نے چار ہزار مشائخ سے جو کہ ائمہ تابعین تھے اور دوسرے حضرات سے حدیثیں اخذ کی ہیں۔ اسی بنا پر علامہ ذہبی اور دوسرے علماء نے حضرت امام کا شمار محدثین کے طبقہ حفاظ میں کیا ہے۔“

پھر آگے لکھتے ہیں: ”جس نے یہ خیال کیا کہ آپ حدیث کا بہت کم اہتمام کرتے تھے اس نے اسباب سے کام لیا، یا حسد کی بنا پر یہ بات کہی ہے یہ بات ایسے شخص کے متعلق کیسے صحیح ہو سکتی ہے جس نے بے شمار مسائل کا استنباط فرمایا ہو، اور دلائل کے ذریعہ مخصوص طریقہ استنباط میں پہلا شخص ہو۔ جس کا بیان اس کے اصحاب نے اپنی تالیفات میں کیا ہے۔ بات در

اصل یہ ہے کہ وہ مسائل کے استخراج و استنباط کے کام میں مصروف تھے اس لیے ان کی روایتیں نہیں پھیلیں، جس طرح حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی روایتیں ان کی مصروفیات کی وجہ سے کم ہوئیں کہ حضرت عام مسلمانوں کے فلاح و بہبود کے کاموں میں مصروف تھے اس کے برخلاف ان صحابہ کی روایتیں زیادہ پھیلیں جو عمر اور علم دونوں میں ان سے کم تھے۔ یہی حال امام شافعی اور امام مالک کا ہے کہ ان کی روایتیں ان افراد سے کم ہیں جو صرف احادیث روایت کرنے کا کام کرتے تھے جیسے ابو زرعہ اور ابن معین۔ کیوں کہ حضرت امام مالک اور امام شافعی مسابقت کے استنباط میں مصروف رہتے تھے، پھر یہ بھی واضح رہے کہ روایت حدیث بغیر روایت کے بہت زیادہ قابل تریف نہیں ہے۔ علامہ ابن عبد البر۔ اس کی مذمت میں ایک باب قائم کیا ہے۔“

(التحیرات الحسان، ص ۶۰، مطبوعہ دار الکتب العربیہ الکبریٰ، مصر)

حضرت امام اعظم کے عظیم ترین محدث ہونے کی سب سے بڑی اور سب سے روشن دلیل فقہ حنفی ہے۔ فقہ حنفی کے کلیات و جزئیات کا ذکر دیکھیے، جن جن ابواب اور جن جن مسائل میں صحیح اور غیر مؤول وغیرہ منسوخ، کتاب اللہ کے غیر معارض احادیث ہیں وہ سب فقہ حنفی مطابق ہیں۔ اس کی تصدیق کے لیے امام طحاوی کی معانی الآثار و علا بدرالدین کی عمدۃ القاری شرح بخاری، علامہ کمال الدین ابن ہمام کی القدیر، شرح ہدایہ، شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی فتح المنان فی تہذیب النعمان، اور لمعات الشیخ شرح مشکوٰۃ المصابیح، اور ملا علی سلطان قاری کی مرقاة المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح کا مطالعہ کیا جائے اور کچھ خلیجان رو جائے تو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ۔ مجمودہ فتویٰ ”العیاض النبیہ فی الفتاویٰ الرضویہ“ کا مطالعہ کیا جائے میرے دعوے کی حرف بہ حرف تصدیق ہو جائے گی۔

امام اعظم کی اجتہادی خدمات:۔ امام اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کی اجتہادی خدمات بھی گونا گوں ہیں، ان میں دو خدمات بہت اہم ہیں (۱) علم شریعت کی باضابطہ تدوین (۲) ائمہ مجتہدین فقہائے اسلام کی زبردست نیم تیار کرنا۔

مگر ان خدمات اور کارناموں کی اہمیت سمجھنے کے لیے خلافت راشدہ کے زمانے سے لے کر ان کے عہد تک کے حالات کا ایک سہرا جائزہ لینا ضروری ہے۔ خلافت راشدہ حقیقت میں محض ایک

مستقل نظریہ، اصول حیات اور بنیادی قانون رکھتے تھے، اس لئے تا گزیر تھا کہ وہ اپنے ہی نظام قانون کے تحت ان بے شمار نت نئے مسائل کو حل کریں۔ غرض ایک طرف وقت کا یہ زبردست چیلنج تھا، جس سے اسلام کو سابقہ ور پیش تھا اور دوسری طرف حالت یہ تھی کہ ملوکیت کے دور میں کوئی ایسا مسلم آئینی ادارہ باقی نہ رہا تھا جس میں مسلمانوں کے معتمد علیہ اہل علم اور فقیہ اور مدبرین بیٹھ کر ان مسائل کو سوچتے اور شریعت کے اصولوں کے مطابق ان کا مستند حل پیش کرتے جو سلطنت کی عدالتوں اور اس کے سرکاری محکموں کے لئے قانون قرار پاتا اور پوری مملکت میں یکسانی کے ساتھ اس پر عمل کیا جاتا۔

اس نقصان کو خلفاء، گورنر، حکام اور قاضی سب محسوس کر رہے تھے، کیونکہ انفرادی اجتہاد اور معلومات کے بل پر روزمرہ پیش آنے والے اتنے مختلف مسائل کو بروقت حل کر لینا ہر مفتی، حاکم، جج اور ناظم محکمہ کے بس کا کام نہ تھا، اور اگر فرد افراد انھیں حل بھی کیا جاتا تھا تو اس سے بے شمار متضاد فیصلوں کا ایک جنگل پیدا ہو رہا تھا۔ گردشاری یہ تھی کہ ایسا ایک ادارہ حکومت ہی قائم کر سکتی تھی، اور حکومت ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں تھی جو خود جانتے تھے کہ مسلمانوں میں ان کا کوئی اخلاقی وقار و اعتماد نہیں ہے۔ ان کے لئے فقہاء کا سامنا کرنا تو درکنار ان کو برداشت کرنا بھی مشکل تھا۔ ان کے تحت بننے والے قوانین کسی حالت میں بھی مسلمانوں کے نزدیک اسلامی نظام قانون کا جز نہ بن سکتے تھے۔ ابن المقفع نے اپنے رسالہ الصلحیہ میں اس خلا کو پر کرنے کے لیے المقصور کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ خلیفہ اہل علم کی ایک کونسل بنائے جس میں ہر نقطہ نظر کے علماء پیش آمدہ مسائل پر اپنا اپنا علم اور خیال پیش کریں، پھر خلیفہ خود ہر مسئلہ پر اپنا فیصلہ دے اور وہی قانون ہو لیکن مسعود اپنی حقیقت سے اتنا بے خبر نہ تھا کہ یہ حماقت کرتا۔ اس کے فیصلے ابو بکر و عمر کے فیصلے نہ بن سکتے تھے۔ اس کے فیصلوں کی عمر خود اس کی اپنی عمر سے زیادہ نہ ہو سکتی تھی، بلکہ اس کی زندگی میں بھی یہ توقع نہ تھی کہ پوری مملکت میں کوئی ایک مسلمان ہی ایسا مل جائے گا جو اس کے منظور کیے ہوئے قانون کی مخلصانہ پابندی کرے۔ وہ ایک لادینی اور غیر مذہبی قانون تو ہو سکتا تھا مگر اسلامی قانون کا ایک حصہ ہرگز نہ ہو سکتا تھا۔

اس صورت حال میں امام ابو حنیفہ کو ایک بالکل نرالا راستہ سوچا اور وہ یہ تھا کہ وہ حکومت سے بے نیاز رہ کر خود ایک غیر سرکاری مجلس وضع

عنایت نہ تھی، بلکہ نبوت کی مکمل نیابت تھی، اس کا کام صرف اتنا نہ تھا کہ ملک کا نظم و نسق چلائے، امن قائم کر لے اور ملکی سرحدوں کی حفاظت کرے، بلکہ وہ مسلمانوں کی سماجی اور معاشرتی زندگی میں معلم، مربی اور مرشد کے وہ تمام فرائض انجام دیتی تھی جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طہیری حیات طیبہ میں انجام دیا کرتے تھے اور اس کی یہ ذمہ داری تھی کہ اسلامی حکومت میں دین حق کے پورے نظام کو اس کی اصلی شکل و روح کے ساتھ چلائے، اور دنیا میں مسلمانوں کی پوری اجتماعی طاقت و دین حق پر کلمۃ اللہ کو بلند کرنے کی خدمت پر لگا دے۔ اس بناء پر یہ کہنا زیادہ صحیح ہے کہ وہ صرف خلافت راشدہ ہی نہ تھی بلکہ خلافت مرشدہ بھی تھی۔

مگر خلافت راشدہ کے ختم ہوتے ہی امت مسلمہ کی قیادت دو حصوں میں بٹ گئی تھی۔ ایک سیاسی قیادت جس کی باگ ڈور امراء اور سلاطین کے ہاتھوں میں رہی اور دوسری دینی و مذہبی قیادت، جسے امت کے علماء اور صلحا نے سنبھال لیا تھا اس دور تفریق میں سیاسی قیادت اور سربراہی عام طور پر امور سلطنت، جہانگیری اور ملکی نظام کو چلانے کا کام کرتی تھی اور اسے اس کی پرواہ نہ تھی کہ یہ کام شرعی نقطہ نظر سے جائز ہے یا ناجائز، حلال ہے یا حرام۔ اس طرح مذہبی اور سیاسی قیادت کی تفریق سے اسلام کا قانونی نظام عملی طور پر حدود درجہ متاثر ہو چکا تھا۔

قانون شریعت کی تدوین:- امام ابو حنیفہ کا سب سے بڑا کارنامہ اس نے انھیں اسلامی تاریخ میں لازوال عظمت عطا کی، یہ تھا کہ انھوں نے اس عظیم خلا کو اپنے بل بوتے پر گھرا دیا جو خلافت راشدہ کے بعد شوری کا سد باب ہو جانے سے اسلام کے قانونی نظام میں واقع ہو چکا تھا۔

ایک صدی کے قریب اس حالت پر گزر جانے سے جو نقصان نما ہو رہا تھا اسے ہر صاحب فکر آدمی محسوس کر رہا تھا۔ ایک طرف مسلم ریاست کی حدود و سندھ سے ایبٹن تک پھیل چکی تھی۔ بیسوں قومیں اپنے باب الگ تمدن و رسم و رواج اور حالات کے ساتھ اس میں شامل ہو چکی تھیں۔ اندرون ملک مالیات کے مسائل، تجارت و زراعت کے مسائل، صنعت و حرفت کے مسائل، شادی بیاہ کے مسائل، دیوانی اور فوجی قوانین و ضوابط کے مسائل روز بروز سامنے آرہے تھے۔ بیرون ملک دنیا بھر کی قوموں سے اس عظیم ترین سلطنت کے تعلقات تھے اور ان میں جنگ، صلح، سفارتی روابط، تجارتی لین دین، بحری و بری مسافرت، کسٹم وغیرہ کے مسائل پیدا ہو رہے تھے اور مسلمان چونکہ اپنا ایک

اس مجلس کا طریق کار جو امام کے معتبر سوانح نگاروں نے لکھا ہے وہ ہم خود انہیں کے الفاظ میں یہاں نقل کرتے ہیں علامہ موفی بن احمد الہکی (م: ۵۶۸ھ ۱۱۷۲ء) لکھتے ہیں:

”ابو حنیفہ نے اپنا مذہب ان کے (یعنی اپنے فاضل شاگردوں کے) مشورے سے مرتب کیا ہے وہ اپنی حدود تک دین کی خاطر زیادہ سے زیادہ جاں فشانی کرنے کا جذبہ رکھتے تھے اور خدا و رسول اور ایمان کے لئے جو کمال درجہ کا اخلاص ان کے دل میں تھا اس کی وجہ سے انہوں نے شاگردوں کو چھوڑ کر یہ کام محض اپنی انفرادی رائے سے کر ڈالنا پسند نہ کیا وہ ایک ایک مسئلہ ان کے سامنے پیش کرتے تھے، اس کے مختلف پہلو ان کے سامنے لاتے تھے، جو کچھ ان کے پاس علم اور خیال ہوتا اسے سنتے اور اپنی رائے بھی بیان کرتے، حتیٰ کہ بعض اوقات ایک ایک مسئلے پر بحث کرتے ہوئے مہینہ مہینہ بھر اور اس سے بھی زیادہ لگ جاتا تھا۔ آخر جب ایک رائے قرار پا جاتی تو اسے قاضی ابو یوسف کتب اصول میں ثبت کرتے۔“ (مرجع سابق، ص: ۱۳۳)

عبد اللہ بن المبارک کہتے ہیں کہ ”ایک مرتبہ اس مجلس میں تیس دن تک مسلسل ایک مسئلے پر بحث ہوئی رہی تیسرے دن شام کے وقت میں نے جب اللہ اکبر کی آوازیں سنیں تو پیچ چلا کہ اس بحث کا فیصلہ کیا گیا۔“ (مناقب الامام الاعظم کردوری، ۲/۱۰۸)

امام کے ایک اور شاگرد ابو عبد اللہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مجلس میں امام ابو حنیفہ اپنی جورات میں ظاہر کرتے تھے انہیں وہ جہ میں پڑھوا کر سن لیا کرتے تھے چنانچہ ان کے اپنے الفاظ یہ ہیں:

”میں امام کے اقوال ان کو پڑھ کر سنا تا تھا ابو یوسف (مجلس کے فیصلے ثبت کرتے ہوئے) ساتھ ساتھ اپنے اقوال بھی درج کرتے کرتے تھے اس لیے پڑھتے وقت میں کوشش کرتا تھا کہ ان کے اقوال چھوڑنا جاؤں اور صرف امام کے اپنے اقوال انہیں سناؤں ایک روز میں چونک گیا اور دوسرا قول بھی میں نے پڑھ دیا امام نے پوچھا یہ دوسرا قول کس کا ہے؟ (مرجع سابق، ۲/۱۳۶)

اس کے ساتھ الہکی کے بیان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس مجلس کے جو فیصلے لکھے جاتے تھے ان کو الگ الگ عنوانات کے تحت کتابوں اور ابواب میں مرتب بھی امام ابو حنیفہ کی زندگی میں کر دیا گیا تھا:

”ابو حنیفہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس شریعت کے علم کو مدون کیا

قانون قائم کریں۔ یہ تجویز ایک انتہائی بدیع الفکر آدمی بنی سوچ سکتا تھا، اور مزید برآں اس کی ہمت صرف وہی شخص کر سکتا تھا جو اپنی قابلیت پر، اپنے کردار پر، اور اپنے اخلاقی وقار پر اتنا اعتماد رکھتا ہو کہ اگر وہ ایسا کوئی ادارہ قائم کر کے قوانین مدون کرے گا تو کسی سیاسی قوت نافذہ اور حکومتی دباؤ کے بغیر اس کے مدون کردہ قوانین اپنی خوبی، اپنی صحت، اپنی مطابقت اصول اور اپنے مدون کرنے والوں کے اخلاقی اثر کے بل پر خود نافذ ہوں گے، قوم خود ان کو قبول کرے گی اور سلطنتیں آپ سے آپ ان کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوں گی۔ امام اعظم اعلیٰ درجہ کے دور اندیش تھے، اپنی فراست ایمانی سے انہوں نے ان نتائج کو بھانپ لیا تھا جو بنی الواقع ان کے بعد نصف صدی کے اندر ہی برآمد ہونے والے تھے وہ اپنے آپ کو اور اپنے ساتھیوں کو جانتے تھے، مسلمانوں کے اجتماعی مزاج سے واقف تھے، اور وقت کے حالات پر گہری نظر رکھتے تھے انہوں نے ایک کمال درجہ کے دانا و دور اندیش انسان کی حیثیت سے بالکل صحیح اندازہ کر لیا کہ وہ اس خلا کو اپنی نئی حیثیت سے پُر کر سکتے ہیں اور ان کے پُر کرنے سے یہ خلا واقعی پُر ہو جائے گا۔

مجلس وضع قانون:۔ اس مجلس کے شرکا امام کے اپنے شاگرد تھے جن کو ساہلہ سال تک انہوں نے اپنے مدرسہ قانون میں باقاعدہ قانونی مسائل پر سوچنے، علمی طرز پر تحقیقات کرنے اور دلائل سے نتائج مستنبط کرنے کی تربیت دی تھی ان میں سے قریب قریب ہر شخص امام کے علاوہ وقت کے دوسرے بڑے بڑے اساتذہ سے بھی قرآن حدیث، فقہ اور دوسرے مددگار علوم مثلاً لغت، نحو، ادب اور تاریخ و سیر کی تعلیم حاصل کر چکا تھا، مختلف شاگرد مختلف علوم کے تخصص اور ماہر سمجھے جاتے تھے مثلاً کسی کو قیاس اور علوم عقلیہ میں نمایاں مقام حاصل تھا، کسی کے پاس احادیث اور صحابہ کے فتاویٰ اور پچھلے خلفاء و قضاة کے نظائر کی وسیع معلومات تھیں، اور کوئی علم تفسیر یا قانون کے کسی خاص شعبے، یا لغت اور نحو یا مغازی کے علم میں انتصاص رکھتا تھا ایک دفعہ امام نے خود اپنی ایک گفتگو میں بتایا کہ یہ کس مرتبے کے لوگ تھے۔

”یہ ۳۶ آدمی ہیں جن میں سے ۲۸ قاضی ہونے کے لائق ہیں، ۶ فتویٰ دینے کی اہلیت رکھتے ہیں، اور دو اس درجے کے آدمی ہیں کہ قاضی اور مفتی تیار کر سکتے ہیں۔“

(مناقب الامام الاعظم للموفق الہکی ج: ۲/۲۳۶)

(۱۹۸-۲۱۸ھ ۸۱۳-۸۳۳ء) کے زمانے تک پہنچتے پہنچتے یہ حالت ہو گئی کہ ایک دفعہ وزیر اعظم فضل بن سہیل کو ابو حنیفہ کے ایک مخالف فقیہ نے مشورہ دیا کہ حنفی فقہ کا استعمال بند کرنے کے احکام جاری کر دیے جائیں وزیر اعظم نے باخبر اور معاملہ فہم لوگوں کو بلا کر اس معاملے میں رائے لی، انہوں نے بالاقاق کہا یہ بات نہیں چلے گی، اور سارا ملک آپ لوگوں پر ٹوٹ پڑے گا جس شخص نے آپ کو یہ مشورہ دیا ہے، وہ ناقص العقل ہے، وزیر نے کہا، میں خود بھی اس خیال سے متفق نہیں ہوں اور امیر المومنین بھی اس قول پر راضی نہ ہوں گے (مصدر سابق ۲/ ۱۵۷، ۱۵۸) اس طرح تاریخ کا یہ اہم واقعہ رونما ہوا کہ شخص واحد کی قائم کی ہوئی غبی مجلس وضع قوانین کا مرتب کیا ہوا قانون محض اپنے اوصاف اور اپنے مرتب کرنے والوں کی اخلاقی ساکھ کے بل پر ملکوں اور سلطنتوں کا قانون بن کر رہا اس کے ساتھ دوسرا اہم نتیجہ اس کا یہ بھی ہوا کہ اس نے مسلم مفکرین قانون کے لیے اسلامی قوانین کی تدوین کا ایک نیا راستہ کھول دیا بعد میں جتنے دوسرے بڑے بڑے فقہی نظام بنے اور اپنے طرز اجتہاد اور نتائج اجتہاد میں چاہے اس سے مختلف ہوں، مگر ان کے لئے نمونہ بنی تھا جسے سامنے رکھ کر ان کی تعمیر کی گئی لہذا باضابطہ قانون اسلام اور قانون شریعت کے مدون سب سے پہلے شخص امام اعظم ابو حنیفہ ہی ہیں۔

علامہ شمس الدین محمد بن یوسف صاغی شافعی دمشقی لکھتے ہیں: ”یقیناً امام ابو حنیفہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے علم شریعت کی تدوین کی ہے اور اس کو ابواب پر مرتب کیا ہے پھر امام مالک بن انس نے موطا کی ترتیب میں امام ابو حنیفہ کی پیروی کی ہے، امام ابو حنیفہ پر کسی کو سبقت حاصل نہیں ہے، کیونکہ حضرات صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم کا اعتماد اپنی قوت حافظہ پر تھا، جب امام ابو حنیفہ نے دیکھا کہ علم شریعت اکناف عالم میں پھیل گیا ہے تو آپ کو اس علم کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہوا لہذا آپ نے اس کو ابواب اور کتابوں پر مرتب اور منضبط کیا، ابتدا کتاب الطبہ رت سے کی، پھر کتاب الصلاۃ، کتاب العبادات، کتاب المعاملات کو بیان کیا اور کتاب المیراث پر اس سلسلہ کو ختم کیا کیوں کہ اس کا تعلق انسان کی آخرت سے ہے امام ابو حنیفہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے کتاب الفرائض اور کتاب الشرط تصنیف کی“

فقہائے مجتہدین کی ثم تیار کرتا: امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ

سے پہلے کسی نے یہ کام نہیں کیا تھا ابو حنیفہ نے اس کو کتابوں اور جدا جدا ت کے تحت ابواب کی شکل میں مرتب کر دیا تھا“ (مرجع ص: ۴۱) اس مجلس میں جیسا کہ ہم پہلے موقوف الکی ہی کے حوالے سے بتا چکے ہیں ۸۳ ہزار قانونی مسائل طے کئے گئے تھے اس میں صرف وہی مسائل بحث نہیں آتے تھے جو اس وقت تک عملاً لوگوں کو یا ریاست کو پیش آتے تھے، بلکہ معاملات کی امکانی صورتیں فرض کر کر کے ان پر بھی بحث کی جاتی اور ان کا حل تلاش کیا جاتا تھا، تاکہ آئندہ اگر کبھی کوئی نئی صورت پیش آئے جواب تک نہ پیش آئی ہو تو قانون میں پہلے سے اس کا حل ہو یہ مسائل قریب قریب ہر شعبہ قانون سے متعلق تھے، بین الملکی قانون (جس کے لیے ”السیر“ کی اصطلاح مستعمل تھی) دستوری قانون، دیوانی و فوج داری قانون قانون شہادت ضابطہ عدالت، معاشی کے ہر شعبے کے الگ قوانین، نکاح، طلاق اور وراثت وغیرہ شخصی کے قوانین، اور عبادات کے احکام، یہ سب عنوانات ہم کو ان کتابوں میں ملتے ہیں جو اس مجلس کے فرائض کردہ مواد سے امام ابو حنیفہ نے اور پھر امام محمد بن حسن الشیبانی نے بعد میں مرتب کیں۔

اس باقاعدہ تدوین قانون اور اجتماعی وضع قانون کا اثر یہ ہوا کہ اس کی طور پر کام کرنے والے مجتہدوں، مفتیوں اور قاضیوں کا کام اختیار ہوتا چلا گیا قرآن وحدیث کے احکام اور سابقہ فیصلوں اور فقہاء کے نظائر کی چھان بین کر کے اہل علم کی ایک مجلس نے ابو حنیفہ کے محدث آدمی کی صدارت و رہنمائی میں شریعت کے جو احکام صحیح و سچ میں نکال کر رکھ دیئے تھے اور پھر اصول شریعت کے تحت وسیع پیمانے پر اجتہاد کر کے زندگی کے ہر پہلو میں پیش آنے والی امکانی صورتوں کے لئے جو قابل عمل قوانین مرتب کر دیئے تھے، ان کے بعد ہر فرد کے مدون کئے ہوئے احکام مشکل ہی سے و قیح ہو سکتے تھے اس لیے جوں ہی یہ کام مظہر عام پر آیا عوام اور حکام اور قضاۃ، سب کی طرف رجوع کرنے پر مجبور ہو گئے، کیوں کہ یہ وقت کی مانگ تھی کہ ملت سے اسی چیز کے حاجت مند تھے، چنانچہ مشہور فقیہ حنفی بن مالک (م: ۲۰۳ھ ۸۱۸ء) کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ کے اقوال کے آگے سے فقہاء کے اقوال کا بازارسرہ پڑ گیا، انہیں کا علم مختلف علاقوں میں پھیل گیا اسی پر خلفاء اور ائمہ اور حکام فیصلے کرنے لگے اور معاملات کا چلن پر ہو گیا (مرجع سابق ص: ۴۱) غلیظ مامون

عز کا دوسرا اہم کارنامہ اپنے شاگردوں کی صورت میں فقہائے مجتہدین کی ایک زبردست ٹیم تیار کرنا ہے، اس خصوص میں بھی امام اعظم دیگر ائمہ مجتہدین سے منفرد نظر آتے ہیں کیوں کہ آپ نے اپنی مجلس علمی میں جہاں قانون اسلام کی باضابطہ تدوین کی وہیں اجتہادی میدان میں اپنے شاگردوں کی زبردست تربیت بھی فرمائی، اور ان کے اندر یہ صلاحیت پیدا فرمادی کہ وہ کسی بھی جدید مسئلے کا حکم اصول شریعت کی روشنی میں نکال سکتے تھے علامہ محمد بن احمد ذہبی مالکی نے "مناقب الامام ابی حنیفہ وصاحبہ" میں لکھا ہے کہ علمائے کبار کی ایک جماعت نے حضرت امام ابوحنیفہ سے فقائے حاصل کی ان میں سے مندرجہ ذیل اہل علم خاص ہیں:

- (۱) زفر بن ہذیل (۲) قاضی ابو یوسف (۳) آپ کے صاحب زاوے حماد (۴) نوح بن ابی مریم معروف بہ نوح جامع (۵) ابو مطیع حکم بن عبد اللہ طبری (۶) حسن بن زیاد لونوی (۷) محمد بن حسن شیبانی (۸) قاضی اسد بن عمرو۔

اور آپ سے بے شمار محدثین اور فقہاء نے روایت کی، ان میں سے درج ذیل افراد بھی ہیں:

- (۱) مغیرہ بن مقسم (۲) زکریا بن ابی زائدہ (۳) مسعر بن کدام (۴) سفیان ثوری (۵) مالک بن مغول (۶) یونس بن ابی اسحاق (۷) شریک (۸) حسن بن صالح (۹) ابو بکر بن عیاش (۱۱) عیسیٰ بن یونس (۱۲) علی بن مسہر (۱۳) حفص بن غیاث (۱۴) جریر بن عبد الحمید (۱۵) عبد اللہ بن مبارک (۱۶) ابو معاویہ (۱۷) کوثر (۱۸) الحارث بن (۱۹) ابو اسحاق قزازی (۲۰) یزید بن ہارون (۲۱) اسحاق بن یوسف ازرق (۲۲) معانی بن عمران (۲۳) زید الجباب (۲۴) سعد بن صلت (۲۵) کلی بن ابراہیم (۲۶) ابو عاصم ثمال (۲۷) عبد الرزاق بن ہمام (۲۸) حفص بن عبد الرحمن سلمی (۲۹) عبید اللہ بن موسیٰ (۳۰) ابو عبد الرحمن مقرئ (۳۱) محمد بن عبد اللہ انصاری (۳۲) ابو نعیم (۳۳) ابو ذر بن خلیفہ (۳۴) ابو اسامہ (۳۵) ابویحییٰ حمانی (۳۶) ابن نمیر (۳۷) جعفر بن عون (۳۸) اسحاق بن سلیمان رازی وغیرہ۔ (مناقب الامام ابی حنیفہ وصاحبہ ص: ۱۱)

امام اعظم علیہ الرحمہ والرضوان نے اپنے شاگردوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

انتم مسار قلبی وجلاء حزنی، اسریت لکم الفقہ وأ

لجنتہ، وقد ترک الناس یطؤون أعقابکم، ویلکم الفاضلکم، ما منکم أحد الا وهو یصلح للقضاء، فاستباللہ وبقدّر ما وهب اللہ لکم من جلالہ العلم لما من عن ذل الاستیجار (ابو حنیفہ: حیاتہ وعصرہ، ص: ۱۸۷) وفقہہ: ابو زہرہ، ص: ۱۸۷)

”تم میری مسرت وشادمانی کا سامان اور میرے غم واندوہ کرنے والے ہو، میں نے تمہارے لیے فقہ پرزین کس دی ہے اور لگا دی ہے اور لوگوں کو اس حال میں چھوڑ رہا ہوں کہ تمہارے نقش پر چلیں، اور تمہارے ارشادات کے طلب گار ہوں تم میں سے ہر ایک قاضی بننے کی صلاحیت رکھتا ہے میں نے تم سے اللہ کا اور اس رتبہ اللہ تعالیٰ نے تم کو علم کی عظمت کا عطا فرمایا ہے واسطے دے کر یہ چاہوں کہ اس علم کو اجرت لینے کی ذلت سے بچانا۔“

بہر حال یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ آپ کے تلامذہ کی ایک تعداد تھی، جنہوں نے آپ سے فقہ واجتہاد کی تربیت لی تھی خود حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ نے اپنے ان تلامذہ کی جلالت علمی کا اعتراف فرمایا شیخ محمد ابو زہرہ مصری نے اپنی کتاب ”ابو حنیفہ حیاتہ وعصرہ، آراؤہ وفقہہ“ میں اسے لکھا ہے وہ فرماتے ہیں: ”حضرت امام اعظم کے اصحاب اور تلامذہ بہ کثرت تھے ایک جماعت وہ تھی کہ کچھ مدت تک آپ کی خدمت میں رہ کر اور فضل و کمال حاصل کر کے اپنے وطن چلی گئی اور ایک جماعت وہ تھی کہ آپ ہی سے وابستہ رہی چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا ”یہ میرے چھتیس اصحاب ہیں، ان میں سے اٹھائیس میں یہ صلاحیت ہے کہ قاضی بن سکیں، چھ افراد میں مفتی بننے کی صلاحیت ہے، اور دو یعنی ابو سف اور زفر قاضیوں اور مفتیوں کو ترتیب دینے کی لیاقت رکھتے ہیں۔“ (مرجع سابق)

خلاصہ یہ ہے کہ سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کے کرامات قدر کا نامور میں یہ دو کارنامے اور علمی واجتہادی خدمات ایسی ہیں جن میں حضرت امام کی ذات مفرد ہے اللہ تعالیٰ آپ کی قبر انور پر قیامت تک رحمت و نور کی موسلا دھار بارش برسائے اور آپ کو آپ کی ان خدمات جلیلہ کا وہ بدلہ عطا فرمائے جو اس کی شانِ کریمی کے لائق ہے۔

☆☆☆

امام مالک کی علمی اجتہادی خدمات

عمر میں آپ نے شروع کیا؟ یہ تحقیق سے معلوم نہیں۔ پھر اپنی زندگی کے آخری ایام میں بیماری کی وجہ سے گھر پر ہی درس دینے لگے۔ بہت سے اخبار و روایات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے اس وقت یہ کام شروع کیا جب ربیعہ باحیات تھے۔ ربیعہ کی وفات سن ۱۳۶ھ میں ہوئی اور آپ کی پیدائش راج روایت کے مطابق ۹۳ھ میں ہوئی اس حساب سے آپ کی عمر شریف اس وقت ۴۳ برس کی ہوئی۔

ایک نکتہ:- جس طرح آپ کے بارے میں یہ غلط روایت ہے کہ آپ والدہ کے حمل میں تین برس رہے اسی طرح کچھ لوگوں کی روایت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ نے درس و افتاء ۷۷ برس کی مدت میں شروع کر دیا تھا وہ بھی اپنے شیخ ربیعہ سے ناراض ہونے کے بعد، جہاں تک مذکورہ مدت حمل کی روایت کی بات ہے تو وہ طلب کی روشنی میں صحیح نہیں۔ علم طب کے مطابق حمل کی مدت زیادہ سے زیادہ سال بھر کی ہو سکتی ہے۔ عقیدہ و ایمان کے حساب سے حمل کی مدت نو ماہ سے زائد کی نہیں ہو سکتی۔ رہی بات ربیعہ سے ناراضگی کی یا ۷۷ برس میں درس و افتاء کے آغاز کی تو وہ صحیح نہیں۔ ہاں اتنا ضرور کہا جاسکتا ہے کہ ربیعہ کے انتقال کے وقت آپ کی عمر ۴۳ برس ہو رہی تھی اس لیے یہ کہنا درست ہے کہ اس سے پہلے اس کام کو شروع کیا ہو بلکہ ایسا اس سے پہلے ضروری بھی ہے۔

پیشہ اور حکام سے تعلق:- آپ کی روزی کا ذریعہ کیا تھا؟ اس سلسلے میں کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ہے۔ البتہ اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ آپ کے والد کا پیشہ تیر سازی تھا۔ اور آپ بچپن ہی میں حصول علم حدیث کی طرف مائل ہو چکے تھے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ نے علم کے ساتھ یہ پیشہ بھی بطور روزی کمانے کے لیے اختیار کیا ہو۔ دوسری روایت سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے بھائی نصر رونی کے کپڑے کی تجارت کرتے تھے اور وہ خود علم اور طب حدیث میں مشغول تھے۔ حضرت امام مالک ان کے ساتھ اس کو بیچا کرتے تھے۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ آپ کی روزی کا ذریعہ تجارت رہی ہو۔

پیدائش اور سلسلہ نسب:- حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میں ولید بن عبد الملک اموی کے زمانے میں پیدا ہوئے۔ آپ کا تاریخ پیدائش میں اختلاف ہے، چنانچہ ۹۰، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱

آپ کے خلفاء اور حکام سے بھی تعلقات تھے۔ ان کے طرف سے آنے والے ہدایا و تحائف کو قبول کر لیا کرتے تھے۔ جب کہ آپ کے معاصر حضرت امام ابو حنیفہؒ نہ تو اسوی خلفاء کے ہدایا قبول فرماتے اور نہ بنو عباس کے خلفاء کے۔ ایک بار آپ سے خلفاء کے اموال قبول کرنے کی بابت سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ”أما الخلفاء فلا شك، یعنی آند لا باس به، وأما من دونهم فإن فيه شينا“ ربی بات خلفاء کی تو اس میں کوئی شک نہیں۔ یعنی ان سے کچھ لینے میں کوئی حرج نہیں، جہاں تک ان کے علاوہ کی بات ہے تو اس میں باعث حرج ہے۔ اس کی وجہ آپ کی نظر میں یہی رہی ہوگی کہ خلفاء اپنی خواہش کی چیزوں کو اپنے لیے جمع کر لیا کرتے تھے اس میں سے نکال کر بھیجا کرتے تھے جسے قبول کرنے میں آپ کوئی حرج محسوس نہیں کرتے تھے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ رشید نے آپ کے لیے تین ہزار دینار بطور وظیفہ مقرر کر دیا تھا۔ اس سلسلے میں آپ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: ”لو كان امام عدل فانصف اهل المروءة لم اربه بأشئ“ اگر امام عدل ہوتا تو صاحب مروت شخص ضرور انصاف کرتے لہذا میں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا ہوں۔

حکام کے ساتھ آپ کا سلوک:۔ حکماء اور خلفاء سے تعلق کے باوجود علم اور علماء کی عظمت کو ان کی شان و شوکت پر ترجیح دیتے، چنانچہ طاش کبریٰ زادہ اپنی تصنیف مفتاح السعادة ج ۲ ص ۸۶ میں فرماتے ہیں: ہارون نے آپ کے پاس اپنی مجلس میں حاضر ہونے کا پیغام بھیجا تا کہ آپ سے ان کے دونوں بیٹے امین اور مامون مؤطاس سکیں۔ چنانچہ انہوں نے آپ سے یہ درخواست کی کہ اے بندہ خدا! بہتر یہ ہے کہ آپ ہمارے پاس آئیں تا کہ ہمارے بیٹے مؤطاس سکیں۔ اس پر آپ نے فرمایا: امیر المؤمنین کو اللہ عزت بخشے! علم آپ کی جانب سے نکلا ہے، اگر آپ اس کی عزت کریں گے تو وہ باعزت ہوگا اور اگر آپ کو رسوا کرتے ہیں تو ذلیل ہوگا۔ علم کے پاس آیا جاتا ہے وہ خود کسی کے پاس نہیں جاتا۔ اس پر مامون نے کہا: آپ نے سچ کہا، پھر انہوں نے اپنے دونوں بیٹوں کو مسجد جانے کو کہا تا کہ وہ دونوں لوگوں کے ساتھ مؤطاس کی سماعت کر سکیں۔ حضرت مالک نے فرمایا: لیکن شرط یہ ہے کہ وہ لوگوں کی گردنوں کو پھلانگے نہیں اور مجلس جہاں ختم ہو رہی ہو وہیں بیٹھیں۔ اس شرط کے ساتھ دونوں مسجد میں حاضر ہوئے۔ اسی طرح کا واقعہ رشید کے ساتھ پیش آیا کہ انہوں نے اسی کتاب مؤطاس کو اپنے پاس لانے کو کہا تو آپ نے اس کے پاس

جانے سے انکار فرمادیا چنانچہ خلیفہ کو کہنا پڑا: ”والله لا نسمعه الا ببيتك“ بخدا! ہم آپ کے گھر میں ہی اسے سماعت کریں گے۔

حدیث و فقہ میں آپ کا مرتبہ:۔ حضرت امام شافعیؒ آپ کا مرتبہ حدیث و فقہ کے بارے میں فرماتے ہیں: ”إذا ذكر العبد، فمالک السجيم، وما أحدا من علي من مالک“ جب تذکرہ کیا جاتا ہے تو مالک سترارے کی مانند بلند ہوتے ہیں۔ اور مالک سے زیادہ کسی کا احسان نہیں۔ امام محمد ابو ہریرہ فرماتے ہیں: مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فقہ میں دو باتیں نمایاں ہیں ”ایک یہ کہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جہاں فقیہ اثر تھے وہیں فقیہ رائے بھی تھے۔ جس اپنی فقہ کے اندر اثر کا بکثرت استعمال کرتے وہیں رائے کو بھی استعمال کرتے ہیں۔ متقدمین ان کو فقہائے رائے میں شمار کرتے۔ کی وجہ یہ ہے کہ آپ سے جو فقہ مروی ہے اور اس کا جو طریقہ ہے، اس کے اس قول پر شہادت ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ حضرت امام مالک کے یہاں رائے کے بہت سے وسائل تھے لیکن ان کا مرجع ایک اصل تھا اور وہ تھا جالب مصلحت اور رفع حرج۔

آپ کے شیوخ کرام:۔ آپ کے شیوخ کرام میں امین ہیں جن سے آپ نے مسلسل سات برس یا اس سے کچھ زائد عرصہ استفادہ کیا۔ اس دوران کسی اور سے استفادہ نہیں کیا۔ اس کے بعد وقتاً فوقتاً ان سے استفادہ کرتے رہے۔ ایک قول میں یہ ہے کہ آپ ان سے تقریباً سترہ برس تک علمی رابطہ رہا۔ ایک دوسرے قول میں ہے کہ آپ کا ان سے تقریباً تیس برس تک علمی رابطہ رہا۔

نافع مولیٰ عبد اللہ بن عمر:۔ ان سے امام مالک نے حضرت عبد اللہ کی فقہ اور ان سے پوچھے جانے والے مسائل کے سلسلے میں استفادہ کیا اور اتفاقاً کا علم سیکھا۔ حضرت نافع اس سلسلہ الذہب کی کڑی ہیں کے بارے میں خود حضرت ابو داؤد نے اصح الاسانید فرمایا۔ وہ ذہب اس طرح ہے: مالک عن نافع عن ابن عمر۔ انتقال باختلاف روایت ۱۱ھ یا ۱۲ھ میں ہوا۔

ابن شہاب زہری:۔ ان سے حضرت مالک نے علم حدیث سیکھا۔ آپ ان کے سب سے بڑے راوی ہیں۔ مؤطا میں بھی شہاب کے واسطے سے بہت سی احادیث ہیں۔

ابوزناؤ:۔ یہ امام مالک کے سب سے آخری استاذ ہیں جن کو

ظہور ہوا جنہوں نے حضرت علی کی تقدیس میں دینی حد سے تجاوز اختیار کیا۔ ان میں سے سنیہ اور غرابیہ تھے۔

سنیہ: عبداللہ بن سبا کے پیروکار تھے۔ انہوں نے حضرت علی کو صفت الوہیت سے متصف کیا، تو ان میں سے بعض کو حضرت علی نے نذر آتش کر دیا۔

غرابیہ: اس کا ماننا تھا کہ نبوت حضرت علی کو ملتی تھی لیکن حضرت

جبریل بھگ گئے اور غلطی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلے گئے۔ پھر اس میں سے دوسرے گروہ ظاہر ہوئے ان میں ایک معتدل اور

میانہ روی اختیار کیے ہوئے تھا۔ دوسرا غالی اور حد اعتدال سے متجاوز تھا۔ پہلے کو زید یہ کہا جاتا ہے جو زید بن علی زین العابدین کا پیر و تھا جو عین

حضرت ابو بکر و عمر کی امامت کو صحیح نہیں مانتا تھا اور دیگر صحابہ پر طعنہ زنی نہیں کرتا۔ دوسرا گروہ جو غالی اور حد اعتدال سے متجاوز تھا اس میں بھی

مختلف گروہ کا ظہور ہوا (۱) کیسانیہ (۲) امامیہ اثنا عشریہ (۳) اسماعیلیہ۔ کیسانیہ: مختار کا پیر و تھا جو دولت مروانیہ کا پہلا شخص تھا۔ امامیہ

اثنا عشریہ: اس کا ماننا تھا کہ اس کے بارہ امام ہیں جو سرمن رائی میں غائب ہو گئے ہیں وہ آخری زمانہ میں ظہور پذیر ہو کر دنیا کو حق و صداقت

اور عدل و انصاف سے معمور کریں گے، اس فرقے کی تعداد ہمیشہ زیادہ رہی ہے، یہ فرقے زیادہ فارس میں پائے جاتے ہیں۔

اسماعیلیہ: اس فرقے کے کچھ لوگوں نے فاطمیوں کے نام پر حکومت مصر کی باگ ڈور سنبھالی۔

دوسرا سیاسی گروہ خوارج کا تھا جس کا ظہور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں آپ کے ثالث اور فیصل کا کردار ادا کرنے کی ذمہ داری

قبول کرنے کے بعد ہوا پھر اس نے آپ کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور کہا کہ اللہ کے سوا کسی کا حکم نہیں چلتا، بلکہ انہوں نے یہاں تک کہا کہ

حضرت علی نے تحکیم کی ذمہ داری قبول کر کے کفر کیا لہذا اس کو چھوڑنا اور آپ پر توبہ کرنا ضروری ہے پھر اس نے ہی آپ کو شہید کر ڈالا۔

دولت امویہ میں مختلف گروہوں کا ظہور: دولت عباسیہ میں ظہور پذیر ہونے والے گروہ ایک تو ایسے ہی دولت امویہ کے لیے

خطرے کی گھنٹی سے کم نہیں تھے دوسرا یہ کہ مزید دوسرے فرقوں کا ظہور دولت امویہ میں ہو رہا تھا جن کے نظریات کا لب لباب اور خلاصہ یہی تھا

کہ خلافت کا کوئی مستحق نہیں، خلیفہ آزادانہ اختیار حاصل کر لیتا ہے لہذا بہتر یہ ہے کہ اس کے تئیں طرفداری یا عصیت نہیں برتی جائے تاکہ اس

نام عبد اللہ بن ذکوان سے جو موالی میں سے تھے اور ان کی اصل ہمدان سے تھی۔ کنیت ابو عبد الرحمن تھی لیکن ابو زناد کی کنیت ان پر غالب آ گئی۔

ان کا انتقال ۶۶ برس میں رمضان ۱۳۰ھ یا ۱۳۱ھ میں غسل خانے کے اندر اچانک ہوا۔ ان سے آپ نے صرف صحابہ اور تابعین سے منقول

حدیث اور فقہ پڑھی۔ ربیعہ الرای: آپ حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پہلے

استاذ ہیں۔ ان سے انہوں نے فقہ اثر کیسکی جس کا معنی و مطلب اثر پر ہی مبنی ہوتا ایسا نہیں کہ اس کے معانی اپنی طرف سے نکالے گئے ہوں۔ آپ کے

فتویٰ دینے کا طریقہ یہ تھا کہ اس کا اصل اثر میں تلاش کرتے تب فتویٰ دیتے اگر اس کے بارے میں کوئی اثر نہیں ملتا تو اثر پر مبنی معانی اخذ کر کے فتویٰ دیتے۔

ایک نکتہ: بعض روایت میں امام مالک کے پہلے استاذ حضرت ربیعہ الرای کو بتایا گیا ہے جب کہ بعض روایت میں ابن ہرمر کو۔ ان

دونوں روایت میں تطبیق کی صورت یہ ہوگی کہ طلب علم کے لیے سب سے پہلے اپنی عمر کے ابتدائی حصے میں آپ ربیعہ کے پاس گئے ہوں پھر آپ

کے والد نے آپ کے بچپن ہی میں یہ خیال کیا ہو کہ ربیعہ سے آپ کا استفادہ محدود شکل میں ہے تو مالک نے ابن ہرمر کی طرف رخ کیا ہو۔

دیگر علماء سے روابط: آپ کی شخصیت کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کا ربط و تعلق اپنے شیوخ کے علاوہ دیگر علماء سے بھی رہا

خواہ وہ فقہاء ہوں یا نہ ہوں۔ ان علماء سے آپ کا تعلق تین نوعیت کا تھا (۱) حج کے موقع پر براہ راست علماء سے ملتے (۲) مدینے کے علماء کے

ساتھ مسلسل نشست ہوتی (۳) اور کتابوں سے۔ دولت عباسیہ میں مختلف فرقوں کا ظہور: مامون، معتصم اور

تقی جن کے دور کو آپ نے پایا، ان کے دور میں دو قسم کے فرقوں کا ظہور ایک سیاسی، دوسرا اعتقادی۔ ان کے بارے میں آپ کا موقف کیا

تھا اس کو بیان کرنے سے پہلے ان کے نظریات کو بیان کرنا ضروری ہے تاکہ بآسانی ان کے تئیں آپ کے موقف تک رسائی حاصل کی جاسکے۔

سیاسی فرقوں میں شیعہ اور خوارج تھے۔ اعتقادی فرقوں میں جہمیہ (جہریہ) اور مرجئیہ۔

شیعی فرقہ: تمام اسلامی فرقوں میں قدیم ہے جو حضرت عثمان کے آخری دور میں ظہور پذیر ہوا۔ اس کا ماننا تھا کہ حضرت علی بن ابو

طالب خلافت کے زیادہ حق دار تھے، پھر اس میں بھی مختلف فرقے کا

کا تختہ پلٹنے میں آسانی ہو۔ یہ گروہ گناہ کے مرتکبین کی تکفیر کیا کرتے تھے ان میں بھی مختلف فرقے ہوئے۔ اعتدال و غلہ کے اعتبار سے ان کے اعمال اور نظریات میں ایک دوسرے سے تفاوت تھا۔ ان میں سے ازراقہ اور اباضیہ ہیں۔

ازراقہ: تابع بن ازرق حنفی کے متبعین تھے جو غالی قسم کے تھے۔ جماعت اسلامی سے یہ بہت قریب تھے۔ اباضیہ: یہ عبداللہ بن اباض المرئی التیمی کا پیروکار تھا۔ ان کا ماننا تھا کہ ان کے مخالفین نہ کفار ہیں اور نہ مشرک بلکہ وہ کفار نعمت ہیں۔ ان کے مخالفین کا خون حرام ہے، ان کی شہادت جائز ہے۔ اس فرقے کے کچھ لوگ مراتش میں پائے جاتے ہیں اس کے علاوہ عثمان، مشرقی افریقہ، طرابلس الغرب اور جنوبی الجزائر میں بھی پائے جاتے ہیں، استہرام "سیاسی قتل" کے منکر ہیں، غیر اباضیوں سے نکاح کی اجازت ان کے یہاں ہے، پھر اباضیہ اور ازراقہ میں بھی مختلف فرقے کا ظہور ہوا جن میں نجدات، صفریہ اور عیارۃ ہیں۔ نجدات: نجدۃ بن عومر جو بنی حنیفہ کے قبیلے سے تھا، اس کے متبعین تھے۔ صفریہ: زیاد بن اصغر کے متبعین تھے۔ عیارۃ: عبدالکریم بن عیمر کے متبعین تھے۔

خوارج: اس میں کچھ وہ لوگ تھے جو اپنی بعض آرائیں اسلام سے خارج تھے۔ ان کے دو فرقے ہیں یزیدیہ اور مہومیہ۔ یزیدیہ بن ابیہ کے متبعین تھے۔ ان کا ماننا تھا کہ اللہ تعالیٰ عیسویں میں سے ایک رسول بھیجے گا جسے کتاب دی جائے گی جو شریعت محمدی کو منسوخ کرے گی۔

میمونیہ: میمون عجدی کے متبعین تھے اس نے نو اسیوں، پوتیوں، بھتیجیوں اور بھانجیوں سے نکاح کو جائز قرار دیا۔ ان کا ماننا تھا کہ ان کا ذکر قرآن میں نہیں ہے۔ اس کے بارے میں یہ بھی مروی ہے کہ اس نے سورۃ یوسف کا انکار کیا، اس کو وہ قرآن شمار نہیں کرتے۔

اعتقادی فرقوں کا ظہور: جن اعتقادی فرقوں کا ظہور آپ کے دور میں ہوا۔ وہ مرجہ، جبریہ (جہمیہ) اور قدریہ ہیں۔

مرجہ: یہ اصول دین کو سیاست سے مربوط کرتا تھا۔ جب یہ مسئلہ اٹھا کہ آیا گناہ کا مرتکب جہنم میں ہمیشہ رہے گا یا نہیں؟ تو اس فرقے نے کہا کہ ایمان کے ساتھ معصیت نقصان نہیں دیتی جس طرح کفر کے ساتھ عمل فائدہ مند نہیں ہوتا۔ معتزلہ مرجئی ہر شخص کو کہتے تھے جو یہ نہیں مانتا تھا کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب جہنم میں ہمیشہ رہے گا۔ اس بنا پر حضرت ابو حنیفہ کو مرجئی کہا گیا جب کہ شہرستانی نے آپ کو مرجئی اللہ گردانا یعنی گناہ گاروں کے لیے

غفلت الہی کی امید کرنے والا نہ کہ منکرات کو مباح تسلیم کرنے والا۔

جبریہ: (جہمیہ) اس کا ماننا تھا کہ انسان کو اپنے افعال میں ارادہ نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ہی ہر طرح کے عمل خواہ وہ برا ہو یا اچھا خالق ہوتا ہے جو بندہ کے ہاتھوں ظہور پذیر ہوتا ہے۔ بندہ اپنے اعمال کے تئیں اس پر کی مانند ہے جس کو ہلکی سی ہوا بھی حرکت دے دیتی ہے۔ اس عقیدہ کا پرچار اموی دور میں خوب ہوا۔ اس نظریہ کی جس کی اس کا نام جہم بن صفوان تھا اسی وجہ سے اس کا نام جہمیہ پڑ گیا۔

قدریہ: اس کا ماننا تھا کہ انسان اپنے اختیاری افعال کا مالک ہے۔ ان میں کچھ وہ لوگ تھے جن کو تاریخ اسلام میں معتزلہ کہا جاتا ہے۔ جن کی عباسی دور میں اسلامی فکر میں زبردست اہمیت حاصل تھی کہ انہوں نے زندگیوں کی تردید کی۔ اس فرقے کے پانچ بنیادی اصول تھے۔ **توحید:** ان کی نظر میں اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ذات اور صفات میں ایک ہے لہذا کوئی مخلوق کسی صفت میں شریک نہیں، اسی وجہ سے انہوں نے رویت باری کا انکار کیا۔

(۱) عدالت من جانب اللہ: لہذا اس کا تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے افعال کا خالق ہو، نہ کہ ثواب و عقاب اور تکلیف عام طور پر (۲) وعدہ و وعید من جانب اللہ: اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ محسن کو احسان کا اور مسکئ کو اساءۃ (برائی) کا بدلہ دے گا اور مرتکب کبیرہ کو معاف نہیں فرمائے گا۔

(۳) مرتکب کبیرہ مومن اور کافر کے درمیانی درجہ میں ہے اس کا مومن فاسق ہے، اس کا نام مومن کبھی نہیں ہو سکتا وہ جہنم میں ہمیشہ رہے گا۔ (۴) امر بالمعروف و نہی عن المنکر: ان دونوں چیزوں کو وہ مومن

اسلامی کی اشاعت اور گمراہوں کی ہدایت کے لیے واجب قرار دیتا ہے لہذا استطاعت بھر ہر شخص پر دعوت کا فریضہ انجام دینا ضروری ہے جو تلوار دعوت کی خدمت انجام دے سکتے ہیں وہ تلوار سے اور جو صاحب لسان ہوں وہ زبان سے اس فریضہ کو انجام دیں۔

عقائد کے سلسلے میں آپ کا موقف: جب عقائد سے متعلق کسی ایسے مسئلے میں جس پر مختلف فرقوں نے خوب بحث و تحقیق کی ہو تو میں پڑنے کی بجائے مختصر جواب دیتے جس میں اثر پر اعتماد ہوتا کتاب و سنت میں صریح جواب نہ ملنے کی صورت میں اجتہاد کرتے۔ چنانچہ ایک بار آپ سے ایک شخص نے "الرحمن علی

آزاد ہے، لہذا انسان اگر اچھا عمل کرتا ہے تو اچھا بدلہ پائے گا اور برا کرتا ہے تو برا۔ حضرت امام مالک کا قدر یہ کہ اعتقاد کو تاپسند کرنے کے باوجود ان کو شرک نہیں مانتے اور نہ یہ کہ وہ دین سے خارج ہیں کہ ان سے نکاح، ان کی اقتدا میں نماز پڑھنا اور ان کا جنازہ پڑھنا جائز نہ ہو۔ یونہی جبریہ کے اعتقاد کی موافقت میں آپ سے کوئی سرتعقل قول منقول نہیں۔ کیوں کہ آپ کا ماننا تھا کہ ان جیسی چیزوں میں پڑنا جمال دین کے لئے نقصان دہ اور لوگوں کو پریشانوں میں مبتلا کرتا ہے۔

خلق قرآن کے بارے میں آپ کا موقف :- خلق قرآن کا مسئلہ جب خوب زور و شور سے اٹھا جس کو قدر یہ اور معتزلہ خوب ہوا دے رہے تھے تو آپ نے اس میں پڑنے سے خود کو روک رکھا اور نا پسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے اس میں پڑنے والے کو مستحق سزا قرار دیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں: ”القرآن کلام اللہ، ومن قال: القرآن مخلوق، یوجع ضرماً ویحبس حتی یتوب“ قرآن اللہ کا کلام ہے لہذا جو قرآن کو مخلوق کہے اسے دردناک پٹائی کی جائے اور قید کر دیا جائے تا آن کہ وہ اس سے توبہ کر لے۔

رویت باری کے بارے میں آپ کا موقف :- اس مسئلہ کو معتزلہ نے اٹھایا اور کہا کہ رویت باری تعالیٰ محال ہے کیوں کہ اس سے اللہ کے لئے مکان ہونا لازم آئے گا حالانکہ اس کے لئے مکان نہیں۔ کیوں کہ جو مکان میں ہوتا ہے وہ اجسام کے قبیل سے ہوتا ہے اور اللہ جسم و جسمانیات سے منزہ ہے اور ہر قسم کے حدوث سے مبرا ہے اس لئے کہ وہ واجب الوجود ہے لہذا حدوث کی صفت واجب الوجود کے لئے صحیح نہیں۔ حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رویت کی نفی میں قرآن میں موجود آیتوں کی تائید کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ رویت باری تعالیٰ آخرت میں ہوگی نہ کہ دنیا میں۔

اعتقادی اور سیاسی فرقوں کے بارے میں آپ کا موقف :- اس بارے میں آپ کا موقف بیان کرنا اس لئے اہمیت کا حامل ہے کہ آپ کی زندگی میں خوارج، شیعہ، حکومت امویہ اور دولت عباسیہ کا ظہور ہوا۔ ان میں سے ہر گروہ ایک دوسرے کے موقف کے خلاف تھا۔ چنانچہ شیعہ حضرت ابو بکر، عمر اور عثمان پر طعن زدنی کرتے، خوارج حضرت عثمان، علی، عمر و بن العاص اور معاویہ بن ابوسفیان وغیرہ کو برا بھلا کہتے۔ عباسیہ خلافت کو بنو ہاشم میں سے صرف بنو عباس میں مانتے۔ امویہ

عمر بن استوی ”پڑھ کر کہا: کیسے اللہ نے استوا فرمایا؟ حضرت امام مالک نے قہقہہ دیر کے لئے خاموش ہو گئے یہاں تک کہ آپ پسینے سے مر رہے۔ جب یہ کیفیت دور ہو گئی تو آپ نے فرمایا استوا معلوم نہیں کیسے عقل میں نہیں آنے والی ہے۔ اس قسم کا سوال بدعت ہے۔ استوا پر ایمان واجب ہے۔ میں تجھے گمراہ خیال کرتا ہوں۔ اس شخص نے کہا: اے بندہ خدا! اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ یہی سوال تم نے اہل بصرہ، کوفہ اور عراق سے پوچھا لیکن کسی کو ایسے جواب کی ضرورت نہ تھی جس جواب کی توفیق آپ کو عنایت کی گئی۔

ایمان کے نقص و زیادت کے بارے میں آپ کا موقف :- امام مالک ایمان کو نہ صرف اعتقادی اور نہ صرف قولی مانتے تھے بلکہ یہ مانتے تھے کہ ایمان اعتقاد، قول اور عمل کا مجموعہ ہے۔ آپ کی نظر سے امت ایمان تھی یونہی نماز پڑھنا بھی۔ اس پر استنباد یوں پیش کر دیا کہ میں کہ نماز پہلے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھی جاتی تھی۔ اب کعبہ کی طرف پڑھی جانے لگی۔ مومنین کو ڈر ہوا کہ کہیں ان کی نماز میں اکارت نہ چلی جائیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”وہا کان منکم لیطیع ایماذکم“ اللہ تمہارے ایمان کو ضائع کرنے والا نہیں ہے۔ اس پر دال ہے کہ نماز ایمان ہے اور نماز فعل ہے لہذا ایمان کا فعل کا مجموعہ ہوا۔ آپ قرآن و سنت کے ظاہری لفظ سے بھی ہٹ کر تھے لہذا پہلے آپ ایمان کی زیادت اور نقص اور بعض سے بعض سے افضل ہونے کا قول کرتے تھے لیکن جب دیکھا کہ امت ایمان کے بارے میں آیت مذکور ہیں تو صرف زیادت کا قول کرنے لگے اور نقص ایمان کے بارے میں خاموشی اختیار کر لی۔

تقدیر اور افعال انسان کے بارے میں آپ کا موقف :- اس سلسلے میں اعتقادی فرقوں کے بارے میں ان کے موقف کا یہاں چکا ہے کہ تقدیر اور افعال انسان کا مسئلہ خلفاء راشدین کے دور میں اٹھا مگر اموی دور میں اس نظریے کی خوب تشہیر ہوئی۔ دو فرقوں نے یہ موقف ایک دوسرے سے بالکل متضاد تھا۔ جبریہ کا موقف تھا کہ جہم بن صفوان تھا۔ اس کا ماننا تھا کہ انسان کو اپنے اعمال کا ارادہ و دخل نہیں ہوتا۔ اگر فعل کی نسبت انسان کی طرف کی بھی ہے تو اس میں انسان کا کچھ اختیار نہیں ہوتا۔ قدریہ جس کا سرخیل جہنم تھا۔ اس کا ماننا تھا کہ انسان اپنے افعال مکلفہ میں بالکل

خلافت کو صرف قریش میں مانتے اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت معاویہ سے مروی حدیث ہے ”الانتم مقعون قریش انتم قریش سے ہیں، کو دلیل میں پیش کرتے۔ ایسے عالم میں ان کے خلاف جو اصحاب رسول ﷺ کو برا بھلا کہتے آپ نے فرمایا: یہ جرم عظیم ہے، اور ایسے شہر میں جہاں ان کے خلاف طعنہ زنی کی جاتی ہو ٹھیک اس شہر کی مانند ہے جہاں پر حق پر عمل نہ ہو سکے، ان کو غنیمت کا بھی مستحق نہیں مانتے تھے، البتہ آپ حضرت ابوبکر، عمر اور عثمان کے علاوہ دوسرے صحابہ کو ایک دوسرے پر فضیلت نہیں دیتے، چنانچہ آپ سے منقول ہے کہ کسی علوی نے سوال کیا، رسول ﷺ کے بعد لوگوں میں سب سے بہتر کون ہے؟ آپ نے فرمایا: ابوبکر، پھر اس نے پوچھا: پھر کون؟ آپ نے فرمایا: عمر، پھر اس نے کہا: پھر کون؟ آپ نے ارشاد فرمایا: وہ خلیفہ جو ظلماً شہید کیا گیا یعنی عثمان، اس پر علوی نے کہا: ”واللہ، لا اجال سک ابدًا“ میں آپ کے ساتھ کبھی نہیں بیٹھوں گا، آپ نے فرمایا: ”الخیار لک“ تمہیں اختیار ہے۔ رہی بات خلافت کے حوالے سے تو آپ کا موقف اس بارے میں یہ تھا کہ خلافت نہ تو صرف علوی گھرانے اور نہ صرف قریشی گھرانے پر موقوف مانتے۔ چنانچہ آپ نے حضرت ابوبکر، عمر، اور عثمان کی خلافت کو اختیار نبوی مانا جس میں سے کوئی ہاشمی گھرانے سے نہ تھے بلکہ وہ قریشی تھے۔ یونہی حضرت علی کی عظمت کو ان کی عظمت سے نہ ملایا جب کہ آپ ہاشمی تھے۔

آپ کی کتاب ”موطا“:- حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ نے الموطا کی تالیف عباسی خلیفہ منصور (۱۳۶ھ/۷۵۳ء تا ۱۵۸ھ/۷۷۵ء) کے حکم کے تحت شروع کی اور اس کے آخری زمانہ خلافت تک اس کے مسودے سے فارغ ہوئے، خلیفہ مہدی (۱۵۸ھ/۷۶۹ء) کے زمانہ خلافت میں یہ بہ شکل روایت اور کتاب، منظر عام پر آئی اس کی تالیف میں آپ چالیس سال تک مشغول و مصروف رہے۔ اس کتاب کے تقریباً ایک ہزار راوی ہوئے۔ اس کتاب کی روایت متعدد طرق سے ہوئی ہے مگر اس کے متداول نسخے دو ہیں ایک بروایت یحییٰ بن یحییٰ اللیثی المصودی الاندلسی (م ۲۳۳ھ/۸۳۸ء) دوسری بروایت امام محمد بن حسن شیبانی (م ۱۸۹ھ/۸۰۳ء) اس کی تصنیف مسلمانوں کی اجتماعی اور سیاسی زندگی کو دھیان میں رکھ کر ہوئی، کیوں کہ قاضی اور مفتی وسیع اسلامی سلطنت میں جو احکام نافذ کرتے تھے ان میں اختلاف پایا جاتا تھا۔ اس لیے

ارباب سیاست یہ مانتے تھے کہ فیصلوں میں استحکام نہیں ہے۔ کوئی ایسی جامع الاحکام کتاب مقرر کرے جس کی روشنی میں تصفیہ ہو اور جو اس کے خلاف فیصلہ صادر کرے اس کے خلاف صادر کیا جائے۔ اس کتاب کے حوالے سے خود امام شافعی فرماتے میری کتاب میں رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے، صحابہ کے اقوال ہیں اور رای یعنی اتباع اہل مدینہ ہے۔ پھر تابعین کے اقوال ہیں اور رای یعنی اتباع اہل مدینہ ہے۔ اس سے باہر نہیں نکلا، اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کی فقہ کے اصول، فتاویٰ صحابہ، فتاویٰ تابعین اور اجماع ہیں، لیکن امام محمد ابو حنیفہ کے علاوہ حسب ذیل اصول آپ کی فقہ سے متعلق گنائے ہیں۔ عمل اہل مدینہ، قیاس، استحسان، اصحاب، مصلحت و نصوص، ذرائع اور عادت و عرف۔

مذکورہ قول کی روشنی میں یہ نتیجہ باسانی اخذ کیا جاسکتا ہے کہ حدیث کی کتاب شمار کی جائے لیکن چوں کہ اس کا مواد مقصد عملی امور و حالات سے متعلق ہے اور یہی فقہ ہے۔ مالک کے زمانے میں فقہ و حدیث دو الگ الگ چیزیں نہ تھیں کے مفہوم میں کوئی امتیاز نہ تھا۔ بعد میں اس میں ارتقاء اور تشکیک کی وجہ سے یہ دو الگ الگ چیزیں ہوئیں۔ اس طرح یہ کہا جاسکتا ہے کہ الموطا کے اندر کچھ فقہ ہے کچھ اصول فقہ اور کچھ حدیث۔

وہ کتابیں جن سے آپ کے فقہی مذہب کو فروغ ملا:- کتابوں سے آپ کے مذہب مالکی کو فروغ ملا وہ مدونہ، واضح موازیہ ہیں، اس کی قدرے تفصیل یوں ہے کہ حضرت حماد حبیب اندلس آئے وہاں انہوں نے ”واضحہ“ نام کی کتاب مذہب مالکی کو عام کیا۔ پھر محمد بن احمد بن عبد العزیز یمنی نے حماد کیا۔ اسد بن فرات نے اصحاب امام ابو حنیفہ کے بارے میں مذہب مالکی کی جانب رخ کیا۔ چنانچہ انہوں نے عبد الرحمن بن قاسم پاس رہ کر تمام فقہی ابواب کے متعلق لکھ کر قیروان آئے۔ جو نے لکھا تھا اسی کا نام اسد بن فرات کی طرف نسبت کرتے ہوئے نام رکھا۔ پھر اسی اسد یہ کو حنون نے اسد بن فرات کو پڑھ کر مشرق چلے گئے۔ وہاں انہوں نے ابن قاسم سے ملاقات انہوں نے ان سے اسد یہ کے مسائل کے بارے میں بحث سے سیکھا انہوں نے اس کتاب کے بہت سے مسائل سے استفادہ کیا۔

مقتی، زابد اور عابد تھے۔ بادشاہ کے انعامات کو قبول نہیں کرتے۔ بھائیوں کی کثرت کو غلامی تصور کرتے تھے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا: ایک ورق الاحسار۔ آزاد لوگوں کی غلامی سے بچو۔ آپ سے پوچھا گیا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: بکھر، قالاخوان۔ بھائیوں کی کثرت۔ آپ کا انتقال ۱۹۱ھ میں ۶۳ برس میں ہوئی۔ ولادت ۱۲۸ھ میں ہوئی۔

اشھب بن عبدالعزیز قیس عامری: انہوں نے لیث، یحییٰ

بن ایوب، ابن لہیعہ سے سیکھا پھر امام مالک کی صحبت میں رہ کر آپ کی فقہ سیکھی، آپ فقہ مالکی کے ایک راوی ہیں۔ آپ ابن قاسم کے ہم پلہ تھے لیکن عمر میں اس سے چھوٹے تھے۔ محون جوان دونوں حضرات کے شاگرد تھے، ان سے پوچھا گیا: ایہما افقہ؟ ان دونوں میں کون بڑا فقیہ ہے۔ انہوں نے کہا: کانا کھڑ سی رھان، وربما وفق ہذا، وخذل ہذا، وربما خذل ہذا، ووفق ہذا، دونوں بازی کے گھوڑے کی طرح ہیں۔ کبھی ایک غالب آجاتا ہے اور دوسرا شکست کھا جاتا تو کبھی دوسرا غالب آجاتا ہے اور پہلا شکست کھا جاتا ہے۔ آپ کی بھی ایک کتاب کا نام مدونہ ہے جو محون کے علاوہ ہے اس کے علاوہ آپ کی دوسری کتابیں ہیں ایک کتاب الاختلاف فی القسامۃ اور دوسری فضائل عمر بن عبدالعزیز میں ہے۔

آپ کی پیدائش ۱۴۰ھ میں ہوئی اور وفات ۲۰۴ھ میں امام شافعی کی وفات کے کچھ دن بعد ہوئی۔

اسد بن قرات بن سنان: آپ خراسان نژاد ہیں، میں پیدائش حران میں ہوئی مگر آپ کے والد تونس لے گئے۔ قرآن حفظ کرنے کے بعد فقہ سیکھی پھر مشرق چلے گئے اور مالک سے موطا وغیرہ سنی پھر عراق گئے جہاں آپ سے ابو یوسف اور محمد بن حسن کی ملاقات ہوئی اور اسد یہ جو مدونہ محون کی اصل ہے اس میں ابن القاسم کے اقوال کو مصر کے اندر جمع کیا پھر قیروان گئے جہاں محون نے اسد یہ سیکھی آپ نے قیروان کی قضا کا عہدہ سنبھالا، آپ کی وفات سرقندہ کے حصار میں ہوئی۔ ولادت ۱۴۰ھ ہے۔

عبدالملک بن مہشون: آپ بنی تمیم کے آزادہ کردہ غلام تھے آپ کے والد عبدالعزیز بن مہشون حضرت مالک کے قریبی تھے۔ ایک قول میں ہے کہ موطا امام مالک کے لکھنے سے پہلے انہوں نے لکھا۔ آپ فصیح فقیہ تھے۔ آپ کی خدمت میں تا وقت وفات فتویٰ پیش کیا جاتا رہا اس سے پہلے آپ کے والد جو خود فقیہ تھے کے پاس فتوے آیا کرتے

اسد یہ کے مسائل کو لکھ کر مدون کرنا شروع کیا اور جن مسائل سے انہوں نے رجوع کیا تھا اس کو باقی رکھا۔ اور مدونہ نام رکھا۔ اس کے بعد انہوں نے اسد کے نام لکھا کہ وہ کتاب محون (مدونہ) کی پیروی کریں۔ اس پر اسد نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا، اس لیے لوگوں نے اسد یہ کو چھوڑ کر مدونہ کی پیروی میں لگ گئے، حالاں کہ اس کے اندر بھی بہت سے مسائل میں اختلاف تھا یہی وجہ سے اس کو مختلط بھی کہا جاتا ہے۔

چنانچہ اہل قیروان مدونہ اور اہل اندلس نے واضحہ اور حتمیہ پر سارا حیان دیا، پھر ابن ابی زید نے اسی مدونہ یا مختلط کا اختصار پیش کیا اور "المختصر" نام رکھا پھر اسی کتاب "المختصر" کی تالیف ابو سعید البراء بن جوقیروان کے ایک فقیہ تھے، نے کی اور اس کا نام تہذیب رکھا۔ اس کے بعد اہل قرطبہ نے اس تہذیب پر اعتماد کر کے واضحہ اور دیگر کتابوں کو چھوڑ دیا۔ اہل اندلس نے حتمیہ پر اعتماد کر کے واضحہ اور دیگر کتابوں کو چھوڑ دیا۔ بعد میں انہی امہات الکتاب کی تشریح و توضیح اور جمع و تالیف علمائے مالکیہ کرتے رہے۔ موزانیہ حضرت محمد بن ابراہیم بن زیاد اسکندری کی تصنیف ہے جو ابن موزان کے نام سے مشہور تھی۔ آپ کا انتقال سن ۲۶۹ھ میں ہوا۔ اسی کتاب کے بارے میں مدارک میں اجل کصاب الفہم المالکیون، صحیح مسائل، و أبسطہ کلاما، و اوعیہ (یہ مالکیوں کی لکھی کتابوں میں سب سے ممتاز، اس کے مسائل صحیح ترین اور اس میں شرح وسط کے ساتھ مسائل مذکور ہیں) جب کہ اسی کتاب کو ابو الحسن القلابی نے مذہب مالکی کی تمام امہات الکتاب پر ترجیح دی۔

آپ کے تلامذہ: میں حضرت عبداللہ بن وہب، عبدالرحمن بن القاسم، اشھب بن عبدالعزیز قیس عامری، اسد بن قرات بن سنان اور عبدالملک بن مہشون ہیں۔

عبداللہ بن وہب: آپ بربری نژاد ہیں جب کہ آپ کی والدہ قریش سے ہے۔ آپ حضرت امام مالک کی صحبت میں بیس سال رہے۔ مصر میں فقہ مالکی کو عام کیا۔ مصر، حجاز اور عراق کے چار سو سے زائد شیوخ سے استفادہ کیا۔ آپ کی وفات ۱۹۷ھ میں ۷۲ سال کی عمر میں ہوئی۔ پیدائش ۱۲۵ھ یا ۱۲۴ھ بتائی ہے۔

عبدالرحمن بن القاسم: آپ تقریباً ۲۰/۲۱ برس حضرت امام مالک کی خدمت میں رہے۔ آپ کی موطا کی روایت صحیح ترین شمار کی جاتی ہے۔ محون نے مدونہ سیکھی۔ اس بنا پر آپ اس کے ناقل ہیں۔ آپ

خلافت کو صرف قریش میں مانتے اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت معاویہ سے مروی حدیث ہے ”الائمة من قریش ائمة قریش سے ہیں، کو دلیل میں پیش کرتے۔ ایسے عالم میں ان کے خلاف جو اصحاب رسول ﷺ کو برا بھلا کہتے آپ نے فرمایا: یہ جرم عظیم ہے، اور ایسے شہر میں جہاں ان کے خلاف طعن زنی کی جاتی ہو ٹھیک اس شہر کی مانند ہے جہاں پر حق پر عمل نہ ہو سکے، ان کو غنیمت کا بھی مستحق نہیں مانتے تھے، البتہ آپ حضرت ابوبکر، عمر اور عثمان کے علاوہ دوسرے صحابہ کو ایک دوسرے پر فضیلت نہیں دیتے، چنانچہ آپ سے منقول ہے کہ کسی علوی نے سوال کیا، رسول ﷺ کے بعد لوگوں میں سب سے بہتر کون ہے؟ آپ نے فرمایا: ابوبکر، پھر اس نے پوچھا: پھر کون؟ آپ نے فرمایا: عمر، پھر اس نے کہا: پھر کون؟ آپ نے ارشاد فرمایا: وہ خلیفہ جو ظلماً شہید کیا گیا یعنی عثمان، اس پر علوی نے کہا: ”والله لا اجالسک ابدًا“ میں آپ کے ساتھ کبھی نہیں بیٹھوں گا، آپ نے فرمایا: ”الخيار لك“ تمہیں اختیار ہے۔ رہی بات خلافت کے حوالے سے تو آپ کا موقف اس بارے میں یہ تھا کہ خلافت نہ تو صرف علوی گھرانے اور نہ صرف قریشی گھرانے پر موقوف مانتے۔ چنانچہ آپ نے حضرت ابوبکر، عمر، اور عثمان کی خلافت کو اختیار نبوی مانا جس میں سے کوئی ہاشمی گھرانے سے نہ تھے بلکہ وہ قریشی تھے۔ یونہی حضرت علی کی عظمت کو ان کی عظمت سے نہ ملایا جب کہ آپ ہاشمی تھے۔

آپ کی کتاب ”موطا“:- حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ نے الموطا کی تالیف عباسی خلیفہ منصور (۳۶ھ/۵۴۳ء تا ۵۸۴ھ/۷۷۵ء) کے حکم کے تحت شروع کی اور اس کے آخری زمانہ خلافت تک اس کے مسودے سے فارغ ہوئے، خلیفہ مہدی (۸۵ھ/۱۶۹ء) کے زمانہ خلافت میں یہ بہ شکل روایت اور کتاب، منظر عام پر آئی اس کی تالیف میں آپ چالیس سال تک مشغول و مصروف رہے۔ اس کتاب کے تقریباً ایک ہزار راوی ہوئے۔ اس کتاب کی روایت متعدد طرق سے ہوئی ہے مگر اس کے متداول نسخے دو ہیں ایک بروایت یحییٰ بن یحییٰ اللیثی المصودی (م ۲۳۳ھ/۸۴۸ء) دوسری بروایت امام محمد بن حسن شیبانی (م ۱۸۹ھ/۸۰۳ء) اس کی تصنیف مسلمانوں کی اجتماعی اور سیاسی زندگی کو وہیان میں رکھ کر ہوئی، کیوں کہ قاضی اور مفتی وسیع اسلامی سلطنت میں جو احکام نافذ کرتے تھے ان میں اختلاف پایا جاتا تھا۔ اس لیے

ارباب سیاست یہ مانتے تھے کہ فیصلوں میں استحکام نہیں ہے۔ البتہ کوئی ایسی جامع الاحکام کتاب مقرر کرے جس کی روشنی میں مقدمہ تصفیہ ہو اور جو اس کے خلاف فیصلہ صادر کرے اس کے خلاف حکم صادر کیا جائے۔ اس کتاب کے حوالے سے خود امام شافعی فرماتے ہیں میری کتاب میں رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے، صحابہ کے اقوال ہیں پھر تابعین کے اقوال ہیں اور راوی یعنی اجماع اہل مدینہ ہے۔ مگر اس سے باہر نہیں نکلا“ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کی فقہ کے اصول، فتاویٰ صحابہ، فتاویٰ تابعین اور اجماع ہیں، لیکن امام محمد ابو زہرہ کے علاوہ حسب ذیل اصول آپ کی فقہ سے متعلق گنائے ہیں۔

عمل اہل مدینہ، قیاس، استحسان، استصحاب، مصداق، مصلحت و نصوص، ذرائع اور عادات و عرف۔

مذکورہ قول کی روشنی میں یہ نتیجہ باسانی اخذ کیا جاسکتا ہے کہ کو حدیث کی کتاب شمار کی جائے لیکن چوں کہ اس کا مواد، ترتیب مقصد عملی امور و حالات سے متعلق ہے اور یہی فقہ ہے۔ حضرت مالک کے زمانے میں فقہ وحدیث دو الگ الگ چیزیں تھیں ان کے مفہوم میں کوئی امتیاز نہ تھا۔ بعد میں اس میں ارتقاء اور نشوونما کی وجہ سے یہ دو الگ الگ چیزیں ہوئیں۔ اس طرح یہ کہا جاسکتا ہے الموطا کے اندر کچھ فقہ ہے کچھ اصول فقہ اور کچھ حدیث۔

وہ کتابیں جن سے آپ کے فقہی مذہب کو فروغ ملا:-

کتابوں سے آپ کے مذہب مالکی کو فروغ ملا وہ مدونہ، واضعہ، حلی موازیہ ہیں، اس کی قدرے تفصیل یوں ہے کہ حضرت عبد الملک حبیب اندلس آئے وہاں انہوں نے ”واضحہ“ نام کی کتاب مدون مذہب مالکی کو عام کیا۔ پھر محمد بن احمد بن عبد العزیز یحییٰ نے عتبہ کیا۔ اسد بن فرات نے اصحاب امام ابو حنیفہ کے بارے میں لکھ مذہب مالکی کی جانب رخ کیا۔ چنانچہ انہوں نے عبد الرحمن بن قاسم پاس رہ کر تمام فقہی ابواب کے متعلق لکھ کر قیروان آئے۔ جو کچھ انہوں نے لکھا تھا اسی کا نام اسد بن فرات کی طرف نسبت کرتے ہوئے اس نام رکھا۔ پھر اسی اسد بن کو یحییٰ نے اسد بن فرات کو پڑھ کر بہت شرمق چلے گئے۔ وہاں انہوں نے ابن قاسم سے ملاقات کی۔ انہوں نے ان سے اسد بن کے مسائل کے بارے میں بحث کیا۔ انہوں نے سیکھا انہوں نے اس کتاب کے بہت سے مسائل سے رجوع کیا۔

مقتی، زہد اور عابد تھے۔ بادشاہ کے انعامات کو قبول نہیں کرتے۔ بھائیوں کی کثرت کو غلامی تصور کرتے تھے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا: ایاک ورق الاحسار۔ آزادلوگوں کی غلامی سے بچو۔ آپ سے پوچھا گیا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: بحسب قالاخوان۔ بھائیوں کی کثرت۔ آپ کا انتقال ۱۹۱ھ میں ۶۳ برس میں ہوئی۔ ولادت ۱۲۸ھ میں ہوئی۔

اشھب بن عبد العزیز قیس عامری: انہوں نے لیث، یحییٰ بن ابیوب، ابن لہیعہ سے سیکھا پھر امام مالک کی صحبت میں رو کر آپ کی فقہ سیکھی، آپ فقہ مالکی کے ایک راوی ہیں۔ آپ ابن قاسم کے ہم پلہ تھے لیکن عمر میں اس سے چھوٹے تھے۔ بحون جوان دونوں حضرات کے شاگرد تھے، ان سے پوچھا گیا: ایہما آفقه؟ ان دونوں میں کون بڑا فقیہ ہے۔ انہوں نے کہا: کانا کفر سی دھان، وبما وفق هذا، وخذل هذا، وبما خذل هذا، ووفق هذا، دونوں بازی کے گھوڑے کی طرح ہیں۔ کبھی ایک غالب آجاتا ہے اور دوسرا شکست کھا جاتا تو کبھی دوسرا غالب آجاتا ہے اور پہلا شکست کھا جاتا ہے۔ آپ کی بھی ایک کتاب کا نام مدونہ ہے جو بحون کے علاوہ ہے اس کے علاوہ آپ کی دوسری کتابیں ہیں ایک کتاب الاختلاف فی القسامۃ اور دوسری فضائل عمر بن عبد العزیز میں ہے۔

آپ کی پیدائش ۱۴۰ھ میں ہوئی اور وفات ۲۰۴ھ میں امام شافعی کی وفات کے کچھ دن بعد ہوئی۔

اسد بن فرات بن سنان: آپ خراسان نژاد ہیں، میں پیدائش حران میں ہوئی مگر آپ کے والد تونس لے گئے۔ قرآن حفظ کرنے کے بعد فقہ سیکھی پھر مشرق چلے گئے اور مالک سے موطا وغیرہ سنی پھر عراق گئے جہاں آپ سے ابو یوسف اور محمد بن حسن کی ملاقات ہوئی اور اسدیہ جو مدونہ بحون کی اصل ہے اس میں ابن القاسم کے اقوال کو مصر کے اندر جمع کیا پھر قیروان گئے جہاں بحون نے اسدیہ سیکھی آپ نے قیروان کی قضا کا عہدہ سنبھالا، آپ کی وفات مرومہ کے حصار میں ہوئی۔ ولادت ۱۴۰ھ ہے۔

عبد المالك بن ماضون: آپ بنی تمیم کے آزادہ کردہ غلام تھے آپ کے والد عبد العزیز بن ماضون حضرت مالک کے قریبی تھے۔ ایک قول میں ہے کہ موطا امام مالک کے لکھنے سے پہلے انہوں نے لکھا۔ آپ فصح فقیہ تھے۔ آپ کی خدمت میں تا وقت وفات فتویٰ پیش کیا جاتا رہا اس سے پہلے آپ کے والد جو خود فقیہ تھے کے پاس فتوے آیا کرتے

اسدیہ کے مسائل کو لکھ کر مدون کرنا شروع کیا اور جن مسائل سے انہوں نے رجوع کیا تھا اس کو باقی رکھا۔ اور مدونہ نام رکھا۔ اس کے بعد انہوں نے اسدیہ کے نام لکھا کہ وہ کتاب بحون (مدونہ) کی پیروی کریں۔ اس پر اسدیہ نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا، اس لیے لوگوں نے اسدیہ کو چھوڑ کر مدونہ کی پیروی میں لگ گئے، حالانکہ اس کے اندر بھی بہت سے مسائل میں اختلاط تھا یہی وجہ سے اس کو غلط بھی کہا جاتا ہے۔

چنانچہ اہل قیروان مدونہ اور اہل اندلس نے واضحہ اور عتیہ پر سارا حیان دیا، پھر ابن ابی زید نے اسی مدونہ یا غلط کا اختصار پیش کیا اور "المختصر" نام رکھا پھر اسی کتاب "المختصر" کی تفخیص ابو سعید البرادعی جو قیروان کے ایک فقیہ تھے، نے کی اور اس کا نام تہذیب رکھا۔ اس کے بعد اہل قریقہ نے اس تہذیب پر اعتماد کر کے واضحہ اور دیگر کتابوں کو چھوڑ دیا۔ اہل اندلس نے عتیہ پر اعتماد کر کے واضحہ اور دیگر کتابوں کو چھوڑ دیا۔ بعد میں نئی اہمات الکتاب کی تشریح و توضیح اور جمع و تالیف علماء مالکیہ کرتے رہے۔ موازیہ: یہ حضرت محمد بن ابراہیم بن زیاد اسکندری کی تصنیف ہے جو ابن مواز کے نام سے مشہور تھے۔ آپ کا انتقال سن ۲۶۹ھ میں ہوا۔ اسی کتاب کے بارے میں مدارک میں اجل کتاب الفہم المالکیون، صحیح مسائل، و اوسطہ کلاما، و اوجہ (یہ مالکیوں کی لکھی کتابوں میں سب سے ممتاز، اس کے مسائل صحیح ترین اور اس میں شرح و وسط کے ساتھ مسائل مذکور ہیں) جب کہ اسی کتاب کو ابو الحسن القاسمی نے مذہب اہل کی تمام اہمات الکتاب پر ترجیح دی۔

آپ کے تلامذہ: میں حضرت عبد اللہ بن وہب، عبد الرحمن بن القاسم، اشھب بن عبد العزیز القیس عامری، اسد بن فرات بن سنان اور عبد الملک بن الماضون ہیں۔

عبد اللہ بن وہب: آپ بربری نژاد ہیں جب کہ آپ کی والدہ قریش سے ہے۔ آپ حضرت امام مالک کی صحبت میں میں رہے۔ مصر میں فقہ مالکی کو عام کیا۔ مصر، حجاز اور عراق کے چار سو سے زائد شیوخ سے استفادہ کیا۔ آپ کی وفات ۱۹۷ھ میں ۷۲ سال عمر میں ہوئی۔ پیدائش ۱۲۵ھ یا ۱۲۴ھ بتائی ہے۔

عبد الرحمن بن القاسم: آپ تقریباً ۲۰ برس حضرت امام مالک کی صحبت میں رہے۔ آپ کی موطا کی روایت صحیح ترین شمار کی جاتی ہے۔ آپ سے بحون نے مدونہ سیکھی۔ اس بنا پر آپ اس کے ناقل ہیں۔ آپ

کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے متعہ کو حرام قرار دیا جب کہ خلفائے عجم اس کو درست مانتے تھے۔ وجہ جو بھی رہی ہو۔ لیکن یہ طے ہے کہ آپ نے برساتیا گیا تھا۔

خلاصہ:- حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ جہاں فقیہ اثر تھے۔ فقیہ رائے بھی تھے۔ آپ کی فقہ مجتہد نہ تھی جیسا کہ ابن خلدون نے فقہ پر یہ الزام لگایا ہے۔ آپ کی فقہ حالات اور مقتضیات زمانہ فقہ تھی۔ جس کی اصل بنیاد کتاب اور سنت کے ساتھ دیگر اصول فقہ تھی۔ فقہ مالکی آج بھی حجاز، بصرہ، مصر، بلاد افریقہ، اندلس و مراکش، مسلم، سودان میں پائی جاتی ہے۔ بغداد میں بھی خوب کاظہور ہوا لیکن چار سو تک کچھ کمزور شکل میں رہی۔ نیشاپور میں فروغ ہوا جہاں پر اس فقہ کے ائمہ اور مدد رسین پائے گئے۔

- مراجع:-** (۱) مالک: حیاتہ وعصرہ - آوازہ و امام محمد ابو زہرہ دار الفکر العربی - (۲) الفقہ الاسلامی: و مروتہ و تفسیرہ و الحق علی جاد الحق ۱۴۱۶ھ / ۱۹۹۰م شیخ الازہر (۳) نشاۃ الفقہ الاجتہادی و اطوارہ - محمد علی سائس ۱۴۱۶ھ / ۱۹۹۵م (۴) المدخل للدراسۃ الفقہ الاسلامی - محمد یوسف موہی دار الفکر العربی (۵) اردو دائرہ معارف اسلامیہ دانش گاہ پنجاب - جلد نمبر ۱۸، ص ۱۸۸۵ / ۱۴۰۵ھ

تھے، آپ اندھے تھے۔ موسیقی سننے کے بڑے دلدادہ تھے۔ ابن حبیب مصنف واضح نے آپ کی خوب تعریف کی ہے اور خوب استفادہ کیا۔ وہ آپ کو تمام اصحاب مالک پر فہم میں اونچا مقام دیتے تھے۔

اجتہاد میں فقہ مالکی کی اہمیت:- حضرت امام مالک نے سات فقہاء اور دیگر فقہاء کی فقہ اور ان سے حدیث پڑھی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے پاس ہر چہار جانب سے فتاویٰ آتے۔ آپ نے جو حدیث اور فقہ پڑھی تھی اس کے مطابق فتویٰ دیتے اگر ان سے مسائل کا تفسیر نہیں ہو پاتا تو اس سے ملتی جلتی حدیث اور فقہ کے مطابق فتویٰ صادر فرماتے۔ اگر یہ بھی نہ ہوتا تب اجتہاد کرتے اور کتاب اللہ، سنت رسول نص کی، یا اس کے نیچے یا اس کے اشارہ یا مفہوم سے احکام کا استخراج کرتے۔ لیکن اس سے پہلے نصوص کے درمیان موازنہ کرتے چنانچہ سنت اور کتاب کا موازنہ کرتے ہوئے نص میں تعارض نہ ہونے پر قیاس کا استعمال کر کے حکم صادر فرماتے اور اسی کو صحیح مانتے۔ پھر اگر کوئی ایسی مصلحت ہوتی تو اس مصلحت کے مطابق فتویٰ صادر کرتے جس میں شارع کی طرف سے نہ کوئی نص موجود ہو اور نہ اس کے اختیار میں کوئی حرج ہو۔ کیوں کہ فقہ مالکی میں مصلحت ان اصول میں سے تھی جن پر اس فقہ کا دارومدار تھا۔

آپ کی آزمائش:- ۱۴۶ھ یا ۱۴۷ھ میں مدینے کے حاکم جعفر بن سلیمان نے ایک بار آپ پر کوڑے برسایا تھا اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ آپ بیعت اکرا کو صحیح نہیں مانتے تھے اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جو عباس کی بیعت صحیح نہ تھی۔ جب کہ بعض مورخین کا ماننا ہے کہ اس

جام نور کمپیوٹرز

کتاب، کیلنڈر، اشتہار، بینڈ بل، رسالہ، شادی کارڈ، ویزینگ کارڈ اور اسناد و اعزازات کی خوب صورت ڈیزائننگ فن کار تزئین کاری اور ماہرانہ ڈیزائننگ کے لئے تشریف لائیں۔ صفائی، دلکشی و دل آویزی اور مناسب کلمہ کی سیننگ ہماری پہچان ہے۔ سارکیٹ میں درجنوں تزئین کار کے ہوتے ہوئے باذوق حضرات صرف جام نور کمپیوٹر کی ڈیزائننگ ہی پسند کرتے ہیں۔

نوٹ: ہماری یہاں فون پر بھی آرڈر لیا جاتا ہے اور مکمل صفائی اور ذمہ داری کے ساتھ طباعت و اشاعت کے مرحلوں گزرا کر بروقت آرڈر روانہ کر دیا جاتا ہے۔

رابطہ کریں: جام نور کمپیوٹرز ۳۲۳، ریشیا محل، جامع مسجد، دہلی - ۶

Mob: 09911317909-Ph: 011-23281418

امام شافعیؒ کی علمی و اجتہادی خدمات

تے لغت و شعر میں وہ کمال حاصل کیا کہ آپ کا شمار انہر لغت میں ہونے لگا۔ امام اسمعی فرماتے ہیں: ”صححت اشعار ہذیل علی فقی من قریش یقال لہ محمد بن ادریس“ (میں نے ہذیل کے بہت سے اشعار کی صحت ایک قریشی نوجوان سے معلوم کی، اس قریشی نوجوان کا نام محمد بن ادریس ہے) امام احمد بن حنبل فرمایا کرتے تھے ”کسان الشافعی من افصح الناس“ (شافعی لوگوں میں سب سے زیادہ فصیح اللسان تھے) امام مالک کو امام شافعی کی قرأت بہت پسند تھی، کیونکہ آپ کی زبان میں بڑی فصاحت تھی۔ امام شافعی نے جب حدیث کی تحصیل کی طرف توجہ فرمائی تو صرف تیرہ سال کی عمر میں امام مالک کی کتاب ”موطا“ حفظ فرمائی، اس کے بعد آپ کی والدہ آپ کو مدینہ منورہ لے کر امام مالک کی خدمت میں لے کر پہنچیں اور آپ کو امام مالک کی خدمت میں پیش کیا، آپ نے امام مالک کی خدمت میں زانوئے تلمذتہ کیا، امام شافعی نے امام مالک کی درسگاہ میں ان کی کتاب ”موطا“ کی قرأت کی۔ آپ علوم دینیہ کی طرف اپنے رجحان کا واقعہ خود اس طرح بیان کرتے ہیں: ”ایک دن میں ذوق و شوق سے لبید کے اشعار پڑھ رہا تھا کہ ناگاہ نصیحت آمیز غیبی آواز آئی، اشعار میں پڑ کر کیوں وقت ضائع کرتے ہو، جاؤ جا کر فقہ کا علم حاصل کرو، میرے دل پر اس آواز کا بہت اثر ہوا، اور میں نے مکہ میں سفیان بن عیینہ کی درسگاہ میں حاضری دی، ان کے بعد مسلم بن خالد زہنی، اور پھر مدینہ منورہ میں امام مالک کی خدمت میں پہنچا۔“ امام شافعی نے حضرت مسلم بن خالد کی درسگاہ سے فیض حاصل کیا، اور ان سے فقہ و حدیث کی تحصیل فرمائی، آپ کے استاذ آپ سے اتنے مطمئن تھے کہ انہوں نے امام شافعی کو بہت کم عمری میں افتاء کی اجازت مرحمت فرمائی۔ امام شافعی نہایت ذہین و فطین اور ذکی و عقل مند تھے۔ ابو عبید کہتے ہیں ”مارأیت احدا اعقل من الشافعی“ (میں نے امام شافعی سے بڑھ کر کسی کو عقل مند نہیں پایا) اسی طرح یونس بن عبد اللہ علی فرماتے ہیں ”لو جمعت امة لوسعہم

امام شافعی اہل سنت کے ان چار عظیم و طویل امانوں میں سے ایک ہیں جن کے علم و اجتہاد، فضل و کمال اور زہد و ورع پر اس امت کا شوق ہے، امت اسلامیہ کا ایک بہت بڑا طبقہ آپ کا مقلد ہے اور آپ کی طرف نسبت کرتے ہوئے خود کو شافعی کہتا ہے۔ آپ کا اسم گرامی ابو عبد اللہ محمد بن ادریس بن العباس بن عثمان بن شافع الباشمی القرشی المطوسی ہے۔ آپ کے سلسلہ نسب میں ایک نام حضرت شافع ہے جو صغار صحابہ سے ہیں، حضرت شافع ہی کی طرف نسبت کرتے ہوئے آپ کو شافعی کہا جاتا ہے۔ حضرت شافعی کے والد حضرت سائب ہیں، یہ بدر کے شہر کین مکہ کے ساتھ تھے اور مکہ والوں کی شکست کے بعد دیگر قیدیوں کے ساتھ آپ بھی قیدی بنائے گئے، آپ نے قید سے رہائی کے لئے یہ ادا کیا، اور اس کے بعد آپ ایمان کی دولت سے بہرہ ور ہوئے۔ امام شافعی کا نسب عبد مناف میں جا کر حضور اکرم ﷺ سے مل جاتا ہے۔ آپ ہاشمی، اور قرشی ہیں اس اعتبار سے آپ میں یہ ایک ایسا وصف ہے جو انبیاء و ائمہ مجتہدین سے آپ کو ممتاز کرتا ہے۔

آپ کے والد گرامی نے مکہ مکرمہ سے ہجرت فرمائی، اور فلسطین کے شہر غزہ کا رخ کیا، آپ کا یہ سفر طلب معاش کے لئے تھا۔ آپ کے لئے غزہ میں سکونت اختیار کر لی اسی شہر میں سن ۱۵۰ ہجری میں امام شافعی کی ولادت ہوئی۔ آپ کی والدہ حضرت فاطمہ بنت عبد اللہ شخصیت یہ برگزیدہ خاتون حضرت حسن ثقی کی پوتی اور سبط رسول سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ کی پر پوتی ہیں۔ ابھی امام شافعی کی عمر صرف دو سال تھی کہ آپ کے والد کی وفات ہوگئی، جس کی وجہ سے آپ کی پرورش، تنہی، عمرت اور تنگ دستی کے عالم میں ہوئی، آپ کی والدہ آپ کو لے کر غزوہ سے واپس مکہ مکرمہ آگئیں، لہذا آپ کی پرورش اور ابتدائی تعلیم مکہ مکرمہ میں ہوئی۔ آپ سن تیز ہی سے علوم و فنون کی تحصیل کی طرف متوجہ ہو گئے تھے، ابتدا میں شعر، لغت اور تاریخ عرب کی طرف توجہ فرمائی کے بعد تجوید و قرأت اور حدیث و فقہ کی تحصیل شروع کی۔ آپ

عقلہ“ (اگر پوری امت بھی ایک طرف جمع ہو جائے تو امام شافعی کی عقل سب کو وسعت کرے گی)۔ مدینہ منورہ میں امام شافعی امام مالک کے علوم وفنون سے مستفید ہوتے رہے، اور ان سے حدیث وفقہ کی تحصیل کرتے رہے، آپ نے امام شافعی کی خدمت میں ۱۶ سال گزارے، یہاں تک کہ امام مالک کی وفات ہو گئی۔

امام شافعی کے فضل وکمال کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا ”عالم قریش یملا طباق الارض علما“ (قریش کا ایک عالم دنیا کو علم سے بھر دے گا) ہمارے اصحاب شوافع کے علاوہ دوسرے علمائے متقدمین نے بھی یہی فرمایا ہے کہ اس حدیث پاک میں امام شافعی کی طرف اشارہ ہے۔ امام احمد بن حنبل نے امام شافعی کے علم وفضل اور ان کی خدمات کو ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا ہے ”ما مس احد حجرة ولا قلما الا وللشافعی فی عنقه منة“ (جس شخص نے بھی قلم اور دوات کا استعمال کیا ہے، اس کی گردن پر امام شافعی کا احسان ہے۔ امام احمد مزید فرماتے ہیں کہ ”امام شافعی دوسری صدی کے مجدد ہیں جس طرح کہ حضرت سیدنا عمر بن عبد العزیز پہلی صدی کے“ ایک اور مقام پر آپ نے فرمایا کہ تین سال میں میری کوئی رات ایسی نہیں گزری جس میں میں نے امام شافعی کے لئے دعا کی ہو۔“

اس علم وفضل کے ساتھ امام شافعی زہد وتقویٰ میں بھی بے مثال تھے، آپ عابد، زاہد، متقی اور نہایت پرہیزگار تھے، آپ کے زہد وورع کا تذکرہ کرتے ہوئے ربیع بن سلیمان کہتے ہیں ”امام شافعی رات کے تین حصے کرتے تھے، پہلے حصے میں تصنیف وتالیف، دوسرے میں نوافل اور تیسرے میں آرام فرماتے تھے“۔ ابراہیم بن محمد نے فرمایا ”میں نے امام شافعی سے عمدہ کسی شخص کو نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا، آپ کی نماز مسلم بن خالد کی نماز کے مشابہ تھی، اور ان کی مسلم جرتح کی نماز کے مماثل، اور ان کی عطاء بن ابی رباح کے، اور ان کی عبد اللہ بن زبیر کے اور ان کی حضرت ابو بکر صدیق کی نماز کے مشابہ تھی، حضرت ابو بکر صدیق کی نماز کے بارے میں کیا پوچھتے ہو ان کی نماز تو بالکل حضور ﷺ کی نماز کے مشابہ تھی۔“

امام شافعی کا بیخ اجتهاد: امام شافعی نے اپنے مقرر کردہ اصول و قواعد کی روشنی میں کتاب وسنت سے مسائل کا استنباط واستخراج کیا

آپ کے قواعد اجتهاد آپ کی کتاب ”الرسالہ“ میں درج ہیں بروئے کار لا کر آپ نے اجتهاد فرمایا، اور ان اصول وقواعد کے ساتھ آپ نے اپنے فقہ کے جزئیات مدون فرمائے، آپ کے یہ اصول وقواعد عملی تھے محض نظری نہیں تھے۔ آپ کے ان اصولوں کے عملی استعمال کا بین ثبوت آپ کی مشہور زمانہ کتاب ”الام“ سے فراہم ہوتا ہے، آپ نے اپنے استخراج کردہ مسائل کے ساتھ ساتھ ان کے دلائل درج کئے ہیں، اور ساتھ ہی آپ نے اپنے قواعد اجتهاد اور اصول فقہ کا بھی ذکر کیا ہے اور ان کو منطبق کر کے ثابت کیا ہے کہ آپ نے یہ مسائل کس طرح استخراج کیا ہے۔

آپ کے قواعد اجتهاد میں سب سے پہلا اصول یہ ہے کہ اولاً مسئلہ کی دلیل کتاب اللہ میں دیکھتے ہیں، اور مسئلہ کی بنیاد قرآن کے ظاہر کو بناتے ہیں، اور اس وقت تک نص کے ظاہر میں ہونے کے گریز کرتے ہیں جب تک نص میں تاویل کے وجوب پر کوئی دلیل نہ ہو جائے۔ کتاب اللہ کے بعد آپ سنت رسول اللہ پر تکیہ کرتے ہیں، اور اپنے نظریہ کی بنیاد سنت رسول پر رکھتے ہیں، یہاں تک کہ ایسی خبر واحد کو بھی اختیار کرتے ہیں جس میں کوئی راوی منفرد ہو۔ کہ وہ منفرد راوی ثقہ ہو صدق میں معروف اور ضبط میں مشہور۔ شافعی کے منہج استنباط اور طریقہ اجتهاد کو بغور دیکھنے سے یہ بات ہوتی ہے کہ آپ سنت رسول ﷺ کو قرآن فہمی کا بنیادی ماخذ قرار دیتے ہیں، اس لئے کہ سنت رسول سے بے نیاز ہو کر قرآن کریم کو کچھ امر دشوار ہے، یہ سنت رسول ہی ہے جو قرآن کریم کی تشریح و تفسیر منزل میں ہے۔ قرآن کریم میں صرف احکام عامہ اور قواعد کلیہ کئے گئے ہیں، اب یہ حدیث کا کام ہے کہ وہ ان احکام عامہ اور قواعد کی تشریح و تفسیر کرے، یہی حدیث ہے جو قرآن کے عام کو خاص ہے، مطلق کو مقید کرتی ہے، اور مجمل کو بیان کرتی ہے۔

اسی لیے امام شافعی نے اپنی عمر عزیز کا ایک بڑا حصہ حدیث کی حفاظت اور اس کے دفاع میں صرف کیا۔ اور آپ نے خبر واحد کی حجت ہونے پر دلائل قائم فرمائے۔ امام شافعی کی اسی خدمت حدیث دفاع سنت نے اصحاب حدیث کے درمیان ان کی قدر و منزلت اضافہ کر دیا، یہاں تک کہ آپ کا لقب ہی ”ناصر الحدیث“ پڑ گیا۔ صرف یہ کہ حافظ حدیث تھے بلکہ علل حدیث کی معرفت میں آگے

لہ“ (اے والد محترم! یہ شافعی کون شخص تھے جن کے لئے آپ بہت دعا فرماتے ہیں؟) امام احمد بن حنبل نے جواب دیا ”کان الشافعی كالشمس للنهار و كالعافية للناس، فانظر هل لهلذين خلف او عنهما عوض“ (امام شافعی ایسے ہی ہیں جیسے دن کے لئے سورج اور انسان کے لئے صحت، تو دیکھو کہ کیا ان دونوں چیزوں کا کوئی بدل ہے؟)

تصانیف: امام شافعی کی زندگی کا اکثر حصہ درس و تدریس، علمی مباحث، استنباط مسائل، اور فقہ و افتا کی خدمت میں گزرا، اس کے ساتھ ساتھ مختلف موضوعات پر گراں در قدر تصانیف بھی آپ نے اس امت کو عطا فرمائیں۔

ایک مرتبہ امام شافعی سے عبد الرحمن بن مہدی نے عرض کیا کہ میرے لئے کوئی ایسی کتاب تصنیف فرمادیں جس میں قرآن عظیم کے معانی معتبرہ، احادیث، اجماع اور تائید و منسوخ کا بھی بیان ہو، آپ نے ان کی طلب پر عین غفوان شباب میں اپنی مشہور ازمانہ کتاب ”الرسالہ“ تصنیف فرمائی، جو مذکورہ تمام مقاصد اور خوبیوں پر مشتمل تھی۔

مسند شافعی کی بھی اپنی جگہ بڑی اہمیت ہے، یہ کتاب ان احادیث مرفوعہ کا مجموعہ ہے، جنہیں امام شافعی خود اپنے طلبہ کے سامنے بیان کیا کرتے تھے، امام شافعی کی بعض روایات کو ابو العباس محمد بن یعقوب اہم نے ربیع بن سلیمان مرادی سے سماع کر کے ان کو کتاب الام اور مبسوط کے ضمن میں جمع کر دیا ہے، ابو العباس اہم نے ان تمام روایت کو یک جا کر کے اس کا نام مسند شافعی رکھ دیا ہے۔

وصال: حزنی روایت کرتے ہیں کہ جب امام شافعی کے وصال کا وقت قریب آیا تو میں ان کے پاس موجود تھا، میں نے پوچھا کیا حال ہے؟ امام شافعی نے جواب دیا کہ دنیا سے روانگی اور احباب سے جدا ہونے کا وقت ہے، موت کا پیالہ پیش ہونے والا ہے اور نتیجہ اعمال نکلنے والا ہے، بہت جلد اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضری ہوگی، کون جانے میری روح کدھر لے جائے گی۔

آپ کا وصال ۳۰ رجب المرجب سن ۲۰۴ ہجری میں جمعہ کی شب بعد نماز مغرب ہوا، آپ کا مزار مبارک مصر میں ہے جو آج بھی زیارت گاہ خاص و عام ہے، اور آپ کے علمی اور روحانی فیوض و برکات کا دریا آج بھی رواں ہے۔

☆☆☆

فائز تھے۔ حسن بن محمد زعفرانی نے آپ کی اس خصوصیت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ”کان اصحاب الحديث وقودا فایقظهم الشافعی فیتقظوا“ (اصحاب حدیث بخواب تھے ان کو امام شافعی نے بیدار کیا تو وہ جاگے)

امام نووی شافعی مجموع میں تحریر فرماتے ہیں ”ومن ذلك شدة حبه في نصره الحديث و اتباع السنة و جمعه في مذهبه من اطراف الادلعي الاتقان و التحقيق و الغوص التام على المعانی و التدقيق حتى لقب حين قدم العراق بناصر الحديث و غلب في عرف العلماء المتقدمين و الفقهاء حراسانین علی متبعی مذهبہ لقب اصحاب الحديث فی القديم والحديث“ (المجموع: ج ۱ ص ۱۰۱)۔ (امام شافعی کے فضائل و مراتب میں سے آپ کی نصرت حدیث کے سلسلہ میں جدو جدو آپ کا اتباع سنت، اور آپ کا اپنے مذہب کو دلائل کے ساتھ جمع کرنا ہے، وہ دلائل جو اتقان، تحقیق، تدقیق اور معانی پر غور و فکر پر مبنی ہیں، یہاں تک کہ جب آپ عراق میں جلوہ گر ہوئے تو آپ کا لقب ”ناصر حدیث“ رکھ دیا گیا، علمائے متقدمین اور خراسان کے فقہاء کے عرف میں آپ کے مذہب کا اتباع کرنے والے حضرات کو اصحاب حدیث کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

اہل فقہ، اہل اصول، اہل حدیث اور اہل لغت سب کے سب امام شافعی کی امانت و عدالت، زہد، ورع، تقویٰ اور علو قدر و منزلت پر متفق ہیں۔ امام شافعی کی حیات میں ہمیں ان کا ایک خاص وصف ان کی فنِ عمرہ میں مہارت بھی نظر آتا ہے، آپ بہترین مناظر تھے مگر آپ کا غرہ کرنا نہ اپنے مخالف کو زیر کرنے کے لئے تھا اور نہ شہرت و ناموری کا خاطر، بلکہ آپ ہمیشہ مناظرے میں حق کے طالب ہوا کرتے تھے اور حق اسی لئے مناظرے کے میدان میں آتے تھے کہ حق واضح ہو جائے، اس سلسلہ میں آپ کا یہ قول مشہور ہے۔ ”ما ناطرت احداً ولم ابالي بيبين الله الحق على لسانه او لسانى“ (میں نے کسی سے مناظرہ کیا تو مجھے اس کی پروا نہیں رہی کہ اللہ میری حق سے حق ظاہر فرمائے گا یا میرے مخالف کی زبان سے)

امام احمد بن حنبل کے صاحبزادے عبد اللہ نے ان سے دریافت کیا کہ ”ای رجل كان الشافعی؟ فانی رأيتك تكثير الدعاء“

(امام) (عبد بن حنبل) کی علمی (جستہاری) قضا

ایک لمبی کشمکش اور خوں ریز تاریخ کے ساتھ خلافت امویہ کی
قائل ۱۳۲ھ میں دمشق کے کھنڈرات میں بند ہو گئی اور زمام اقتدار عباسیوں کے ہاتھ آ گئی جنہوں نے ایک طرف اپنے خلاف سلگنے والی ہر قسم کی بغاوت کی آگ بڑے سقا کا نہ انداز سے بجھانے کی کوشش کی۔ تو دوسری طرف عام رفاہی کام، امور سلطنت میں عام اصلاحات اور علم و علما کی خدمت بھی خوب کی، جس کے نتیجے میں جہاں ایک طرف بغاوتوں میں کمی آئی، عام لوگوں نے سکون کی سانس لی اور امن و امان کا ماحول پیدا ہوا تو دوسری طرف علمی تحریک کو بھی تقویت ملی، علوم و فنون کے سوتے پھوٹ پڑے، تدوین و تالیف اور ترجمہ نگاری کا ایسا حسین آغاز ہوا کہ دوسری قوموں کے بھی موروثی ذخیرے محفوظ کر لیے گئے۔ سسکتی اور دم توڑتی اقلاتوں کی اور ستر اعلیٰ فکر میں عربی تحریروں میں قید کر لی گئیں۔ علم و معرفت کا کوئی ایسا گوشہ نہیں بچا جس کی اپنی باضابطہ فوج نہ تیار ہو گئی ہو، روایت و درایت، حدیث و فقہ، نحو و صرف، لغت و ادب، تفسیر و کلام، منطق و فلسفہ، ہر میدان میں ہر سمت قابل قدر علمی پیش رفت عمل میں آئی۔ علامہ ذہبی کہتے ہیں:

”۱۳۳ھ میں علمائے اسلام نے حدیث و فقہ اور تفسیر کی تدوین شروع کر دی، چنانچہ مکہ میں ابن جریج نے تدوین کی، مدینہ میں امام مالک نے مؤطا لکھی، شام میں اوزاعی، بصرہ میں ابن ابی عروبہ اور حماد بن سلمہ وغیرہ صانع تصنیف کی کام کیے، یمن میں معمر، کوفہ میں سفیان ثوری نے تدوین کا کام انجام دیا، ابن اسحاق نے مغازی لکھا جبکہ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فقہ اور قیاس میں تصنیف کی، پھر کچھ ہی عرصے کے بعد شمیم، لیث اور ابن ابیہ نے تصنیف کیا، پھر ابن مبارک، ابویوسف اور ابن وہب نے تصنیف کیا اور علم کی تدوین و تبویب کی کثرت ہو گئی۔ علوم عربیہ، لغت و تاریخ اور سیر و جروب کی کتابیں مدون ہو گئیں۔ جبکہ اس زمانہ سے پہلے ائمہ کرام کا اعتماد اپنی یادداشت پر تھا یا غیر مرتب صحائف سے علم کی روایت کیا کرتے تھے“ (۱)

”خلافت امویہ کے آخری دور اور دور عباسی کے آغاز میں۔ پچاس سال کے اندر ہی بیشتر علوم و فنون کی ترتیب و تدوین عمل میں آ گئی۔ خواہ علوم نقلیہ ہو، مثلاً علوم قرآن، حدیث، فقہ، اصول فقہ، ادب کے مختلف علوم و فنون یا علوم عقلیہ ہو، مثلاً علوم ریاضیات، فلسفہ اور کلام“ (۲)

یہی وہ زمانہ تھا جب معتزلیوں کی تحریک جو ان تھی اور اس کی خلافت عباسیہ کے قصر شاہیں کو جھلسا رہی تھی۔ مامون، (م ۸۱۳) معتصم (م ۲۲۷ھ) اور واثق باللہ (م ۲۳۲ھ) اعتراف کے لئے بن گئے تھے۔ (۳) منطق و فلسفہ کا عقل و شعور پر اس طرح غلبہ ”العقل ہی السلطان“ کے واشکاف نعرہ سے خلافت کی گئی گونج اٹھی۔ ہر جگہ بحث و مباحثہ کا بازار گرم ہو گیا۔ اسلام کی حق میں محض عقلی گھوڑے دوڑنے لگے، فطرتا لوگ حدیث و سنت سے بدعت، محدثات اور طرح طرح کی خرافات سے قریب ہو گئے۔ دور میں اللہ تعالیٰ نے نئی الہ، ماحی بدعت حضرت امام احمد بن حنبل فرمایا جنہوں نے نہایت بیباکی کے ساتھ اعلان حق فرمایا۔ کوڑے رہے مگر حق گوئی سے مہربان نہ ہوئے۔ جسم سے خون رس کر دیا۔ ”القرآن مخلوق“ کا قول نہ کیا۔

ہزار خوف ہو لیکن زبان دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق
جن کی بڑھتی ہوئی بیتابی و بیباکی سے
تازہ ہر عہد میں قصہ فرعون و کلیم
حسب و نسب :- آپ کا نام احمد بن حنبل اور کنیت ابو حنیفہ، آپ کا تعلق خالص عربی قبیلہ ”شیمان“ سے ہے، آپ کا نسب حضرت امام بیہقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ”مناقب احمد“ میں اپنے رب ابو عبد اللہ الحاکم صاحب مستدرک سے یوں نقل کرتے ہیں
احمد بن محمد بن حنبل بن ہلال بن اسد بن

ادب اور تمیز رکھائیں لیکن کوئی خاص نتیجہ نہیں نکلا اور احمد بن حنبل کو دیکھو ! یہ یتیم لڑکا اپنے ادب اور حسن تعامل کے باعث کیسے پسندیدہ اور قابل رشک خصال کا حامل بن گیا۔

شعور بلوغ کے مراحل میں داخل ہوتے ہی آپ نے قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ علیہ کی درسگاہ کا رخ کیا۔ مگر بعد میں آپ نے قاضی صاحب کی مجلس چھوڑ دی اور ۱۶ برس کی عمر میں طلب حدیث کی طرف متوجہ ہو گئے، پانچ مرتبہ آپ نے حج بیت اللہ کا شرف حاصل کیا اور حجازی علماء و محدثین سے خوب خوب استفادہ کیا، علاوہ ازیں آپ نے کئی بار بصرہ کا سفر کیا اور وہاں کے علماء سے استفادہ کیا، اس کے علاوہ شام، یمن، کوفہ وغیرہ کا بھی سفر کیا ہے۔

طلب حدیث میں آپ چالیس برس کی عمر تک مختلف بلاد اسلامیہ کے سفر کی مشقتیں برداشت کرتے رہے۔ کبھی کوفہ، کبھی بصرہ اور کبھی سرزمین حجاز یہاں تک کہ آپ کے کسی سفر میں آپ کے کسی جاننے والے نے استعجاباً کہا: کب تک کوفہ و بصرہ کا سفر ہوتا رہے گا! بلاشبہ آپ کا یہ کمال احتیاط تھا اور آپ کی نظر میں سنت مصطفیٰ کی کمال جلوہ گری تھی کہ جب آپ کی عمر چالیس برس ہو گئی تب آپ مسند حدیث و افتاء پر جلوہ گر ہوئے اور خلق کثیر نے آپ کی ذات بابرکت سے اکسراب فیض کیا۔ امام ابن جوزی نے اس سلسلے میں ایک روایت بھی بیان کی ہے: ”امام احمد کا ایک معاصر ۲۰۳ھ میں سلسلۂ طلب حدیث ان کے پاس پہنچا لیکن انھوں نے حدیث بیان کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد وہ امام عبدالرزاق بن ہمام کے پاس یمن گیا پھر وہ ۲۰۴ھ میں بغداد آیا تو دیکھا کہ امام حدیث بیان کر رہے ہیں اور لوگ ان پر ٹوٹے پڑ رہے ہیں“ (۶)

سفر آخرت :- امام احمد بن حنبل کا انتقال مختصر سی علالت کے بعد بروز جمعہ مبارک ۱۲/ربیع الاول ۲۴۱ھ میں ہوا، آپ نے ۵۷ برس کی عمر پائی اور شہیدوں کے قبرستان (مقابر الشہداء) میں حرب دروازے کے قریب دفن ہوئے۔ آپ کی نماز جنازہ میں بے شمار مردوں اور عورتوں نے شرکت کی۔ امیر محمد بن طاهر نے مرموشاری کا حکم دیا تو آپ کی نماز جنازہ میں شرکت کرنے والوں کی تعداد تیرہ لاکھ تھی، ایک روایت میں ہے کہ سات لاکھ تھی۔ خلافت کے تقریباً سوار باب اقتدار بھی موجود رہے۔ آپ کی نماز جنازہ نائب شہر محمد بن عبد اللہ نے

سن عبد اللہ بن حیان بن عبد اللہ بن آتس بن عوف بن قابسط
سن مازن بن شیبان بن ذہل بن ثعلبہ بن عکابہ بن صعب بن
علی بن بکر بن وائل بن قابسط بن ہنب بن اقصی بن ذعیمی
سن جدیلہ بن اسد بن ربیعہ بن نزار بن معد بن عدنان بن اذ
سن اذ بن الہمیسع بن حنبل بن النبت بن قیدار بن
سماعیل بن ابراہیم التخلیل علیہما السلام (۳)

قاضی ابوالحسن محمد بن ابی علی بغدادی نے بھی اسی طرح کا شجرہ نسب معمولی اختلاف کے ساتھ مبارک بن عبد الجبار بن احمد سے روایت کرتے ہوئے ذکر کی ہے جس میں انھوں نے ”مازن بن شیبان بن ذہل بن ثعلبہ“ کی جگہ ”مازن بن ذہل بن شیبان بن ثعلبہ“ رقم فرمایا ہے (۴)

آپ کا یہ وہ ارفع و اعلیٰ اور مبارک و مسعود شجرہ نسب ہے جسے سرکارِ دو عالم ﷺ کے شجرہ نسب سے ملنے کا شرف حاصل ہے۔ چنانچہ یہ مبارک سلسلہ نبی کریم ﷺ کے جدا جدا بزرگوار بن معد بن عدنان سے ملتا ہے۔ نزار کے دو بیٹے تھے مضر اور ربیعہ۔ مضر کی نسل پاک سے آپ ﷺ ہیں اور ربیعہ کی نسل سے حضرت امام احمد بن حنبل ہیں۔

این سعادت یزور یازو نیست

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

پیدائش :- آپ کی پیدائش بغداد شریف میں ۱۶۲ھ میں ہوئی، آپ کی عمر تین برس تھی کہ آپ کے سر سے آپ کے والد بزرگوار کا سایہ اٹھ گیا، آپ کی پوری کفالت آپ کی والدہ محترمہ نے کی۔

تعلیم و تربیت :- کم عمری ہی میں آپ نے قرآن پاک حفظ کر لیا۔ حسب ضرورت لغت کے مسائل سیکھنے کے بعد تحریر و کتابت کی طرف متوجہ ہوئے۔ چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں: ”میں ابھی بالکل بچہ ہی تھا کہ قرآن سے فارغ ہو گیا۔ چودہ سال کا تھا کہ تحریر و کتابت کی مشق تحصیل میں منہمک ہو گیا“

حضرت کی نجابت اور استقامت، دیانت اور شہادت، سعادت و مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنے ہم نشینوں کے لئے موجب تقلید اور نمونہ بن گئے تھے۔ یہ لوگ اپنے بچوں کے لئے آپ کو نمونہ اور ماڈل سمجھتے تھے اور کہا کرتے تھے: ”میں نے اپنے لڑکے پر اتنا خرچ کیا، اسے اتنے استاذوں کے حوالے کیا، اسے

پڑھائی، بھیڑی کی وجہ سے آپ کی کئی بار نماز جنازہ پڑھی گئی بلکہ بعد تدفین قبر پر بھی پڑھی گئی اور لوگوں کی کثرت کی وجہ سے تدفین کی کاروائی نماز عصر کے بعد تک چلتی رہی۔ (۷)

مستشرق لادوسٹ لکھتا ہے: ”آپ کے جنازے کی تفصیلات سے جو کسی حد تک افسانے کا رنگ لگتی ہیں، یہ بات ضرور واضح ہو جاتی ہے کہ آپ کے متعلق عوام کے دل میں درحقیقت محبت کے غلصانہ جذبات تھے، چنانچہ آپ کے مقبرے پر جوش و عقیدت کے ایسے مظاہرے ہوئے کہ مقامی حکام کو قبرستان کی حفاظت کے لئے پہرا لگانا پڑا، بغداد میں آپ کا مقبرہ سب سے بڑی زیارت گاہ بن گیا“ (۸)

۵۷۵ھ میں خلیفہ مستحسبی نے اس پر ایک کتبہ لگوادیا، جس میں اس یگانہ روزگار محدث کو سنت کے زبردست ترین حامی کے طور پر بہت سراہا گیا۔ آٹھویں صدی ہجری/چودھویں صدی میلادی میں دریائے دجلہ کے ایک سیلاب میں یہ مقبرہ بہہ گیا۔ (۹)

امام احمد بن حنبل کا زہد و تقویٰ: آپ ایک جامع کمالات، گووندہ گوں خوبیوں کے حامل، درویش صفت، مٹی پر ہیزگار، صالح اور نیک طبیعت کے مالک تھے، دنیا بیزاری آپ کے رگ رگ میں بسی تھی، آپ زہد و تقویٰ کی اعلیٰ مثال تھے، ابن کثیر نے ابوداؤد کے حوالے سے لکھا ہے کہ آپ کی مجلسوں میں کبھی دنیا کی باتیں نہیں ہوتیں اور نہ ہی آپ کبھی دنیا کا ذکر کرتے تھے۔

بیہقی نے مزنی سے، انھوں نے شافعی سے روایت کی ہے، شافعی نے رشید سے کہا کہ یمن کو ایک قاضی کی ضرورت ہے، رشید نے کہا: کسی کو چنو یمن کا قاضی بنادیں، تو حضرت امام شافعی نے حضرت امام ابن حنبل سے کہا جو آپ کے من جملہ شاگردوں میں تھے: کیا آپ یمن کی قضا قبول کریں گے؟ تو آپ نے اس پیشکش کو سرے سے ٹھکرا دیا اور امام شافعی سے فرمایا: کہ میں آپ کے پاس صرف علم کی بنیاد پر آتا ہوں اور آپ مجھے یمن کا قاضی بنانا چاہتے ہیں، اگر علم کی بات نہ ہوتی تو میں آج کے بعد سے آپ سے بات نہ کرتا۔

آپ کے زہد و تقویٰ کا عالم یہ تھا کہ اپنے چچا اسحاق بن حنبل اور اپنے بیٹوں کے پیچھے صرف اس لیے نماز پڑھتے تھے اور نہ ان سے باتیں کرتے تھے کہ ان لوگوں نے خلیفہ متوکل باللہ کے انعامات قبول کر لئے تھے۔ بلکہ ایک مرتبہ تو ایسا ہوا کہ آپ کو تین دنوں تک کچھ کھانے کو

نہیں ملا، آپ نے اپنے کسی دوست سے آٹا قرض لیا، اتفاق سے آپ کے گھر والوں کو اس کی اطلاع ہوگئی، ان لوگوں نے جلدی سے گوندھا اور روٹی تیار کر کے آپ کی خدمت میں حاضر کر دیا، آپ نے پوچھا اتنی جلدی؟ لوگوں نے جواب دیا کہ صالح (آپ کے فرائض) کے گھر میں نور جل رہا تھا، ہم نے وہاں روٹی پکالی ہے، اس پر آپ نے فرمایا: اسے فوراً اٹھا لو! اور آپ کھانے سے باز رہے، بیہقی کہتے ہیں کہ صالح نے چونکہ بادشاہ وقت کا انعام قبول کر لیا تھا اس لیے ان سے تعلق سے آپ نے یہ موقف اختیار کیا۔

بیہقی کہتے ہیں کہ خلیفہ متوکل انواع و اقسام کے مالکات و مشروبات سے سجاد ستر خوان بھیجا کرتا تھا مگر آپ اس میں سے کچھ نہیں تناول فرماتے تھے۔ (۱۰)

اس طرح بیشرا واقعات ہیں جو آپ کے زہد سے متعلق ہیں ان کی یہاں گنجائش نہیں۔

امام احمد بن حنبل کے شیوخ و اساتذہ: آپ ایک زمانہ کا مختلف بلاد اسلامیہ کا سفر کر کے محدثین زمانہ اور فقہاء وقت سے استفادہ کرتے رہے، اس لئے آپ کے اساتذہ و شیوخ کی فہرست لمبی تھی علامہ ابن جوزی نے ”مناقب“ میں آپ کے اساتذہ و شیوخ کی فہرست ترتیب ابجدی کے اعتبار سے تیار کی ہے جو سو سے متجاوز ہے، جن میں ظاہر ہے کہ آپ کے وہ بھی شیوخ و اساتذہ شامل ہیں جن سے آپ نے یا توفیقہ میں استفادہ کیا ہے یا کوئی حدیث اخذ کی ہے یا کسی حدیث روایت کی ہے۔ ان میں چند اہم اساتذہ کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں بغداد شریف میں آپ نے سب سے پہلے حضرت امام

یوسف (م: ۱۸۲ھ) سے استفادہ کیا، پھر سولہ برس کی عمر میں حلب حدیث کی طرف متوجہ ہوئے اور باقاعدگی کے ساتھ ہشیم بن بشیر سے درس میں جو حضرت ابراہیم الحنفی کے شاگرد تھے (۱۷۹ھ) سے لے کر (۱۸۳ھ) تک شریک رہے۔ آپ کے بڑے اساتذہ میں حضرت سفیان بن عیینہ (م: ۱۹۸ھ) ہیں جو دبستان حجاز کے سب سے بڑے مستند عالم تھے۔ آپ کے دوسرے اساتذہ میں بصرہ کے عبدالرحمن بن مہدی (م: ۱۹۸ھ) اور کوفہ کے واقع بن الجراح (۱۹۷ھ) تھے (۱۱) ابن کثیر نے امام بیہقی کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبل کے من جملہ اساتذہ میں حضرت امام شافعی بھی ہیں۔ امام احمد

احیاء قرآن وسنت کا جذبہ اخلاص ہی تھا کہ حضرت امام احمد بن حنبل اپنے متبعین کو اپنے افکار و نظریات کی تدوین و تالیف سے منع فرماتے تھے کہ مبادا کہیں ان کے افکار قرآن وسنت سے دوری کے اسباب نہ بن جائیں، یہی وجہ تھی کہ حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ کے برعکس فقہ میں آپ کی کوئی کتاب آپ کی حیات طیبہ میں مدون نہ ہو سکی اور جو کتابیں آپ کی حیات طیبہ میں منظر عام پر آئیں وہ فی الجملہ حدیث ہیں جس کی تدوین میں آپ حرج نہیں تصور فرماتے تھے۔ وہ کتابیں یہ ہیں: المسند، التاريخ، النسخ والمبسوط، المتقدم والمؤخر فی کتاب اللہ فضائل الصحابة، المناسک الکبیر، المناسک الصغیر، کتاب الزہد، کتاب الرد علی الجہمیۃ اور کتاب الرد علی الزنادقة۔ ان کے علاوہ چند رسائل ایسے ہیں جس میں اپنے مسلک کی وضاحت کی ہے اور اس کو مدلل کیا ہے۔ (۲۰)

داستان صبر و عزمیت مسئلہ خلق قرآن کے ناظر میں:۔ کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے جس شخص نے یہ کہا کہ قرآن مخلوق ہے وہ جعد بن درہم تھا جو عہد اموی کا ایک فرد تھا، اسے عید الاضیٰ کے دن کوفہ میں خالد بن عبد اللہ القسری نے اس جرم کے پاداش میں قتل کر ڈالا، مگر اس کی فکر عربی معاشرے میں پختی برہتی رہی۔ جہم بن صفوان اور حارث بن یزید کو مروان بن محمد کے زمانے میں سیاسی اسباب کی بنیاد پر قتل کر دیا گیا۔ (۲۱)

ایک قول یہ بھی ہے کہ واصل بن عطا نے جو حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس کا خوش چیں تھا۔ آپ کی مجلس سے باضابطہ اعتراضی اصولوں کے ساتھ اعتراض الہندی کا اعلان کیا اور اس تحریک کی داغ بیل ڈال دی۔ امویوں کے دور میں یہ تحریک زیادہ کامیاب نہ ہو سکی مگر جوں ہی عباسیوں کا دور شروع ہوا۔ نئے عناصر سے عرب متعارف ہوئے۔ یونانی اور سریانی زبانوں سے علوم فلسفہ کے ترجمے ہوئے۔ پس پرودہ اسلام کے خلاف برسر پیکار فکری یورشوں کو بھی پنپنے اور بڑھنے کا موقع مل گیا۔ جس کے نتیجے میں منطق و فلسفہ اور عقل مضطرب کے سائے تلے پرورش پانے والی اعتراضی تحریک کو بھی تقویت ملتی گئی۔ چند ہی سالوں میں یہ تحریک بصرہ و بغداد کی مسجدوں کے محراب سے نکل کر تحت سلطنت پر قابض ہو گئی۔ ہارون کا زمانہ ختم ہوتے ہی مامون اعتراضی تحریک کے مسلک میں باضابطہ طور پر پرویا گیا۔

مامون ایک معتدل علم دوست، دینی جذبہ سے سرشار اور صاحب فکر و تدبیر بادشاہ تھا۔ اپنے بڑے بھائی محمد امین کی حرص بے جا اور بے راہ

بن حنبل نے شافعی سے فقہ میں استفادہ کیا ہے اور مسند وغیرہ میں آپ سے روایت بھی کی ہے۔ جب امام احمد بن حنبل اس دنیا سے تشریف لے گئے تو آپ کے تر کے میں حضرت امام شافعی کے دونوں قدیم و جدید رسالے پائے گئے۔ (۱۲)

یہاں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ امام احمد بن حنبل کی فکر میں افاق و حجاز اور کوفہ و بصرہ کی تعمیر شامل ہے جو متنوع ہونے کے ساتھ کافی رنجیز بھی ہے۔ امام صاحب کا یہ علمی پس منظر آپ کو ایسی غذا فراہم کرتا ہے جس سے ایک ایسے مسلک فقہی کی تشکیل ہوتی ہے، جسے مدینہ شریف کے مدرسہ حدیث اور عراق کے مدرسہ قیاس کا حسین شکم کہا جاسکتا ہے۔ جس میں جہاں ایک طرف نقلی دلائل کی چاشنی ملتی ہے تو دوسری طرف حسب ضرورت عقلی دلائل کی صلابت بھی محسوس کی جاتی ہے۔ اس لیے یہ حقیقت کا علم کرنے کے مترادف ہوگا کہ امام کے اساتذہ کا دائرہ تنگ کر کے آپ کے فکری پس منظر کو کسی خاص مدرسہ فکر کے احاطہ میں محدود کر دیا جائے جیسا کہ مستشرق لاؤسٹ ابن تیمیہ کے حوالے سے لکھتا ہے:

”لیکن جیسا کہ ابن تیمیہ نے لکھا ہے (منہاج السنہ، ۴/۱۵۳) ہم فقہ میں آپ کی تعلیم و تربیت زیادہ تراہل حدیث اور وستان حجاز کی ہون منت ہے۔“ (۱۳)

حلقہ درس اور حلقہ:۔ مسند درس و افتاء پر جلوہ فرما ہونے سے پہلے افاق اسلامیہ کے کونے کونے میں آپ کی شہرت ہو چکی تھی لہذا آدمی تھا کہ آپ کا حلقہ درس انہوہ خلافت ہو چنانچہ بعض رواۃ کا بیان ہے۔ ان کے حلقہ درس میں شریک ہونے والوں کی تعداد پانچ ہزار نفوس قریب تھی، ان میں سے پانچ سو کے قریب وہ تھے جو لکھ بھی لیا کرتے تھے۔ بغداد میں اتنے آدمیوں کی گنجائش جہاں ہو سکتی تھی وہ جامع مسجد سے ماوراء کوئی جگہ نہیں تھی چنانچہ ضروری ہوا کہ امام احمد وہیں اپنا درس قائم کریں۔ مگر چہ آپ کی مجلس میں شریک ہونے والے کبھی لوگ آپ سے ہم کے جو یاں نہ تھے بلکہ کچھ تو حصول برکت کی خاطر حاضر ہوتے تھے اور کچھ اخلاق و کردار سے سبق سیکھتے تھے۔

اس کے علاوہ امام صاحب کی ایک خصوصی مجلس بھی تھی جو آپ کے گھر میں جیتی تھی۔ اس میں آپ کے صاحبزادوں کے علاوہ خاص شاگرد استفادہ کرتے تھے۔ (۱۹)

امام احمد بن حنبل کی تصانیف :- زہد و تقویٰ، بے نیازی اور

نہیں ملا، آپ نے اپنے کسی دوست سے آنا قرض لیا، اتفاق سے آپ کے گھر والوں کو اس کی اطلاع ہوگئی، ان لوگوں نے جلدی سے گوندھا اور روٹی تیار کر کے آپ کی خدمت میں حاضر کر دیا، آپ نے پوچھا اتنی جلدی؟ لوگوں نے جواب دیا کہ صالح (آپ کے فرزند) کے گھر میں تنور جل رہا تھا، ہم نے وہاں روٹی پکائی ہے، اس پر آپ نے فرمایا: اسے فوراً اٹھا لو! اور آپ کھانے سے باز رہے، یہی کہتے ہیں کہ صالح نے چونکہ بادشاہ وقت کا انعام قبول کر لیا تھا اس لیے ان سے تعلق سے آپ نے یہ موقف اختیار کیا۔

یہی کہتے ہیں کہ خلیفہ متوکل انواع و اقسام کے ماکوت و مشروبات سے سجاد ستر خوان بھیجا کرتا تھا مگر آپ اس میں سے کچھ نہیں تناول فرماتے تھے۔ (۱۰)

اس طرح بی شمار واقعات ہیں جو آپ کے زہد سے متعلق ہیں جن کی یہاں گنجائش نہیں۔

امام احمد بن حنبل کے شیوخ و اساتذہ :- آپ ایک زمانہ کا مختلف بلاد اسلامیہ کا سفر کر کے محدثین زمانہ اور فقہاء وقت سے استفادہ کرتے رہے، اس لئے آپ کے اساتذہ و شیوخ کی فہرست لمبی ہے علامہ ابن جوزی نے ”مناقب“ میں آپ کے اساتذہ و شیوخ کی فہرست ترتیب ابجدی کے اعتبار سے تیار کی ہے جو سو سے تجاوز ہے، جن میں ظاہر ہے کہ آپ کے وہ بھی شیوخ و اساتذہ شامل ہیں جن سے آپ نے یا تو فقہ میں استفادہ کیا ہے یا کوئی حدیث اخذ کی ہے یا کسی حدیث روایت کی ہے۔ ان میں چند اہم اساتذہ کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں بغداد شریف میں آپ نے سب سے پہلے حضرت امام

یوسف (م: ۱۸۲ھ) سے استفادہ کیا، پھر سولہ برس کی عمر میں طبرستان کی طرف متوجہ ہوئے اور باقاعدگی کے ساتھ بشیم بن بشیر۔ درس میں جو حضرت ابراہیم انصاری کے شاگرد تھے (۱۷۹ھ) سے لے کر (۱۸۳ھ) تک شریک رہے۔ آپ کے بڑے اساتذہ میں حضرت سفیان بن عیینہ (م: ۱۹۸ھ) ہیں جو بدستان حجاز کے سب سے بڑے مستند عالم تھے۔ آپ کے دوسرے اساتذہ میں بصرہ کے عبدالرحمن بن مہدی (م: ۱۹۸ھ) اور کوفہ کے واقع بن الجراح (۱۹۷ھ) تھے۔ ابن کثیر نے امام بیہقی کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبل کے من جملہ اساتذہ میں حضرت امام شافعی بھی ہیں۔ امام احمد

پڑھائی، بھیٹر کی وجہ سے آپ کی کئی بار نماز جنازہ پڑھی گئی بلکہ بعد متوفین قبر پر بھی پڑھی گئی اور لوگوں کی کثرت کی وجہ سے تدفین کی کاروائی نماز عصر کے بعد تک چلتی رہی۔ (۷)

مستشرق لادسن لکھتا ہے: ”آپ کے جنازے کی تفصیلات سے جو کسی حد تک افسانے کا رنگ رکھتی ہیں، یہ بات ضرور واضح ہو جاتی ہے کہ آپ کے متعلق عوام کے دل میں درحقیقت محبت کے مخلصانہ جذبات تھے، چنانچہ آپ کے مقبرے پر جوش و عقیدت کے ایسے مظاہرے ہوئے کہ مقامی حکام کو قبرستان کی حفاظت کے لئے سپہ سالار لگانا پڑا، بغداد میں آپ کا مقبرہ سب سے بڑی زیارت گاہ بن گیا“ (۸)

۵۷۴ھ میں خلیفہ المستنصر نے اس پر ایک کتبہ لگوا دیا، جس میں اس یگانہ روزگار محدث کو سنت کے زبردست ترین حامی کے طور پر بہت سراہا گیا۔ آٹھویں صدی ہجری / چودھویں صدی میلادی میں دریا بے دخل کے ایک سیلاب میں یہ مقبرہ بہہ گیا۔ (۹)

امام احمد بن حنبل کا زہد و تقویٰ :- آپ ایک جامع کمالات، گوشتوں خوبیوں کے حامل، درویش صفت، متقی پرہیزگار، صالح اور نیک طبیعت کے مالک تھے، دنیا پراری آپ کے رنگ میں کسی تھی، آپ زہد و تقویٰ کی اعلیٰ مثال تھے، ابن کثیر نے ابوداؤد کے حوالے سے لکھا ہے کہ آپ کی مجلسوں میں کبھی دنیا کی باتیں نہیں ہوتیں اور نہ ہی آپ کبھی دنیا کا ذکر کرتے تھے۔

بیہقی نے مزنی سے، انھوں نے شافعی سے روایت کی ہے، شافعی نے رشید سے کہا کہ یمن کو ایک قاضی کی ضرورت ہے، رشید نے کہا: کسی کو چنو یمن کا قاضی بنا دوں، تو حضرت امام شافعی نے حضرت امام ابن حنبل سے کہا جو آپ کے من جملہ شاگردوں میں تھے: کیا آپ یمن کی قضا قبول کریں گے؟ تو آپ نے اس پیشکش کو سرے سے ٹھکرا دیا اور امام شافعی سے فرمایا: کہ میں آپ کے پاس صرف علم کی بنیاد پر آتا ہوں اور آپ مجھے یمن کا قاضی بنانا چاہتے ہیں، اگر علم کی بات نہ ہوتی تو میں آج کے بعد سے آپ سے بات نہ کرتا۔

آپ کے زہد و تقویٰ کا عالم یہ تھا کہ اپنے چچا اسحاق بن حنبل اور اپنے بیٹوں کے پیچھے صرف اس لیے نماز پڑھتے تھے اور نہ ان سے باتیں کرتے تھے کہ ان لوگوں نے خلیفہ متوکل باللہ کے انعامات قبول کر لئے تھے۔ بلکہ ایک مرتبہ تو ایسا ہوا کہ آپ کو تین دنوں تک کچھ کھانے کو

حنبل نے شافعی سے فقہ میں استفادہ کیا ہے اور مسند وغیرہ میں آپ سے روایت بھی کی ہے۔ جب امام احمد بن حنبل اس دنیا سے تشریف لے گئے تو آپ کے تر کے میں حضرت امام شافعی کے دونوں قدیم و جدید رسالے پائے گئے۔ (۱۲)

یہاں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ امام احمد بن حنبل کی فکر میں عراق و حجاز اور کوفہ و بصرہ کی خمیر شامل ہے جو متنوع ہونے کے ساتھ کافی نچر بھی ہے۔ امام صاحب کا یہ علمی پس منظر آپ کو ایسی غذا فراہم کرتا ہے جس سے ایک ایسے مسلک فقہی کی تشکیل ہوتی ہے، جسے مدینہ شریف کے مدرسہ حدیث اور عراق کے مدرسہ کس کا حسین سنگم کہا جاسکتا ہے۔ جس میں جہاں ایک طرف عقلی دلائل کی چاشنی ملتی ہے تو دوسری طرف حسبِ صورت عقلی دلائل کی صلابت بھی محسوس کی جاتی ہے۔ اس لیے یہ حقیقت غم کرنے کے مترادف ہوگا کہ امام کے اساتذہ کا دائرہ تنگ کر کے آپ کے فکری پس منظر کو کسی خاص مدرسہ فکر کے احاطہ میں محدود کر دیا جائے۔ جیسا کہ مستشرق لاؤسٹ ابن تیمیہ کے حوالے سے لکھتا ہے:

”لیکن جیسا کہ ابن تیمیہ نے لکھا ہے (منہاج السنہ ۴/۱۳۳) علم فقہ میں آپ کی تعلیم و تربیت زیادہ تر اہل حدیث اور دیستان حجاز کی سرہون منت ہے۔“ (۱۳)

حلقہ درس اور تلامذہ:۔ مسند درس و افتاء پر جلوہ فرما ہونے سے بے آفاق اسلامیہ کے کونے کونے میں آپ کی شہرت ہو چکی تھی لہذا زمی تھا کہ آپ کا حلقہ درس انبوء خلائق ہو چنانچہ بعض رواۃ کا بیان ہے کہ ان کے حلقہ درس میں شریک ہونے والوں کی تعداد پانچ ہزار نفوس کے قریب تھی، ان میں سے پانچ سو کے قریب وہ تھے جو لکھ بھی لیا کرتے تھے۔ بغداد میں اتنے آدمیوں کی گنجائش جہاں ہو سکتی تھی وہ جامع مسجد کے سوا اور کوئی جگہ نہیں تھی چنانچہ ضروری ہوا کہ امام احمد وہیں اپنا درس قائم کریں۔ گرچہ آپ کی مجلس میں شریک ہونے والے کبھی لوگ آپ سے علم کے جو یاں نہ تھے بلکہ کچھ تو حصولِ برکت کی خاطر حاضر ہوتے تھے اور کچھ اخلاق و کردار سے سبق سیکھتے تھے۔

اس کے علاوہ امام صاحب کی ایک خصوصی مجلس بھی تھی جو آپ کے گھر میں جمتی تھی۔ اس میں آپ کے صاحبزادوں کے علاوہ خاص خاص شاگرد استفادہ کرتے تھے۔ (۱۹)

امام احمد بن حنبل کی تصانیف:۔ زہد و تقویٰ، بے نیازی اور

احیاء قرآن و سنت کا جذبہ اخلاص ہی تھا کہ حضرت امام احمد بن حنبل اپنے متبعین کو اپنے افکار و نظریات کی تدوین و تالیف سے منع فرماتے تھے کہ مبادا کہیں ان کے افکار قرآن و سنت سے دوری کے اسباب نہ بن جائیں، یہی وجہ تھی کہ حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ کے برعکس فقہ میں آپ کی کوئی کتاب آپ کی حیات طیبہ میں مدون نہ ہو سکی اور جو کتابیں آپ کی حیات طیبہ میں منظر عام پر آئیں وہ فی الجملہ حدیث ہیں جس کی تدوین میں آپ حرج نہیں تصور فرماتے تھے۔ وہ کتابیں یہ ہیں: المسند، التاريخ، النسخ و المنسوخ، المقدم و المؤخر فی کتاب اللہ، فضائل الصحابہ، المناسک الکبیر، المناسک الصغیر، کتاب الزہد، کتاب البر و علی الحجیۃ اور کتاب البر و علی الزنا و قد۔ ان کے علاوہ چند رسائل ایسے ہیں جس میں اپنے مسلک کی وضاحت کی ہے اور اس کو مدلل کیا ہے۔ (۲۰)

داستان صبر و عزیمت مسئلہ خلق قرآن کے تناظر میں:۔ کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے جس شخص نے یہ کہا کہ قرآن مخلوق ہے وہ جعد بن درہم تھا جو جعد اموی کا ایک فرد تھا، اسے عید الاضحیٰ کے دن کوفہ میں خالد بن عید اللہ القسری نے اس جرم کے پاداش میں قتل کر ڈالا، مگر اس کی فکر عربی معاشرے میں پلٹی بڑھتی رہی۔ جہم بن صفوان اور حارث بن سنج کو مروان بن محمد کے زمانے میں سیاسی اسباب کی بنیاد پر قتل کر دیا گیا۔ (۲۱)

ایک قول یہ بھی ہے کہ واصل بن عطا نے جو حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس کا خوش چین تھا۔ آپ کی مجلس سے باضابطہ اعتراضی اصولوں کے ساتھ اعتراض ال پسندی کا اعلان کیا اور اس تحریک کی داغ بیل ڈال دی۔ امویوں کے دور میں یہ تحریک زیادہ کامیاب نہ ہو سکی مگر جوں ہی عباسیوں کا دور شروع ہوا۔ نئے عناصر سے عرب متعارف ہوئے۔ یونانی اور سریانی زبانوں سے علوم فلسفہ کے ترجمے ہوئے۔ پس پردہ اسلام کے خلاف برسرِ پیکار فکری یورشوں کو بھی پنپنے اور بڑھنے کا موقع مل گیا۔ جس کے نتیجے میں منطق و فلسفہ اور عقل مضطرب کے سائے تلے پرورش پانے والی اعتراضی تحریک کو بھی تقویت ملتی گئی۔ چند ہی سالوں میں یہ تحریک بصرہ و بغداد کی مسجدوں کے محراب سے نکل کر تحت سلطنت پر قابض ہو گئی۔ ہارون کا زمانہ ختم ہوتے ہی مامون اعتراضی تحریک کے مسلک میں باضابطہ طور پر پرویا گیا۔

مامون ایک معتدل علم دوست، دینی جذبہ سے سرشار اور صاحب فکر و تدبیر بادشاہ تھا۔ اپنے بڑے بھائی محمد امین کی حرص بے جا اور بے راہ

روی کی وجہ سے اس کا تختہ پلٹ کر ۱۹۸ھ سے ۲۱۸ھ تک بلا اشتراک غیر خلافت عباسیہ کا بادشاہ رہا۔ اس نے اپنے دور خلافت میں علماء و شعراء کو اپنے والدہ کی طرح خوب نوازا۔ ارباب فکر و نظر کو قریب کیا جس کے نتیجے میں علم و فن کے ہر شعبے میں قابل قدر پیش رفت ہوئی۔

چونکہ مامون ادیان و مذاہب میں ابوہذیل علاف کا شاگرد تھا، ابوہذیل وہ شخص ہے جس کا شمار معتزلہ کے سربراہوں میں ہوتا ہے۔ مامون نے جب افکار و عقائد کی چھان پھٹک کے لئے مجالس مناظرہ منعقد کیں تو یہ معتزلہ سب سے آگے تھے اور بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے اس لئے کہ یہ لوگ عقلی طور پر مسائل کی بحث میں خصوصیت و امتیاز رکھتے تھے یہی وجہ ہے کہ مامون پر ان لوگوں کا اثر بہت زیادہ ہو گیا انھیں اپنے سے قریب کیا، مباحث و وزارت بھی تفویض کی بلکہ اس جماعت کے ایک فرد ابو عبد اللہ احمد ابی داؤد کو اتنا نوازا کہ اپنے بھائی معتصم کو وصیت کر دی کہ امور مہمہ میں اس کی فکر و رائے کو شریک رکھا کرے۔ چنانچہ وہ اپنی وصیت میں لکھتا ہے: ”ابو عبد اللہ بن ابی داؤد کو اپنے ہر معاملہ میں شریک کار رکھنا“

جب معتزلیوں نے دربار خلافت میں اپنی دال غلٹی ہوئی دیکھی تو انھوں نے سوچا کہ اب مامون سے خلق قرآن کے عقیدہ کا اعلان کروادیا جائے چنانچہ یہ بات مامون کے دل میں بیٹھ گئی اور اس نے ۲۱۲ھ میں اس عقیدہ کا اعلان کروادیا اور معتزلیوں نے اسے ان علماء اور محدثین کے خلاف خوب درغلا یا جو اس فکر کے قائل نہ تھے بالخصوص حضرت امام احمد بن حنبل کے خلاف یہاں تک کہ ان پر گزیدہ ہستیوں پر ظلم و تشدد کے پہاڑ بھی توڑنے سے نہ چو کے۔

مامون اپنی موت سے چند ماہ قبل طرسوس میں رومیوں کے خلاف جہاد کر رہا تھا، معتزلیوں کے اکسانے پر اس نے وہیں سے حاکم بغداد اسحاق بن ابراہیم کو خط لکھا کہ لوگوں کو خلق قرآن کے تعلق سے قائل کراؤ جو انکار کرے اسے ہمارے پاس بھیج دو۔ حاکم بغداد نے حکم پورا کیا اور کچھ علماء کو اس فکر سے رجوع بھی کرایا مگر حضرت امام احمد بن حنبل اور محمد بن نوح نے صبر و ثبات سے کام لیا اور اعتزالی فکر کے سامنے گھٹنے نہیں سے صاف انکار کر دیا جس کے پاداش میں ان دونوں کو بیڑیوں میں ڈال کر طرسوس روانہ کر دیا گیا مگر ابھی یہ لوگ راستے ہی میں تھے کہ مامون اس دنیا سے چل بسا اور ان لوگوں کو بغداد واپس بھیج دیا گیا۔

مامون کے بعد اس کا بھائی تھت نشین ہوا۔ یہ علم سے کور اور تلوار کا

دشمن تھا۔ مجاہدانہ صفت کا حامل جنہی مزاج بادشاہ تھا۔ اسی نے عموریہ اور ترکی کے بیشتر علاقے فتح ہوئے۔ معتصم کے ان فائدہ اٹھاتے ہوئے معتزلیوں نے اسے منکرین خلق قرآن کے تشدد برتنے پر اکسایا۔ چنانچہ اس نے معتزلیوں کے حریفوں کو ڈھایا۔ بالخصوص امام احمد بن حنبل جو معتزلیوں کے سب سے بڑے حریف تھے، آپ کو قید و بند کی صعوبتیں جھیلی پڑیں، آپ کو برسائے گئے، جسم سے خون رس کر رہ نکلتا۔ آپ پر بیہوشی طاری ہوئی تو آپ کو تلوار کی نوک سے جگایا جاتا، پھر کوڑے کی برسات کی جاتی آپ کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی، آپ نے کسی بھی حال میں قرآن کا قول نہ کیا۔ صبر و عزم کا پہاڑ بن کر باطل کا مقابلہ کرتے۔ یہاں تک کہ ظلم ہار گیا اور مظلوم کی فتح ہو گئی۔ ۲۲۷ھ میں معتصم کا انتقال ہو گیا اور اس کے لڑکے واثق باللہ نے حکومت کی باگ دوڑ سنبھالی۔ کارویہ حضرت امام احمد بن حنبل کے ساتھ گرچہ اپنے والد کی سفاکانہ نہ رہا اور اس نے آپ کو جسمانی اذیت دینے سے گریز کیا۔ اس نے آپ کو لوگوں میں گھٹنے ملنے سے منع کر دیا اور امام صاحب کے لیے یہ حکم صادر کر دیا کہ: ”تمہارے پاس کسی کو ملنے اور آنے کی اجازت نہیں ہے اور تم اس شہر میں اقامت اختیار کرو جہاں میرا قیام ہو۔“ اس حکم کے بعد امام صاحب اپنے گھر میں محصور ہو گئے حتیٰ کہ وغیرہ کے لیے بھی گھر سے باہر نہیں نکلتے تھے۔ آپ کا دور ابتلاء و آزار یوں ہی گزرتا رہا یہاں تک کہ ۲۴۳ھ میں واثق کا بھی انتقال ہو گیا اور متوکل باللہ نے زمام اقتدار سنبھالا۔ اسی کے ساتھ معتزلیوں کا سونچ ڈھلنے لگا اور احیاء سنت کا دور شروع ہوا۔ (۲۲)

جس طرح سونا دہکتے انگاروں پر جلنے کے بعد نکھر جاتا ہے، اسی طرح حضرت امام کی شخصیت اس آزمائش سے گزرنے کے بعد سونا ہو گئی۔ معتزلیوں کے ظلم و تشدد اور حضرت امام احمد بن حنبل کے صبر و استقامت نے جہاں ایک طرف معتزلی تحریک کو موت کے گھاٹ اتار دیا وہیں لوگوں کو ظلم کے سائے میں جرأت مندی کے ساتھ جینے کا حوصلہ عطا کیا اور امام کی فکر کو بقا و غلو بخش دیا۔ شرق و غرب میں آپ کی مقبولیت میں بے تحاشہ اضافہ ہو گیا، علی الاطلاق آپ کو اس زمانے کی سب سے بڑی شخصیت تسلیم کر لیا گیا، مگر ہمارے امام کو یہ سب اس نہ آیا بلکہ خشیت و تقویٰ میں مزید اضافہ ہو گیا اور آپ کی نظر میں اگر آزمائش کا ایک دو

شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا مگر جب دور عباسی کا آغاز ہوا اور اسی کے ساتھ علوم و فنون کی تدوین میں بھی قابل قدر اضافہ ہوا تو سب سے پہلے جس علم نے تدوین کے چہرہ زیبا کی زیارت کی وہ تھا علم حدیث۔ چنانچہ درجنوں علمائے حدیث نے تدوین حدیث کا کام انجام دیا، البتہ کتاب کی شکل میں ہم تک صرف موطا امام مالک پہنچ سکی ہے جسے محدث مدینہ نے فقہی ابواب کے اعتبار سے ترتیب دیا ہے، اس کتاب سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ابتداء امر میں جمع حدیث کا پہلا مقصد خدمت فقہ تھا (۲۷)

تدوین حدیث کا یہ پہلا مرحلہ تھا جس میں ابواب فقہ کی رعایت تھی۔ لیکن دوسری صدی ہجری کے ختم ہوتے ہوئے بعض ائمہ حدیث کی توجہ اس بات کی طرف مبذول ہوئی کہ حدیث نبوی کو اقوال صحابہ سے الگ کر دیا جائے جیسا کہ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمہ بخاری شریف کی شرح میں تدوین حدیث کے دور اول کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ”دور اول کی تدوین ابواب کے اعتبار سے ہوئی جس میں کسی حد تک اقوال رسول ﷺ و اقوال صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور فتاویٰ تابعین ایک دوسرے میں ملے ہوئے تھے یہاں تک کہ بعض ائمہ نے حدیث نبوی کو مستقل طور پر جمع کرنے کا خیال کیا۔ یہ ۲۰۰ھ کا زمانہ تھا، چنانچہ عبید اللہ بن موسیٰ العجفی الکوفی، مسدد بن سرحد البصری، اسد بن موسیٰ الاموی اور نعیم بن حماد الخزاعی نے ایک ایک مندرجہ ترتیب دی پھر ائمہ نے انھیں کی تقلید کی چنانچہ بہت کم ہی حافظ حدیث ہو سکے جنہوں نے مسانید کی ترتیب نہ دی ہو۔ (۲۸)

یہ تدوین حدیث کا دوسرا دور تھا جس میں حدیث کی تدوین مسانید کے اعتبار سے عمل میں آئی۔ کتب مسانید میں عام طور پر ابواب فقہ کی رعایت نہیں کی جاتی ہے۔ بلکہ یہ کتابیں صحابی کے اعتبار سے ترتیب دی جاتی ہیں، چنانچہ ایک جگہ ایک صحابی سے روایت شدہ تمام حدیثیں ذکر کرتے کے بعد ہی دوسرے صحابی کی روایت شدہ احادیث ذکر کی جاتی ہیں۔ ترتیب میں صحابی کے مرتبہ و مقام کا خیال رکھا جاتا ہے۔

اسی دوسرے مرحلے کی جمع شدہ مسانید میں حضرت امام احمد بن حنبل کی مسند ہے جو ثقہ راویوں سے روایت کردہ حدیثوں کا ایک قیمتی ذخیرہ ہے جو حضرت کا علم حدیث پر گراں قدر علمی کارنامہ ہے، جس کی جمع و تدوین کے لئے آپ نے خدا کی اس وسیع و عریض سر زمین کا چپہ چپہ اور گوشہ گوشہ چھان مارا۔ اس کی راہ میں آپ نے دور دراز مملکت اسلامیہ

تم ہوا تھا تو اس سے کہیں سخت دور کا آغاز اس وقت ہوا جب آپ پر حق کی کرم فرمائیاں شروع ہوئیں۔

امام احمد بن حنبل کی محدثانہ عظمت:۔ حضرت امام احمد بن حنبل یہ بلند پایہ جلیل القدر محدث تھے۔ ابو زرہ کہتے ہیں کہ آپ کو بیاسات لاکھ حدیثیں یاد تھیں اور ایک روایت میں ہے کہ دس لاکھ حدیثیں یاد تھیں (۲۳) آپ کی حدیث دانی پر ائمہ زمانہ کو اعتماد تھا چنانچہ حضرت امام شافعی آپ کے تعلق سے فرماتے ہیں:

”اگر آپ کے پاس کوئی صحیح حدیث پہنچ جایا کرے تو مجھے بھی اس سے باخبر کر دیا کیجیے خواہ وہ کسی تجازی سے پہنچی ہو یا شامی سے یا عراقی سے یا یمنی سے“ (۲۴)

قاضی ابوالحسن محمد بن ابی بعلی البغدادی کہتے ہیں کہ: حضرت امام احمد بن حنبل متفقہ طور پر بلا چون و چرا امام فی الحدیث تھے۔ (۲۵) امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی محدثانہ عظمت کا سب سے بڑا ثمر کار آپ کی مسند ہے جس کا عبوری جائزہ لینے سے قبل مناسب ہوگا کہ تدوین کا ایک مختصر تاریخی پس منظر پیش کر دیا جائے تاکہ علم حدیث آپ کی گراں قدر خدمات کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکے۔

ابتداء امر میں صحابہ کرام کا اس بات میں اختلاف رہا کہ حدیث جمع کی جائیں یا نہیں لیکن پہلی صدی ہجری کے ختم ہوتے ہی باب عقل و تدبر کو یہ بات شدت سے محسوس ہونے لگی کہ سرچشمہ حدیث خشک ہوتا جا رہا ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کیے بعد سے اس روئے زمین سے رخصت ہوتے جا رہے ہیں اس لئے تدوین حدیث کی طرف پہلا قدم بڑھاتے ہوئے حضرت عمر بن عبد العزیز نے قاضی مدینہ ابوبکر بن محمد بن عمر بن حزم کو لکھا کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیثیں جمع کرو! مجھے اندیشہ ہے کہ علماء کوچ کر جائیں اور علم نام و نشان مٹ جائے۔ ابونعیم نے تاریخ اصفہان میں تخریج کی ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے پوری اسلامی سلطنت کے اہل علم کو لکھا کہ رسول اکرم ﷺ کی حدیثیں تلاش کرو اور جمع کرو۔ (۲۶)

یہ ۹۹ھ کی بات ہے جب ذخیرہ حدیث باضابطہ طور سے صفحہ آہٹ پر نہیں بلکہ صحابہ کرام کے سینوں میں محفوظ تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ کسی خلیفۃ المومنین نے تدوین حدیث کا حکم نامہ جاری فرمایا مگر بہت تندر کہ جلد حضرت عمر بن عبد العزیز کا انتقال ہو گیا اور یہ خواب

ردی کی وجہ سے اس کا تختہ پلٹ کر ۱۹۸ھ سے ۲۱۸ھ تک بلا اشتراک غیر خلافت عباسیہ کا بادشاہ رہا۔ اس نے اپنے دور خلافت میں علماء و شعراء کو اپنے والد ہی کی طرح خوب نوازا۔ ارباب فکر و نظر کو قریب کیا جس کے نتیجے میں علم و فن کے ہر شعبے میں قابل قدر پیش رفت ہوئی۔

چونکہ مامون ادیان و مذاہب میں ابو ہذیل علاف کا شاگرد تھا، ابو ہذیل وہ شخص ہے جس کا شمار معتزلہ کے سربراہوں میں ہوتا ہے۔ مامون نے جب افکار و عقائد کی چھان بینک کے لئے مجالس مناظرہ منعقد کیں تو یہ معتزلہ سب سے آگے تھے اور بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے اس لئے کہ یہ لوگ عقلی طور پر مسائل کی بحث میں خصوصیت و امتیاز رکھتے تھے یہی وجہ ہے کہ مامون پر ان لوگوں کا اثر بہت زیادہ ہو گیا انھیں اپنے سے قریب کیا، مناصب و وزارت بھی تفویض کی بلکہ اس جماعت کے ایک فرد ابو عبد اللہ احمد ابی داؤد کو اتنا نوازا کہ اپنے بھائی معتصم کو وصیت کر دی کہ امور مہمہ میں اس کی فکر و رائے کو شریک رکھا کرے۔ چنانچہ وہ اپنی وصیت میں لکھتا ہے: ”ابو عبد اللہ بن ابی داؤد کو اپنے ہر معاملہ میں شریک کار رکھنا“

جب معتزلیوں نے دربار خلافت میں اپنی وال گلتی ہوئی دیکھی تو انھوں نے سوچا کہ اب مامون سے خلق قرآن کے عقیدہ کا اعلان کروادیا جائے چنانچہ یہ بات مامون کے دل میں بیٹھ گئی اور اس نے ۲۱۲ھ میں اس عقیدہ کا اعلان کر دیا اور معتزلیوں نے اسے ان علماء اور محدثین کے خلاف خوب درغایا جو اس فکر کے قائل نہ تھے بالخصوص حضرت امام احمد بن حنبل کے خلاف یہاں تک کہ ان پر گزیدہ ہستیوں پر ظلم و تشدد کے پہاڑ بھی توڑنے سے نہ چو کے۔

مامون اپنی موت سے چند ماہ قبل طرسوس میں رومیوں کے خلاف جہاد کر رہا تھا، معتزلیوں کے اکسانے پر اس نے وہیں سے حاکم بغداد اسحاق بن ابراہیم کو خط لکھا کہ لوگوں کو خلق قرآن کے تعلق سے قائل کراؤ جو انکار کرے اسے ہمارے پاس بھیج دو۔ حاکم بغداد نے حکم پورا کیا اور کچھ علماء کو اس فکر سے رجوع بھی کرایا مگر حضرت امام احمد بن حنبل اور محمد بن نوح نے صبر و ثبات سے کام لیا اور اعتراضی فکر کے سامنے گھٹنے ٹیکنے سے صاف انکار کر دیا جس کے پاداش میں ان دونوں کو بیڑیوں میں ڈال کر طرسوس روانہ کر دیا گیا مگر ابھی یہ لوگ راستے ہی میں تھے کہ مامون اس دنیا سے چل بسا اور ان لوگوں کو بغداد واپس بھیج دیا گیا۔

مامون کے بعد اس کا بھائی تخت نشین ہوا۔ یہ علم سے کورا اور تلوار کا

دشمن تھا۔ مجاہدانہ صفت کا حامل جنکی مزاج بادشاہ تھا۔ اسی کے غمور یہ اور ترکی کے بیشتر علاقے فتح ہوئے۔ معتصم کے اس فائدہ اٹھاتے ہوئے معتزلیوں نے اسے منکرین خلق قرآن کے تشدد برتنے پر اکسایا۔ چنانچہ اس نے معتزلیوں کے حریفوں پر خوب ڈھایا۔ بالخصوص امام احمد بن حنبل جو معتزلیوں کے سب سے حریف تھے، آپ کو قید و بند کی صعوبتیں جھیلی پڑیں، آپ پر کڑے برسائے گئے، جسم سے خون رس کر رہ نکلتا۔ آپ پر بیہوشی طاری ہوئی تو آپ کو تلوار کی نوک سے جگایا جاتا، پھر کوڑے کی برسات کی جاتی آپ کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی، آپ نے کسی بھی حال میں قرآن کا قول نہ کیا۔ صبر و عزم کا پہاڑ بن کر باطل کا مقابلہ کرتے رہے یہاں تک کہ ظلم بارگیا اور مظلوم کی فتح ہو گئی۔ ۲۲۷ھ میں معتصم کا انتقال ہو گیا اور اس کے لڑکے واثق باللہ نے حکومت کی باگ دوڑ سنبھالی۔

کارویہ حضرت امام احمد بن حنبل کے ساتھ گرچہ اپنے والد کی طرف سے سفاکانہ نہ رہا اور اس نے آپ کو جسمانی اذیت دینے سے گریز کیا۔ اس نے آپ کو لوگوں میں گھٹنے ملنے سے منع کر دیا اور امام صاحب نے یہ حکم صادر کر دیا کہ: ”تمہارے پاس کسی کو ملنے اور آنے کی اجازت نہیں ہے اور نہ تم اس شہر میں اقامت اختیار کرو جہاں میرا قیام ہو۔“ اس حکم کے بعد امام صاحب اپنے گھر میں محصور ہو گئے حتیٰ کہ وغیرہ کے لیے بھی گھر سے باہر نہیں نکلتے تھے۔ آپ کا دور ابتلا و آزار یوں ہی گزرتا رہا یہاں تک کہ ۲۳۲ھ میں واثق کا بھی انتقال ہو گیا اور متوکل باللہ نے زمام اقتدار سنبھالا۔ اسی کے ساتھ معتزلیوں کا سونا ڈھلنے لگا اور احیاء سنت کا دور شروع ہوا۔ (۲۲)

جس طرح سونا دھکتے انگاروں پر جلنے کے بعد نکھر جاتا ہے اسی طرح حضرت امام کی شخصیت اس آزمائش سے گزرنے کے بعد سونا ہوئی۔ معتزلیوں کے ظلم و تشدد اور حضرت امام احمد بن حنبل کے صبر و استقامت نے جہاں ایک طرف معتزلی تحریک کو موت کے گھاٹ اتار دیا وہیں لوگوں کو ظلم کے سائے میں جرأت مندی کے ساتھ جینے کا حوصلہ عطا کیا اور امام کی فکر کو بقا و خلود بخش دیا۔ شرق و غرب میں آپ کی مقبولیت میں بے تحاشہ اضافہ ہو گیا، علی الاطلاق آپ کو اس زمانے کی سب سے بڑی شخصیت تسلیم کر لیا گیا، مگر ہمارے امام کو یہ سب اس نہ آیا بلکہ خشیت و تقویٰ میں مزید اضافہ ہو گیا اور آپ کی نظر میں اگر آزمائش کا ایک

محدثین کی فہرست میں شمار کیا۔

حضرت امام احمد بن حنبل کی شان فقہ اور مقام اجتہاد

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ پر احادیث و آثار کا ایسا ذخیرہ بعض حضرات آپ کو فقہاء میں شمار نہیں کرتے بلکہ آپ کو صرف محدث کی فہرست میں رکھتے ہیں جیسا کہ ابن جریر طبری نے آپ کا منجملہ فقہی مذاہب میں شمار نہیں کرایا ہے بلکہ وہ آپ کے تعلق سے ہیں کہ (إنما هو رجل حديث لا رجل فقه) ”وہ حدیث تھے صاحب فقہ نہیں تھے“ اسی طرح مقدسی نے بھی آپ میں نہ شمار کر کے محدثین کی فہرست میں رکھا ہے، اسی طرح ابن حجر اپنی کتاب ”المعارف“ میں اور ابن عبد البر نے اپنی کتاب ”میں جہاں ائمہ ثلاثہ ابوحنیفہ، مالک اور امام شافعی کا تذکرہ کیا ہے احمد بن حنبل کو نہیں شمار کیا ہے۔ (۳۳)

مگر حقیقت یہ ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبل جہاں امام پایہ محدث تھے وہیں ایک جلیل القدر، صاحب مذہب، بڑے عظیم الشان مجتہد بھی تھے۔ حضرت امام شافعی فرماتے ہیں: ”حضرت امام احمد بن حنبل دس چیزوں میں امام زمانہ حدیث و فقہ، لغت و قرآن، فقر و زہد، تقویٰ و پرہیزگاری اور سنت پیغمبر ﷺ“ (۳۴)

اور حضرت ابو عبید القاسم بن سلام (م: ۲۲۲ھ) کہتے ہیں ”علم چار شخصیتوں پر ختم ہو جاتا ہے: احمد بن حنبل، المدینی، یحییٰ بن معین اور بکر بن ابی شیبہ مگر احمد بن حنبل ان میں سے بڑے فقیہ تھے“ (۳۵) بلکہ بعض حضرات نے تو حضرت احمد بن حنبل کو سفیان ثوری سے اعلم و اشد بتایا ہے۔ جیسا کہ ابو ثور نے کہا: ”أحمد بن حنبل أعلم من الثوري وأفقه“ (۳۶) حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے پایہ علم اور فقہی کے بارے میں عبد الوہاب الوراق سے علمی روایت کرتے ہیں رأیت مثل أحمد بن حنبل، فقالوا له وأي شيء بار من فضله، فقال: رجل مثل عن ستين ألف مسألة فأجاب فيها: وحديثنا وأخبارنا“ (۳۷)

”میں نے احمد بن حنبل کا مثل کوئی اور شخص نہیں دیکھا ہے“ نے پوچھا کہ وہ کون سی چیز ہے جس کی بنا پر آپ امام احمد

کے سفر کی صعوبتیں برداشت کیں۔ آپ کا یہ بیش بہا علمی سرمایہ آپ کی پوری حیات طیبہ کی علمی تگ و دو کا نتیجہ ہے۔ اس کی جمع و تدوین کا کام آپ نے ۱۸۰ھ میں شروع کیا جو تاحیات جاری رہا، چنانچہ اس کتاب کی جمع و تدوین کے تعلق سے حضرت شمس الدین جزری فرماتے ہیں:

”امام احمد نے مسند کی جمع و تدوین کا کام شروع کیا، اسے الگ الگ ورقوں میں لکھا، پھر اسے جدا جدا اجزاء میں تقسیم کیا، یہاں تک کہ اس نے ایک مسودہ کی صورت اختیار کر لی، مگر قبل اس کے کہ آرزو پوری ہو پیام اجل آپ پہنچا تو اسے اپنی اولاد اور اہل بیت کو اسے پہلی فرصت میں سناؤالا اور قبل اس کے کہ اس کی تہذیب و تنقیح اتمام تک پہنچتی وہ اس دنیا سے رخصت کر گئے اور مسودہ جوں کا توں قائم رہا، پھر ان کے صاحبزادے عبد اللہ نے ان روایات کے مشابہ اور مماثل مسوعات اس میں شامل کر دیے“ (۳۹)

ان سطروں سے صاف ظاہر ہے کہ مسند کی ترتیب حضرت امام احمد بن حنبل نے نہیں دی ہے بلکہ آپ کا کارنامہ جمع و تدوین کا ہے اور آپ کے صاحبزادے نے مساند کے اعتبار سے خاص ترتیب دی۔

بہر حال اس کتاب کی ترتیب میں گرچہ آپ کے صاحبزادے اور ان کے ایک شاگرد کا بھی کارنامہ رہا ہے تاہم یہ کتاب آپ ہی کی محنتوں اور کاوشوں کا ثمرہ ہے، جسے جمع فرما کر آپ نے امت پر احسان عظیم کیا ہے۔ آپ کے صاحبزادے کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ آپ کتابیں مرتب کرنے سے کیوں منع کرتے ہیں حالانکہ آپ نے خود بھی مسند لکھی ہے؟ جواب میں آپ نے فرمایا: یہ کتاب میں نے لوگوں کی رہنمائی کے لئے لکھی ہے جب سنت رسول اللہ ﷺ کے سلسلے میں لوگوں کے درمیان اختلافات رونما ہوں گے تو لوگ اس کی طرف رجوع کریں گے۔ (۳۲)

مسند کے علاوہ حدیث کے موضوع پر آپ کی اور بھی تصنیفات ہیں جن کا تذکرہ ہم پہلے کر چکے ہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ کی جتنی بھی تصنیفات ہیں خواہ وہ کسی بھی موضوع پر ہوں سب کو مجموعہ احادیث تصور کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ آپ نے اپنی ہر تحریر و تقریر میں اپنا صحیح نظر حدیث و خبر ہی کو بنایا ہے۔ اس لئے آپ کی ہر تحریر سے آپ کی محدثانہ عظمت بالکل عیاں ہے جس کی شہادت میں کچھ کہنا سورج کو چراغ دکھانے کے مانند ہوگا۔ آپ کی علمی شخصیت میں یہ اتنا ابھرا ہوا پہلو تھا کہ بعض لوگوں نے آپ کے فقہی پہلو کو نظر انداز کر کے آپ کو صرف

عرصہ گزارا ہے اور شریعت کے مصدر و ماخذ کا قاعدے سے پہچانا ہے۔
جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کے تعلق سے مروی ہے کہ آپ
سے ایک بار اس عورت کے تعلق سے سوال کیا گیا جس کا شوہر مر گیا ہو اور
مہر متعین نہ ہو تو آپ نے جواب دینے سے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا کہ ہم
نے رسول اللہ ﷺ کو اس مسئلہ میں فیصلہ صادر فرماتے ہوئے نہیں
پایا ہے، مگر جب لوگوں نے اصرار کیا تو آپ نے اپنی اجتہادی رائے سے
یہ فتویٰ صادر فرما دیا کہ ایسی عورت کی مہر بلا کسی کی اور زیادتی کے مہر مثل
ہوگی، اسے عدت بھی گزارنی پڑے گی اور وہ وراثت کا بھی حقدار ہوگی، اس
پر حضرت معقل بن یسار کھڑے ہوئے اور شہادت دیتے ہوئے فرمایا کہ
میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسی عورت کے حق میں اسی طرح کا فیصلہ صادر
فرماتے ہوئے سنا ہے۔ یہ سن کر حضرت عبداللہ بن مسعود اتنا خوش ہو گئے
کہ اتنی خوشی انہیں اسلام لانے کے بعد بھی نہیں ہوئی تھی۔ (۴۰)

پھر صحابہ کے بعد تابعین کرام کا دور آیا جس کا افق پہلے دور سے
کھیں وسیع تھا، اس زمانے کے مسائل پہلے سے کہیں زیادہ پیچیدہ اور
نت نئے تھے۔ اس لئے جہاں تابعین کرام کے لئے قرآن و حدیث
کے علاوہ صحابہ کے فتاوے قابل تقلید نمونہ بنے وہیں اجتہاد سے چھٹکارا
نہ مل سکا بلکہ زمانے کی نزاکت کے پیش نظر اجتہاد کا دروازہ وسیع ہو گیا۔
اسے اجتہاد و تقلید کا دوسرا دور اور مانا جاسکتا ہے۔

تابعین کے زمانے میں مسائل اور بڑھ گئے، جغرافیہ اسلام کا
نقشہ بدلتے لگا، حدود میں وسعت ہونے لگی، اسلام میں نئی نئی قوموں کے
دخول اور نئے نئے امور کے اندراج نے علمائے امت اور اساطین اسلام کو
اجتہاد پر مجبور کر دیا، پھر اجتہاد و تقلید کا یہ سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ اسلام
میں چار مستقل مذاہب رونما ہوئے جن میں اجتہاد و تقلید کے عناصر بالکل
عمیاں تھے۔ چنانچہ ہر امام کسی نہ کسی کا جزوی طور پر ہی صحیح مقلد رہا ہے مثلاً
فقہائے عراق حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت علی بن ابی طالب کے
خطوط کے مقلد رہے ہیں جیسا کہ امام اعظم کی فقہ سے عمیاں ہے اور اسی
طرح فقہائے مدینہ حضرت عبداللہ بن عباس وغیرہ کی فقہ و اجتہاد کے مقلد
رہے ہیں جیسا کہ حضرت امام مالک کی فقہ کے اوراق شاہد ہیں۔

غرض یہ کہ ائمہ اربعہ کے اجتہادات بدعت نہیں بلکہ سنت صحابہ اور
نزاکت زمانہ کی فطری ضرورت کے عکاس تھے۔ ان اماموں کی تقلید
اسلام میں کوئی نئی چیز نہیں تھی بلکہ صحابہ کرام نبی کریم ﷺ کے براہ

کا یوں اعتراف کرتے ہیں، جواب دیا کہ وہ ایسا شخص تھے جن سے
ساتھ ہزار مسائل پوچھے گئے اور ان کا جواب ”حدثاً“ اور ”اخباراً“ کہہ
کر دیا۔ یعنی حدیث و خبر کی روشنی میں دیا۔

مگر آپ کی شان فقہ اور مقام اجتہاد کا تفصیلی جائزہ لینے سے قبل
مناسب ہوگا کہ اسلام میں فقہ و اجتہاد کا سرسری جائزہ پیش کر دیا جائے۔

نبی کریم ﷺ کی ظاہری حیات طیبہ سے انتقال فرما جانے کے
بعد امت مسلمہ کو قرآن اور آپ کے اقوال و افعال طے، جنہیں صحابہ
کرام نے دیکھا اور اس پر عمل کیا، تقلید کی یہ خشت اول تھی، مگر جیسے جیسے
بائزۃ اسلام بڑھتا گیا اور نئے نئے مسائل پیش آئے، صحابہ نے قرآن
و حدیث کے علاوہ اجتہاد سے کام لیا، یہ فطری ضرورت تھی اس سے
حذر اغیر ممکن تھا۔ یہ اجتہاد کا پہلا دور تھا۔

ابن قیم اپنی کتاب ”اعلام الموقعین“ میں کہتے ہیں:

”کان أصحاب رسول اللہ ﷺ یحذون فی
النوازل ویقیسون بعض الأحکام علی بعض ویعتبرون
لطیر بنظیرہ“ (۳۸)

”رسول اکرم ﷺ کے صحابہ نے پیش آنے والے مسائل میں
اجتہاد فرماتے تھے اور بعض احکام کو بعض پر قیاس کرتے تھے اور ایک نظیر
سے دوسری نظیر قائم کرتے تھے۔“

احمد ابن صحابہ کرام کی شان اجتہاد کے تعلق سے لکھتے ہیں:

”و ظہر بعد ذلک مصدر آخر وهو أن كبار الصحابة
و علمائهم كانت تعرض عليهم بعض الأحداث فمن لم
يعرفوا فيها نصاً من كتاب ولا حديث، فيجتهد بوايه،
و يقول فيها قولاً، و كان هذا القول فيما بعد يعد مستنداً من
مستندات التشريع لأنه صدر عن صحابي كبير عاشر النبي
حتى زماناً طويلاً و عرف مناحي الشريعة و مجراها“ (۳۹)

”زمانہ رسالت کے بعد قرآن و حدیث کے علاوہ شریعت کا ایک
مصدر ماخذ معرض وجود میں آیا اور یہ تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں
سے بڑے علماء کے سامنے نئے مسائل پیش کیے جاتے تو جس کے سلسلے میں
وئی نص نہ ملتی تو صحابہ اپنی رائے سے اجتہاد فرماتے۔ جو بعد میں شریعت
کے ماخذ میں سے ایک ماخذ شمار کیا جاتا کیوں کہ یہ حکم کسی ایسے بڑے صحابی
سے صادر ہوا ہوتا جس نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ اپنی زندگی کا ایک

راست مقلد تھے، پھر تابعین کرام نے صحابہ کے اجتہادی فتوؤں میں ان کی تقلید کی، کیوں کہ صحابہ، رسول اکرم ﷺ کی تعبیر میں مثل نجوم ہیں۔ ان میں سے کسی کی بھی اقتدا کی جائے منزل مقصود ہی ملے گا۔ پھر اسی طرح تبع تابعین نے تابعین کی اقتدا یہاں تک کہ ائمہ اربعہ کے مستقل مذاہب معرض وجود میں آئے، مگر خیر القرون قرنی ثم الذی یلیہ کے تناظر میں دائرہ اجتہاد مستثنا گیا اور تقلید کے دروازے ہر کسی کے لئے واہوتے گئے تاکہ نظام اسلام درہم برہم نہ ہو۔

اسی تقلید فطری کے مذاہب اربعہ میں سے چوتھا اور آخری مذہب حضرت امام احمد بن حنبل کا ہے جس کا ایک خاص مزاج ہے اور خاص رنگ۔ امام احمد بن حنبل کے پانچ فقہی اصول بیان کی ہیں جو بقول علامہ ابوزہرہ چار ہیں اور وہ یہ ہیں: قرآن و سنت، صحابہ کے فتاویٰ اور قیاس۔ اس کے علاوہ بھی امام کی طرف بعض اصول منسوب کئے جاتے ہیں، وہ یہ ہیں: استحباب، مصالح مرسلہ اور سد ذرائع۔ لیکن ہم یہاں آپ کی قیاس کا تذکرہ کرتے ہیں تاکہ آپ کی شان اجتہاد کا پہلو واضح ہو جائے اور ان لوگوں کی تردید بھی ہو جائے جو یہ کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل قیاس سے کام نہیں لیتے تھے بلکہ آپ کا اعتماد صرف احادیث و اخبار پر تھا۔ گویا قیاس دین میں کوئی بدعت ہے جو امام کی سلفیت کے خلاف ہے جب کہ قیاس زمانہ صحابہ ہی سے اسلام کے اہم اصول استنباط میں سے شمار کیا گیا ہے۔ جیسا کہ حضرت امام شافعی کے شاگرد علامہ مرنی کہتے ہیں:

"الْفَقْهَاءُ مِنْ عَصْرِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَلِيَّ يَوْمَنَا اسْتَعْمَلُوا الْمَقْيَاسَ فِي الْفَقْهِ فِي جَمِيعِ الْأَحْكَامِ فِي أَمْرٍ دِيْنِهِمْ وَاجْتَمَعُوا بِأَنْظِيرِ الْحَقِّ حَقٍّ وَنَظِيرِ الْبَاطِلِ بِأَطْلٍ فَلَا يَجُوزُ لَاحِدٍ انْكَارُ الْقِيَاسِ لِأَنَّهُ التَّشْبِيهُ بِالْأَمْوَرِ وَالتَّمْثِيلُ عَلَيْهَا." (۴۱)

روى الخلال عن أحمد: سألته الشافعي عن القياس فقال: "إنما يصار إليه عند الضرورة أو هذا معناه" (۴۲)

"خلال کی روایت حضرت امام احمد سے کہ انھوں نے حضرت امام شافعی سے قیاس کے تعلق سے پوچھا تو حضرت امام شافعی نے فرمایا:

"ضرورت کے وقت اس سے کام لیا جاسکتا ہے"

جیسا کہ اس سے پہلے گزرا کہ ابن قیم امام کے اصول استنباط میں قیاس کا تذکرہ کرتے ہیں بلکہ یہی تمام حنا بلکہ موقف ہے کہ امام نے

ضرورت کے وقت قیاس سے کام لیا ہے جیسا کہ ابوزہرہ لکھتے ہیں:

"تمام حنا بلکہ اس بات پر اتفاق ہے کہ آپ قیاس فرماتے اس بات کی تائید میں آپ سے منقول عبارت اور فروغ پیش کرتے ہیں جن سے طریقہ استنباط کی طرف صاف اشارہ ہوتا ہے کہ آپ قیاس میں نہیں تھے بلکہ آپ متعین میں تھے" (۴۳)

ابوزہرہ مزید لکھتے ہیں: "آثار و خبر کی روشنی میں وہ جواب دیتے کبھی کبھی رائے اور قیاس سے بھی کام لیتے تھے لیکن قیاس آثار اخبار کا پر تو ہوتا تھا۔" (۴۴)

البتہ یہ بھی حقیقت ہے کہ امام بن حنبل کے یہاں قیاس بہت محتاط مقدار میں ہے۔ ضرورت قصویٰ کے وقت ہی قیاس کا کھکاٹھایا گیا ہے، آپ کی بیشتر فقہی نصوص اور فتاویٰ صحابہ سے ہیں۔ ابوزہرہ امام کی فقہ کے اوصاف کچھ یوں بیان کرتے ہیں:

"امام احمد کے فتاویٰ احادیث و اخبار اور سلف صالح کے پر مبنی تھے۔ اس سلسلے میں ان کا علم بہت وسیع تھا اور آپ کے روایت کا ذخیرہ تھا، وہ قول رسول ﷺ اور صحابہ کرام کے فتاویٰ دیا کرتے تھے۔ فتویٰ اس قول پر دیتے تھے جو مختلف فیہ نہ ہو، مختلف ہونے کی صورت میں کسی ایک قول کو اختیار کر لیتے تھے اور اگر ترجیح کوئی وجہ نہ دیکھتے تھے تو زیر بحث مسئلے میں دونوں کے قول مان لیتے تھے۔ اگر انہیں کسی صحابی کا فتویٰ نہ ملتا تو پھر وہ کسی تابعی کی رائے اختیار کر لیتے، یہ بھی ممکن نہ ہوتا تو پھر کسی ایسے فقیہ کا قول قبول کر لیتے جو حدیث میں مشہور ہوتا۔ جیسے امام مالک اور امام اوزاعی وغیرہ حالانکہ مسائل فقہیہ میں مقلد نہیں بلکہ مجتہد تھے، ان کے اجتہادی مسائل کم بہت زیادہ ہیں، اگرچہ آپ کی کوشش ہوتی تھی کہ آپ کی رائے کسی کی رائے سے بہر حال مطابقت رکھتی ہو اس لئے کہ وہ دینی معاملہ میں نہ نئی راہ پسند کرتے تھے اور نہ ہی ندرت و اغراب کو صحابہ سے تاثر کی بنیاد پر اپنا طریقہ کار بناتے تھے۔" (۴۵)

یہ تھا آپ کے فتویٰ دینے کا انداز اور قیاس کے تعلق سے آپ محتاط موقف، مگر اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ آپ قیاس سے بے نیاز تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو حنا بلکہ کی کتابوں میں قیاس کے انبار نہ ملتے۔ زہرہ فقہ حنبلی میں قیاس کے وجود کے تعلق سے رقم طراز ہیں:

"امام احمد کے قیاس سے کام لینے کی وجہ سے فقہ حنبلی میں قیاس

کی وہیں ایک مغالطہ کی بنیاد ڈال دی اور ابن تیمیہ کو امام احمد کا شاگرد کہہ ڈالا جو قطعاً درست نہیں ہے۔ ہاں اگر ہم مجاز بعید کا سہارا لیں تو بالواسطہ ان کو امام صاحب کا شاگرد گردانا جاسکتا ہے مگر اس تکلف کی اس شخص کے حق میں کیا ضرورت جس نے مجاز کا ہی انکار کیا ہو؟

مصر کے ایک مشہور قلم کار ڈاکٹر شوقی ضیف نے بھی دانستہ یا نا دانستہ طور پر عصر حاضر کے ”وہابیوں“ کو حنبلی المذہب بتایا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ: (غیر أن مذهبه لم يسكن له الانتشار كما كتب للمذاهب الثلاثة السالفة، وإن كان قد ازدهر حديثاً بين الوهابيين) (۳۸)۔ مگر امام احمد بن حنبل کا مذہب سابقہ تین مذاہب کی طرح رواج نہ پاسکا مگرچہ عصر حاضر میں وہابیوں کے مابین اس مذہب کی ترقی ہوئی۔

ان تحریروں کے پس منظر میں وہابیوں کا وہ شور شامل ہے جس کا راگ وہ لاپتہ رہتے ہیں اور ایک طرف تو اپنے حنبلی کا دعویٰ کرتے ہیں تو دوسری طرف تقلید اور دوسری ضروریات دین کا بھی مذاق اڑاتے ہیں۔ درحقیقت یہی مزاج متضاد غالی سلفیت کے فکری اضطراب کا عکاس ہے۔ اب ہم پیش کرتے ہیں امام کی چند ایسی فکریں جن سے خود بخود وہابیت کے حنبلی بنانے والے ان سے بیزار دکھائی دیتی ہے۔

امام احمد بن حنبل کی نظر میں تقلید کا مقام:- ابن قیم نے اعلام الموقعین میں حضرت امام احمد بن حنبل کے تعلق سے لکھا ہے:

(وقال الإمام أحمد لبعض أصحابه: إياك أن تتكلم في مسألة ليس لك فيه إمام) (۳۹)

”حضرت امام احمد نے اپنے بعض شاگرد سے کہا: خبردار کسی ایسے مسئلے میں کلام مت کر جو جس میں تمہارا کوئی امام نہ ہو۔“

علاوہ ازیں صحابہ کرام اور تابعین عظام کے فتاوے کے تعلق سے آپ کا پر عزم اور مضبوط موقف تقلید کے لئے زین دلیل ہے کہ آپ اس وقت تک اجتہاد اور قیاس سے کام نہیں لیتے تھے جب تک کہ آپ کے سامنے نصوص یا صحابہ اور تابعین کے فتاوے موجود رہتے بلکہ آپ ایسی صورت میں صحابہ اور تابعین یا کسی بڑے امام کے مقلد ہوتے۔ ہاں جب یہ سب کچھ آپ کا ساتھ چھوڑ دیتے تب آپ اجتہادی راے قائم فرماتے جس سے جہاں یہ واضح ہوتا کہ آپ ایک بہت بڑے مجتہد صاحب مذہب فقیہ تھے وہیں آپ کے سلوک و عمل سے تقلید کا بھی ثبوت

کا مقام حاصل ہے بلکہ حنبلی فقہاء امام احمد سے زیادہ قیاس سے کام لے کے عادی رہے ہیں اور یہ بات یہ ہے کہ اس بات پر انہیں زمانہ کی حدیث نے مجبور کر دیا لوگوں کے حادثات اور مسائل جیسے جیسے نئے نئے شکل اختیار کرتے گئے فقہائے حنابلہ اس بات پر مجبور ہوتے رہے کہ قیاس سے قیاس کریں اور فتویٰ دیں۔ وہ مجبور ہوئے کہ اپنے امام کے اقوال سے تخریج کریں اور یہ کام بغیر قیاس کے ممکن نہ تھا۔ وہ اسی طریقہ پر چلے، انھوں نے اجتہاد کیا بھی اور استنباط سے کام لیا اور اجتہاد بالرائی کی دوسری صورتوں سے بھی مثلاً اصحاب، علمائے مرسلہ اور احسان وغیرہ۔ ہم دیکھتے ہیں کہ علمائے حنابلہ اصول فقہ کے مسئلے میں متعدد بلند پایہ اور مفید کتابیں لکھی ہیں، ان میں علی بن محمد بن ابی بکر بغدادی ہیں ۵۱۳ھ، ابویعلیٰ محمد بن الحسین الفراء ۴۵۸ھ، حنبل بن محفوظ بن احمد بن الحسین البغدادی ۶۹۵ھ اور ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد ابن قیم خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان لوگوں نے اصول فقہ کی کتابیں لکھیں۔ اس علم کے قواعد مرتب کرنے اور ان کی توضیح و تشریح نے میں کافی جدوجہد کی اور قیاس پر خصوصیت کے ساتھ قلم اٹھایا اور ابن تیمیہ اور ابن قیم نے فقہ اسلامی کی اس شاخ قیاس پر بہت زیادہ تکیہ اور تکیہ کے ساتھ بحث کی ہے۔ (۴۰)

امام احمد بن حنبل کی فکر سے وہابیت کے انتساب کا شاخسانہ:- عجیب یہ تماشا ہے کہ آج کی غالی سلفیت اپنا قبیح چہرہ چھپانے کے لئے امام احمد بن حنبل کی اس چادر معطر کا سہارا لیتی ہے جس کے ہر ہر وہاگے سے محبت اسلام اور تقلید و اجتہاد کی خوشبو پھوٹتی ہے۔ تاریخی حقائق اور ان کی فردوق کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے جعلیت کا ڈھنڈھوڑا کرتے ہیں کہ حالانکہ اللہ شاہد ہے کہ غالی سلفیت اور امام احمد سے موروثی مسائل و افکار میں زمین و آسمان کا بھی رشتہ نہیں ہے، مگر سر چھپانے کے نام از کم آسمان چاہئے۔ ملاحظہ کیجئے مستشرق لاؤسٹ لکھتا ہے:

”آپ (امام احمد بن حنبل) اہل سنت کے چار مذاہب میں سے حنبلی کے بانی ہیں، اور اپنے شاگرد ابن تیمیہ کے ذریعے وہابیت۔ سہرٹ اعلیٰ اور کسی حد تک سلفیہ کی قدامت پسند تحریک کے بھی بانی ہیں۔“ (۴۱)

اس تحریر میں لاؤسٹ نے اپنا ”استمراری تیور“ دکھاتے ہوئے ”وہابیت“ کی کڑی کو امام کی ذات سے جوڑنے کی بے جا کوشش

ہوتا ہے۔ سالم عقل چھاپے سالم فکر کے لئے!

امام احمد کی نظر میں تہکات کا مقام: - عام طور پر غالی سلفیت تہکات کی توہین میں پیش پیش رہتی ہے۔ بزرگوں کے آثار و اسلاف کی تعظیم سے اس جماعت کو ہمیشہ شرک ہی کی بو آتی ہے۔ ایسی نشانیاں کو منانا اور ان کے خلاف جنگی بیاناں پر تحریک چھیڑنا جن سے بزرگوں کی محبت کی خوشبو پھوٹے، اس جماعت کا اولین مقصد اور جہاد فی سبیل اللہ ہوتا ہے، مگر آئیے دیکھیں تہکات کے تعلق سے اس ذات کا کیا موقف ہے جس کی طرف یہ جماعت اپنے آپ کو منسوب کرتی ہے۔

مروی ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو آزمائش کے دنوں میں خلیفہ کے حکم سے عکملی کے پاس لے جا کر کھڑا کیا گیا۔ جلادوں نے آگے بڑھ کر ان کا کرتہ اتار لیا، اس میں ایک طرف ایک گرہ میں کوئی چیز بندھی تھی، ان سے پوچھا اس گرہ میں کیا ہے، انھوں نے جواب دیا: اس میں میری زندگی کا سب سے قیمتی سرمایہ ہے، اس میں رسول اللہ ﷺ کے مبارک بال ہیں جو ابن القفل بن ربیع نے مجھے بطور عطیہ دیے تھے۔ (۵۰)

بھان اللہ! چہ نسبت خاک را با عالم پاک! یہ ہے ستودہ صفات ہستی جس کی نبی کریم ﷺ سے محبت کا عالم یہ تھا اور آج کا حنبلی جسے اسی ذات گرامی ﷺ کے روئے کی زیارت میں شرک نظر آیا تو کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی کذب و افتراء ہے؟ (فلیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون) **ماخذ و مراجع**

(۱) دیکھئے: تاریخ الحلفاء للسیوطی، ص: ۲۰۱ طبع مصر

(۲) ضحی الاسلام، ۱۹/۲

(۳) البدایہ والنہایہ: ابن کثیر، ۱۰/۱۰۷ طبع مصر

(۴) طبقات ابن ابی شیبہ: محمد بن ابی یوسف البغدادی، ۸/۱

(۵) دیکھئے: ابو زہرہ کی کتاب "ابن حنبل" - حیاتہ وعصرہ، آراءہ وفقہہ

ص: ۲۶-۲۵

(۶) دیکھئے: البدایہ والنہایہ، ۱۰/۳۳۵-۳۳۷

(۷) دائرۃ معارف اسلامیہ (اردو)، ۲/۲۲

(۸) دیکھئے: دائرۃ معارف اسلامیہ (اردو)، ۲/۲۳

(۹) دیکھئے: البدایہ والنہایہ، ۱۰/۳۲۰-۳۲۳

(۱۰) دائرۃ معارف اسلامیہ (اردو)، ۲/۲۲

(۱۱) دیکھئے: البدایہ والنہایہ، ۱۰/۳۱۸

(۱۲) دائرۃ معارف اسلامیہ (اردو)، ۲/۲۲

(۱۳) ابن حنبل: ابو زہرہ، ص: ۳۵-۳۶

(۱۴) ابن حنبل: ابو زہرہ، ص: ۱۶۸

(۱۵) دیکھئے: تحریک اعتزال کی تفصیل، ظہر الاسلام: احمد امین، طبع مصر

(۱۶) دیکھئے: داستان عزیمت: البدایہ والنہایہ: ابن کثیر، ۱۰/۳۳۵

(۱۷) ملاحظہ کریں: ابن حنبل: ابو زہرہ، ص: ۳۳-۲۸

(۱۸) طبقات حنابلہ، ۱۰۱

(۱۹) البدایہ والنہایہ، ۱۰/۳۱۸

(۲۰) طبقات حنابلہ، ۱۰۱

(۲۱) دیکھئے: ضحی الاسلام: احمد امین، ۱۰۶/۲

(۲۲) دیکھئے: ضحی الاسلام: احمد امین، ۱۰۷/۲

(۲۳) دیکھئے: ضحی الاسلام: احمد امین، ۱۰۸/۲، ۱۰۹

(۲۴) ابن حنبل: ابو زہرہ، ص: ۱۰۹

(۲۵) ابن حنبل، ص: ۱۵۹

(۲۶) ضحی الاسلام، ۲/۳۳۵

(۲۷) طبقات حنابلہ، ۱/۱۰۱

(۲۸) طبقات حنابلہ، ۱۲/۱

(۲۹) طبقات حنابلہ، ۱۵/۱۶-۱۷

(۳۰) ابن حنبل: مجملہ ابو زہرہ، ص: ۱۹۹

(۳۱) ابن حنبل: مجملہ ابو زہرہ، ص: ۲۷۳

(۳۲) ضحی الاسلام: احمد امین

(۳۳) ضحی الاسلام، ۲/۱۵۷، ۱۵۸

(۳۴) ضحی الاسلام، ۲/۱۵۸

(۳۵) ابن حنبل: ابو زہرہ، ص: ۲۷۳

(۳۶) ابن حنبل، ص: ۲۷۳

(۳۷) ابن حنبل، ص: ۲۷۳

(۳۸) ابن حنبل، ص: ۲۰۱

(۳۹) ابن حنبل، ص: ۱۹۹-۲۰۰

(۴۰) ابن حنبل، ص: ۲۷۳-۲۷۴

(۴۱) دیکھئے: دائرۃ معارف اسلامیہ اردو، ۲/۲۳

(۴۲) تاریخ الادب العربی - العصر العباسی الاول: شوقی ضیف، ص: ۱۳۳

(۴۳) دیکھئے: ابن حنبل لابن زہرہ، ص: ۲۰۱

(۴۴) دیکھئے: البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، ۱۰/۳۲۸، ۳۲۷

باب

۴

تحقیق و تنقید

- | | | |
|----------------------------------|-------|--|
| مولانا مظفر الاسلام ازہری | _____ | امام اعظم کے مخالفین اور ان کے الزامات کا تحقیقی جائزہ |
| مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری | _____ | امام اعظم اور عمل بالحدیث |
| ڈاکٹر سید علیم اشرف جاسنی | _____ | شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا نظریہ تقلید و اجتہاد |
| مولانا گوثر امام قادری | _____ | ائمہ حدیث اور تقلید |
| مولانا رفعت رضا قوری | _____ | علمائے تفسیر اور تقلید |
| مسانید امام اعظم | _____ | مولانا دلشاد احمد قادری |
| مولانا ملک الظفر سہمراہی | _____ | امام اعظم کے مخالفین کے الزامات پر ایک نظر |

تاج الفحول اکیڈمی بدایوں کی فخریہ پیش کش

مسئلہ توسل واستعانت کی تحقیق

احقاق حق

تصنیف لطیف: سیف اللہ المسلمول سیدنا شاہ فضل رسول قادری بدایونی قدس سرہ (متوفی ۱۲۸۹ھ)

ترجمہ، تخریج، تحقیق: تبیرہ مصنف مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری بدایونی

صفحات ۱۵۵ قیمت = ۶۰ روپے

تقسیم کار: مکتبہ جام نور، ۴۲۲ میاں محل، جامع مسجد، دہلی

تاج الفحول اکیڈمی کی دیگر مطبوعات

اختلاف علی و معاویہ

تصنیف لطیف: حضرت تاج الفحول محبت رسول مولانا شاہ عبدالقادر قادری بدایونی قدس سرہ

دیوان تاج الفحول

حضرت تاج الفحول کی عقیدت و محبت میں ڈوبی ہوئی نعت و مناقب کا مجموعہ

معراج تخیل

حضرت مولانا شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری (زیب سجادہ آستانہ قادریہ) کا مجموعہ کلام

چراغ انیس

حضرت تاج الفحول محبت رسول مولانا شاہ عبدالقادر قادری بدایونی قدس سرہ کی بارگاہ میں

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی قدس سرہ کا خراج عقیدت

تاج الفحول اکیڈمی کی عنقریب منظر عام پر آنے والی دیگر علمی و تحقیقی مطبوعات

تصنیفات: مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری (فاضل ازہر)

حدیث افتراق امت: تحقیقی مطالعہ کی روشنی میں

احادیث قدسیہ

اسلام، جہاد اور دہشت گردی

قرآن کریم کی سائنسی تفسیر: ایک تنقیدی مطالعہ

جدید عربی محاورات و تعبیرات

اسلام اور خدمت خلق

تاج الفحول اکیڈمی، مدرسہ عالیہ قادریہ، مولوی محلہ، بدایوں (یوپی) فون: 05832-224695

امام اعظم کے مخالفین ان الزامات کا تحقیقی جائزہ

کا احترام بھی ہمارے قلبی سکون کا باعث ہے، میزان کے مقدمہ میں علامہ ذہبی (۷۴۸ھ) کا یہ قول میرے لئے نقش راہ ہے۔

لا أذكر في كتابي من الأئمة المتبوعين في الفروع أحدا للجلالته في الإسلام وعظمتهم في النفوس مثل أبي حنيفة والشافعي والبخاري، فإن ذكرت أحدا منهم فأذكره على الانصاف ذلك عند الله ولا عند الناس.

علامہ عقیلی (۳۲۲ھ) اور امام اعظم ابوحنیفہ (۱۵۰ھ) :- علامہ ابو جعفر محمد بن عمرو بن موی عقیلی علم وادب اور رجال حدیث کا ایک بڑا نام ہے، علم رجال کے مصنفین نے آپ کی بہت تعریف کی ہے، اپنے وقت کے مسلم امام تھے، حفظ و اتقان میں آپ کا کوئی مثل نہیں تھا، متعدد تصانیف کے مالک ہیں ان سب کے باوجود تشدد اور تعصب مذہبی میں بھی نمایاں تھے، تشدد کی مثال تو یہ ہے کہ صحیح بخاری اور مسلم کے متعدد رجال پر کلام کر دیا، حد تو یہ کہ علم حدیث کے متفق امام، رجال حدیث پر گہری نظر رکھنے والے، علامہ امام علی بن مدینی (۲۳۳ھ) بخاری و مسلم میں جن کی روایت بھری پڑی ہے اور جن کے بارے میں امام بخاری جیسا عظیم محدث نے فرمایا: میں نے اپنے آپ کو اگر کسی محدث کے نزدیک چھوٹا پایا تو وہ علی بن مدینی کی شخصیت ہے، اگر اپنی کتاب میں علی بن مدینی، اصحاب محمد اور ان کے شیخ عبدالرزاق کی حدیث کا ذکر نہ کروں تو مطلب یہ ہے کہ علم حدیث کا دروازہ اسی جگہ بند ہو گیا، مرویات و آثار کی انتہا ہو گئی اور علم حدیث پر زناد کا قبیحہ ہو چکا اور دجال پیدا ہو رہے ہیں۔ (میزان الاعتدال ۱/۲۹۵، تذکرہ علی بن مدینی) ایسی بلند قد شخصیت کو علامہ عقیلی نے اپنی کتاب ”ضعفاء“ میں شامل کر کے ان کی تضعیف کر دی، اس واقعہ نے علامہ ذہبی اور دیگر ائمہ کو اس حد تک تعجب میں ڈال دیا کہ وہ پکار اٹھے:

افسالك عقل يا عقيلي اتلري فيمن تتكلم وانما تبعناك في ذكر هذا النمط لنذب عنهم ولنزيف ما قبل فيهم

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۱۵۰ھ-۱۵۰ھ) کے مددین یا مخالفین پر قلم اٹھانا جرأت کا کام ہے کیونکہ اس ضمن میں بڑے سے سلاطین عصر، علماء وقت، فقہاء بے مثال اور محدثین زمانہ یکساں نظر آتے ہیں، کسی کے اختلاف یا حسد کی وجہ غلط فہمی تھی تو کسی کا عناد اور تعصب ان کے علم کا بڑھتا ہوا اثر تھا، کسی نے اپنی حکومت و ریاست کے لئے انہیں خطرہ سمجھا تو کسی نے امراء و خلفاء کے نزدیک اپنی مقبولیت کے لئے اٹل چٹان جانا، کوئی تشبیہ و تجسیم کا قائل تھا تو کوئی جبر و قدر کے غ میں انہیں روز آجھستا تھا، وجہ کچھ بھی ہوا تا طے ہے کہ امام اعظم کی حق ہوئی علمی مقبولیت نے لوگوں کو آپ سے حسد کرنے پر مجبور کر دیا۔

ائمہ و محدثین، علماء اور سلاطین نے جن مسائل کو بنیاد بنا کر امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۱۵۰ھ-۱۵۰ھ) کو بدفہم بنایا ہے ان میں ”ایمان کی کیثت“ ”قرآن مخلوق ہے یا نہیں“ ”حدیث رسول کے خلاف قیاس سے استدلال“ ”اہم مسائل ہیں، جن محدثین نے ان مسائل کو ہوا دیا اور اپنی اپنی کتابوں میں درج کیا ان میں علامہ ابن حبان (۳۶۵ھ) علامہ عقیلی (۳۲۲ھ) عبدالرحمن بن ابی حاتم (۳۲۷ھ) ابن حبان (۳۵۸ھ) علامہ ابوبکر بن عینی (۳۵۸ھ) ابوالفیض (۳۶۳ھ) اور خطیب بغدادی (۳۶۳ھ) سر فہرست ہیں، ان علماء تمام عباراتوں اور اس پر جرح و قدر کرنے کی تو یہاں گنجائش نہیں ہے۔ اول الذکر تین کی بعض روایتوں کا ذکر کر کے ان کا تجزیہ ضرور کریں۔ یوں ہی تمام الزامات پر تحقیقی گفتگو نہ کر کے صرف اس بات کا یہ کہہ کر اس اعتراض میں کس حد تک دم ہے کہ امام ابوحنیفہ کی حدیث کی قسم ”مرسل“ (جو بعض محدثین کے نزدیک ضعیف بعض کے نزدیک کچھ شرطوں کے ساتھ صحیح سمجھی جاتی ہے) اور ”خبر واحد“ کے قیاس سے کو ترجیح دی ہے۔ واضح رہے کہ ہماری اس تحریک کا مقصد کسی بھی امام کی پکڑی اچھا لٹایا ان کی گستاخی کرنا نہیں، جس طرح امام ابوحنیفہ ہمارے لئے قابل احترام ہیں اسی طرح دیگر ائمہ کرام

کانک لا تدروی ان کل واحد من هؤلاء أو ثقی منک بطبقات، بل و أوثق من ثقات کثیرین لم توردهم فی کتابک فہذا مما لا یرتاب فیہ محدث۔ (میزان الاعتدال ۵/۱۵۹)

عقلمی تمہاری عقل کو کیا ہو گیا ہے،! کس کے بارے میں زبان کھول رہے ہو!! ہم نے یہ طریقہ صرف اس لئے اپنایا ہے تاکہ ان ائمہ کرام کا دفاع کر سکیں، گویا تمہیں پتہ ہی نہیں کہ ان میں ہر ایک تم سے کئی گنا زیادہ ثقہ ہیں، بلکہ بہت سارے ان ثقات سے بھی زیادہ ثقہ ہیں جن کا ذکر تم نے اپنی کتاب میں نہیں کیا، اس میں کسی محدث کو شک بھی نہیں۔

یہ تو علامہ عقلمی کے تشدد کی مثال تھی اور مذہبی تعصب کی افواہی مثال ملاحظہ کرنے کے لئے ان کی کتاب ”الضعفاء“ کے تذکرے بالخصوص امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ کا تذکرہ پڑھنا چاہئے، امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ سے متعلق انہوں نے ایسی ایسی بے بنیاد روایتیں نقل کی ہیں کہ الامان والحفیظہ!! ایک جگہ انہوں نے امام سفیان ثوری (م ۲۶۱ھ) کے حوالہ سے لکھا کہ انہوں نے فرمایا: ابوحنیفہ جیسا خطرناک بچہ اسلام میں کوئی پیدا ہی نہیں ہوا (کتاب الضعفاء ۳/۲۱۸)، حضرت عبداللہ بن مبارک (م ۱۸۱ھ) کی طرف منسوب کرتے ہوئے ایک قول نقل کیا کہ انہوں نے فرمایا: ابوحنیفہ کی حدیث کو کچل ڈالو۔ (کتاب الضعفاء ۳/۲۸۲) اور اس طرح کی نہ معلوم کیسی بے بنیاد حکایتیں ائمہ اعلام کے حوالہ سے نقل کیا ہے جن کے ساتھ امام اعظم کا اٹھنا بیٹھنا ہوتا تھا اور اگر ہم نشینی نہ بھی ہو تو ایسے پاک طینت لوگوں کے بارے میں کبھی بھی یہ خیال نہیں کیا جاسکتا کہ ان کی رائے امام اعظم کے بارے میں اس درجہ غلط تھی!! آئیے ذیل میں ہم ان دونوں قول کا تحقیقی جائزہ لیتے ہیں:

سند حکایت: عقلمی کہتے ہیں: ہم سے حاتم بن منصور نے بیان کیا، ان سے حمیدی نے، انہوں نے سفیان کو کہتے ہوئے سنا:

اس کی سند میں ”حمیدی“ ہیں، امام سبکی شافعی نے اپنی کتاب ”طبقات ۱/۲۲۳“ میں علامہ محمد بن عبداللہ بن الککم کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ ”حمیدی“ لوگوں سے بات چیت کے دوران جھوٹ بولا کرتے تھے، تعصب ان کی رگوں میں بسا ہوا تھا، ان کی روایتوں میں سخت اضطراب ہوتا ہے، کبھی تو وہ ”حمزہ بن حارث“ سے روایت کرتے ہیں اور کبھی بلا واسطہ ”حارث“ سے روایت کرتے ہیں۔ (تانیب الخطیب، ۳/۷۷)

ٹھیک یہی قول خطیب نے بھی اپنی کتاب ”تاریخ بغداد“ میں اپنی

سند سے امام اوزاعی کے حوالہ سے نقل کیا ہے، خطیب کی سند میں تین ایسے راوی ہیں جن میں سے ایک کو امام احمد بن حنبل نے جدا جدا کہا، ابو حاتم نے اپنے نزدیک ان کی ثقاہت سے انکار کیا اور وہ روایت پر دوسرے ائمہ نے جرح کی ہے، لہذا یہ بات ثابت ہو چکی ہے سفیان ثوری نے کبھی بھی اس طرح کا قول امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ سے متعلق نہیں کیا، اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا بہت زیادہ احترام کرتے تھے۔

سفیان ثوری اور امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے پاس کوئی جاتا اور کہتا کہ میں امام ابوحنیفہ کے پاس سے آئے ہوں تو تم ایسے شخص کے پاس سے آئے ہو کہ روئے زمین پر فقیہ عالم نہیں ہے (خیرات الحسان، ص ۸۲)

ایک شخص سفیان ثوری کی مجلس میں آیا وہ مرویہ علوم کا تلمیذ تھا، سفیان ثوری سے پوچھا، آپ امام ابوحنیفہ کی بد گوئی کرتے ہیں؟ آپ نے پوچھا وہ کیسے؟ اس نے کہا میں نے سنا ہے کہ انہیں نہایت تحقیق صحت اور انصاف سے کہتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ مسئلہ کتاب اللہ سے بیان کرتا ہوں، اس میں نہ ملے تو سنت صحابہ کے اقوال و افعال میں اختلاف ہو تو کبھی کبھی بعض اقوال و افعال میں، جہاں جمہور صحابہ کی رائے ہو قبول کرتا ہوں، جہاں ایک قول ہو اس کو چھوڑ بھی دیتا ہوں، میں صحابہ کے اعمال و اقوال سے دوسرے کی رائے کو ترجیح نہیں دیتا، مثلاً ابراہیم، شعبی، حسن، ابن سعید بن مسیب اور دوسرے جلیل القدر تابعی علماء کے اقوال سے۔ انہوں نے کہا کہ ان کے سامنے وزن نہیں دیتا۔ ان بزرگوں نے اجتہاد کیا ہے اور یہ مسائل میں اجتہاد کیا ہے اور یہ میرا حق ہے۔ یہ بد گوئی ہے۔ حضرت سفیان ثوری تھوڑی دیر کے لئے خاموش رہے، پھر فرمایا کہ یہ کلمات حاضرین مجلس نے لکھ لئے ہیں (ہم حدیث کی شرح کر خوض فرماتے ہیں، اور لوگوں کی بد اعمالیوں پر سرزنش کرتے ہیں، زندوں کا محاسبہ کرتے ہیں، مرنے والوں کے لیے مغفرت کی دعا کرتے ہیں، ان کی باتیں سنتے ہیں، جو قابل قبول ہو مان لیتے ہیں، جن پر ہم آگاہ نہیں ہوتے علماء کرام کے سپرد کر دیتے ہیں۔ ہم اپنی رائے کہہ سکتے ہیں، لیکن علماء اسلام کو متہم نہیں کر سکتے۔ (مناقب امام

مستفید ہوتے دیکھا، اگر خدا تعالیٰ ابوحنیفہ اور سفیان ثوری کے سبب میری دست گیری نہ کرتا، تو میں بھی اور عام آدمیوں کی طرح ایک آدمی ہوتا (مناقب امام اعظم، کردری ۱۰۸/۱)

قارئین کرام! دیکھا آپ نے عبد اللہ ابن مبارک جیسی قد آور شخصیت امام ابوحنیفہ کی تعریف کس طرح کر رہی ہے، کیا اس کے باوجود یہ تصور کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے امام ابوحنیفہ کی حدیث کو کچل ڈالنے کا حکم دیا ہو! **اقاتل اللہ العصب المقیت**۔

سفیان بن عیینہ (۱۹۸ھ):۔ حمیدی کہتے ہیں سفیان بن عیینہ نے فرمایا: دو چیزیں ایسی ہیں کہ ہم کو تصور بھی نہ تھا کہ وہ کوفہ کے پل کے آگے نکلیں گی ایک حمزہ کی قرأت اور دوسری ابوحنیفہ کی فقہ لیکن وہ دونوں تمام آفاق میں پہنچ گئیں۔ (مناقب الامم، ص ۲۰)

غالباً عقلی کا یہی وہ تعصب تھا جس نے ان کے شاگرد علامہ ابن ذہیل کو اپنے استاد کا رد کرنے پر مجبور کر دیا، اور امام اعظم ابوحنیفہ کے مناقب میں ایک رسالہ تحریر فرمایا جس میں عقلی کی روایت اور اس جیسی دیگر بے بنیاد باتوں کا بہت اچھی طرح تجزیہ کر کے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دکھایا، بونہی علامہ ابن عبد البر مالکی نے اپنی کتاب ”الانقضاء فی فضائل الشافعیۃ الامم“ میں بھی شرح و بسط کے ساتھ ان باطل دکانیوں کا جائزہ لیا ہے، جس کا مطالعہ یقیناً مفید ہوگا۔

عقلی کا علم حدیث میں اگر ایک طرف بلند و بالا مقام ہے تو دوسری طرف چوک بھی کوئی کم نہیں، انہوں نے متعدد قابل قبول حدیثوں کو رد کرنے کی کوشش بھی کی ہے جس کا بڑا تحقیقی جائزہ علامہ ابن قیم جوزیہ نے اپنی کتاب ”السنار المذیف فی الشیخ والضعیف“ میں لیا ہے۔

عقلی سے متعلق ائمہ اعلام کی ان آراء کے بعد کیا اب بھی بخاری کی دو حدیث رٹ لینے والے کسی غیر مقلد کے لئے یہ روا ہے کہ ”کتاب الضعفاء“ کے حوالہ سے امام اعظم ابوحنیفہ کو اپنی تنقید کا نشانہ بنائے؟؟

امام اعظم اور علامہ ابن عدی (م ۳۶۵ھ):۔ امام علامہ حافظ ابو احمد عبد اللہ بن عدی جرجانی (۳۶۵ھ-۳۶۵ھ) محدثین اور اہل علم کے مابین مشہور نام ہے، محدثین نے آپ کی بہت تعریف کی ہے، حفظ حدیث اور ضبط رجال میں خاصہ مہارت رکھتے تھے، دیگر محدثین کے مقابلہ میں آپ کی قوت حافظہ کو طبعی اور فطری بتایا گیا ہے، حفظ و اتقان اور علم و فضل کے باوجود تعصب مذہبی سے محفوظ نہیں رہ سکے، رواۃ

حدیث الامم امام موفق بن احمد کی، متوفی ۵۸۷ھ، ترجمہ مطبوعہ، مکتبہ نبویہ، لاہور مولانا فیض احمد اویسی)

عبد اللہ بن مبارک اور امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ:۔ اس شخص ”ابراہیم بن شاش“ کا وجود ہی اس بات پر دال ہے کہ عبد اللہ بن مبارک کی طرف منسوب اس قول میں کچھ صداقت نہیں کی بات ضرور ہے کہ ابتداء میں ”ابن مبارک“ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے متعلق اچھا تاثر نہیں رکھتے تھے لیکن جب دونوں کی ملاقات ہوئی تو اس کے بعد امام صاحب کے اسنے مداح ہو گئے کہ یہ فرمایا تے: **فقد میں ابوحنیفہ کا ثانی کوئی نظر نہیں آیا!!**

علامہ ابن عبد البر نے یہاں تک نقل کیا ہے کہ سلمہ سلیمان نے یہ مرتبہ ”ابن مبارک“ سے کہا: آپ ابوحنیفہ کی رائے کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں جبکہ امام مالک کو آپ اس قدر اہمیت نہیں دیتے؟ جواب میں گہرائی نظر نہیں آتی ہے!! (جامع بیان العلم، ۱۵۷/۲)

عبد اللہ بن مبارک نے فرمایا امام ابوحنیفہ اللہ کی آیات میں سے آیت ہیں، کسی نے آپ سے سوال کیا کہ: آیت خیر ہیں یا آیت شر ابن مبارک نے کہا: اے بندہ خدا، تم قرآن مجید کی روشنی میں اس آیت کے لفظ کو تلاش کرو ”وجعلنا بن مریم وامہ آیۃ“ کیا آیات سے بھی بن سکتی ہیں؟ (سابق، ص ۳۷۱)

ابن مبارک نے فرمایا: جب میں امام مالک کے پاس تھا تو آپ کے پاس ایک شخص آیا، میں نے ابھی امام ابوحنیفہ کو نہیں دیکھا تھا، امام نے مجھ سے پوچھا جانتے ہو یہ کون ہیں، میں نے عرض کیا میں جانتا، آپ نے فرمایا، یہ اتنے ذہین و فطین ہیں کہ اگر کہہ دیں کہ یہ کاتب ستون ہے تو ثابت کر دیں گے واقعی سونا کا ہے، وہ فقہ میں اس قدر تبحر رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں اس علم میں بے پناہ توفیق دیا ہے، یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ امام مالک کی مجلس میں سفیان ثوری نے آپ نے بیٹھنے کے لئے آپ کو وہ جگہ نہ دی جہاں امام ابوحنیفہ تھے جب وہ چلے گئے تو لوگوں نے آپ سے پوچھا: آپ نے ثوری کو اس احترام سے نہیں بھجایا جس احترام سے امام ابوحنیفہ کو تھا؟ آپ نے فرمایا کہ جو روع و تقویٰ امام ابوحنیفہ میں پایا جاتا تھا کوئی دوسرا نہیں پہنچ سکتا۔ (سابق، ص ۳۱۸، ۳۱۹)

ایک مرتبہ فرمایا: میں نے مسعر بن کدام کو ابوحنیفہ کے درس میں

حدیث بالخصوص امام اعظم ابوحنیفہ کی شان میں جب روایتیں نقل کرنے لگے تو اخذ روایت کے تمام ضابطوں کو نظر انداز کر گئے اور تذکرہ میں وضاع، کذاب اور ضعیف راویوں کی حکایت کو بھی لینے سے باز نہ آئے، امام اعظم ابوحنیفہ سے متعلق ان کی تمام روایتوں کا بالاستیعاب جائزہ لینے کے لئے تو دفتر و کار ہے ہم یہاں ”اکمال“ میں مذکور صرف ایک روایت مع سند ذکر کرتے ہیں اور پھر اس کا تجزیہ کریں گے۔

ابن عدی ”اکمال“ جلد ۷، صفحہ ۹۷ پر نقل کرتے ہیں:

اخبرنا عبد اللہ بن محمد بن حیان بن مقبرۃ أخبرنا محمود بن غیلان، ثنا مؤمل قال: كنت مع سفیان الثوری فی الحجر فجاء رجل فسأله عن مسألة فأجاب، فقال الرجل: ان أبا حنیفة قال كذا وكذا، فحرق سفیان نعلیه حتی حرق الطواف ثم قال: لا ثقة ولا مأمان۔

ابن عدی اپنی سند سے بیان کرتے ہیں کہ مؤمل کا بیان ہے کہ وہ سفیان ثوری کے ساتھ حرم اقدس میں حجر اسود کے پاس تھے کہ ایک شخص آیا اور ان سے کوئی مسئلہ دریافت کیا، سفیان ثوری نے مسئلہ کا جواب دے دیا، پھر اس شخص نے کہا ابوحنیفہ اس مسئلہ میں کچھ الگ نظر یہ رکھتے ہیں، مؤمل کا بیان ہے کہ سفیان ثوری نے اپنی جوتی سنبھالی اور طواف سے جب فارغ ہو گئے تو کہا: ابوحنیفہ نہ تو ثقہ ہیں اور نہ ہی مأمون۔ (لہذا ان کی بات معتبر نہیں ہوگی)

یہ اور اس طرح کی درجنوں روایتیں ابن عدی نے اپنی کتاب ”اکمال“ میں نقل کی ہیں، گہرائی میں اتر کر ان روایتوں کا مطالعہ کیجیے تو اس کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہ جاتی، اور ان کے رواۃ مشکم فی نظر آتے ہیں، بالخصوص ”مؤمل“ کو ائمہ حدیث نے ”متروک“ کہا ہے۔

ابن عدی کی ان تمام روایتوں کا بھرم اس وقت کھل جاتا ہے جب امام اعظم کا تذکرہ رقم کرتے ہوئے اخیر میں لکھتے ہیں:

قال الشيخ و ابو حنیفة له أحادیث صالحة و عامة ما یرویه غلط و تصاحیف و زیادات فی أسانیدھا و متونها و تصاحیف فی الرجال و عامة ما یرویه كذلك، ولم یصح له فی جمیع ما یرویه الا بضعة عشر حدیثا، وقد روى من الحدیث لعله أرجح من ثلاثمائة حدیث من مشاهیر و غرائب و کله علی هذه الصورة لأنه لیس هو من أهل الحدیث، ولا

یحمل علی من تكون هذه صورته فی الحدیث

یہ تو میرا موضوع نہیں ہے کہ ابوحنیفہ کو کتنی حدیثیں

کیا انہیں صرف چوبیس پچیس حدیثوں کا علم تھا اور غریب

کرنے کے بعد ابن عدی کے شیخ کے نزدیک ان کی تعداد

تک پہنچتی ہے، یا کچھ اور؟ ورنہ میں ثابت کر دکھاتا کہ

حدیث میں کیا مقام تھا، یہاں قارئین کرام یہ ملاحظہ کرتے

کچھ بھی ابن عدی کہہ رہے ہیں اپنے شیخ کے حوالہ سے کہ

جن کا نام ”اباء ابن جعفر نجیری“ ہے، علماء حدیث نے ان

ہے، علامہ ذہبی ابو حاتم البستی کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں

رایہ وضع علی ابی حنیفة أكثر من ثلاث

مالم یحدث به أبو حنیفة قط۔ (میزان الاعتدال)

ابو حاتم البستی کہتے ہیں کہ ”ابان بن جعفر نجیری“ کو

ہے کہ ابوحنیفہ کے بارے میں تین سو سے زیادہ ایسی حدیثیں

جنہیں کبھی بھی ابوحنیفہ نے بیان نہیں کیا۔

ٹھیک یہی بات ابو حاتم نے بھی ”المجربین“ ۸۳۱

ہے مگر اس میں اتنا اضافہ ہے:

فقلت له یا شیخ اتق الله ولا تکذب علی

صلی الله تعالی علیہ وسلم فما زادنی علی أن قال

منی فی حل فقلت و ترکته وانما ذکرته لأن أحداث

لعلهم یشتغلون بشئی من روايته۔ (المجروحین ۸۳۱)

یہ بات ایک واقعہ کے ضمن میں صاحب ”مخبرین“

خلاصہ یہ ہے کہ: جب انہوں نے ابوحنیفہ کے بارے میں حدیثیں

سنائیں تو میں نے کہا: اے شیخ اللہ کا خوف کرو، نبی اکرم ﷺ

نہ لگاؤ۔ میری اس بات پر اس سے زیادہ وہ اور کچھ نہ کہہ سکے کہ تم

نزدیک آنا و انہیں، پھر کہتے ہیں کہ میں ان کے پاس سے چلا گیا

صرف اس لئے بیان کیا تا کہ میرے اصحاب اس سے ہوشیار رہیں

ابن عدی کا تو یہ حال تھا کہ بخاری کے رجال پر بھی

سے باز نہ آئے، چنانچہ ”ابان بن یزید“ بخاری، مسلم اور ابو

رواہ میں سے ہیں، ابن عدی نے ان پر کلام کرتے ہوئے

”حسن الحدیث ہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ یہ اہل صدق میں

علامہ ذہبی نے اس پر یہ تعاقب کیا ہے:

جہاں بہت ساری تصنیف چھوڑی وہیں اہم کتاب ”الجرح والتعديل“ بھی چھوڑ کر ۳۲ ہجری میں انتقال کر گئے۔

ابوحاتم کی نیک نیتی، علمی کمال میں کچھ شک نہیں مگر صرف حدیث اور رجال کے حافظ تھے، قاسم نعمت کی طرف سے فقہ و فہم اور عقل و دانش کا حصہ شاید نہیں مل سکا تھا، غالباً یہی وجہ تھی کہ متکلمین اہل سنت پر یہ حکم لگانے سے باز نہیں آئے کہ یہ کہنا کہ: ”قرآن کے جو الفاظ ہم ادا کرتے ہیں وہ مخلوق ہے، کفر ہے، ایسا شخص دین اسلام سے خارج ہے،“ فساد عقیدہ اور علم کلام سے دوری ہی کی وجہ سے امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری پر بھی یہ حکم لگا بیٹھے کہ: ابو زرعہ اور ابوحاتم نے ان سے روایت ترک کر دی ہے۔

انہیں اس بات کا اعتراف تھا کہ علم کلام سے ان کا کوئی تعلق نہیں، دیکھئے ان کی کتاب ”الرد علی الجہمیہ“، جب امیر المؤمنین فی الحدیث جسی قد آور شخصیت پر انہوں نے طعن کر دیا تو پھر ان سے کیسے یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ فقہ و حدیث کے سنگم، علم کلام اور علوم عقلیہ میں کامل دسترس رکھنے والے امام اعظم ابو حنیفہ کی شخصیت مسلم رہ سکے، چنانچہ دیگر مؤلفین جرح و تعدیل کی طرح انہوں نے بھی امام اعظم کے بارے میں بے سرو پا حکایتیں آنکھ موٹ کر ذکر کر دیں۔ امام صاحب کے بارے میں ان کی کتاب ”الجرح والتعديل“ سے کچھ نمونہ ہم قارئین کی نذر کرتے ہیں اور پھر اس روایت و حکایت کی حیثیت بھی اجاگر کریں گے:

۱- أخبرنا ابو اھیم بن یعقوب الجوزجانی فیما ڪتب الی، حدثنی اسحاق بن راھویہ، قال سمعت جریراً یقول: قال محمد بن جابر الیمامی: سرق ابو حنیفہ ڪتب حماد منی!! ابن ابی حاتم اپنی روایت سے کہتے ہیں کہ محمد بن جابر یمامی نے کہا کہ ابو حنیفہ نے حماد کی کتاب مجھ سے چوری کر لی۔

قارئین کرام! غور کیجیے امام ابو حنیفہ جو امام حماد کے منظور نظر اور حماد کی علمی یادگار تھے، حماد کی وفات کے بعد جن کو لوگوں نے زبردستی مسند درس پر حماد کا اہل سمجھ کر بیٹھا یا تھا ان کے بارے میں ابوحاتم کی یہ حکایت کس حد تک مقبول ہو سکتی ہے؟

اس روایت کی سند کا جائزہ لیجیے تو اس کے بطلان کے لئے صرف ابراہیم بن یعقوب جوزجانی (۲۵۹ھ) کا وجود ہی کافی ہے، جن کے بارے میں تقریباً ناقدین رجال کا اتفاق ہے کہ اہل کوفہ سے متعلق

بلکہ وہ ثقہ ہیں، حجت ہیں، یہ دیکھو امام احمد بن حنبل جب ان کا ذکر کرتے ہیں تو کہتے ہیں وہ اپنے تمام مشائخ میں ثابت ہیں، ابن معین اور ابن نمیر ثقہ کہا ہے، (میزان الاعتدال ۱۳۱/۱، تذکرہ ابان بن یزید) ابن عدی کا یہی وہ افراط تھا جس کی بنیاد پر ذہبی نے اپنے ”الان“ کے مقدمہ میں یہ لکھا ہے:

فلولا أن ابن عدی أو غیرہ من مولفی ڪتب الجرح ڪبروا ذلک الشخص لما ذکرته لثقتہ ولم أر من الراۓ حذف اسم أحد ممن له ذکر بتلصص ما فی ڪتب الأئمة سدا ڪورین خوفا من أن یتعقب علی لا أنى ذکرته لضعف ما عندی الا ما ڪان فی ڪتاب البخاری و ابن عدی و سہما من الصحابة فانی نحتمل لجلالة الصحابة ولا ڪرمهم فی هذا المصنف فان الضعف انما جاء من جهة رواية الیهم و کذا لا اذکر فی کتابی من الأئمة المتبوعین من الفروع أحدًا لجلالتهم فی الاسلام و عظمتهم فی کس مثل أبی حنیفہ والشافعی والبخاری۔

محترم قارئین! یہ ہے علامہ ذہبی کا کمال احتیاط اور ائمہ مجتہدین کا بے امام ذہبی ابن عدی کے افراط سے جس طرح بخوبی واقف تھے جرح امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقام و مراتب کا بھی پورا لحاظ تھا۔ اس لئے ابن عدی کا ذکر کرنے کے بعد خاص طور پر امام اعظم کا ذکر کیا۔

اتنا جان لینے کے بعد کہ ابن عدی کے شیخ ناقدین رجال کے یہ غیر معتبر ہیں، امام اعظم کی مخالفت میں حکایتیں گڑھنا ان کا بے مشغلہ تھا۔ کیا ابن عدی یا ان کے شیخ کی ذکر کردہ روایتوں کے بارے میں امام اعظم ابو حنیفہ پر جرح کیا جاسکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں! اگر ہمارے لئے وقت کے تحلیل القدر امام کی شان میں گستاخی کی گئی تو یہ قدر کے حضور جواب دینا بہت مشکل ہو جائے گا۔

امام ابو حنیفہ اور ابو عبد الرحمن بن ابی حاتم (۳۲۷ھ)۔ تیسری کے اخیر میں اہل علم کی جماعت میں اس وقت ایک اور نام کا اضافہ ہوا ”عبد الرحمن بن ابی حاتم رازی“ کی پیدائش ہوئی، دیکھتے ہی یہ کثاف عالم میں آپ کی شہرت ہو گئی، محدثین نے آپ کو ہاتھوں میں راجال میں کامل دسترس حاصل کیا اور اہل علم و تحقیق کے لئے

ان کی کوئی بھی بات معتبر نہیں ہوگی۔

علامہ ذہبیؒ "اسماعیل بن ابان الوراق" پر ابن عدی کے حوالہ سے جوڑ جانی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ: وہ حق سے دور تھے... چند سطور بعد ذہبی کہتے ہیں کہ حق سے دور ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اہل کوفہ کے اندر عام طور پر تشیع (یعنی حب علی) پایا جاتا تھا اور "اسماعیل بن ابان" بھی اسی کیفیت سے دوچار تھے۔ جوڑ جانی چونکہ دمشق میں رہا کرتے تھے اہل دمشق کا مذہب عام طور پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں تحامل کا رہا ہے اس لئے انہوں نے راوی مذکور پر حق سے دور ہونے کا قول کیا ہے۔ ایک زمانہ تھا جب اہل دمشق عام طور پر نصی تھے، جیسا کہ کسی وقت رفض ان کا مذہب تھا، پھر دیرے دیرے نصیت تو ان کے اندر سے دور ہو گئی مگر رفض کا اثر برقرار رہا۔ (میزان ۱/۲۰۵، تذکرہ ابراہیم بن یعقوب جوڑ جانی، بیروت، الکامل ۱/۳۱۷ دار الفکر، بیروت) جوڑ جانی کا حریزی یا نصی مذہب ہونا واضح تھا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعلق ان کا طرز گفتگو اچھا نہیں ہوتا تھا ملاحظہ کیجیے "تہذیب التہذیب" کی یہ عبارت:

قال السلمی عن الدارقطنی بعد ان ذکر تو ثیقہ لکن فیہ انحراف عن علی اجتماع علی بابہ اصحاب الحدیث فآخرجت جاریہ لہ فروجۃ لتذبحہا فلم تجد من یذبحہا فقال سبحان اللہ فروجۃ لا یوجد من یذبحہا و علی یذبح فی ضحوة نیفا وعشرین ألف مسلم... رایت فی نسخة من کتاب بن حبان حریزی المذہب... نسبة الی حریز بن عثمان المعروف بالنصب. (تہذیب التہذیب ۱/۱۵۹، تذکرہ ابراہیم بن یعقوب الجوزجانی، دار الفکر بیروت)

سلمی دارقطنی کے حوالہ سے "ابراہیم بن یعقوب جوڑ جانی" کی توثیق کرنے کے بعد کہتے ہیں: حضرت علی کے بارے میں ان کے خیالات اچھے نہیں تھے، ایک مرتبہ ان کے دروازہ پر کچھ محدثین آئے تو ان کی ایک باندی نے مرغی ذبح کرنے کے لئے باہر نکالا، ذبح کرنے والا کوئی نہیں ملا تو کہا، سبحان اللہ مرغی ذبح کرنے والا کوئی نہیں مل رہا ہے اور علی نے دن کی روشنی میں چوبیس سے پچیس ہزار مسلمانوں کو ذبح کر دیا۔ علامہ ابن حجر کہتے ہیں: ابن حبان کے ایک نسخہ میں میں نے یہ لکھا دیکھا ہے کہ وہ "حریزی المذہب" تھے... یعنی حریز بن عثمان جو

نصی ہیں ان کی طرف منسوب کرتے ہوئے ان کو حریزی کہا جاتا ہے۔ اس حکایت کے دوسرے راوی "محمد بن جابر یما" ہیں۔ بارے میں بھی ناقدین رجال کے اقوال کچھ کم نہیں، امام احمد نے فرمایا: اس سے ذہبی شخص روایت کر سکتا ہے جو اس سے بدتر ہوگی، ابن معین اور نسائی نے ان کو ضعیف کہا دیکھئے "الکامل ۱/۲۸۶" محمد بن جابر الیمامی، دار الفکر بیروت، الضعفاء الصغیر ۱/۹۹، حلب، الضعفاء ۱/۳۱۴، المکتبۃ العلمیہ، بیروت)

ان جیسے راویوں کی حکایت کو ابو حاتم جیسا شخص اگر اپنی کتاب جلد دے تو اسے تعصب اور حسد نہیں تو اور کیا کہا جائیگا۔ واضح رہے امام اعظم کے مسلک اصول میں سے یہ بھی ہے کہ راوی صرف اپنے کھسک کر کے روایت نہیں کر سکتا جب تک کہ مروی عنہ کا ذکر نہ کرے، بشرط کے باوجود یہ کیسے تصور ہو سکتا ہے کہ ابو حنیفہ نے محمد بن جابر کو چرا لیا اور مروی عنہ کا ذکر کر کے بغیر حدیث بیان کرنا شروع کر دیا۔ قارئین کرام! مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر جرح و تعجب

ان تین ہی کتابوں اور ان کے مؤلفین کا پس منظر ذکر کیا گیا۔ کتابوں کا ذکر ہی اس بات کا اندازہ لگانے کے لئے کافی ہے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حسد کی آگ لوگوں کے دلوں میں بیٹھی ہوئی تھی، لہذا ان کتابوں اور ان کے مؤلفین کا سہارا امام پر جرح کرنے کی کوشش کی جائے تو آپ کو سمجھ لینا چاہیے میں کچھ صداقت نہیں، سفیان ثوری، عبد اللہ بن مبارک، سفیان اور دیگر ائمہ کی طرف جو باتیں امام اعظم کے تعلق سے منسوب ہیں ان میں بھی کوئی وزن اس لئے نہیں کہ صحیح سند سے ثابت حضرات کے دلوں میں امام صاحب کا زبردست احترام تھا۔

امام اعظم ابو حنیفہ پر ترک حدیث کا الزام:- امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سب سے بڑا الزام یہ ہے کہ حدیث کو قیاس کا سہارا لیتے تھے، احادیث پر اگر عمل ہوتا بھی تو ضعیف عمل پیرا ہوتے، خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں ابن عمر کے حوالہ سے ذکر کیا کہ ابو حنیفہ حدیث میں یتیم تھے، ابو قطن حدیث میں بہت کمزور تھے۔

اگر انسان تعصب سے دور ہو کر، خالص تحقیق کی اسلاف کی کتابوں کا مطالعہ کرے تو یہ اعتراف کئے بغیر نہیں

عنہم انکارہ، ولا عن أحد من الأئمة بعدهم الى رأس المائتين. (الأحكام ۲/ ۷۸، بیروت. تدرب الراوی، ۱/ ۹۸ دار الکتب العلمیہ، بیروت. توضیح الافکار ۱/ ۲۹۱ المعادۃ، مصر، تیسیر التحریر ۳/ ۱۰۳ مصطفیٰ الحلبي، مصر، جامع التحصیل، عالم الکتب، بیروت ص ۷۰)

ابتداء سے علماء (محدثین) ”مرسل حدیث“ کو قبول کرتے آئے یہاں تک کہ دوسو ہجری کے بعد اسے رد کرنے کا قول سامنے آیا۔ تمام تابعین نے ”مراسیل“ کے قبول کرنے پر اجماع کیا، کسی نے بھی ان میں سے ”مرسل“ کی قبولیت سے انکار نہیں کیا اور نہ ہی ان کے بعد دوسو ہجری تک کسی امام نے اسے قبول کرنے سے انکار کیا۔

علماء کی اس جماعت نے تنبیہ کی ہے کہ اگر مرسل کے رد کرنے کا قول کر لیا جائے تو بہت سارے معتدرواقع پر حرف آئے گا جبکہ علمائے اسلام اور محدثین ابتداء سے ان کی حدیثوں کو قبول کرتے آئے ہیں:

ان الراوی الشقة کان لا یرسل الحدیث الا بعد صحته عنده، ماجاء عن الأعمش قال: قلت لابراہیم النخعی اذا حدثنی فأسند، فقال: اذا قلت لك: قال عبد الله فقد حدثنی جماعۃ عنه، واذا قلت لك: حدثنی فلان عن عبد الله فهو الذی حدثنی... (جامع التحصیل، ص ۷۰، التمهید، ۱/ ۳۸)

فقہ راوی ارسال اسی وقت کرتا ہے جبکہ حدیث اس کے نزدیک صحیح ہوتی ہے، اعمش سے مروی ہے کہ انہوں نے ابراہیم نخعی سے کہا کہ جب مجھ سے حدیث بیان کیا کرو تو اسناد کے ساتھ بیان کرو، ابراہیم نے جواب دیا: اگر میں ”قال عبد اللہ“ کہوں تو یہ سمجھ لینا کہ محدثین کی ایک ایسی جماعت سے میں روایت کر رہا ہوں جنہوں نے ان سے روایت کیا ہے اور جب یہ کہوں کہ ”حدثنی فلان عن عبد اللہ“ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس ایک شخص نے ہی مجھ سے روایت کیا ہے۔

متعدد مذاہب کے علما کے اقوال سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ حدیث ”مرسل“ کو قبول کرنے کا رواج ابتداء سے ہی تھا، امام ابو داؤد کے مطابق امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب سے پہلے اس کے قبول کرنے سے انکار کیا، علامہ طبری کی تصریح سے یہ بات سمجھ میں آئی کہ دوسو ہجری کے بعد اس بدعت کا آغاز ہوا، اگر مقام میں اتنی گنجائش

اس الزام میں کہیں سے کہیں تک کوئی دم نہیں بلکہ تاریخی شواہد اس بات کی تائید بھی کرتی ہے کہ جن لوگوں نے حقائق کی جستجو کی غرض سے علمائے احناف بالخصوص امام ابو حنیفہ کی حیات کا مطالعہ کیا ہے وہ یہ اعتراف کر چکے ہیں کہ احناف کے پاس حدیث نہیں احادیث کا ذخیرہ تھا، دراصل جن لوگوں نے اس الزام کو ہوا دیا انہوں نے احناف کے اخذ روایت کی شرطوں پر غور نہیں کیا، حدیث خواہ ”مرسل“ ہو یا ”مسند“ احناف نے ان کو قبول کرنے کے لیے ایسے اہم قواعد مقرر کئے ہیں جو کسی بھی محدث کے پاس نہیں ملتے، ہماری گفتگو کا موضوع ان قواعد و ضوابط سے بحث کرنا نہیں ہے اس لیے ہم ان کی تفصیلات میں نہیں جائیں گے البتہ بحث کے دوران بعض قواعدوں کی تشریح ضرور کریں گے۔

حدیث مرسل: - یار لوگوں نے اگر یہ تسلیم کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ اور ان کے تبعین حدیث سے استدلال کرتے ہیں تو ساتھ میں یہ بھی کہہ دیا کہ ان کا اعتماد حدیث ضعیف اس کی خاص قسم ”مرسل“ پر زیادہ ہے، لہذا ہم یہ سمجھنے کی کوشش کریں گے کہ ”حدیث مرسل“ کی حیثیت صرف احناف کے نزدیک ہے یا دوسرے مذاہب کے لوگ بھی اس کی حیثیت کا اعتراف کرتے ہیں، پھر یہ کہ احناف مطلقاً ”مراسیل“ سے استدلال کرتے ہیں یا اس کے کچھ شرائط و قیود بھی ہیں؟

حقیقت یہ ہے کہ ”حدیث مرسل“ کی قبولیت میں احناف تنہا نہیں ہیں، محدثین کی ایک جماعت ”حدیث مرسل“ کو قبول کرتی رہی ہے اور اس کو جت بھی مانتی رہی ہے، سفیان ثوری، مالک بن انس اور امام اوزاعی جیسے قدآور محدثین نے ”حدیث مرسل“ کو قبول کیا اور اس سے استدلال کیا تاریخ علم حدیث میں اس قسم کی حدیث پر کلام کرنے والے سب سے پہلے امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، امام احمد شین امام ابو داؤد (مؤلف سنن ابی داؤد) اہل مکہ کے نام لکھے گئے اپنے ایک پیغام میں لکھتے ہیں:

وأما المراسیل فقد کان یحتج بها العلماء فیما مضی مثل سفیان الثوری، و مالک بن انس، والأوزاعی حتی جاء شافعی فتکلم فیها و تابعه علی ذلک أحمد بن حنبل وغیره (رسالة أبی داؤد الی أهل مكة، دار العربیہ، بیروت)

امام ابن جریر طبری لکھتے ہیں: لم یزل الناس علی العمل بالمرسل وقبوله حتی حدث بعد المائتين القول برده... جمع التابعون بأسرهم علی قبول المراسیل، ولم یأت

ہوتی تو یقیناً میں منکرین کے دلائل کا بھی تجزیہ کرتا مگر یہ مقام کی وجہ سے ہم اسے نظر انداز کرتے ہیں، یہاں یہ ملاحظہ کیجیے کہ کیا احناف کے نزدیک ”مرسل“ مطلقاً حجت ہے یا اس کی کچھ شرطیں بھی ہیں؟

علمائے شافعیہ کا ایک گروہ اس بات پر مصر ہے کہ احناف ”مرسل“ کو مطلقاً حجت مانتے ہیں، اس فکر کو ترویج دینے والے سرکردہ علما میں سے علامہ شیرازی، علامہ قرافی، علامہ آمدی اور امام رازی ہیں، تفصیل کے لئے دیکھئے السمع فی اصول الفقہ، ص ۷۴، مطبوعہ مصطفی البابی، مصر۔ شرح تنقیح الفصول، ص ۶۷۹، مطبوعہ الکلیات الأزہریہ، المحصول، ۲/ ۶۵۰ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

سچ یہ ہے کہ احناف کے نزدیک ”مراسیل“ مطلقاً حجت نہیں، اس کے مقبول ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ اگر ارسال کرنے والے راوی کا تعلق قرون ثلاثہ سے ہے تو اس کی ”مرسل روایت“ اس وقت تک قابل حجت ہوگی جب تک کہ اس کے بارے میں یہ معلوم نہ ہو کہ وہ غیر عادل اور غیر ثقہ سے روایت کرتا ہے، اگر یہ پتہ چل جائے کہ ارسال کرنے والا راوی غیر ثقہ سے روایت کرتا ہے تو اس کی ”مرسل روایت“ مقبول نہیں ہوگی، قرون ثلاثہ کے بعد اگر کوئی راوی ”ارسال“ کر رہا ہے تو اس کی روایت اس وقت تک قابل احتجاج نہیں ہوگی جب تک اس کے بارے میں یہ مشہور نہ ہو کہ وہ ثقہ اور عادل سے ہی روایت کرتا ہے، مزید وضاحت کے لئے علامہ سرخسی کی یہ عبارت ملاحظہ کیجئے:

و اصح الأقاویل فی هذا ما قاله أبو بکر الرازی: ان مرسل من كان من القرون الثلاثة حجة مالم يعرف منه الروایة مطلقاً عمن ليس بعدل ثقة، ومرسل من كان بعدهم لا يكون حجة الا من اشتهر بأنه لا يروى الا عمن هو عدل ثقة، لأن النبی ﷺ شهد للقرون الثلاثة بالصدق والخیرة فكانت عدالتهم ثابتة بتلك الشهادة مالم يتبين خلافهم، وشهد علی من بعدهم بالكذب بقوله ”ثم يفشو الكذب“ فلا تثبت عدالة من كان فی زمن شهد علی أهله بالكذب الا بروایة من كان معلوم العدالة يعلم أنه لا يروى الا عن عدل. (أصول

السرخسی ۱/ ۳۶۲، دار الكتاب العربی، بیروت)

علامہ سرخسی کی عبارت اور بھی واضح ہے وہ فرماتے ہیں:

الفصل الأول: فی الانقطاع الظاهر وهو المرسل من الأخبار، وهو علی أربعة أوجه: أحدها: ما أرسله الصحابی. ثانيها: ما أرسله القرن الثاني. ثالثها: ما أرسله العدل فی كل عصر. رابعها: ما أرسله من وجه، وأستد من وجه. فأما الأول: فمقبول بالاجماع. وأما الثاني فحجة عندنا وهو قول مالك و جمهور المعتزلة. وأما الثالث: فكذلك عند الكرخی فإنه لا یفرق بین مراسیل أهل الأعصار ویقول: من تقبل روايته مسنداً تقبل روايته مرسلًا... وأما الرابع: فلا شبهة فی قبوله عند من تقبل المرسل، وأما من لم یقبله فقد اختلفوا فیہ. قال بعض أهل الحديث: انه مردود لأن حقيقة الأرسال تمنع القبول فشبّهته بمنع أيضاً احتیاطاً. وعامتهم علی أنهم حجة لأن المرسل ساكت عن حال الراوی، والمسند ناطق، والساكت لا يعارض الناطق. (أصول السرخسی ۱/ ۳۵۹، ۳۶۳ دار لكتاب العربی، بیروت. كشف الأسرار علی أصول البزدوی ۲/ ۸. كشف الأسرار شرح المصنف علی المنار ۲/ ۳۵، ۳۶۲، دار الكتاب الاسلامی، مصر)

پہلی فصل ظاہری انقطاع کے بارے میں یہ مرسل ہے اور اس کی چار قسمیں ہیں:

اول: ارسال کرنے والا راوی صحابی ہو۔

دوم: ارسال کرنے والے راوی کا تعلق قرن ثانی سے ہو۔

سوم: کسی بھی زمانہ میں ارسال کرنے والا راوی عادل ہو۔

چہارم: ایسی روایت جو ایک سند سے مرسل ہو اور کسی دوسری سند سے ”مسند“ ہو

پہلی قسم بالا جماع مقبول ہے، دوسری قسم ہمارے نزدیک حجت ہے یہی امام مالک اور جمہور معتزلہ کا بھی قول ہے

تیسری قسم کرخی کے نزدیک مقبول ہے ان کے نزدیک اہل علم کے ”مراسیل“ میں کوئی فرق نہیں، ان کا ماننا ہے کہ جس کی ”مسند“ روایت مقبول ہے اس کی ”مرسل“ بھی مقبول ہے۔

چوتھی قسم جو لوگ ”مرسل“ کو قبول کرتے ہیں ان کے نزدیک چوتھی قسم کے مقبول ہونے میں بھی کوئی شبہ نہیں، جو لوگ اسے قبول نہیں

کرتے ان کے نزدیک اس چوتھی قسم میں اختلاف ہے، بعض اہل حدیث کا کہنا ہے کہ وہ مردود ہے کیونکہ ”مرسل“ (علی الاطلاق) غیر مقبول ہے احتیاطاً جہاں شبہ ہوگا وہ بھی روایت غیر مقبول ہوگی، اکثر محدثین کا ماننا ہے کہ یہ حجت ہے، کیونکہ ”مرسل“ (”س“ کے کسرہ کے ساتھ) راوی کے حال سے خاموش ہوتا ہے اور ”مسند“ (”س“ کے کسرہ کے ساتھ) راوی کے حال کو بیان کرتا ہے لہذا اسکت ناطق کا معارض نہیں ہو سکتا۔

ان تصریحات کی روشنی میں واضح ہو گیا کہ احناف کے نزدیک حدیث ”مرسل“ مطلقاً قابل قبول نہیں بلکہ ارسال کرنے والا اگر عادل و ثقہ ہے تو اس کا ارسال قبول کیا جائیگا اور وہ روایت حجت ہوگی، اگر ارسال کرنے والا راوی ثقہ و عادل نہیں تو اس کی روایت قابل قبول نہیں اس تصریح کے بعد اب بھی اگر کوئی یہ کہے کہ احناف ”مرسل“ جو کہ ضعیف ہوتی ہے، کو قبول کرتے ہیں، تو ایہ اس کا اپنا نظریہ ہوگا، احناف کے اصول کی ترجمانی نہیں ہوگی، مجتہد مطلق امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (م: ۲۰۳) جو حدیث ”مرسل“ کی قبولیت سے انکار کرنے میں سر فہرست ہیں، کا قول مضطرب ہے کیونکہ مرسل کی قبولیت اور اس کے حجت ہونے کا تو انکار کر دیا مگر جب قواعد کی تعلیق کرنے آئے تو ”مراسیل“ سے استدلال کر بیٹھے، انہوں نے یہ کہا کہ ”مراسیل ابن مسیب کے علاوہ کوئی بھی مرسل حجت نہیں، پھر کہیں ”ابن مسیب“ کے ”مرسل“ کو بھی رد کر دیا، پھر کہیں ”ابن مسیب“ کے علاوہ دیگر ”مراسیل“ کو قبول کر لیا، پھر یہ کہا کہ اگر ”مرسل“ کی تقویت کسی ”مسند“ سے ہو جائے تو اسے قبول کر لیا جائیگا، ان سب کی تفصیل اگر ملاحظہ کرنا چاہیں تو امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کتاب ”الرسال“ مطبوعہ دار التراث، قاہرہ کا فقرہ نمبر ۱۲۶۳ اور اس کے بعد کا مطالعہ کریں وہاں کافی تفصیل موجود ہے اس لئے ہم ان تمام عبارت کو نقل کرنے سے قاصر ہیں، یونہی ”مراسیل ابن مسیب“ سے متعلق امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مضطرب اقوال کو ملاحظہ کرنے کے لئے، امام شافعی کی کتاب ”الامامۃ“ ۱۵۸/۲ پر علامہ مرنی شافعی کا مطبوع حاشیہ بنام ”مختصر مرنی“، امام ابن ابی حاتم کی ”المراسیل“ ۱۲ مکتبہ منتہی بغداد، امام نووی کی کتاب ”المجوع“ ۹۹/۱، حافظ علانی کی کتاب ”جامع التحصیل فی احکام المراسیل، الدار العربیہ بغداد، ص ۳۵ ”تدریب الراوی“ وغیرہ کا مطالعہ کیجئے۔

”تدریب الراوی“ کے مطابق تو امام مسلم نے بھی اپنی صحیح میں

”مراسیل“ کی تخریج کی ہے، یہ اور بات ہے کہ اس تخریج سے ان کا مقصد استدلال نہیں ہے۔ تاہم اپنے مقدمہ میں بطور استدلال ضرور ذکر کیا ہے، اگر بعض علماء کے مطابق ”مرسل“ کا عام معنی یعنی جو متصل السند نہ ہو احتیاط خواہ کہیں بھی ہوگا اعتبار کیا جائے تو امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کتاب ”مسند شافعی“ میں بھی آپ کو اس کی بہتر مثال ملے گی، ان سب کے باوجود صرف امام ابو حنیفہ کو مورد الزام ٹھہرانا کہاں کا انصاف ہے؟

خبر واحد اور امام اعظم ابو حنیفہ: مقررین نے یہ بھی الزام لگایا ہے کہ جس طرح امام ابو حنیفہ احادیث کی دوسری قسموں کو رد کر دیتے ہیں اسی طرح ”خبر واحد“ کو بھی رد کر دیا ہے بلکہ ”احاد“ کی موجودگی میں قیاس کو ترجیح دیتے ہیں، جبکہ دیگر الزام کی طرح اس الزام میں بھی کوئی حقیقت نہیں ہے، احناف کے فقہی قواعد اور حدیثی اصول کا اگر آپ جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ دوسرے ائمہ کے یہ نسبت امام ابو حنیفہ ”خبر واحد“ کو کہیں زیادہ قابل قبول سمجھتے ہیں، امام اعظم کا ”امان عبد“ کے مسئلہ سے متعلق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کی طرف رجوع کر لینا کوئی ڈھکا چھپا مسئلہ نہیں جو شخص حضرت عمر کی رائے کی طرف رجوع کر سکتا ہے، کیا اس کے لئے نبی اکرم ﷺ کی حدیث عمر کے قول سے زیادہ اہمیت کا حامل نہیں، خبر واحد کے سلسلہ میں امام ابو حنیفہ کا موقف اگر جاننے کا ارادہ ہو تو امام ابو یوسف اور امام محمد کی کتاب ”الاثر“ کا مطالعہ کیجئے، احناف کے نزدیک خبر واحد کی کیا حیثیت ہے اس کو جاننے کے لئے امام محمد کی کتاب ”المبسوط“ بھی بہت مفید ثابت ہوگی جہاں انہوں نے صحابہ کرام کے مواقف کی متعدد مثال کے ذریعہ ”خبر واحد“ کی حجت اور احناف کا اس سے استدلال کرنے پر بڑی سیر حاصل گفتگو کی ہے۔

تاہم جیسا کہ گذر چکا کہ امام ابو حنیفہ کے اصول روایت حدیث کے سلسلہ میں بہت سخت تھے ہمیں یہاں بھی وہی بات نظر آتی ہے، چنانچہ کسی خبر کے مقبول ہونے میں جس طرح تمام ائمہ نے راوی کے عادل اور ضابط ہونے کی قید لگائی ہے اسی طرح امام ابو حنیفہ نے بھی اس قید کو معتبر سمجھا ہے مگر ضبط کی جو تفسیر احناف نے کیا ہے اس کی مثال نہ تو کسی محدث کے ہاں ملتی ہے اور نہ ہی کسی فقیہ کے نزدیک، علامہ فخر الاسلام بزدوی ”ضبط“ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وأما الضبط فإن تفسيره هو سماع الكلام كما يحق سماعه ثم فهمه بمعناه الذي أريد به ثم حفظه، ببذل المجهود،

ثم الثبات عليه بمحافضة حدوده ومراقبته بمذاكرته على اسائه الظن بنفسه الى حين أدائه، وهو نوعان: ضبط المتن بصيغته ومعناه لغة، والثاني: أن يضم الى هذه الجملة ضبط معناه فقها وشريعة، وهذا أكملها والمطلق من الضبط يتناول الكامل ولهذا لم يكن خبر من اشتدت غفلته خلقة مسامحة ومجازفة وحجة لعدم القسم الاول من الضبط ولهذا قصرت رواية من لم يعرف بالفقه عند معارضة من عرف بالفقه في باب الترجيح او المراد منه (اصول فخر الاسلام ۷/۲۷۱)،

علامہ بزدوی کی اس تصریح سے معلوم ہوا کہ احناف نے ضبط کی بڑی گہری تشریح کی ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ راوی کی فقہ کو بھی ضبط کا حصہ شمار کیا ہے، روایتوں بالخصوص خبر واحد سے متعلق اتنی کڑی شرط کے باوجود یہ کہنا کے احناف کے نزدیک احادیث کی کوئی حیثیت نہیں کتب ائمہ کا مطالعہ نہ ہونے کی دلیل ہے، یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ جن لوگوں نے امام اعظم ابو حنیفہ پر روایتیں کم کرنے کا الزام لگایا ہے وہ درحقیقت علم حدیث میں ان کا کمال احتیاط، روایت حدیث میں ان کی ٹھوس شرطیں تھیں، کشف الاسرار میں ہے:

قلت الرواية عند أبي حنيفة حتى قال بعض الطاعنين انه لا يعرف الحديث وليس الأمر كما ظنوا بل كان أعلم عصره بالحديث ولكن لمراعاة شرط كمال الضبط قلت روايته (كشف الأسرار ۷/۲۸۱)

امام اعظم ابو حنیفہ سے کم تعداد میں حدیثیں مروی ہونے کی وجہ سے بعض مخالفین یہ کہہ دیا ہے کہ انہیں حدیث کا علم ہی نہیں تھا، جبکہ معاملہ یہ ہے کہ وہ اپنے زمانہ کے سب سے عظیم اور سب سے بڑے محدث تھے، کمال ضبط کی شرط ان کی نگاہ میں تھی اس لئے روایتیں کم کرتے تھے۔ (کشف الاسرار ۷/۲۸۱، بیروت)

خبر واحد سے متعلق احناف کا نظریہ جان لینے کے بعد اب ذرا اس الزام کی نقاب کشائی کی جائیگی کہ امام اعظم ”خبر واحد“ اور ”قیاس“ کے تعارض کے وقت ”خبر“ کو چھوڑ کر ”قیاس“ کو ترجیح دیتے ہیں!! علامہ ابن عبد البر مالکی ایک قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

كثير من أهل الحديث استجازوا الطعن على أبي حنيفة لردّه كثيراً من أخبار الأحاد العدول، لأنه كان يذهب

في ذلك الى عرضها على ما اجمع عليه من الأحاديث ومعانئ القرآن الكريم فما شذ من ذلك رده وسماه شاذاً. بہت سارے محدثین نے امام اعظم ابو حنیفہ پر یہ الزام لگایا ہے کہ انہوں نے عادل راویوں کی ”اخبار آحاد“ کو نظر انداز کر دیا ہے کیونکہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ خبر واحد کا قرآن کریم کے معنی اور متفق علیہ احادیث سے اگر تعارض ہو جائے تو ایسی روایت کو رد کر دیا جائیگا اور یہ روایتیں شاذ کہلائیں گی۔

خبر واحد اور قیاس کے متعارض ہونے کی صورت میں محدثین فقہاء کا ماننا ہے کہ خبر واحد کو ترجیح ہوگی خواہ اس کی نوعیت کچھ بھی ہو، امام اعظم ابو حنیفہ کے موقف کو سمجھنے کے لئے اصحاب مذہب کی عبارتوں کی طرف رجوع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی آراء اس باب میں مختلف ہیں علامہ عیسیٰ ابن ابان اور فخر الاسلام علامہ بزدوی کچھ تفصیل کے ساتھ یہ کہتے ہیں کہ ”اخبار آحاد“ فقہیہ اور عادل راوی سے مروی ہوں تو قیاس پر اس کو مقدم کرنا واجب ہوگا اور اگر راوی عادل تو ہے مگر فقہیہ نہیں تو اجتہاد کا دروازہ کھلا رہے گا، صحابہ کرام کے مابین راوی کے غیر فقہیہ ہونے کی صورت میں ہمیں بہت سی ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ انہوں نے راوی کی روایت کو چھوڑ دیا اور قیاس پر عمل کیا، مثلاً حضرت ابو ہریرہ سے مروی حدیث ”الوضوء مما مست النار“ کا پتہ جب حضرت عبد اللہ ابن عباس کو چلا تو آپ نے فرمایا: اگر تم گرم پانی سے وضو کرو تو کیا دوبارہ وضو کرنے کی ضرورت پڑے گی؟؟؟ یہ اور ان جیسی کئی ایک مثال علامہ عیسیٰ ابن ابان نے پیش کر کے یہ بتانے کی کوشش کی ہے راوی اگر فقہیہ نہیں تو اس کی روایت میں اجتہاد کے بعد قیاس کو ترجیح دی جاسکتی ہے۔

ان کان راوی خبر الأحاد عادلاً فقیهاً وجب تقديم خبره على القياس والا كان موضع الاجتهاد، (كشف الأسرار ۷/۲۹۳) ایک دلیل یہ بھی دی ہے کہ قیاس کی حجیت پر سلف کا اجماع ہے لیکن خبر واحد کا نبی اکرم ﷺ تک متصل ہونے میں مشتبہ ہے، لہذا قیاس سے ثابت ہونے والا مسئلہ گویا قوی دلیل سے ثابت ہوا کیونکہ اس کا ثبوت اجماع سے ہے اور یہ خبر واحد سے اقوی ہوتا ہے۔ (سابق) علامہ فخر الاسلام نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر ”خبر واحد“ قیاس کے خلاف ہوگی تو اسے کسی خاص ضرورت یا قیاس کے عمل کو جاری رکھنے کی غرض سے ترک کر دیا جائے گا۔ (سابق)

طرف وہ رجوع کر لے تو کیا نبی اکرم ﷺ کی حدیث اس کے نزدیک تمام چیزوں سے بڑھ کر محبوب نہیں ہوگی؟

قارئین کرام!! اس مختصر بحث کے بعد آپ نے یقیناً یہ جان لیا ہوگا کہ امام اعظم ابوحنیفہ کے مخالفین جو ان پر الزامات لگاتے ہیں ان میں کوئی سچائی نہیں، مخالفت کرنے والے یا تو ایسے تھے جنہیں فقہ و فہم سے کچھ حصہ نہیں ملا تھا، یا ایسے تھے جو عقیدہ کے اعتبار سے گمراہ فرقہ ”جہمیہ“ یا حشویہ“ سے متاثر تھے، یا مذہبی تعصب انہیں امام صاحب کے علم و فضل کا اعتراف کرنے میں مذہبی تعصب ان کے آگے دیوار بن کر حائل تھی۔ حقیقت پسند اور نیک نیت علماء مثلاً امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام اوزاعی، امام عبد اللہ بن مبارک، امام سفیان ثوری، امام ابن عیینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جب ان کا احترام کیا، ان کی تعریف کی، فقہ و فہم کا امام تسلیم کیا تو پھر کسی اور کو ان پر جرح کرنے کا کیا حق پہنچتا ہے، اور اگر کسی متعصب نے کوئی الزام لگا بھی دیا تو نیرتاباں کی روشنی پر اس سے کچھ فرق بھی نہیں پڑتا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حق سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے اور تمام ائمہ و محدثین کا احترام کرنے کی سعادت سے بہرہ ور کرے۔

☆☆☆

دوسری طرف علامہ ابوالحسن کرخی کا ماننا ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ کسی بھی صورت میں قیاس کو ”خبر واحد“ پر مقدم نہیں کرتے تھے، کسی خاص ضرورت کا تحقق ہو یا نہ ہو یونہی قیاس کا عمل جاری رہے یا نہ رہے ہر صورت ”خبر“ ہی کی تقدیم ہوگی، التقریر میں ہے:

إذا تعارض خبر الواحد والقياس بحيث لا جمع بينهما
مكن قلم الغير مطلقا عند الاكثرين، منهم أبو حنيفة والشافعي
أحمد (التقویر والتحصیر شرح تحریر الکمال، ۳۱۸/۲)

فقہائے احناف کے مختلف نظریات کا ذکر کرنے کے بعد راقم اپنے محدود مطالعہ کی روشنی میں علامہ ابوالحسن کرخی کی رائے اور امام اعظم ابوحنیفہ سے متعلق ان کی تشریح کو رائج قرار دیتا ہے، جہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ”خبر واحد“ کو چھوڑ کر قیاس کو ترجیح دی ہے، اس کی کئی توجیہ کی جاسکتی ہے اس کی تفصیل کا یہاں مقام نہیں، ایک یہ ہے کہ امام کے پاس اس حدیث کو ترک کرنے کی قرآن اسلام کی ذکرہ وجہوں کے علاوہ کوئی ایسی ٹھوس وجہ یقیناً رہی ہوگی جو ہماری سمجھ سے باہر ہے، کیونکہ جس کی سوچ و فکر اور تقویٰ کا علم یہ ہو کہ اپنے فتویٰ کے خلاف کسی صحابی کا قول مل جائے تو اس کی

مدرسہ اشرفیہ رضائے حبیب

پھول باغ، جہانماروڈ، حیدرآباد

سن قیام: ۲۵/شوال المکرم ۱۴۲۲ھ بمطابق ۱۳ دسمبر ۲۰۰۲ء

بدست: حضرت العلام حکیم صوفی شیخ محمد کریم الدین عابد صاحب قبلہ علیہ الرحمہ عمل میں آیا

ادارہ کے قیام کا مقصد دینی تعلیم اور اسلام کی ترویج و اشاعت، قوم مسلم کو خواب غفلت سے بیدار کرنا اور ان میں دینی رجحان پیدا کر کے عملی زندگی میں انقلاب برپا کرنا ہے۔ ناظم و بانی مدرسہ مولانا وقاری محمد معارف رضا اشرفی طلبہ کی معیاری تعلیم اور ان کے روشن مستقبل کا درد اور تڑپ ہے دل میں لیے جہد مسلسل جاری رکھے ہوئے ہیں۔ ادارہ ہذا چار سال سے کراہی کی عمارت میں تعلیمی خدمات انجام دے رہا ہے۔ جس میں جنرل طلبہ زیور تعلیم سے آراستہ ہو رہے ہیں۔ نیز ہاسٹل میں بھی رہ کر طلبہ حصول تعلیم میں مصروف ہیں۔ ادارہ غریب و نادار طلبہ کو مفت تعلیم فراہم کرتا ہے، نیز ان کے علاج و معالجہ کی ذمہ داری بھی ادارہ کے ذمہ ہے۔

مستقبل کے منصوبے: ادارہ ہذا کے کئی اہم مقاصد ہیں، جن میں اولین ترجیح ادارہ کے لیے آراضی کا حصول اور ذاتی عمارت ہے، دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ عصری علوم اور کمپیوٹر لیب، سمنال لائبریری، مسجد، طلبہ کو S.S.C کے امتحان میں شریک کرانا، خواتین کے لیے علیحدہ کلاسز، سنٹر وغیرہ۔ محدود ذرائع آمدنی کے سبب ادارہ معاشی مشکلات میں ہے، چند حضرات کے مالی تعاون، چرم قربانی، زکوٰۃ و عطیات، مختصر تعلیمی فیس دہ کا انحصار ہے۔ مزید تفصیل کے لیے ناظم مدرسہ سے بذریعہ فون: 09849773898 یا راستہ رابطہ کیا جاسکتا ہے۔

امام اعظم اور علم بالحديث

امام الامۃ، سراج الامۃ، امام اعظم ابوحنیفہ جیسا مجتہد، محدث اور فقیہ عطا فرما کر اللہ تعالیٰ نے اس امت پر عظیم احسان فرمایا، قرآن فہمی میں رسوخ، معانی حدیث کا درک، آثار صحابہ اور فتاویٰ تابعین پر گہری نظر، مملکت، استخراج و استنباط، خدا داد قوت حفظ، کمال زہد و تقویٰ اور اس خیر امت کے صلحاء، اولیاء، مفسرین، مجددین، فقہاء اور علماء کی اکثریت کا اعتماد و اعتبار جب یہ ساری خوبیاں کسی شخصیت میں یکجا ہو جائیں تو کہیں جا کر ایک ابوحنیفہ بنتا ہے۔ امام اعظم کے علمی اور دینی کارناموں اور خدمات پر تفصیلی گفتگو کرنے کا یہ موقع نہیں ہے، آپ کی جلیل القدر خدمات اپنی جگہ مگر آپ کا سب سے عظیم کارنامہ ”فقہ اسلامی کی تدوین“ ہے۔ آپ نے اپنے اصحاب کی ایک ٹیم کو لے کر یہ عظیم کام شروع کیا، طہارت سے لے کر میراث تک کتاب و سنت سے لاکھوں مسائل کا استنباط فرما کر باضابطہ فقہ اسلامی کو مدون فرمادیا۔ آپ کے تلامذہ نے آپ کے مستخرج مسائل کو اپنی کتب میں محفوظ کر دیا تاکہ آنے والی نسلیں ان سے استفادہ کر سکیں، ان تلامذہ میں امام محمد اور امام قاسمی ابو یوسف کے نام سرفہرست ہیں۔

جہاں اس امت کی اکثریت نے امام اعظم کے فضل و کمال کا اعتراف کیا اور ان کے ذریعہ تدوین کی گئی فقہ کو حرز جان بنایا وہیں بعض حضرات ان کے مخالف بھی ہو گئے، امام اعظم کے مخالفین کو ہم تین طبقوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

(۱) وہ حضرات جو محض بغض و حسد کی بنیاد پر آپ کی مخالفت پر آمادہ ہو گئے، اور آپ کے خلاف مکروہ پروپیگنڈہ کرنے میں کوئی دقیقہ فرورگزاہت نہیں کیا۔

(۲) وہ حضرات جو امام اعظم کے بارے میں درست معلومات نہ ہونے کی وجہ سے حاسدین کے ذریعہ پھیلائے ہوئے پروپیگنڈہ کا شکار ہو گئے، اور پھر خود بھی ان خلاف حقیقت باتوں کی ترویج و اشاعت میں مصروف ہو گئے۔

(۳) وہ حضرات جو غلط فہمی کی بنیاد پر امام اعظم سے ہو گئے، مگر بعد میں جب حقیقت منکشف ہوئی تو اپنے ساریتہ متکبر رجوع کر کے امام صاحب کے فضل و کمال کے معترف اور آپ سے ہو گئے۔ (مگر کچھ لوگ اب بھی ان حضرات کے پہلے والے قول کے امام اعظم کے خلاف غلط فہمیاں پیدا کرنے میں رات دن کو مشغول ان تینوں طبقوں کی نمائندگی کرنے والے حضرات۔ گرامی مستند تاریخی حوالوں سے پیش کئے جاسکتے ہیں مگر ہم فی الحقیقت سے قطع نظر کر رہے ہیں۔ ان ”یارانِ نکتہ دان“ نے امام اعظم کے خلاف کیا کیا شگوفہ چھوڑے اور کس کس طرح ان کے خلاف فرس کی یہ ایک الگ داستان ہے، اس کی اگر ایک جھلک دیکھنا ہو تو بغدادی کی ”تاریخ بغداد“ کا مطالعہ کافی ہے (۱)۔ اس پر دیکھتے ہیں امام اعظم کے اوپر بے شمار الزامات عائد کر دیے گئے۔

(۱) ابوحنیفہ حرجی فرقے کے تھے جو ایک گمراہ فرقہ ہے۔
(۲) ابوحنیفہ حدیث پاک کا بہت کم علم رکھتے تھے۔
(۳) ابوحنیفہ صحیح احادیث کو ترک کر کے ان کے مقابلے میں رائے اور قیاس کو ترجیح دیا کرتے تھے، اسی لئے فقہ حنفی کی بنیاد و سنت پر نہیں بلکہ یہ ابوحنیفہ کے قیاسوں کا مجموعہ ہے جس کے مسائل سنت صحیحہ ثابتہ کے خلاف ہیں۔

(۴) فقہ حنفی کا ایک بڑا حصہ ضعیف اور منکر احادیث پر مبنی ہے۔ پہلے دونوں الزامات سے قطع نظر سر دست ہم ان الزامات کا جائزہ لیں گے۔

تیسرے الزام کے سلسلہ میں ایک بنیادی بات یہ ضروری ہے کہ کوئی بھی وہ شخص جس کے رجحان اجتہاد مطلق پر وہ کے سلسلہ میں اس امت کے اصحاب علم و فضل کا اتفاق ہو۔ بارے میں یہ گمان نہیں کیا جاسکتا کہ وہ جان بوجھ کر محض اپنی ہی کی وجہ سے حدیث کو ترک کرے گا اور رسول اکرم ﷺ کا فرمان

ضعیف تھا اب ظاہر ہے کہ جس کے پاس وہ حدیث آٹھ واسطوں سے پہنچی ہے اس کے نزدیک وہ حدیث ضعیف اور ناقابل عمل ہوگی، اب آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ فلاں مجتہد نے اس ضعیف حدیث پر عمل کیا ہے، اس لئے کہ یہ حدیث ضعیف تو اس مجتہد کے سوسال بعد ہوئی ہے۔

(۳) یہ بات بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ کسی مجتہد کا کسی حدیث پر عمل کرنا اس مجتہد کے نزدیک اس حدیث کے صحیح ہونے کی دلیل ہے، ظاہر ہے کہ اگر ان کے نزدیک وہ حدیث صحیح اور قابل حجت نہ ہوتی تو وہ اس پر ہرگز عمل نہ کرتے۔

ان بنیادی مقدمات کو ذہن نشین کرنے کے بعد اب آپ دیکھیں کہ جس طرح بعد کے محدثین نے احادیث کے رد و قبول کے لئے اپنے اصول بنائے ہیں، اسی طرح امام اعظم بھی اپنے بعض اصول و قواعد کی بنیاد پر حدیث کے رد و قبول کا فیصلہ کیا کرتے تھے، حدیث اور فقہ دونوں پر گہری نگاہ رکھنے والے طویل القدر علماء نے امام اعظم کے استخراج کردہ جزئیات فقہیہ اور احادیث احکام کے گہرے تقابلی مطالعہ کے نتیجہ میں ان اصول و قواعد کو اخذ فرمایا ہے۔ علامہ محمد بن یوسف الصالحی (صاحب سیرت شامیہ) نے اپنی کتاب ”عقود الجمان فی مناقب ابی حنیفۃ النعمان“ میں ان میں سے بعض اصول و قواعد کا ذکر فرمایا ہے، علامہ زبد اللکوشی نے بھی اپنی معرکہ آراء تصنیف ”تأییب الخطیب فیما ساقہ فی ترجمۃ ابی حنیفۃ من الاکاذیب“ میں ان قواعد کو نقل کیا ہے، اسی سے استفادہ کرتے ہوئے ہم یہاں مختصر و اختصار کے ساتھ ان اصول و قواعد میں سے بعض کا تذکرہ کریں گے۔

(۱) اخبار احاد کو کتاب اللہ کے عموماً پر پیش کیا جائیگا، اگر وہ خبر واحد کتاب اللہ کے عموم یا ظاہر کے مخالف ہے تو اس کو ترک کر کے کتاب اللہ کے عموم و ظاہر پر عمل کیا جائے۔ کیوں کہ یہ قاعدہ ہے کہ جب دو دلیل ہوں تو ان میں سے قوی دلیل کو لیا جاتا ہے، کتاب اللہ قطعی الثبوت ہے اور اس کا عموم و ظاہر قطعی الدلالہ ہے۔ تو ظاہر ہے کہ یہ خبر واحد کے مقابلہ میں زیادہ قوی دلیل ہے۔

(۲) ان اصولوں میں سے ایک یہ ہے کہ خبر واحد کی سنت مشہورہ کے معارض نہ ہو، یہ سنت مشہورہ خواہ قولی ہو یا فعلی، یہاں بھی مخالفت و تعارض کے وقت اقوی دلیل کو اختیار کیا جائے گا، اور ظاہر ہے کہ خبر واحد کے مقابلہ میں سنت مشہورہ ثبوت کے اعتبار سے زیادہ قوی ہے۔

پس پشت ڈال کر اپنے قیاس اور رائے کی بنیاد پر فتویٰ دے گا۔ ہمارے اکابر اہل سنت نے اس سلسلہ میں بے شمار دلائل پیش کئے ہیں بلکہ خود جماعت اہل حدیث کے امام و پیشوا شیخ ابن تیمیہ نے اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ تصنیف کیا ہے۔ ”رفع المسلم عن النمة الاعلام“ اس میں انہوں نے ائمہ متبوعین اور مجتہدین امت کی جانب سے اس الزام کا دفاع کیا ہے۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے: راقم سطور کا مضمون ”ائمہ مجتہدین پر ترک حدیث کا الزام“ مطبوعہ جام نور، اپریل ۲۰۰۶ء)

جہاں تک صحیح احادیث کے ترک کرنے کا الزام ہے تو اس سلسلہ میں پہلے چند بنیادی مقدمات ذہن نشین کر لینا ضروری ہے۔

(۱) جس طرح بعد کے محدثین نے حدیث کی صحت و ضعف اور رد و قبول کے لئے کچھ شرائط وضع کئے، میں جب کوئی حدیث ان کی وضع کردہ شرائط پر پوری اترتی ہے اسی وقت وہ اس پر عمل کرتے ہیں، اور اگر وہ حدیث ان کی وضع کردہ شرائط کے مطابق نہ ہو تو وہ اس کو قبول نہیں کرتے خواہ وہ کسی اور محدث کے نزدیک صحیح ہی کیوں نہ ہو، اسی طرح ائمہ متقدمین اور اصحاب اجتہاد نے بھی احادیث کے رد و قبول کے کچھ اصول بنائے ہیں جب کوئی حدیث ان کے ان اصولوں پر پوری اترتی ہے اسی وقت وہ اس پر عمل کرتے ہیں، اور اگر ان کے وضع کردہ اصولوں پر پوری نہ اترے تو وہ اس پر عمل نہیں کرتے، یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ جب مطلوبہ شرائط نہ پائے جانے کی وجہ سے بعد کے محدثین ”ترک حدیث“ کرتے ہیں تو ان کے بارے میں ”حسن ظن“ سے کام لیا جاتا ہے، مگر جب امام ابو حنیفہ ؓ کے خلاف کسی حدیث کی وجہ سے کوئی حدیث ترک کریں تو آخر ان کو اس حسن ظن کی ”رعایت“ سے کیوں محروم رکھا جاتا ہے؟

(۲) دوسری قابل توجہ بات یہ ہے کہ متقدمین کا کسی حدیث کو صحیح یا ضعیف قرار دینا متاخرین کے لئے توجہ ہو سکتا ہے مگر متاخرین کی صحیح یا ضعیف متقدمین پر حجت نہیں ہے، اس کی وجہ ظاہر ہے کہ ائمہ متقدمین کی اسناد عالی ہوا کرتی تھی اور وہی حدیث بعد کے محدثین کے پاس نازل سند کے ساتھ پہنچا کرتی تھی، مثلاً اگر کسی متقدم امام و مجتہد کے پاس کوئی حدیث دو یا تین واسطوں سے پہنچی تھی اب وہی حدیث آئے جا کر سوسال بعد سات آٹھ واسطوں سے کسی اور محدث کے پاس پہنچی، جس کے پاس حدیث میں صرف دو یا تین واسطے تھے اس کے ایک وہ حدیث صحیح اور قابل اخذ تھی، مگر پانچویں یا چھٹے واسطے کا راوی

(۳) خبر واحد اپنی ہی طرح کی کسی دوسری خبر واحد کے معارض نہ ہو، اگر دو اخبار احاد میں متعارض ہوں تو ان میں سے کسی ایک کو راجح قرار دے کر اخذ کیا جائے گا اور دوسری کو مر جرح قرار دے کر ترک کیا جائے گا، دو متعارض حدیثوں کے درمیان ترجیح دینے کے سلسلہ میں ائمہ مجتہدین کے الگ الگ نظریات اور الگ الگ وجوہ ترجیح ہیں، مثلاً دونوں روایتوں میں سے جس روایت کا راوی فقیہ ہو اس کی روایت کو ترجیح دی جائے گی اور اگر دونوں راوی فقیہ ہوں تو ان میں سے افضل (زیادہ ثقہ والے) کی روایت کو ترجیح ہوگی، یہ احناف کی وجوہ ترجیح ہیں، جبکہ بعض مجتہدین محمد شین کے نزدیک اس خبر کو ترجیح ہوگی جس کی سند دوسری کے مقابلہ میں زیادہ عالی ہوگی۔

(۴) امام اعظم کا خبر واحد کے سلسلہ میں ایک اصول یہ ہے کہ اس خبر واحد کا راوی خود اپنی ہی روایت کے خلاف فتویٰ نہ دے، اگر ایسا ہوگا تو اس کی روایت کو ترک کر کے اس کے فتویٰ کو لیا جائیگا، جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ سے مروی حدیث کہ ”اگر کتا برتن میں منہ ڈال دے تو اس کو سات بار دھویا جائے گا“ مگر خود حضرت ابو ہریرہ کا فتویٰ اس کے برخلاف تھا، لہذا ان کے فتویٰ کو ترجیح دی جائے گی۔

(۵) حدود و عقوبات کے سلسلہ میں اگر اخبار احاد آپس میں متعارض ہوں تو ان میں سے ”اخذ“ کو اختیار کیا جائے گا۔

(۶) اس خبر کو اخذ کیا جائیگا جس کی جانب آثار زیادہ ہوں گے۔
(۷) خبر واحد پر عمل کی ایک شرط یہ ہے کہ وہ صحابہ اور تابعین کے عمل متواتر کے خلاف نہ ہو۔

(۸) خبر واحد کے سلسلہ میں ایک اصول یہ ہے کہ سلف میں سے اس پر کسی کا ظن منقول نہ ہو۔

ان اصولوں کو نقل کرنے کے بعد امام صالحی تحریر فرماتے ہیں: ”فبمقتضى هذه القواعد، ترك الامام ابو حنيفة رحمه الله العمل بأحاديث كثيرة من الآحاد (۲) (ترجمہ) ”انہیں قواعد کی بنیاد پر امام ابو حنیفہ نے بہت سی اخبار احاد پر عمل نہیں کیا ہے۔“

آگے چل کر فرماتے ہیں: ”والحق انه لم يخالف الأحاديث عناداً، بل خالفها اجتهداً لحجج واضحة ودلائل صالحة، وله بتقدير الخطأ اجر وبتقدير الاصابة

اجران، والطاعنون عليه اما حساد، او جهال بسوء الاجتهاد“۔ (۳) (ترجمہ) ”اور حق یہ ہے کہ انہوں نے حساد عناد احادیث کی مخالفت یا ان کا ترک نہیں کیا ہے بلکہ ان کا ترک حدیث اجتہاد کی بنیاد پر تھا جس کے لئے ان کے پاس واضح دلائل اور براین موجود ہیں، اگر ان سے سو ہوا ہے تو ان کے لئے ایک حدیث اور اگر وہ صواب کو کہہ ہوئے ہیں تو ان کے لئے دو ہر ہیں، ان پر جس نے والے یا تو حاسدین ہیں یا پھر مراتب اجتہاد سے نا آشنا ہیں۔“ جہاں تک اس الزام (نمبر ۴) کا سوال ہے کہ فقہ حنفی کی روایتیں ضعیف اور منکر احادیث پر ہے تو اس کے لئے آپ ہمارے بیان کی تین بنیادی مقدمات میں سے نمبر ۲ اور نمبر ۳ کو بغور ملاحظہ فرمائیں۔ مزید یہ کہ امام عبد الوہاب شعرانی نے اپنی کتاب ”میزان شریعہ الکبریٰ“ میں ایک مستقل فصل اس الزام کے جواب کے لئے فرمائی ہے، اس فصل کا عنوان ہے ”فصل فی تضعیف قولہ“۔

قال: ان ادلة مذهب الامام ابی حنيفة ضعيفة غالباً“ (فصل شخص کے قول کی تضعیف میں جو یہ کہتا ہے کہ مذہب امام ابو حنیفہ مستدل احادیث اکثر ضعیف ہیں) اس فصل میں آپ ارشاد فرماتے ہیں: ”فان قيل: اذا قلتم بان ادلة مذهب الامام ابی حنيفة رضى الله عنه ليس فيها شيء ضعيف لسلامة الرواية وبين رسول الله ﷺ من الصحابة والتابعين من الجرح فما جوابكم عن قول بعض الحفاظ عن شيء من احاديث الامام ابی حنيفة بانه ضعيف؟“ (ترجمہ) ”اگر کہا جائے کہ آپ نے کہا امام ابو حنیفہ کے مذہب کے دلائل میں کوئی ضعیف حدیث نہیں ہے، اس لئے کہ ان کے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان راوی صحابہ و تابعین ہیں، اور صحابہ و تابعین جرح سے محفوظ ہیں، مگر حفاظ حدیث نے امام ابو حنیفہ کی مستدل بعض احادیث کو ضعیف قرار دیا ہے اس کا کیا جواب دیا جائے گا؟“

اس سوال کے جواب میں امام شعرانی فرماتے ہیں: ”فالجواب يجب علينا حمل ذلك جزماً على الرواة النازليين في الامام في السند بعد موته رضى الله تعالى عنه ان ذلك الحديث من طريق غير طريق الامام اذ كل حجة وجدناه في مسانيد الامام الثلاثة، فهو صحيح لانه لو لا

الامام في السند بعد موته رضى الله تعالى عنه ان ذلك الحديث من طريق غير طريق الامام اذ كل حجة وجدناه في مسانيد الامام الثلاثة، فهو صحيح لانه لو لا

شیوخ کے بارے میں (متاخرین کے مقابلے میں) زیادہ بہتر جانتے تھے، امام ابو حنیفہ اور صحابی کے درمیان عام طور پر پروا دی ہیں۔“

فقہ حنفی کے ضعیف روایت پر مبنی ہونے کے الزام کا ہم جائزہ لے رہے ہیں تو اس اہم بات کو بھی پیش نظر رکھیں کہ محدثین اور اصولیین کے درمیان حدیث مرسل کو قبول کرنے یا نہ کرنے کے سلسلہ میں ایک اصولی اختلاف ہے۔ ہم یہاں اس اختلاف پر ایک سرسری نظر ڈالیں گے۔ محدثین کے نزدیک مرسل وہ روایت ہے جس کی سند کے آخر سے تابعی کے بعد راوی مذکور نہ ہو، بالفاظ دیگر مرسل وہ روایت ہے جس کو کوئی تابعی بغیر صحابی کا ذکر کئے براہ راست حضور اکرم ﷺ سے روایت کرے، مگر اصولیین اور فقہاء کے نزدیک مرسل اس روایت کو کہتے ہیں جس کی سند متصل نہ ہو، یعنی کوئی ایک راوی یا چند راوی سند سے ساقط ہوں۔ جمہور محدثین کے نزدیک مرسل کا حکم یہ ہے کہ یہ ضعیف و مرود ہے، اور قابل احتجاج نہیں، جب کہ امام شافعی اور بعض دیگر علما کے نزدیک مرسل کی بعض قسمیں چند شرائط اور قیود کے ساتھ معتبر ہیں، اس سلسلہ میں احناف کا اصول وہ ہے جس کو امام سرخسی حنفی نے امام ابو بکر رازی کے حوالے سے لکھا ہے، آپ فرماتے ہیں:

”وأصح الأقاويل في هذا ما قاله أبو بكر الرازي: إن مرسل من كان من القرون الثلاثة حجة مالم يعرف منه الرواية مطلقاً عمن ليس بعدل ثقة، ومرسل من كان بعدهم لا يكون حجة إلا من اشتهر بأنه لا يروى إلا عمن هو عدل ثقة، لأن النبي ﷺ شهد للقرون الثلاثة بالصدق والخيرية فكانت عدالتهم ثابتة بتلك الشهادة مالم يتبين خلافهم، وشهد على من بعدهم بالكذب بقوله ”ثم يفسو الكذب“ فلا تثبت عدالة من كان في زمن شهد على أهله بالكذب إلا برواية من كان معلوم العدالة يعلم أنه لا يروى إلا عن عدل.“ (۷)

(ترجمہ) ”اس سلسلہ (یعنی مرسل کی قبولیت یا عدم قبولیت) میں سب سے صحیح ترین بات وہ ہے جو ابو بکر رازی نے کہی ہے، کہ جس شخص کا تعلق قرون ثلاثہ سے ہے، اس کی مرسل اس وقت تک حجت ہے جب تک اس کے بارے میں یہ معلوم نہ ہو جائے کہ وہ غیر ثقہ اور غیر عادل سے روایت کرتا تھا، قرون ثلاثہ کے بعد کے لوگوں میں اس شخص کی مرسل حجت ہے جس کے بارے میں یہ شہرت ہو کہ یہ غیر ثقہ اور غیر عادل سے روایت

سندہ ما استدلال به ولا يقدح في وجود كذاب او متهم بالكذب مثلاً في سنده النازل عن الامام وكفانا صحة حديث استدلال مجتهد به ثم يجب علينا العمل به ولو لم يروه غير فتأمل هذه الدقيقة التي نبهتكم عليها فلعلكم تحلونها في كلام احد من المحدثين، وایاک ان تبادر الى ضعف شئ من ادلة مذهب الامام ابی حنیفة الا بعد ان تصح مسانيد الثلاثة ولم تجد ذلك الحديث فيها. (۵)

(ترجمہ) ”ہم پروا جب ہے کہ ہم اس کو اس بات پر محمول کریں جتنی طور پر یہ ضعف امام ابو حنیفہ کی وفات کے بعد ان کے بیٹے کے ہاں میں پیدا ہوا ہے، اور انہوں نے یہ حدیث امام اعظم کے علاوہ دوسرے روایت کی ہے، اس لئے کہ امام اعظم کی تینوں مسانید ہم نے جتنی حدیثیں دیکھیں وہ سب صحیح ہیں، اور پھر یہ بات بھی گروہ احادیث امام اعظم کے نزدیک صحیح نہ ہوتیں تو آپ ہرگز ان استدلال نہ کرتے، اور اگر ایسی کسی حدیث کی سند میں امام اعظم کی کوئی راوی کذاب یا متہم بالکذب ہو تب بھی کوئی حرج نہیں کیوں کہ حدیث کی صحت کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ ایک مجتہد نے اس استدلال کیا ہے، لہذا ہمارے اوپر اس حدیث کے مطابق عمل کرنا ہے، خواہ اس حدیث کو کسی اور نے روایت کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ اس بھی طرح غور و فکر کرو، شاید یہ نکتہ جس کی طرف ہم نے توجہ دلائی ہے کسی اور محدث کے کلام میں نہ ملے، اور امام ابو حنیفہ کی متدل بات کو ہرگز ضعیف قرار دینے میں سبقت نہ کرو جب تک کہ تم ان کی شک کا مطالعہ نہ کر لو اور تمہیں اس میں وہ حدیث نہ ملے۔“

ام زہد الکوشی فرماتے ہیں: ”واما تضعیف بعض من جهة بعض شیوخہ، او شیوخ شیوخہ بناء علی بعض المتأخرین فیہم، فلیس بمستساغ، لظہور انه من احوال شیوخہ و شیوخ شیوخہ، و لیس بینہ و بین الا راویان اثنان فی الغالب.“ (۶)

(ترجمہ) ”زہاد یہ کہ بعض متاخرین کے اقوال جو امام ابو حنیفہ کے شیوخ کے شیوخ کے بارے میں ہیں ان کی بنیاد پر امام ابو حنیفہ کو ضعیف قرار دیا جائے، تو یہ درست نہیں ہے، کیوں کہ امام ابو حنیفہ اپنے شیوخ اور ان کے شیوخ کے

نہیں کرتا، اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ نے ان تینوں زمانوں کے لئے صدق اور خیر کی بشارت دی ہے، لہذا اس بشارت کی وجہ سے ان تین زمانوں کے لوگوں کی عدالت ثابت مانی جائے گی، جب تک کہ اس کا خلاف ثابت نہ ہو جائے، اور اس کے بعد کے زمانے کے لئے حضور ﷺ نے کذب عام ہونے کی خبر دی ہے، آپ نے ارشاد فرمایا ثم یفشو الکذب ”اور پھر جھوٹ عام ہو جائے گا“ لہذا جس زمانے کے بارے میں جھوٹ کی خبر وارد ہے، اس میں کسی شخص کی عدالت اس وقت ثابت ہوگی جب کوئی ایسا شخص روایت کرے کہ جس کی عدالت ثابت ہے، اور یہ معلوم ہو کہ یہ اسی سے روایت کرتا ہے جو عادل ہو۔“

اب اگر امام اعظم کے استنباط کردہ کسی مسئلہ کی بنیاد مرسل حدیث پر ہو تو بعد کا کوئی شخص یہ کہنے کا حق نہیں رکھتا کہ فقہ حنفی کے فلاں مسئلہ کی بنیاد مرسل حدیث پر ہے اور مرسل حدیث ضعیف و نامقبول ہوتی ہے۔ کیونکہ اگر بعد کے محدثین کے نزدیک مرسل سے احتجاج جائز نہ ہو نہ سبھی مگر امام اعظم کے نزدیک وہ قابل احتجاج ہے۔ امام اعظم کے پاس جو احادیث ہوں ان میں ایک بڑا حصہ ان احادیث کا تھا جو انہوں نے براہ راست تابعین کی مقدس جماعت سے سنی تھیں، اور بے شمار احادیث آپ نے تبع تابعین سے سماعت کیں، آپ نے ان تابعین یا تبع تابعین کے ارسال کو قبول فرمایا، کیونکہ ثقہ تابعی جب تک کوئی بات اپنے ہی جیسے ثقہ شخص سے نہ سنے اور اس پر اعتماد نہ کرے اس وقت تک کوئی بات اللہ کے رسول ﷺ کی طرف منسوب کر کے نہیں کہے گا، اسی اعتماد کی بنیاد پر قرآن فاضلہ میں ہر اہل کو عام طور سے قبول کرنے کا مزاج تھا، اور ان کو قابل احتجاج سمجھا جاتا تھا۔ ابن جریر کے حوالے سے امام سیوطی فرماتے ہیں: ”قال ابن جریر اجتمع التابعون بأسرهم علی قبول المرسل ولم یات عنہم انکارہ ولا عن احد من الأئمة بعدہم السی رأس المائتین“ (۷) (ترجمہ) ”ابن جریر نے کہا کہ تمام تابعین مرسل کو قبول کرنے پر متفق ہیں، نہ تابعین میں سے اور نہ ہی ان کے بعد انہیں کسی نے دوسری صدی تک مرسل کی قبولیت کا انکار کیا۔“

علامہ زہد کوثری فرماتے ہیں: ”والاحتجاج بالمرسل کان سنة متوارثة، جرت علیہ الامۃ فی القرون الفاضلة، حتی قال ابن جریر رد المرسل مطلقا بدعة حدیث فی رأس المائتین“ (۸)

(ترجمہ) ”مرسل حدیث سے احتجاج کرنا سنت قرآن فاضلہ میں امت کا یہی طریقہ تھا، بلکہ ابن جریر نے کہا ہے کہ مرسل کو مطلقاً رد کر دینا یہ بدعت ہے، جو دوسری صدی پیدا ہوئی ہے۔“

جس طرح مرسل حدیث کو قبول کرنے یا نہ کرنے میں محدثین اور فقہاء کے اصول و قواعد مختلف ہیں اسی طرح محدثین روایت قبول کرنے یا نہ کرنے میں بھی علما کے اپنے اپنے اصول کے مطابق مجہول کی روایت مقبول نہیں، جب کہ کسی کے مطابق کچھ شرائط کے ساتھ ایسے راوی کی روایت مقبول احتجاج ہے۔ اب اگر کوئی مجتہد یا فقیہ اپنے اصول کے مطابق روایت قبول کرتا ہے تو اب یہ کہنا بڑی ناانصافی اور خلاف عدالت ہے کہ اس مسئلہ میں مجہول کی روایت سے احتجاج کیا جائے۔ یہ بات اس لئے درست نہیں کہ ایک مجتہد کے اصول و قواعد حجت نہیں ہیں۔ یہاں ہم مجہول راوی کے سلسلہ میں بھی اشارہ کرنا چاہتے ہیں تاکہ بات اور واضح ہو سکے۔

کسی راوی کے اوپر طعن یا جرح دو طرح ہوتی ہے۔ عدالت پر جرح کی وجہ سے اس کو ضعیف قرار دیا جاتا ہے کے ضبط پر جرح کے سبب اس کی روایت غیر مقبول ہوتی۔ عدالت پر طعن کی کئی وجوہ ہیں، مثلاً کذب، اتہام کذب وغیرہ، عدالت میں طعن کی ایک وجہ ”جہالت راوی“ بھی ہے۔ راوی کی بھی چند قسمیں ہیں مثلاً کبھی راوی مجہول العین ہوتا ہے، مجہول الحال ہوتا ہے، مجہول العین کا مطلب یہ ہے کہ اس ایک ہی راوی نے روایت کی ہو، مجہول الحال کا مطلب یہ ہے عدالت ظاہری اور باطنی دونوں معلوم نہ ہوں، ایسے راوی ”مبہم“ کہا جاتا ہے، مجہول کی ایک قسم مستور ہے اس سے ہوتا ہے جس کی عدالت ظاہری تو معلوم ہو مگر عدالت باطنی ہو۔ مجہول الحال کی روایت جمہور محدثین کے نزدیک مقبول ہے، اور آخر الذکر دونوں قسم کے مجہولوں کی روایت محققین کے نزدیک اور قابل احتجاج ہے۔ امام اعظم کے نزدیک مجہول الحال مقبول ہے۔ امام ابن صلاح نے مقدمہ میں فرمایا ہے: ”اح

علم حدیث کی ابتدائی اصطلاحات سے بھی کما حقہ واقف نہیں ہیں، ان کا مبلغ علم چودھویں صدی کے بعض متعصب علما کی غیر علمی اور غیر بنیادہ اردو کتابوں میں، یا شیخ ناصر الدین البانی اور شیخ ابن باز کی کتابوں کے اردو ترجمے میں، یہ وہ لوگ ہیں کہ ائمہ مجتہدین کی تقلید کو حرام و شرک سمجھتے ہیں مگر امام اعظم پر ترک حدیث کا الزام لگانے میں ان مذکورہ علما کی اندھی تقلید کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

بات ختم کرنے سے پہلے اس روایت کا تذکرہ بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا جس کو خطیب بغدادی نے ابن کرمۃ سے روایت کیا ہے۔

”ابن کرامة قال كنا عند وكيع يوما فقال رجل: اخطأ ابو حنيفة فقال وكيع: كيف يقدر ابو حنيفة يخطئ؟ ومعه مثل ابى يوسف، وزفر في قياهما ومثل يحيى بن ابى زائدة، وحفص بن غياث، وجان، ومندل في حفظهم الحديث، والقاسم بن معين في معرفة باللغة العربية، وداود الطائى، وفصيل بن عياض في زهدهما وورعهما، ومن كان هؤلاء جلساءه لم يكذب يخطئ“ (۱۱) ترجمہ: ”ابن کرامہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم حضرت وکیع کی بارگاہ میں حاضر تھے کہ ایک شخص نے کہا ”ابو حنیفہ نے غلطی کی ہے“ اس پر حضرت وکیع نے فرمایا ”ابو حنیفہ غلطی کیسے کر سکتے ہیں؟ حالانکہ ان کے ساتھ ابویوسف اور زفر جیسے ماہرین قیاس ہیں، اور یحییٰ بن ابی زائدہ، حفص بن غیاث، جان، اور مندل جیسے حفاظ حدیث ہیں، ان کے پاس قاسم بن معین جیسے لغت عرب کے جاننے والے ہیں، داؤد طائی اور فاضل بن عیاض جیسے اصحاب زہد و تقویٰ ہیں، جس شخص کی مجلس میں بیٹھنے والے یہ حضرات ہوں وہ کیسے غلطی کر سکتے ہیں“

مضمون کا اختتام ہم مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے اس ایمان افروز ارشاد پر کرنا چاہتے ہیں جو آپ نے اپنی کتاب ”فیوض الحرمین“ میں فرمایا ہے۔ شاہ صاحب ارشاد فرماتے ہیں: ”عرفنی رسول اللہ ﷺ ان فی المذہب الحنفی طریقة النیقة هی ادق الطرق بالسنة المعروفة التي جمعت ونقحت فی زمان البخاری واصحابی وذلك ان یؤخذ من اقوال الثلاثة قول افریہم بھافی المسئلة ثم بعد ذلك یتبع اختیارات الفقہاء الحنفیین الذین کانوا من علماء

عدالة من حیث الظاهر والباطن جمیعاً وروایتہ غیر مہولۃ عند الجماہیر“۔ (۹) (ترجمہ) ”ان میں سے ایک مجہول بات ہے ظاہری اور باطنی دونوں طرح، ایسے راوی کی روایت کے نزدیک غیر مقبول ہے“

اس قول کی شرح کرتے ہوئے علامہ بدر الدین ابو عبد اللہ محمد النکت محمد ابن الصلاحؒ میں لکھتے ہیں: ”وانما قبل ابو حنیفة ذلک مصر التابعین لغلبة العدالة علیہم“ (۱۰) (ترجمہ) ”ابو حنیفہ نے اس کے دور میں ایسے راوی کی روایت کو قبول کیا ہے، کیونکہ اس دور میں ان کا غلبہ تھا“۔

اسی طرح مجہول العین راوی کو بھی امام اعظم نے قبول کیا ہے۔ یہ ملف میں سے کسی نے اس کی روایت کو مردود قرار نہ دیا ہو۔ اس کی روایت قبول کرنے کا یہ اصول دراصل اس نظریہ پر مبنی ہے کہ عدل کے عادل یا غیر عادل ہونے کے بارے میں کوئی علم نہ ہو تو مسلمان کے حق میں اصل عادل ہونا ہے، لہذا اس کی اصل کو دیکھتے ہوئے مجہول شخص کے عادل ہونے کو ترجیح دی جائے گی، اور اس بات کو قبول کیا جائے گا۔ اس اصول کی بنیاد پر امام اعظم اور بعد کے ائمہ نے مجہول کی روایت قبول کی ہے، اب اگر کسی کی روایت پر امام اعظم نے کسی مسئلہ کی بنیاد رکھی ہو تو یہ نہیں کہا کہ امام ابو حنیفہ نے ضعیف حدیث پر اس مسئلہ کی بنیاد رکھی ہے۔ یہ حدیث ضعیف تو ان مجتہدین یا محدثین کے نزدیک ہے جو اس کی بنیاد پر حدیث پر ضعف کا حکم لگاتے ہیں، لیکن چونکہ اپنے مذکورہ اصول کی وجہ سے ایسے راوی کی حدیث قبول نہیں لہذا ان کے نزدیک یہ حدیث ضعیف نہیں ہے۔

دورہ بالا بحث سے آپ نے اندازہ کیا ہوگا کہ یہ شخص پروپیگنڈہ خلی عمل بالحدیث سے بہت دور ہے یا فقہ حنفی کی بنیادیں ضعیف و متزلزل پر قائم ہیں، اور آج بھی یہ پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے، اس کی اسباب ہو سکتے ہیں مگر شاید اس کا ایک بڑا سبب یہ بھی مطاعہ کی ہے، امام ابو حنیفہ نے فلاں مسئلہ میں خلا کی ہے، فلاں مسئلہ میں حدیث کو ترک کیا ہے، فلاں فلاں مسائل میں احناف نے حدیث ضعیف ہے، یہ باتیں آپ کو وہ لوگ کرتے ہوئے گئے جو حدیث اور علوم حدیث میں مہارت تو دور کی بات شاید

یہ شمارہ آپ کو کیسا لگا؟

جام نور کا زیر نظر خصوصی شمارہ ”اجتہاد و تقلید“ کے موضوع معتدلانہ پیش کش ہے، ہم نے بھرپور کوشش کی ہے کہ یہ شمارہ صحیح تعبیر و تشریح کر کے امت کے لیے سیر اور اعتدال کی راہ بن کر رہے۔ ہم اپنی اس کوشش میں کتنے کامیاب ہیں، براہ ضرورت لکھ بھجیں اور اپنی رائے سے مطلع کریں۔ یہ شمارہ بہت سی باتوں میں سامنے آیا ہے، اس لیے ممکن ہے کہ بعض گوشے تشنگی میں ہوں، لیکن مجموعی طور پر ہم نے اس بحث کے ہر پہلو کا احاطہ اس خصوصی شمارے میں اگر کوئی بات خلاف واقع شائع ہو گئی ہو تو علم اس کی جانب توجہ دلائیں، ہم سراپا شکر گزار ہوں گے۔

بقیہ: شہید نازکی تربت کہاں ہے؟

خدا را ارباب حکومت اور اصحاب دولت سے کوئی بے نشانیاں آخر کیوں بے نام و نشان ہوئیں؟ کیوں بے نام و نشان نشانیاں؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ دولت کی فراوانی نے عقیدتوں میں پیدا کر دیا ہے۔ شاہراہوں کی کشادگی نے دلوں میں تنگی پیدا کر دی۔ عمارتوں کی بلندی نے عقیدتوں میں پستی پیدا کر دی ہے۔ مکانات کی اقامت نے ان مکان کی عظمت و تقدس ختم کر دیا۔ بجلیوں کے رنگین تیز بلب نے محبتوں کی دنیا کو تاریک کر دیا۔ کی صبار قناری نے ایمان کے جذبات کو سست کر دیا ہے اور محبت مہم نے صاحب حرم کی عظمت و محبت کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ ہے تو دنیا کان کھول کر سن لے کہ ان کے گنہگار غلاموں کو یہ نہیں، ان کے قدموں سے لگا ہوا کھنڈر چاہیے۔ صاف ان کے قدموں کی دھول اور خاک رہ گزر چاہیے۔ صفا و مردہ کا اسلام کی اولین خاتون کے مزار اقدس کے قہ پاک کا سامنا بلب نہیں سیدہ فاطمہ کی چٹکی کا ٹکڑا چاہیے۔ کوئی عبدالعزیز جسے نام کی عظمت چاہیے۔ خدا کے لیے اپنی تمام ماہ و دی آسائش لوہاری روحانی یادگاریں اور ایمانی نشانیاں دے دو۔

وہ اندھیرا ہی بھلا تھا کہ قدم راہ پہ تھے
روشنی لائی ہے منزل سے بہت دور ہمیں

الحديث قرب شئى سكت عنه الفلثة فى الاصول وما يعرضوا نفيه ودلت الاحاديث عليه فليس بد من اثباته والكل مذهب حنفى“۔ (۱۲) (ترجمہ) اللہ کے رسول ﷺ نے مجھے بتایا کہ مذہب حنفی میں ایک ایسا بہترین طریق ہے جو سنت معروفہ و مشہورہ کے طریقوں میں سب سے زیادہ دقیق ہے، وہ سنت معروفہ جس کی جمع و تدوین اور تنقیح امام بخاری اور ان کے اصحاب کے زمانے میں ہوئی ہے، اور وہ طریق یہ ہے کہ تینوں اماموں (یعنی امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد) میں سے مسئلہ میں جس کا قول سنت سے زیادہ قریب ہوا اختیار کر لیا جائے، اس کے بعد حنفی فقہاء میں سے جو اصحاب حدیث ہیں ان کے اختیار کردہ موقف کی اتباع کی جائے، کچھ ایسے مسائل ہیں جن کے بارے میں مذکورہ تینوں اماموں نے اصول میں کچھ نہیں فرمایا، اور نہ ہی ان کی نفی کی ہے، لیکن احادیث ان پر دلالت کر رہی ہیں، تو ان کو تسلیم کرنا ضروری ہے، اور یہ سب مذہب حنفی ہی ہے۔

مراجع

- (۱) دیکھئے: تاریخ بغداد، ج ۱۳، الرافضیہ ۳۲۳ تا ۳۵۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت
- (۲) عقود الجمان: بحوالہ تانیب الخطیب، الکوفی، ص: ۲۳۲، المكتبة الازهریہ للتراث، القاہرہ ۱۹۹۸ء
- (۳) مرجع سابق
- (۴) میزان شریعہ الکبریٰ، ج: ۱، ص: ۸۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت
- (۵) مرجع سابق ص: ۸۳، ۸۵
- (۶) تانیب الخطیب: الکوفی، ص: ۲۳۲، المكتبة الازهریہ للتراث، القاہرہ
- (۷) اصول سرخسی: ج ۱، ص ۳۶۳، دار الکتب العربی، بیروت
- (۸) تدریب الراوی، امام سیوطی، ج ۱، ص ۱۹۸، مكتبة الرياض الحديث، الرياض
- (۹) تانیب الخطیب، ص: ۲۳۹، المكتبة الازهریہ للتراث، القاہرہ ۱۹۹۸ء
- (۱۰) مقدمہ ابن صلاح: ص ۱۱۰، دار الفکر المعاصر، بیروت، ۱۳۹۷ھ
- (۱۱) النکت علی مقدمہ ابن صلاح: ج ۳، ص ۳۷۴، مكتبة الضواء السلف، الرياض، ۱۹۹۸ء
- (۱۲) تاریخ بغداد: خطیب بغدادی، ج ۱۳، ص ۳۲۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت
- (۱۳) فیوض الحرمین: شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، ص ۲۸، مطبع احمدی دہلوی، ۱۳۰۸ھ ☆ ☆

شاہ ولی اللہ اور مسئلہ تقلید

کی تھی اس کے سبب بھی ان کے بارے میں ہونے والے بہت سے پروپیگنڈے کو تسلیم کر لیا گیا اور اس طرح شاہ صاحب کے فکر و عمل سے قریب تر جماعت ان کی عظمت و عبقریت سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکی، جبکہ ان کی بعض اصلاحی نوعیت کی اور بعض محرف تحریروں کا سہارا لے کر کئی ایسی جماعتوں نے خوب فائدہ اٹھایا اور آج تک اٹھا رہی ہیں، جنہیں شاہ صاحب کے فکر و مسلک سے دور دور تک کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

فکر ولی اللہی میں تین طرح سے تحریف کی گئی:

۱۔ جعلی و فرضی کتاب

۲۔ ان کی معروف تصنیفات میں دسیسہ کاریاں

۳۔ اور ان کی فکر کی خود ساختہ تعبیرات و توجیہات

شاہ رفیع الدین کے نواسے اور حضرت شاہ صاحب کی کتابوں کے ایک ناشر سید ظہیر الدین احمد نے دو جعلی کتابوں کا ذکر کیا ہے، یہ دونوں کتابیں تحفۃ الموحدین اور البلاغ المبین ہیں (۱)

مشہور اہل حدیث مورخ غلام رسول مہر نے بھی شاہ صاحب کی طرف البلاغ المبین کی نسبت کو غلط قرار دیا ہے (۲) علامہ شبلی نعمانی اور بابائے اردو مولوی عبدالحق نے شاہ صاحب کے نام سے دو کتاب اقرۃ العین فی ابطال شہادۃ النجسین اور ۲۔ الجنتۃ العالیۃ فی مناقب معاویہ، کو فرضی کتابیں قرار دیا ہے (۳) شاہ صاحب کے نام سے ایک اور جعلی کتاب ملتی ہے جس کا نام ”قول سدید“ ہے (۴) وکیل احمد سکندر پوری نے تو صراحت کی ہے کہ البلاغ المبین ”فلاں“ فرقے کی طرف سے شائع کی گئی ہے (۵)

یہ پانچوں کتابیں ایسی ہیں جن کا تذکرہ نہ شاہ صاحب کی کتابوں میں ملتا ہے، نہ ان کا ذکر ان کے کسی شاگرد و مرید نے کیا ہے اور نہ ہی فقیر محمد جمیل (۶) سے لے کر پروفیسر یسین مظہر صدیقی (۷) تک ان کے کسی معتبر سوانح نگار نے ان کتابوں کا تذکرہ کیا ہے۔ (۸)

ان فرضی کتابوں سے بھی زیادہ خطرناک جو تحریف ہوئی ہے وہ

غالب کے میں بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے عہد سے ایک صدی پہلے پیدا ہو گئے تھے، دراصل اردو ادب میں معروف و متداول اس فقرے کا اس کے سوا اور کوئی معنی نہیں ہے کہ ان کا عہد ان کے فکر و فن کی عظمت و بلندی کی معرفت سے قاصر تھا اور ایک صدی بعد والوں کو اس کی قدر و قیمت کا ادراک ہوا۔

اگر یہ بات اسلامیان ہند میں کسی مذہبی شخصیت کے بارے میں کہی جاسکتی ہے تو شاید وہ شخصیت مسند ہندوستان حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۱۶ھ-۱۱۷۶ھ) کی ہے۔ اردو والوں نے غالب کی تعریف و توصیف اور قبولیت و اعتراف کی وہ ساری کیاں بعد میں پوری کر دیں، جس کے غالب زندگی بھر شاکی رہے، اس طرح ان کا حقیقی عہد آکر گزر بھی گیا۔ لیکن شاہ ولی اللہ کے عہد کا اب بھی انتظار ہے۔

اسلام و سنت کے نام پر قائم برصغیر کی ہر جماعت ان کی عظمت کا اعتراف کرتی ہے اور ہر کوئی اپنے فکر و عقیدے کے لیے ان کے اقوال و فرمودات سے دلائل فراہم کرتا ہے، لیکن انہیں پوری طرح سے قبول کرنے کے لیے کوئی بھی تیار نہیں ہے، نہ مقلد نہ غیر مقلد، نہ صوفی نہ سنی، اور نہ سنی نہ غیر سنی، دراصل شاہ صاحب کی شروع میں جس قسم کی صورت گری کی گئی وہ اتنی ملحق اور غیر واقعی ہے کہ ان کی شخصیت اس شعر کا مصداق ہو گئی۔

مفتی شرع میں نے مجھے کافر جانا

اور کافر یہ سمجھتا ہے مسلمان ہوں میں

شاہ صاحب کی جاسنی کو لے کر شروع ہی سے دو مشہور جماعتوں نے ایسا جھگڑا پڑا کہ ان کے حقیقی دارشین اپنے حق سے ہی دست بردار ہو گئے اور اپنی کم آگئی کے سبب انہوں نے شاہ صاحب کو انہیں دونوں عرب فریقین میں سے کسی ایک کا سمجھ لیا اور ان سے کنارہ کشی اختیار کر دی۔ علاوہ ازیں چونکہ شاہ صاحب ایک مجتہد ائمہ شان کے عالم تھے، لہذا ان کے معاصر کو رائے تقلید اور بے روح خانقاہی رسوم کی مخالفت و مذمت

ان کی معروف کتابوں میں حذف و اضافہ اور تغیر و تبدیل ہے۔ جتہ اللہ البالغۃ ہو یا التفہیمات الالہیۃ ان میں متعدد ایسے اجنبی و غریب افکار ملتے ہیں جو شاہ صاحب کی عمومی فکر سے ہم آہنگ نہیں ہیں (۹)

تحریف کی تیسری قسم وہ خود ساختہ تعبیرات و توجیہات ہیں جن کے ذریعے فکر شاہ ولی اللہی کو حسب منشا پیش کیا گیا۔ اس کی بدترین مثال یہ ہے کہ مولانا مسعود عالم ندوی نے شاہ ولی اللہ کو ہندوستان میں شیخ ابن عبد الوہاب نجدی کے مانند قرار دیا ہے (۱۰) عقل حیرت زدہ ہے کہ اس جرأت کو کیا نام دیا جائے، فیوض الحرمین، انفاس العارفین، الدر الثمین، القول الجمیل، الاختیار فی سلاسل اولیاء اللہ اور القول الجلی فی ذکر آثار الولی کے مصنف کا موازنہ صاحب ”کتاب التوحید

فیما یجب من حق اللہ علی العبد“ سے کیا جائے اور دلائل الخیرات، حزب البحر، جواہر خسر، قصیدہ بردہ اور دعائے یمنی وغیرہ کے عامل، سند یافتہ اور اجازت دہندہ کو اسلامی تاریخ میں تصوف کی سب سے بڑی مخالف تحریک کے بانی کے دوش بدوش کھڑا کرنے کی کوشش کی جائے (۱۱) لیکن جب حضرت شاہ صاحب کی تصوف کی کتابیں منظر عام پر آئیں اور ان کی تشہیر ہوئی تو یہ ممکن نہیں رہا کہ پہلے کی طرح شاہ صاحب کی حسب منشا صورت گری کی جائے۔ لہذا تاویلات و توجیہات کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہوا، اس کی ایک مثال پیش ہے۔

حضرت شاہ صاحب نے القول الجمیل میں اصحاب کہف کے ناموں کی تاثیر بیان کی ہے کہ ”یہ نام پانی میں ڈوبنے، آگ میں جلنے اور چوڑی ڈبکتی سے محفوظ رہنے کے لیے اکسیر و امان ہے“ مولانا سید ابوالحسن ندوی صاحب نے پہلے تو اسے شاہ صاحب کے محدثانہ و مجتہدانہ مقام سے متصادم قرار دیا اور پھر اس کی یہ توجیہ کی کہ ”اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ کتاب سفر حرمین ۱۱۴۳ھ-۱۱۴۵ھ سے پیشتر کی تصنیف ہے“ (۱۲) اور یہ توجیہ قوم میں بہت مقبول ہے اور ہر خورد و کلاں کے نوک زبان پر رہتی ہے۔ جب بھی شاہ صاحب کی فکر میں کوئی بات خلاف مرضی ملی، اسے حرمین سے قبل کا قرار دے دیا گیا جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ڈاکٹر مظہر بقا (۱۳) اور دوسرے کئی مصنفین نے شاہ صاحب کی تصنیفات کی توفیق میں القول الجمیل کو سفر حرمین کے بعد کی تصنیف قرار دیا ہے۔

اور اس طرح ان سگانہ تحریفات کے ذریعے حضرت شاہ صاحب کو شیخ ابن تیمیہ اور شیخ ابن عبد الوہاب نجدی کا ہم مسلک بلکہ خود اپنے

پوتے شیخ اسماعیل دہلوی کا تبع بنا کر پیش کیا گیا اور انہیں ابن حزم سے ابن قیم اور شوکانی تک یعنی جیسے غیر مقلدین کی صف میں کھڑا کر دیا گیا۔ بعض نے تو انہیں ہندوستان میں غیر مقلدیت کا بانی قرار دے دیا۔ حالانکہ یہ ساری باتیں خلاف واقعہ اور بے اصل ہیں۔ البتہ یہ سچ ہے کہ شاہ صاحب اپنے زمانے میں رائج کورانہ تقلید اور فقہی جدال کو پسند نہیں فرماتے تھے، متاخرین مقلدین کی وضع کردہ تقلیدی شرائط کو اہمیت دیتے تھے اور فقہائے محدثین کی طرح بعض مسائل میں اختلاف اظہار کے منافی نہیں سمجھتے تھے، ہندوستانی مقلدین کے لیے یہ افکار باطل تھے، شاہ صاحب کی شخصی اور خاندانی وجاہت کے پیش نظر ان کے غلط کوئی محاذ تو قائم نہیں ہوا، البتہ مقلدین کی بڑی تعداد نے ان کی طرف سے بے اعتنائی کا رویہ اختیار کر لیا اور بہتوں نے ان کے بارے میں مقلدین کے پروپیگنڈے کو تسلیم کر لیا اور بعض حضرات نے خود کو مقلدین کرنے کے لیے بھی ان کی بلند قامت شخصیت سے صرف نظر اور ان کی خاندان میں خاندانی وغیرہ خاندانی دونوں قسم کے افراد شامل تھے۔

بہر کیف ان تحریفات کے پیش نظر ہر مسئلے میں بالخصوص اجتہاد تقلید کے باب میں شاہ صاحب کے نظریات کو جاننے کے لیے درست ان کی کتابوں پر اعتماد کرنا چاہیے اور ان کی طرف کسی بھی بات نسبت کرنے میں ان کی عمومی فکر کی رعایت کرنی چاہیے۔ یوں تو شاہ صاحب نے اس موضوع پر اپنے افکار کو اپنی بہت سی کتابوں میں بیان کیا ہے لیکن ان کی تین کتابیں اس ضمن میں خاص اہمیت کی حامل ہیں۔ (۱) جتہ اللہ البالغۃ (۲) غایۃ الانصاف فی بیان الاختلاف (۳) اور عقد الجید فی احکام الاجتہاد و التقليد۔

یہاں ایک اہم حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ ضروری ہے کہ شاہ صاحب کی تحریروں اور نظریات سے قطع نظر وہ عملی طور پر ایک حنفی تھے، حرمین شریفین کے سفر سے پہلے بھی عملاً حنفی تھے اور بعد میں بھی رہے، ان کے تمام فرزند ان، خلفا و تلامذہ کا اس بات پر اتفاق ہے۔ الیانہ الجنبی فی اسانید الشیخ عبدالغنی کے مولف شیخ محسن علی عبدالغنی کی ایک سند کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

ومن لطائف هذا الاسناد انه اجتمع فی اوله
آخرهم ابو عبد العزیز، اشترکوا فی أربعة خصال: فأنهم
أنهم دہلویون مسکنی و عمریون صلبیہ، وأنهم

چنانچہ صحابہ پر تابعین اور ان پر تبع تابعین نے اعتبار کیا، اور اسی طرح علامہ نے اپنے سے پہلے کے علماء پر بھروسہ کیا، اور عقل کا تقاضا بھی یہی ہے۔ کیونکہ شریعت کی معرفت دو طرح سے ہوتی ہے، ایک نقل سے اور دوسرے استنباط سے اور نقل کی صحت کے لیے ضروری ہے ہر طبقہ متصلاً اپنے سے پہلے والے طبقے سے لیتا رہے اور استنباط میں بھی قدماء کے طریقوں کی معرفت ضروری ہے تاکہ ان کے اقوال کی مخالفت کر کے اجماع کی مخالفت نہ کرے (۱۸)

ائمہ اربعہ کی تقلید کے ضروری ہونے کی ایک اور وجہ بیان کرتے ہیں کہ:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اتبعوا السواد الأعظم ولما اندرست المذاهب الحققة الا هذه المذاهب كان اتباعها اتباع السواد الأعظم (۱۹)

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: سواد اعظم کی پیروی کرو۔ چونکہ ان مذاہب اربعہ کے علاوہ بقیہ حق مذاہب باقی نہیں رہے، لہذا انہی کا اتباع ہی سواد اعظم کا اتباع ہے۔“

شاہ صاحب نے ”الحج“ اور ”العقد“ دونوں میں ابن حزم ظاہری کا ایک تفصیلی قول نقل کیا ہے، جس میں تقلید کو مطلقاً حرام قرار دیا گیا ہے، بعض حضرات ابن حزم کے اس قول کو شاہ صاحب کی طرف منسوب کر کے ان کی غیر مقلدیت تک ثابت کرنے لگ جاتے ہیں۔ جبکہ شاہ صاحب نے اس قول کا رد کیا ہے اور اس کا مصداق متعین کرنے کی کوشش کی ہے، فرماتے ہیں:

ولیس محلہ فیمن لا یدین الا بقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولا یعتقد حلالاً الا ما أحله اللہ ورسولہ، ولا حراماً الا ما حرّمہ اللہ ورسولہ، ولكن لما لم یکن له علم بما قاله النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولا بطریق الجمع بین المختلفات من کلامہ ولا بطریق الاستنباط من کلامہ، اتبع عاملاً راہداً علی انہ مصیب فیما یقول ویفتی“ (۲۰)

”ابن حزم کی بات اس شخص کے بارے میں بے محل ہے جو صرف فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی دین سمجھتا ہے اور صرف اللہ و رسول کے بنائے ہوئے حلال و حرام کو حلال و حرام جانتا ہے۔ لیکن چونکہ اسے حضور کے فرمودہ کا علم نہیں، نہ وہ آپ کے مختلف کلاموں میں

اصحاب الزهد والورع، و انہم حنفیون علی مذهب الہمام ابی حنفیة وصاحبہ رضی اللہ عنہم (۱۵)

”اس سند کی ایک خوبی یہ ہے کہ اس کے شروع میں چار لوگ ہیں، جن کے آخری شخص ابو عبد العزیز (یعنی شاہ ولی اللہ) ہیں، یہ چاروں چار صفتوں میں باہم شریک ہیں، یہ سب دہلی کے رہنے والے ہیں اور نسباً فاروقی ہیں اور یہ سب اصحاب زہد و ورع صوفی ہیں اور یہ بھی بو حنفیہ اور صاحبین رضی اللہ عنہم کے مطابق حنفی المسکک ہیں۔“

مشہور اہل حدیث عالم نواب صدیق حسن خاں لکھتے ہیں کہ:

أن الشاہ ولی اللہ الدہلوی قد بنی طریقہ علی عرض المجتہدات علی السنۃ والکتاب وتطبیق الفقہیات بہما فی کل باب..... وطریقہ هذا کلمہ مذهب حنفی (۱۶)

”شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنا یہ طریقہ بنایا کہ وہ اجتہادی مسائل کو کتاب و سنت پر پیش کرتے تھے اور فقہی مسائل کو ان دونوں سے تطبیق دیتے تھے۔۔۔ اور ان کا یہ سارا طریقہ مذہب حنفی ہی ہے۔“

اب آئیے! خود حضرت شاہ صاحب کی طرف، سب سے پہلے تقلید کی تائید میں ان کے اقوال کا جائزہ لیتے ہیں۔ شاہ صاحب اپنی کتاب مسند الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید میں باب سوم کا یہ عنوان تحریر کرتے ہیں:

تاکید الاخذ بهذه المذاهب الأربعة والتشديد فی کتبها والخروج عنها“ ان چاروں مسالک کو اختیار کرنے کی تائید اور انہیں چھوڑنے اور ان سے باہر نکلنے کی ممانعت۔“

اس باب کا آغاز ان الفاظ سے کرتے ہیں:

اعلم أن فی الاخذ بهذه المذاهب الأربعة مصلحة عظيمة وفي الاعراض عنها كلها مفسدة كبيرة ونحن في ذلك بوجوه:..... (۱۷)

”جانو کہ ان چاروں مذاہب کو اختیار کرنے میں ایک بڑی نفع ہے اور ان سب سے روگردانی کرنے میں بڑی خرابی ہے، ہم چند وجوہ بیان کریں گے۔“

پہلی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: ”امت کا اس بات سے ہے کہ شریعت کو جاننے کے لیے متقدمین پر اعتماد کیا جائے،

ساری قومیں اس پر عمل کرتی ہیں، یعنی تقلید ایک فطری تقاضا ہے۔

”قد اتفقت الأمة على صحته قرن بعد قرن بل الامم كلها اتفقت على مثله في شرائعهم“ (۲۵)

”تقلید کے درست ہونے پر ہر زمانے میں امت اسلامیہ کا اتفاق رہا ہے، بلکہ اپنی اپنی شریعت میں ہر قوم تقلید جیسے نظام پر اتفاق کرتی ہے۔

بعض غیر مقلد حضرات جب شاہ صاحب کی مذکورہ بالا ایانے سے مثل دوسری بہت سی عبارتوں سے رو برو ہوتے ہیں تو عموماً سفرِ حرم

والی تاویل کا سہارا لیتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ شاہ صاحب کے درجہ سے بلند فرمائے کہ انہوں نے ایک ایسی تحریر چھوڑی ہے جو اس تاویل کو

سے کاٹ دیتی ہے۔ ان کی کتاب فیوض الحرمین کے بارے میں یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ اس کی تصنیف سفرِ حرمین شریفین کے بعد ہوئی

شاہ صاحب اپنی اسی کتاب میں ایک مقام پر فرماتے ہیں: ”میں نے کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض سے تین ایسی باتوں سے آگاہ ہوا جو

کے بارے میں میں دوسرا خیال رکھتا تھا..... دوسری بات یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وصیت کی کہ میں ان چار مذاہب ہی کی تقلید

کروں اور ان سے باہر نہ نکلوں“ (۲۶)

اس عبارت سے تو صاف ظاہر ہے کہ شاہ صاحب اس سفر کے بعد زیادہ بڑے مقلد ہو گئے تھے۔ لہذا انہیں قطب دائرہ، ترجمانِ حق

صاحب الزمان ماننے والوں کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ از کم اتنے مقلد ہو جائیں، جتنے شاہ صاحب تھے، تصوف کی ان باتوں

سے اتفاق کر لیں جو شاہ صاحب کی کتابوں سے صراحتاً ثابت ہیں اور ان معمولات کو شرک و بدعت کہنے سے باز آجائیں، جن پر ساری زندگی ان

کا عمل رہا ہے یا پھر شاہ صاحب سے دست برداری اختیار کر لیں۔

صرف یہی نہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہ صاحب کو مسالکِ اربعہ کی تقلید کی وصیت کی بلکہ انہیں فقہ حنفی کی ایک

امتیازی خصوصیت سے بھی مطلع فرمایا:

عرفنى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن في المذهب الحنفى طريقة أئمة هي أوفق الطرق بالست

المعروفة التي جمعت في زمان البخاري وأصحابه“ (۲۷)

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بتایا کہ حنفی مسلک میں ایک ایسا عمدہ طریقہ ہے جو دوسروں کے مقابلے میں اس سنتِ مشہور

جمع و توفیق کی صلاحیت رکھتا ہے، نہ آپ کے کلام سے استنباط کر سکتا ہے، اس لیے وہ کسی صحیح عالم کا اتباع کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ وہ اپنے قول اور فتویٰ میں برحق ہے۔“

وہ عوام کے لیے ائمہ اربعہ کی تقلید کو امت کا اجماعی مسئلہ قرار دیتے ہیں اور تقلید شخصی کے مصالح کا کھل کر اعتراف کرتے ہیں:

”ان هذه المذاهب الأربعة المسدونة المحررة قد اجتمعت الأمة - أو من يعتد به منها - على جواز تقلیدها

الى يومنا هذا و ذلك من المصالح مالا يخفى لاسيما في هذه الأيام التي قصرت فيها الهمة جدا واشربت النفوس

الهموى واعجب كل ذي رأي برأيه“ (۱۲)

”بے شک پوری امت یا اس کی غالب اکثریت نے ان چاروں عدوں اور تنقیح شدہ مسالک کی تقلید کے جواز پر آج تک اجماع

کر رکھا ہے، اور اس تقلید کی مصالحتیں پوشیدہ نہیں ہیں، خاص کر اس زمانے میں جس میں ہمتیں بہت پست ہو گئی ہیں اور انسانی نفوس

خواہشات میں مبتلا ہو گئے ہیں اور ہر صاحب رائے اپنی رائے میں خوش اور مست ہے۔“

ایک مقام پر تو آپ نے تقلید شخصی کو الہامی راز قرار دیا ہے، لکھتے ہیں کہ:

”بالجملة فالتمذهب للمجتهدين سر الهمه الله تعالى العلماء و جمعهم عليه من حيث يشعرون

أولاً يشعرون“ (۲۲)

”مختصر یہ کہ مجتہدین کرام کی تقلید ایسا راز ہے جسے اللہ تعالیٰ نے علماء پر الہام فرمایا اور انہیں اس پر جمع کروا، خواہ انہیں اس کا شعور ہوا ہو

خواہ نہ ہوا ہو۔“

عقد الجدید میں امام بغوی سے نقل کیا ہے کہ: ”جو شرائط اجتہاد کا جامع نہیں اسے پیش آمدہ مسائل میں تقلید واجب ہے“ (۲۳) شاہ

صاحب نے اپنی اس کتاب میں عہدِ صحابہ سے لے کر مسالکِ اربعہ کے ظہور تک تقلید کے تسلسل کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ ”کسی بھی قابل اعتبار شخصیت نے تقلید کا انکار نہیں کیا ہے“ ولو كان باطلا لا نكروه“ یعنی

اگر تقلید باطل ہو تو لوگ ضرور اس پر اعتراض کرتے (۲۴) حضرت شاہ صاحب ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ تقلید ایک ایسا فطری مظہر

ہے، جس کے جواز پر صرف امت اسلامیہ ہی کا اتفاق نہیں، بلکہ دنیا کی

الصحابیۃ والتابعین کذاؤد وابن حزم“ (۲۹)
 ”ظاہری وہ ہے جو قیاس اور آثار صحابہ و تابعین کا قائل نہیں ہے۔
 جیسے داؤد ظاہری اور ابن حزم۔“

عقد المجید میں امام بغوی اور امام بیہقی کو بطور فقہائے محدثین
 ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

”وہم غیر الظاہریۃ من اہل الحدیث الذین لا
 یقولون بالقیاس ولا الاجماع، وغیر المتقدمین من
 أصحاب الحدیث ممن لم یلتفتوا الی اقوال المجتہدین
 اصلاً“ (۳۰)

”یہ (فقہائے محدثین) فرقہ ظاہریہ والے اہل حدیث سے الگ
 ہیں جو قیاس کو مانتے ہیں اور نہ اجماع کو، اور یہ قدیم اصحاب حدیث سے
 بھی جدا گانہ ہیں جنہوں نے مجتہدین کے کلام کی طرف بالکل توجہ نہیں کی۔“
 شاہ صاحب نے اپنی تصنیفات میں متعدد مقام پر فقہائے
 محدثین کی صحبت اختیار کرنے اور ان کی پیروی کرنے کا حکم دیا ہے اور
 غیر مقلد اہل حدیث سے پرہیز کرنے کو کہا ہے:

”ولا تصحب جہال الصوفیۃ ولا جہال المتعبدین
 ولا المتشغفۃ من الفقہاء، ولا الظاہریۃ من الحدیث ولا
 الغلامۃ من أصحاب المعقول والکلام بل یکون عالماً
 صوفیاً زاهدا فی الدنیا، دائم التوجہ الی اللہ منصیباً
 بالاحوال العلیۃ، واعیاً فی السنۃ متبعاً للحدیث رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم وآثار الصحابۃ، طالباً للشرحہا
 وبيانہا من کلام الفقہاء المحققین“ (۳۱)

”جاہل صوفیہ، جاہل عبادت گزاروں، متشغف فقہاء، ظاہر
 پرست اہل حدیث اور عالمی قسم کے معتویوں اور متکلمین کی صحبت اختیار
 مت کرو، بلکہ ایک صوفی عالم بن کر رہو جو دنیا سے کنارہ کش اور ہمیشہ
 اللہ تعالیٰ کی جانب متوجہ ہو، بلند احوال میں رنگا ہو، سنت میں رغبت رکھتا
 ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور صحابہ کے آثار کا پیرو ہو
 اور ان احادیث و آثار کا شرح و بیان متحققین فقہاء کے فرمودات کی روشنی
 میں کرنے والا ہو۔“

التفہیمات الالہیہ میں اصحاب طوایر اور غیر مقلدین سے اپنی
 براءت کا اعلان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

کے زیادہ موافق ہے، جس کی جمع و تدوین کا کام امام بخاری اور ان کے
 اصحاب کے عہد میں ہوا۔“

عام ہندوستانی کے بارے میں شاہ صاحب حنفی مسلک کی تقلید کو
 ضروری اور اسے چھوڑنے کو صراحت کے ساتھ حرام قرار دیتے ہیں بلکہ
 یہاں حقیقت کے ترک کو ترک اسلام کا مساوی مانتے ہیں:

وجہ علیہ أن یقلد بمذہب ابی حنیفۃ و یحرم علیہ
 أن یشرح من مذہبہ لأنہ حیثہ یشخلع من عنقہ ربقة
 الشریعة و یشقی مہملاً“ (۲۸)

”اس پر واجب ہے کہ امام ابو حنیفہ کے مسلک کی تقلید کرے اور ان
 کے مذہب سے باہر نکلنا اس کے لیے حرام ہے، کیونکہ ایسا کر کے وہ شریعت
 کی طوق بنی اپنی گردن سے اتار دے گا اور یونہی بے کار رہ جائے گا۔“

آج بہت سے غیر مقلد حضرات بھی اس حقیقت کو سمجھنے لگے ہیں
 کہ شاہ صاحب خواہ کیسے بھی مقلد رہے ہوں، لیکن تھے مقلد ہی اور ان
 کے بزرگوں اور اساتذہ نے ان کے بارے میں جو کچھ بتایا تھا وہ صحیح نہیں
 تھا، شاہ ولی اللہ دہلوی ریسرچ سیل، ادارۂ علوم اسلامیہ علی گڑھ مسلم
 یونیورسٹی کے زیر اہتمام شاہ صاحب پر ہونے والے سمیناروں میں کئی
 لوگوں نے برملا اعتراف کیا کہ ہمارے بزرگ شاہ صاحب کے بارے
 میں غلط فہمی کا شکار تھے، بعض نے یہ سوال بھی اٹھایا کہ اگر شاہ صاحب
 کے یہی معتقدات و معمولات تھے تو شرک و بدعت کے حوالے سے کسی
 خاص شخصیت کو بھی ہدف تنقید کیوں بنایا جائے اور بعض نے واقعی جرأت
 اظہار کرتے ہوئے شاہ صاحب سے اپنی براءت کا اعلان تک کر دیا۔

لیکن یہ غلط فہمی اللہ کی عین کاشی کا رخ ہے، جس سے کم از کم اتنا
 واضح ہے کہ شاہ صاحب عموماً مقلد تھے اور عام طور پر مذہب حنفی پر عمل
 کرتے تھے، اس کا دوسرا اثر یہ ہے کہ ان کی تقلید مردود تقلید سے قدرے
 الگ تھی، یہ اختلاف لگتا تھا اور کس نوعیت کا تھا، آئندہ بطور میں اس کا
 مزہ لیا جائے گا لیکن اس سے پہلے دو اہم باتوں کا ذکر ضروری ہے۔

(۱) شاہ صاحب نے اگر روایتی تقلید سے کہیں اور کسی قدر
 اختلاف کیا ہے تو اس کا اصطلاحی غیر مقلدیت سے کوئی تعلق نہیں ہے،
 میں نے اپنی کتابوں میں متعدد مقامات پر فقہائے محدثین اور اصحاب
 سنی یعنی روایتی غیر مقلدین میں فرق کیا ہے، ایک جگہ فرماتے ہیں:

”والظاہری: من لا یقول بالقیاس ولا بأثر

ایک زمانے سے کسی بلند قامت اور گراں قدر ہمنوا وحامی کی تلاش میں تھے اور آسانی کے ساتھ ان کے توسع کو غیر مقلدیت کا نام دے دیا۔

(۲) دوسری اہم بات جس کا لحاظ یہاں بے حد ضروری ہے یہ ہے کہ تقلید کی حمایت میں تو شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے اقوال پر پوری طرح سے اعتماد و یقین کیا جاسکتا ہے، لیکن اس باب میں جو ان کا تفرع و توسع ہے یا لفظ دیگر اجتہاد کے بارے میں ان کے نظریات کو اختیار کرنے میں بڑے حزم و احتیاط کی ضرورت ہے، کیونکہ ان کی صحت کے بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا ہے، جب ان کے نام سے پوری پوری کتابیں شائع کی جاسکتی ہیں تو ان کی اپنی تصنیفات کے ساتھ کیا کیا ہوگا، اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، خاص کر اس تناظر میں کہ ان کی ”مجتہدانہ“ شان رکھنے والی تمام کتابیں شروع سے یعنی خطوط کے مرحلے ہی سے انہی ہاتھوں میں رہی ہیں جو تقلید کے قائل نہیں تھے یا اس کے بارے میں بے حد نرم و تساہل رویہ رکھتے تھے۔ انہیں لوگوں نے ان کتابوں کو اولاً شائع کیا اور ان کی تشریح و تعلیق کا کام کیا اور آج تک ان کتابوں کی طباعت و اشاعت انہی لوگوں کے ذریعے ہو رہی ہے۔

یہاں یہ عرض کر دوں کہ تحریف کا یہ الزام انہی لوگوں تک محدود ہے، جنہوں نے یہ کام کیا ہے اور کوئی پوری جماعت اور پورا گروہ مورد الزام نہیں ہے، لیکن دو باتیں متعین ہیں، اول یہ کہ شاہ صاحب کی کتابوں میں تحریف ہوئی ہے اور دوم یہ کہ اسی نے کی ہے جو تقلید یا تصوف کو پسند نہیں کرتا ہے۔ لہذا شاہ صاحب کے ان اقوال کو لینے میں سخت احتیاط کی ضرورت ہے، جن میں روایتی تقلید کی مخالفت یا اجتہاد کی حمایت ملتی ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان کی کتابوں میں تحریفات کی شہرت اور ثبوت کو ذریعہ بنا کر ان کے تمام تفرعات و مختارات اور باب تقلید میں ان کے توسع کا مطلق انکار کر دیا جائے، کیونکہ تقلید میں ان کا توسع معاصر مقلدین کی عام روش سے ان کی علاحدگی، مذاہب و مسلک کے درمیان جمع و توفیق کی کوشش، عمل بالمحدیث اور اوراوائف بالسنة کا اختیار وغیرہ فکر شاہ ولی اللہی کے وہ عناصر ہیں جو تو اتر کے ساتھ منقول ہیں اور ہندوستانی تناظر میں ان کے ان تفرعات پر ان کی کتابیں ہی نہیں بلکہ ان کی اولاد، ان کے تلامذہ اور مرید اور ان کے سارے تذکرہ نگار متفق ہیں۔ اسی طرح یہ قاعدہ بڑی حد تک قابل قبول ہو سکتا ہے کہ شاہ صاحب کے توسعات و تفرعات میں جو کچھ مذاہب اربعہ کے ائمہ و علماء

”ولیس منا من ترک ملازمة العلماء احدثی الصوفیة الذین لهم حظ من الکتاب والسنة أو الراسخین فی العلم الذین لهم حظ من الصوفیة أو المحدثین الذین لهم حظ من الفقه، أو الفقهاء الذین لهم حظ من الحدیث، وأما الجهال من الصوفیة والجا حدون للتصوف فالولسک قطع الطرق و لصوص الذین فایاک وایاہم“ (۳۲)

”وہ ہم میں سے نہیں ہے جس نے ایسے علماء کی صحبت ترک کر دی ہے جو صوفیہ ہیں اور جنہیں کتاب سنت کا معتد بہ علم ہے، یا جو ایسے علمائے راخین سے کنارہ کش ہو گیا ہو جو تصوف آگاہ ہیں، یا ایسے محدثین کی ہم نشینی چھوڑ دی ہو جنہیں فقہ سے وافر حصہ ملا ہے، یا ایسے فقہاء کی رفاقت ترک کر دی جو حدیث پر نظر رکھتے ہیں۔ باقی رہے جاہل صوفیہ اور منکرین تصوف تو دونوں چور اور دین کے رہزن ہیں ان سے بچ کر رہو“۔

ان واضح حقائق کی روشنی میں بلا تکلف یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ شاہ صاحب کی غیر مقلدیت کا پرچار یا شیخ ابن عبد الوہاب اور شیخ اسماعیل دہلوی سے ان کی فکری ہم آہنگی کا پرو پگندہ ایک علمی خیانت ہے۔

شاہ صاحب کے نزدیک عام روش سے تصور الگ ہٹنا انہیں دائرۂ تقلید سے باہر نہیں کرتا ہے، ان کے نزدیک ہر فقہی مسلک کے علمائے محققین کا یہی طریقہ رہا ہے جنہیں اقوال فقہیہ کے قوی و ضعیف اصلی والحاقی، راجح و مرجوح کی بصیرت کے ساتھ ساتھ علم حدیث پر قدرت ہوتی تھی، جیسے امام طحاوی، امام ابن ہمام، حافظ حدیث قاسم بن قطلوبغا اور ابن امیر الحاج وغیرہ۔ یہ وہ حضرات ہیں جو متعدد مسائل میں اپنا خاص نقطہ نظر رکھتے تھے، اس کے باوصف خفی تھے، شاہ صاحب کے نزدیک ہر فقہی مسلک میں ایسے علمائے محققین اور فقہائے محدثین کی ایک طویل فہرست ہے۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ حضرت شاہ صاحب نے اپنے تمام تفرعات میں انہی علمائے مقلدین کو سند بنایا ہے اور انہی کے اقوال پر اعتماد کیا ہے اور ان کی رائے میں ان کا طریقہ ہی جمہور مقلدین کا طریقہ ہے اور فقہائے متقدمین اقلیت کی نمائندگی کرتے ہیں۔ یعنی انہوں نے باب تقلید میں اپنے فکری توسع میں بھی تقلید سے کام لیا ہے۔ چونکہ ہندوستان میں یہ پہلی آواز تھی لہذا مقلدین حضرات کی جانب سے اس کی پذیرائی نہیں ہوئی اور میدان خالی دیکھ کر غیر مقلدین نے انہیں اپنا لیا جو

میں غور کرنا ہی بند کر دیا، خدا ہی سے اس صورت حال کی فریاد ہے۔ (۳۳)
اس طویل اقتباس کے خلاصے سے یہ بات ظاہر ہے کہ شاہ صاحب اپنے دور کے تقلیدی رجحان سے اتفاق نہیں رکھتے تھے اور اجتہاد کے عمل کو جاری رکھنا چاہتے تھے۔

شاہ صاحب نے صاف طور پر لکھا ہے کہ چار قسم کے لوگوں کے لیے تقلید جائز نہیں ہے:

۱۔ وہ شخص جسے اجتہاد کی کسی قدر اہلیت حاصل ہے۔ خواہ کسی ایک مسئلے میں کیوں نہ ہو، ”ممن له ضرب من الاجتهاد ولو في مسألة واحدة“ (۳۵) یعنی شاہ صاحب کے نزدیک جو تمام مسائل میں مجتہد ہو اس کے لیے تمام مسائل میں جو کسی ایک مسئلے میں اجتہاد کی صلاحیت رکھتا ہو اسے اس ایک مسئلے میں تقلید کرنا ناجائز نہیں ہے۔

یہاں ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ حضرت شاہ صاحب اجتہاد میں تجزی کے قائل تھے اور یہ ان کے یہاں موضوع میں توسع کی ایک بڑی وجہ ہے۔ شوکانی یمنی نے امام غزالی، امام رافعی، صفی الدین ہندی وغیرہ کو جزوی اجتہاد کے قائلین میں شمار کیا ہے (۳۶) بعض علماء نے جزوی اجتہاد کا انکار کیا ہے ان کی دلیل ہے کہ اجتہاد کا تعلق ایک یا چند مسئلے سے نہیں ہوتا ہے بلکہ یہ ایک ملکہ اور اضافی صلاحیت ہے جس کے ذریعے انسان نصوص کو سمجھنے پر قادر ہوتا ہے اور جہاں نصوص نہ ہوں، وہاں مناط کی تحقیق، تخریج اور تطبیق کر کے استنباط کرتا ہے۔ قدام میں جزوی اجتہاد کا انکار کرنے والے بہت ہیں، معاصرین میں عبد الوہاب خلاف (م: ۱۹۵۶ء) (۳۷) اور شیخ ابو زہرہ (۳۸) جزوی اجتہاد کے جواز کے قائل نہیں ہیں، مؤخر الذکر کے نزدیک اجتہاد و تقلید دو متضاد چیزیں ہیں جو ایک شخص میں جمع نہیں ہو سکتی ہیں۔

بہر کیف! شاہ صاحب کے نزدیک جو شخص جس قدر اجتہاد کی صلاحیت رکھتا ہے اس قدر اس کے لیے تقلید روا نہیں ہے۔ دوسرے شخص کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

۲۔ دوسرا وہ شخص ہے جس پر یہ بات خوب اچھی طرح ظاہر ہو جائے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں بات کا حکم دیا ہے، یا فلاں بات سے منع کیا اور یہ منسوخ بھی نہیں ہے، بائیں طور کہ وہ احادیث اور جامعین کے اقوال میں خوب غور کر چکا ہے لیکن تشکیک نہیں پایا ہے، یا پھر ماہر علماء کے ایک جم غفیر کو اس قول کی حمایت میں پایا ہے اور اس کی

کے اقوال کے دائرے میں ہیں، اس کی نسبت ان کی طرف کی جاسکتی ہے اور جو بات بالاتفاق مذاہب اربعہ کے علماء کے خلاف ہو اور کسی بھی فقیہ و مقلد نے اس کا قول نہ کیا تو ایسی بات ضرور محرف اور بدسوس ہوگی۔

حجة الله البالغة اور غایۃ الانصاف میں شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے اسلام میں فقہی اختلاف کا تفصیلی جائزہ لیا ہے، صحابہ و تابعین کے درمیان کے اختلاف کو بیان کیا ہے اور ان کے اسباب کا بھی ذکر کیا ہے اور پھر فقہی مذاہب کے ارتقاء اور ان کے مابین ہونے والے اختلافات اور ان کے وجوہ پر روشنی ڈالی ہے۔ اصحاب رائے اور علمائے حدیث کے درمیان اختلاف کا بھی جائزہ لیا ہے، شاہ صاحب کے مطابق قرون مشہود لہا بالخیر میں تقلید تھی مگر شخصی نہیں تھی، دو صدیوں کے بعد معین مجتہد کی تقلید کا رجحان پیدا ہوا اور دھیرے دھیرے تقلید شخصی کا رواج بڑھتا گیا لیکن چوتھی صدی تک کسی مذہب معین کی تقلید پر عام اتفاق نہیں تھا اور اس عہد تک اجتہاد و تقلید دونوں شانہ بشانہ چل رہے تھے اور شاہ صاحب کے نزدیک یہاں تک قابل قبول تھا۔ (۳۳)

پھر ایسے اسباب پیدا ہوئے کہ لوگ تقلید پر قانع ہوتے گئے، ان میں نمایاں تین سبب تھے (۱) فقہاء کا مسلسل باہمی جدال حتیٰ کہ صورت حال یہ ہو گئی کہ ہر مفتی (مجتہد) کے فتوے پر مناقشہ ہوتا اور اسے اپنی حقانیت کے لیے متقدمین سے نظیر انی پڑتی اور اس طرح اجتہاد کا دائرہ غیر شعوری طور پر سست چلا گیا (۲) تقلید کے انتشار میں دوسرا سبب قاضیوں کا ظلم تھا، چونکہ لوگوں کو ان کی امانت پر بھروسہ کم ہو گیا تھا، لہذا ان کے اجتہاد کی ضرورت نہ رہی اور لوگ قدام کے اقوال پر قناعت کرنے لگے (۳) تیسرا سبب علماء کی ناواقفیت اور کم علمی تھی جو تقلید کے رائج ہونے میں معاون ہوئی۔ لوگوں میں توسع کے بجائے تعق، قیل و قال، مناظرہ اور جدال نے رواج پایا اور دھیرے دھیرے نوبت بایں جا رسید کہ آج کا فقیہ فضول گو اور منہ پھاڑ کر بات کرنے والا بن گیا ہے، جس نے بلا امتیاز صحت و ضعف کے اقوال فقہاء کو حفظ کر لیا ہے اور جھاگ بھرے منہ سے انہیں بیان کرتا رہتا ہے اور آج محدث کا یہ حال ہے کہ صحیح و حتم ہر قسم کی روایت کا شمار کرتا رہتا ہے اور داستان گو کی طرح انہیں بیان کرتا ہے اور ایسے علماء بہت کم ہیں جو حقیقت میں علم رکھتے ہیں۔

شاہ صاحب مزید لکھتے ہیں کہ اور اس طرح ہر بعد کی صدی پہلی سے بدتر ہوتی گئی، تقلید کا رواج بڑھتا گیا اور لوگوں نے دین کے معاملے

مخالفت میں اس کے پاس قیاس و استنباط کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

۳- تیسرا وہ عامی ہے جو کسی معین فقیر کی تقلید کرتا ہے اور اپنے امام سے صدور خطا کو محال سمجھتا ہے اور اس کے اقوال میں حق کو محصور جانتا ہے اور اس نے اپنے دل میں یہ طے کر لیا ہے کہ امام کے خلاف کسی ہی دلیل کیوں نہ ملے وہ اس کی تقلید نہیں چھوڑے گا۔

شاہ صاحب نے ایسے شخص کو اس حدیث کے مصداق بتایا ہے جسے امام ترمذی نے اپنی جامع کی کتاب التفسیر میں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان نواخذہ و احبارہم و رہبائہم اربابامن دون اللہ کے ضمن میں حضرت عدی بن حاتم سے روایت کیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”أنہم لم یسکونوا یعبدوہم ولکنہم کانوا اذا أحلواہم شئاً استحلواہ و اذا حرموا علیہم شئاً حرمواہ“ ”وہ اپنے مذہبی پیشواؤں کی عبادت نہیں کرتے تھے۔ لیکن جس چیز کو وہ ان کے لیے حلال کرتے تھے، اسے حلال سمجھتے تھے اور جس چیز کو ان پر حرام کرتے تھے اس کو حرام سمجھتے تھے۔“

۴- چوتھا اور آخری شخص جس کے لیے تقلید جائز نہیں ہے بقول شاہ صاحب وہ ہے: جو شخص یہ بات جائز نہ سمجھتا ہو کہ حنفی شافعی سے اور شافعی حنفی سے مسئلہ دریافت کرے یا کوئی حنفی شافعی امام کی اقتدا کرے (۳۹) شاہ صاحب کی آخری بات عجیب اور ناقابل فہم ہے، کسی کے نزدیک یہ بات غیر مرغوب فیہ تو ہو سکتی ہے لیکن اس کی وجہ سے کسی پر تقلید حرام ہو جائے یہ بات سمجھ سے پرے ہے۔

حضرت شاہ صاحب نے فقہ کی کتابوں میں مذکور اجتہاد کی سخت اور ناقابل حصول شرائط کا انکار کیا ہے اور اس بات کو بھی گمان فاسد قرار دیا ہے کہ آج کے زمانے میں کوئی مجتہد نہیں ہو سکتا ہے۔ (۴۰)

شاہ صاحب نے مجتہد کے مختلف مراتب اور ان کی تعریفات میں بھی فقہائے احناف سے اختلاف کیا ہے یا اس تقسیم کے التزام کو غیر ضروری سمجھا ہے۔ انہوں نے شوافع کے طور پر مجتہدین کی تقسیم کرتے ہوئے مجتہد مطلق کو مجتہد مستقل اور مجتہد منسوب میں تقسیم کیا ہے، مجتہد منسوب احناف میں مجتہد فی المذہب کی طرح ہے۔ اس کے بعد مجتہد کے دو درجے مجتہد فی المذہب اور مجتہد فی الفتویٰ کا بیان کیا ہے اور بقول شاہ صاحب یہ سب مرتبہ اجتہاد پر فائز ہوئے ہیں۔ (۴۱)

شاہ صاحب اپنی بیشتر کتابوں کے متعدد مقامات پر فقہاء کے

ترک حدیث اور محدثین کے فقہ و استنباط سے بے اعتنائی کا شکویٰ کرتے ہیں اور اسے تحت ناپسندیدہ بتاتے ہیں۔

”ان التخریج علی کلام الفقہاء و تتبع لفظ الحدیث لکل منہما اصل اصیل فی الدین ولم یول المحققون فی کل عصر یا خذون بہما“

”فقہائے مجتہدین کے کلام پر ترجیح اور الفاظ حدیث کی پیروی ان دونوں میں سے ہر ایک کے لیے دین میں مضبوط اصل ہے اور دوسرے علماء محققین ان دونوں اصل پر عمل کرتے رہے ہیں۔“

پھر محدث کو نصیحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اسے غلو سے باز رہنا

نہیں لینا چاہیے اور صرف اپنے بزرگوں کے بتائے ہوئے قواعد سبب کسی حدیث یا قیاس کو رو نہیں کرنا چاہیے، فقہاء کو بھی نصیحت کرتے ہیں انہیں اپنے اکابر کے کلام سے کوئی ایسا مسئلہ مستنبط نہیں کرنا چاہیے جو اس سے مفہوم نہ ہو رہے ہوں اور نہ کسی ثابت شدہ حدیث اور صحابی کو ان قواعد کے سبب نظر انداز کرنا چاہیے، جیسے ”حدیث مسرۃ احناف نے چھوڑ دیا جبکہ اس کی صحت پر محدثین کا اتفاق ہے۔“ (۴۲)

واضح رہے کہ حدیث مصراۃ ایک متفق علیہ روایت ہے۔ مصراۃ اس بکری کو کہتے ہیں جس کے مالک نے خریدار کو دھوکا دینے کے لیے اس کا دودھ روک لیا ہو، حدیث میں ہے کہ اس خریدار کو دھوکا دینے تک کا اختیار ہے چاہے تو بکری واپس کر دے اور فروخت کنندہ ایک صاع کھجور دے دے۔

تقلید کی تعریف کی جاتی ہے: العمل بقول الغیر من حجة“ (۴۳) ”یعنی بغیر دلیل کے کسی کے قول پر عمل کرنے کا نام حجة ہے“ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ دلیل میں مطلق غور ہی نہ کیا جائے اس سے سروکار نہ رکھا جائے۔ علماء فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اولاً دلیل کا مطالبہ نہ ہو اور نہ عمل دلیل پر موقوف ہو بلکہ صرف ظن کی بنیاد پر امام کی پیروی ہو، اور اگر بعد میں دلیل معلوم ہو جائے اسے تلاش کیا جائے تو یہ تقلید کے منافی نہیں ہے ورنہ آج عام آدمی استثناء کرتا ہے تو مدلل جواب مانگتا ہے اور ہر مسلک والوں کی عقلی و نقلی دلائل سے بھری ہوئی ہیں۔

لیکن ایسا لگتا ہے کہ شاہ صاحب ”من غیر حجة“ کے معنی اصطلاحاً اتفاق نہیں رکھتے ہیں اور وہ ہر ایک کے لیے ہر مرحلے میں

کر دیا ہے، ابن الصلاح کہتے ہیں:

”و ليس هذا بهيِّن فليس كل فقيه يسوغ له ان يستقل بالعمل بما يراه حجة من الحديث“ (۴۷)

”یہ کام آسان نہیں ہے، لہذا ہر فقیہ کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ بالاستقلال اس حدیث پر عمل کرنے لگے، جسے وہ حجت مانتا ہے۔“

شاہ صاحب کے نزدیک مذاہب کے بائین فروعی مسائل میں اکثر رائج و مرجوح اور افضل و غیر افضل کا اختلاف ہے، خاص کر ان مسائل میں جن میں فریقین کے پاس صحابہ کے اقوال ہیں:

”كسكبرات التشريق و تكبيرات العیدین و نکاح المحرم و تشهد ابن عباس و ابن مسعود و الاخفاء و الجهر بالبسملة و بآمین“

”جیسے تکبیرات تشریق اور تکبیرات عیدین، احرام والے کا نکاح، ابن عباس اور ابن مسعود کا تشهد اور بسم اللہ اور آمین میں افتاء کیا جائے یا جہر۔“

یہاں شاہ صاحب سے واضح طور پر چوک ہو گئی ہے (بشرط عدم تحریف) کیونکہ محرم کے نکاح میں جواز و عدم جواز کا اختلاف ہے، امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک محرم کا نکاح درست ہے صرف صحبت حرام ہے، جبکہ انہر ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک بجز نکاح بھی باطل ہے۔

شاہ صاحب مزید فرماتے ہیں کہ مذاہب اربعہ کے درمیان بیشتر اختلاف چونکہ صرف اولیت اور افضلیت کا ہے لہذا۔۔۔

”لم ينزل العلماء بحوزون فتاوى المفتين في المسائل الاجتهادية و يسلمون قضاء القضاة و يعملون بعض الأحيان بخلاف مذهبهم..... يقول احدهم: هو احوط، و هذا هو المختار، و هذا احب الى، و يقول: ما بلغنا الا ذلك - و هذا كثير في المبسوط و آثار محمد رحمه الله و كلام الشافعي رحمه الله“ (۴۸)

”علمائے کرام ہمیشہ اجتہادی مسائل میں کبھی مفتیوں کے فتوؤں کو قبول کرتے تھے اور سب قاضیوں کے فیصلوں کو تسلیم کرتے تھے اور کبھی کبھی اپنے مسلک کے خلاف پر بھی عمل کرتے تھے۔ کوئی فقیہ کہتا ہے: یہ زیادہ محتاط بات ہے، یہ پسندیدہ ہے، یہ مجھے پسند ہے، کوئی کہتا ہے: ہم کو صرف یہی بات معلوم ہوئی۔ اور یہ (تعبیرات) مبسوط میں، امام محمد

استطاعت دلیل کی تلاش و تتبع کو ضروری سمجھتے ہیں، وہ آنکھ بند کر کے کسی بھی دلیل کو ماننے سے منع کرتے ہیں اور اپنے اس رویہ کو تمام مسالک کے قدیم و جدید محققین علماء کا طرز عمل قرار دیتے ہیں (۴۴) ان کے نزدیک فتویٰ دینے کے لیے بھی دلیل کی معرفت ضروری ہے، چنانچہ امام ابو یوسف اور امام زفر وغیرہ سے نقل کرتے ہیں کہ ان حضرات نے فرمایا: ”لا يحل لأحد ان يفتي بقبولنا سالم يعلم من ابن قلنا“ (۴۵) ”کسی کو بھی ہمارے قول پر فتویٰ دینا اس وقت تک جائز نہیں ہے جب تک اسے یہ نہ معلوم ہو کہ ہم نے کس دلیل سے وہ بات کہی ہے۔“ اگر کسی مقلد عالم کو اپنے مسلک کے خلاف کوئی صحیح حدیث مل جائے تو وہ کیا کرے؟ شاہ صاحب اس کا جواب ابن الصلاح (م: ۴۶۳) کے حوالے سے دیتے ہیں کہ: ”قال ابن الصلاح: من وجد من الشافعية حديثا يخالف مذهبه: نظر، ان كملت له آلة الاجتهاد مطلقا، اوفى ذلك الباب اوفى تلك المسئلة، كان له الاستقلال بالعمل به، و ان لم تكمل، و شق عليه مخالفة الحديث بعد أن بحث فلم يجد جوابا شافيا، فله العمل به ان كان عمل به امام مستقل غير الشافعي و يكون هذا عذرا له في ترك مذهب امامه ههنا و حسنه النوى و قرره“ (۴۶)

”ابن الصلاح کہتے ہیں کہ اگر کوئی شافعی اپنے مسلک کے خلاف کوئی حدیث پائے تو غور کرے، اگر اس کے اندر اجتہاد کی صلاحیت ہے، خواہ مطلقا خواہ اس باب میں، خواہ اس مسئلے میں، تو وہ استقلال اس حدیث پر عمل کر سکتا ہے اور اگر وہ قابل اجتہاد نہیں اور حدیث کی مخالفت اسے گراں گزر رہی ہے اور اسے بعد تحقیق مخالفین حدیث (یعنی شوافع) کے پاس کوئی تشفی بخش جواب نہیں ملا ہے تو وہ کہے کہ کیا کسی غیر شافعی مجتہد مطلق نے اس پر عمل کیا ہے، اگر کوئی ملے تو نہ شخص کو اس امام کے مذہب پر عمل کرنا چاہیے اور اس صورت میں اس کے لیے عذر ہوگا کہ وہ اپنے امام کے مذہب کو چھوڑ دے۔ امام نووی نے ابن الصلاح کی اس بات کو پسند کیا ہے اور برقرار رکھا ہے۔“

یہاں لطف کی بات یہ ہے کہ شاہ صاحب نے ابن الصلاح کا یہ اس کی کتاب ”ادب المفتي والمفتي“ سے نقل کیا ہے جس میں مذکورہ عبارت سے متصل ہی ابن الصلاح کے اس قول کو نظر انداز

افان واقامت پر اجرت کے جواز کا مسئلہ ہے۔“ (۵۰)

شاہ صاحب نے احناف کے سات ایسے اصول کا ذکر کیا جو ان کی رائے میں غیر مخصوص بھی ہیں اور محدث بھی ہیں، ذیل میں نمونہ ان میں سے صرف ایک اصل اور اس پر اختصار کے ساتھ صاحب کا تبصرہ نقل کیا جاتا ہے۔

”حنفی اصول فقہ کا ایک قاعدہ ہے کہ: مفہوم شرط و وصف کا قصہ اعتبار نہیں“ لیکن جب یہ حدیث سامنے آئی کہ: ”چرنے والے (سانمہ) اونٹوں میں زکاة ہے تو اس قاعدے کا برقرار رہنا دشوار ہے کیونکہ اس میں وصف سائمہ بالاتفاق معتبر ہے۔ اس کے لیے جو دینے میں احناف کو بہت تکلف سے کام لینا پڑا۔ ایسے مستخرج اور اصل قاعدے کے لیے تکلفات کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اسے ترک کے حدیث پر عمل کرنا چاہیے۔ (۵۱)

یہ مقالہ انتہائی جہوم کا راور مدیر ماہنامہ جام نور کے بے حد مختصر نوٹس پر تحریر کیا گیا ہے، چنانچہ مواد اور پیش کش دونوں اعتبار سے ناقص ہے، یقین ہے کہ اس میں کئی اہم گوشے چھوٹ گئے ہوں گے اور تشہرہ گئے ہوں گے۔ غلط کے سبب ترتیب میں بھی تقدیم و تاخیر ہوگی، لیکن بایں ہمہ امید ہے کہ یہ کوشش تقلید و اجتہاد کے باب میں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے افکار کو سمجھنے میں کسی حد تک معاون ہوگی۔

حواشی و حوالے

(۱) انفاس العارفین، مطبوعہ احمدی، دہلی، غیر مورخ

سید ظہیر الدین کے اہتمام میں شائع اس کتاب کے آخر میں ”انتاس ضروری“ کے عنوان سے ایک اعلان ہے، جس میں خانوادہ ولی اللہ کے بزرگوں کے نام سے شائع جعلی کتابوں کی فہرست ہے، جس میں یہ دونوں کتابیں بھی شامل ہیں۔

(۲) مقدمہ الدرائین، محمد اسلم علوی قادری، کتب خانہ علویہ رضویہ، لاہور، مار سہم ۱۳۸۷ھ

(۳) ان دونوں کتابوں کا ذکر مرزا علی لطف نے اپنی کتاب گلشن ہند میں کیا ہے جس پر شیخ نعمانی کا جاشیر اور مولوی عبدالحق کا مقدمہ ہے۔ دیکھئے: گلشن ہند، آباد ۱۹۰۶ء، ۲۳، ۲۵

(۴) شاہ ولی اللہ اور تقلید، محمد علی کاندھلوی، سالکوت غیر مورخ ۵۳

(۵) وسيلہ جليلہ، وکیل احمد سکندر پوری، مطبع پوسنی، لکھنؤ غیر مورخ ۲۳

(۶) حدائق حنیفہ، مولکھور لکھنؤ، ۱۹۰۶ء، ۴۳

(۷) الشاہ ولی اللہ، عر ض موجز لحياتہ و فکرة، بنين نظم حدیث عربی ترجمہ: سید علم اشرف جاسی، ادارہ علوم اسلامیہ، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

رحمہ اللہ کی کتاب آثار میں اور امام شافعی کے کلام میں بہت ہیں۔“

شاہ صاحب کے نزدیک متقدمین کے یہاں تو یہی توسع اور فراخ نظری رہی لیکن بعد میں آنے والے اسے قائم نہیں رکھ سکے اور پھر شاہ صاحب خود ہی اس کے ایسے اسباب بیان کرتے ہیں جو معقول بھی ہیں اور مقبول بھی۔

حیۃ اللہ البالغہ میں پر زور اور مدلل انداز میں مسلکی رواداری کی ضرورت کو بیان کیا ہے اور اسے اسلاف کے عمل سے ثابت کیا ہے، جس کی کچھ باتیں تخصیص و اختصار کے ساتھ درج ذیل ہیں:

”صحابہ کرام، تابعین عظام اور ان کے بعد کے لوگوں میں گہری باہمی رواداری تھی اور مسائل میں اختلاف اس پر قطعاً اثر انداز نہیں ہوتے تھے، کوئی نماز میں بسم اللہ پڑھتا تھا تو کوئی نہیں پڑھتا تھا، کوئی زور سے پڑھتا تھا، کوئی آہستہ پڑھتا تھا، کچھ لوگ بچھنے لگانے کو اور تکبیر روتے کو ناقض وضو مانتے تھے، کچھ ایسا نہیں مانتے، تھے لیکن ان اختلاف کے باوجود سب ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھتے تھے، ایک بار ہارون رشید نے قصد کرایا اور بغیر نئے وضو کے امامت کی، اس نماز کے مقتدیوں میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ بھی تھے، حالانکہ ان کے نزدیک بدن سے خون نکل کر بہنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، صاحبین عید کی نماز پڑھاتے تھے تو بارہ تکبیر کہتے تھے کیونکہ ہارون رشید عباسی اپنے جد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول پر عمل کرنا چاہتا تھا، فتاویٰ بزازہ میں ہے کہ ایک بار امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے ایک حمام کے کنویں سے غسل کر کے نماز پڑھا دی بعد میں اس کنویں میں مرا ہوا بچا پایا گیا تو آپ نے فرمایا کہ ہم اہل مدینہ (تجارت یعنی شوافع) کے قول پر عمل کر لیتے ہیں کہ جب پانی دو ملکہ ہو جائے تو ناپاک نہیں ہوتا ہے، وغیرہ وغیرہ (۶۹)

شاہ صاحب کے نزدیک حنفی فقہ میں اصلی مسائل کے ساتھ ساتھ بہت سے مسائل بعد میں بڑھائے گئے ہیں، یہ مسائل تحریجات و مستزاد ہیں اور ان کے ساتھ ”قال ابو حنیفہ“ کہنا درست نہیں ہے۔ مثلاً امام اعظم سے بلی کے جوٹھے کی کراہت منقول ہے، جو تحریری و تنزیہی دونوں کا احتمال رکھتی ہے، امام طحاوی نے گوشت کی حرمت کے پیش نظر اس کے جوٹھے کو مکروہ تحریمی قرار دیا جبکہ امام کرخی نے صرف اس کا خیال کیا کہ بلی ناپاکی سے نہیں بچتی ہے اور اس کے جوٹھے کو مکروہ تنزیہی ٹھہرایا۔ یہ تخریج کی مثال ہے، مستزاد مسائل میں تعلیم قرآن اور

گزشتہ ۳۰۰۱ء

تحریر کا ایک نمونہ ہے۔

(۳۳) رحمۃ اللہ الواسعہ ۶۷۵:۲

(۳۴) حجتہ اللہ البالغہ ۱: ۲۹۹، ۳۲۳

(۳۵) حجتہ اللہ بحوالہ رحمۃ اللہ الواسعہ ۲: ۶۸۱

(۳۶) ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من الاصول، الشیخ

شوکانی یعنی، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۹۹۹ء ۳۰۲:۲

(۳۷) علم الاصول، عبد الوہاب خلاف، دار القلم، کویت، ۱۹۷۸ء ۲۲

(۳۸) اصول الفقہ، شیخ ابو زہرہ، دار الفکر العربی، بیروت، غیر مورخ، ۲۰۰۰

(۳۹) حجتہ اللہ البالغہ بحوالہ رحمۃ اللہ الواسعہ ۲: ۶۸۱، ۶۸۲، عقدا الجید، ۳۹-۴۶

(۴۰) عقدا الجید، ۶، ۷، (۴۱) نفس مرتب، ۱۰، ۱۱، ۵۱

(۴۲) حجتہ اللہ البالغہ، بحوالہ رحمۃ اللہ الواسعہ ۲: ۶۹۰،

(۴۳) عام کتب الفقہ

(۴۴) حجتہ اللہ البالغہ، بحوالہ رحمۃ اللہ الواسعہ ۲: ۶۹۹-۶۹۹

(۴۵) حجتہ اللہ البالغہ بحوالہ رحمۃ اللہ الواسعہ ۲: ۷۰۳

(۴۶) حجتہ اللہ البالغہ، بحوالہ رحمۃ اللہ الواسعہ ۲: ۷۰۹

(۴۷) ادب المفتی والمستفتی، ۱۱۸، بحوالہ رحمۃ اللہ الواسعہ ۲: ۷۰۹

(۴۸) حجتہ اللہ البالغہ، بحوالہ رحمۃ اللہ الواسعہ ۲: ۷۱۳، ۷۱۴

(۴۹) حجتہ اللہ البالغہ بحوالہ رحمۃ اللہ الواسعہ ۲: ۷۱۶، ۷۱۷

(۵۰) حجتہ اللہ البالغہ، بحوالہ رحمۃ اللہ الواسعہ ۲: ۷۲۲

(۵۱) حجتہ اللہ البالغہ، بحوالہ رحمۃ اللہ الواسعہ ۲: ۷۳۱

☆☆☆

بقیہ: ائمہ حدیث اور تقلید

(۷) حافظ ابن ابی العوام سعدی حنفی (۸) حافظ ابن حجر عسقلانی

شافعی (۹) حافظ ابو محمد حارثی حنفی (۱۰) حافظ حسین بن اسماعیل مالکی (۱۱)

حافظ عبد الباقی حنفی (۱۲) حافظ ابن البربر مالکی (۱۳) حافظ ابو بکر رازی

بصام حنفی (۱۴) حافظ ابو الولید راباکی مالکی (۱۵) حافظ ابو محمد سمرقندی حنفی

(۱۶) حافظ عبد الغنی مقدسی صلیبی (۱۷) حافظ قطب الدین جلیبی حنفی (۱۸)

حافظ ابو الفرج بن الجوزی صلیبی (۱۹) حافظ علاء الدین مارونی حنفی (۲۰)

حافظ ابن قدامہ صلیبی (۲۱) حافظ جمال الدین زبیلی حنفی (۲۲) حافظ علاء

الدین مغلطانی حنفی (۲۳) حافظ بدر الدین عینی حنفی

یہ وہ مشاہیر حفاظ ہیں جن کی حکومت پوری دنیا علم وفن پر مسلم

ہے اور تاریخی شہادت موجود ہے کہ سارے ائمہ مقلد تھے۔

(۸) بعض غیر مقلدین حضرات نے شاہ صاحب کی سوانح میں ان کتابوں کا حوالہ دیا ہے، مگر اس کا کوئی اقتباس نہیں ہے۔

(۹) دیکھیے: راقم السطور کا مقالہ "شاہ ولی اللہ کی تنقید تصوف اور اس کی حدیں" مجلہ تحقیقات اسلامی، جلی گڑھ، دسمبر ۲۰۰۳ء

(۱۰) دیکھیے: ماہنامہ الفرقان، شاہ ولی اللہ نمبر ص: ۴۸

(۱۱) تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: پیش لفظ رسائل شاہ ولی اللہ، از سید محمد فاروق قادری، تصوف فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۹۹۹ء اور تحقیقات اسلامی کا شائع شدہ راقم کا مقالہ

(۱۲) تاریخ دعوت و عزیمت، ادارہ نشریات اسلام، کراچی، ۵/۸۰

(۱۳) اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ، ڈاکٹر مظہر فقہ، ادارہ تحقیقات اسلامی، پاکستان، ۶۸

(۱۴) دیکھیے: الشاہ ولی اللہ عرض موجز لحياته وفكره، پروفیسر یحییٰ مظہر صدیقی

(۱۵) البیانع الحسنی فی اسانید الشیخ عبد الغنی ص: ۶، بحوالہ ماہنامہ

فرقان، لکھنؤ، شاہ ولی اللہ نمبر ص: ۳۰۰

(۱۶) ماہنامہ الفرقان، شاہ ولی اللہ نمبر، ۳۹۹

(۱۷) عقدا الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید، مطبع نجفائی، دہلی، ۱۳۳۳ھ، ۳۱

(۱۸) نفس مرتب، نفس صفی

(۱۹) نفس مرتب، ۳۳

(۲۰) نفس مرتب، ۳۹، حجتہ اللہ البالغہ، دار الکتب الحدیث، قاہرہ، تعلیق: سید سابق،

غیر مورخ، ۳۲۸

(۲۱) حجتہ اللہ البالغہ، ۱: ۳۲۵

(۲۲) قایمہ الانصاف، مطبوعہ دہلی غیر مورخ، ۶۲

(۲۳) عقدا الجید، ۹

(۲۴) نفس مرتب، ۳۳

(۲۵) نفس مرتب، ۶۹

(۲۶) قایمہ الانصاف، ۶۲

(۲۷) فیوض الحرمین، مطبع احمد، دہلی، ۷۰/۱۳۰

(۲۸) قایمہ الانصاف، ۷۰/۷۰

(۲۹) رحمۃ اللہ الواسعہ، ترجمہ تعلیق: حجتہ اللہ البالغہ، سعید احمد پالن پوری، مکتبہ تجار،

بکد، باراول، ۲۰۰۲ء، ۳۶/۷

(۳۰) عقدا الجید، ۳۳

(۳۱) القولہ النجیل، مطبوعہ شاہ ولی اللہ اکیڈمی، لاہور غیر مورخ، ۱۰۷

(۳۲) اجتہادات الابرہ، مخطوطہ مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ، مطبوعہ عثمانی میں

محصولون للتصوف کے بجائے "المصاحدون للتصوف" ہے جو

اُمّت مجتہدہ اور تقلید

مدخل میں لکھا ہے کسی ایک حافظ حدیث کو پانچ لاکھ احادیث تھیں اور ابو زرعہ کو سات لاکھ احادیث حفظ تھیں ان میں آٹھ سو اسی احوال تابعین بھی شامل ہیں“ (تدریب الراوی جلد اول ۵۳) جس زمانے میں احادیث نبی کو سینوں سے سینوں تک سے سفینوں تک منتقل کرنے کی دھوم مچی ہوئی تھی، حفظ حدیث حدیث، تخریج کی گہما گہمی تھی، ایک اور طبقہ نئی شان و جدت کے ساتھ پردہ وجود پر نمودار ہوا اور اس نے مزید طریقہ تعلیم یعنی تحقیق رواۃ پر اکتفا نہ کیا بلکہ حفظ متون کے ساتھ تفہیم حدیث و توجہ بنایا۔ استنباط مسائل کا دروازہ کھولا۔ اور جماعت فقہاء کے مشہور ہوا۔ اگرچہ بعض لوگوں نے اسے صاحب رائے اور اہل ناموں سے موسوم کر کے اس کی وقعت گھٹانے کی سعی حاصل کی یہاں یہ بات بھی گوشہ ذہن میں محفوظ رہے کہ طبقہ فقہاء دراصل ایک بہت بڑی ضرورت کی تکمیل تھی، دور اول میں فطرت برکت سے صحابہ کے اذہان منور و بھلی تھے اور صحابہ کے وجود کے قلوب مرکزی و مطہر تھے اس لیے اس مبارک عہد میں محدثات نہ ہو سکا لیکن جب یہ نادر ہستیاں یکے بعد دیگرے اٹھنے لگیں سرحدوں میں وسعت پیدا ہوئی، اسلام حدود عرب سے نکل کر اپنی آغوش میں لینے لگا۔ نئی نئی قومیں مسلمان ہوئیں، تورات سے پیدا ہونے لگے، خرافات کا دور آیا، عبادات میں قسم قسم کی غلط معاملات میں جدید گوشے پیدا ہوئے تو ایسے ماحول میں نہ ایک ایسے گروہ کی جس کا ذہن صرف حفظ متون ہی تک محدود نہ ہو۔ حفظ حدیث کے ساتھ تخریج مسائل کی بھی اہلیت سے سرفراز ہو جائے جس طرح قرآن مجید کی آیات کو تجوید کے ساتھ یاد کرنا ایک الگ چیز ہے اور اس کے مطابق و مفادیم تک رسائی دوسری اسی طرح احادیث رسول کو بھی بصحت حفظ کر لینا ایک الگ چیز ہے۔ اس کے مقاصد و حافی کی تہ تک پہنچ جانا بے حد چیز ہے۔

اللہ تعالیٰ کی مقدس کتاب قرآن عظیم پوری انسانیت کے لیے منارہ رشد و ہدایت ہے، جس کی تفسیر، تشریح، تفصیل و تفہیم کے لیے قادر مطلق نے اپنے پیارے رسول اللہ علیہ وسلم کو معلم کتاب و حکمت بنا کر مجبوت فرمایا، چونکہ آپ کی حیات مبارکہ کا ایک ایک لمحہ اس صحیفہ بے مثال کی روشن تفسیر تھا، اس لیے آپ کے قول، فعل، تقریر، احوال سب کو اسلامی شریعت کا سرچشمہ تسلیم کیا گیا، اس طرح بنیادی طور پر دو چیزیں شریعت اسلامیہ کا ماخذ بن گئیں۔ ایک ”قرآن“ دوسری ”احادیث رسول“ اور جب شریعت نبویہ کو صحیح قیامت تک کے لیے غیر متبدل شکل میں باقی رکھنا تھا تو اس کے بنیادی ماخذوں کی حفاظت بھی ضروری ٹھہری، لہذا تحفظ قرآن کو رب قدیر نے اپنے ذمہ کرم کے حوالے کیا اور لوگوں کے دلوں میں اسے یاد رکھنے کا شوق پیدا کر دیا نتیجہ میں ہر زمانے میں حفاظ قرآن کی خاصی تعداد دنیا میں موجود رہی اور یہ سلسلہ یوم آخر تک یونہی چلتا رہے گا۔ جبکہ دوسری طرف ایسے افراد منہض شہود پر جلوہ گر ہوئے جنہوں نے احادیث مشرفہ کو یکجا و یاد رکھنے کا بیڑا اٹھایا، دور دراز سفر کی صعوبتوں کو برداشت کیا۔ درد کی خاک چھانی اور احادیث کریمہ کا گراں افتاد ذخیرہ جمع فرمادیا۔

جن لوگوں نے اس میدان کو سر کیا انہیں محدثین کا نام دیا جاتا ہے۔ ان میں بعض وہ ہیں جنہیں اس فن میں درجہ امامت حاصل تھا، ان کے سینے عظیم لائبریری تھے، ان کی ذہانت و ذکاوت اور قوت حافظہ قدرت الہیہ کا نادر کرشمہ تھا، حضرت امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں۔

”امام احمد بن حنبل نے کہا میں نے مسند کو ساڑھے سات لاکھ احادیث سے منتخب کیا ہے۔ امام ابو زرعہ نے کہا: امام احمد کو دس لاکھ احادیث حفظ تھیں، یحییٰ بن معین نے کہا میں نے دس لاکھ احادیث اپنے ہاتھ سے لکھی ہیں۔ امام بخاری نے کہا مجھے ایک لاکھ احادیث صحیحہ اور دو لاکھ احادیث غیر صحیحہ حفظ تھیں، امام مسلم نے کہا میں نے اپنی مستحجج کو ان تین لاکھ احادیث سے منتخب کیا ہے، جو میں نے خود ہی لکھی، حاکم نے

کہ تعظیم حدیث و استنباط مسائل سے۔ یہاں یہ شبہ نہیں پیدا ہوتا چاہیے کہ جنہوں نے ان مراحل کو طے کر لیا ان کے اندر ملکہ اجتہاد بھی پیدا ہو گیا، وہ استخراج مسائل پر قادر اور فقہاء کے فکر و تدبر سے بے نیاز ہو گئے، کیونکہ تاریخ ان کے خلاف شہادت دیتی ہے۔

(۱) محمد بن یزید مستمکی نے امام احمد بن حنبل سے ان کے استاد شیخ عبد الرزاق صاحب مصنف کے متعلق پوچھا ”کیا ان کو تفقہ حاصل تھا تو اس کے جواب میں امام صاحب نے فرمایا کہ اصحاب حدیث (محدثین) میں تفقہ کم پایا جاتا ہے (طبقات الجنابہ جلد اول، ص: ۳۲۹)

(۲) امام اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں کہ میں عراق میں احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین اور اپنے دوسرے اصحاب کے پاس بیٹھا کرتا تھا۔ ہم احادیث کا مذاکرہ کرتے تھے، کبھی ایک طریق سے کبھی دو طریق سے اور کبھی تین طریق سے اور ان کے درمیان یحییٰ بن معین بول پڑتے کہ فلاں طریق بھی تو ہے، میں کہتا کہ اس کی صحت پر کیا ہمارا اجماع نہیں ہو گیا؟ سب کہتے کہ بیشک۔ میں کہتا کہ اچھا اس حدیث کی مراد اور اس کی تفسیر بتاؤ اور اس سے کیا مسئلہ مستنبط ہوتا ہے؟ یہ سن کر سب خاموش ہو جاتے، صرف احمد بن حنبل بولتے (مناقب الامام احمد بن حنبل مصنفہ امام ابن جوزی ص: ۶۳)

(۳) حافظ ابن عبد البر فرماتے ہیں یحییٰ بن معین سے پوچھا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو اختیار دیا، اس نے اپنے آپ کو اختیار کیا تو کیا مسئلہ ہوگا۔ انہوں نے جواب دیا کہ اس کے متعلق اہل علم سے پوچھو۔ (المناثر شماره ۲ جلد ۵ ص: ۳۶)

(۴) ایک صاحب علم کی بیوی کا انتقال ہوا، وہ یحییٰ بن معین اور ذوقی کے پاس آئے کہ ایک میت کو غسل دینے کے لیے بجز ایک حائضہ عورت کے اور کوئی نہیں ملی۔ (انہیں کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا اتنے میں) امام احمد بن حنبل تشریف لائے، پوچھا کیا بات ہے؟ بتایا گیا کہ ایک حائضہ عورت کے سوا اور کوئی نہیں ہے، جو اسے غسل دے سکے، امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ آپ حضرات تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ سرکار نے فرمایا عائشہ نا و لنی الحمزۃ قالت انی حائض فقال ان حیضتک لیست فی یدک۔ اے عائشہ رومال دے دو انہوں نے عرض کیا، میں حیض سے ہوں، فرمایا حیض تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ حائضہ عورت اسے تیار

ہاں! یہ بھی واضح رہے کہ تاریخ حدیث و تعین مراتب حدیث کوئی بہت آسان کام نہیں بلکہ یہ بھی لوہے کے چنے چبانے کے مترادف ہے، ایک محدث کو تین ایسے دشوار ترین مراحل سے گزرنا پڑتا ہے جس کے تصور ہی سے آدمی لرز اٹھے، وہ مراحل کچھ اس طرح ہیں۔

پہلی منزل:۔ تقدیر حال کہ ان کے مراتب ثقہ و صدوق و حفظ و ضبط اور ان کے بارے میں ائمہ شان کے اقوال و جملہ طعن، مراتب توثیق و مواضع تقدیم جرح و تعدیل و حوامل طعن و مناشی توثیق و مواضع تحمل و تسامح پر مطلع ہو۔ استخراج مرتبہ اتقان راوی بقدر روایات ضبط اختلافات و اوہام و خطیات و غیرہ پر قادر ہو، ان کے اسامی و القاب و انساب و وجوہ مختلفہ تعبیر رواۃ، اصحاب تدلیس شیوخ و تعین سبہات، تفرق و تفرق و مختلف و متوکل سے ماہر ہو۔

ان کے موالید و وفیات، بلدان و رحلات، و لقاءات و ملائمہ و ملائمہ و وجوہ ادا و تدلیس و تسویہ (محدثین) و اختلاف و آخذین من و آخذین من بعد و سائین و حالین و غیرہ با تمام امور ضروریہ کا حال و پیر نظر ہو۔ ان سب کے بعد صرف سند حدیث کی نسبت اتنا کہہ سکتا ہے کہ یہ حدیث صحیح یا حسن یا صالح یا ساقط یا باطل یا معطل یا مقطوع یا یا متصل ہے۔

دوسری منزل:۔ صحاح و سنن و مسانید و جوامع و معانی و اجزاء و کتب احادیث میں اس کے طرق مختلفہ و الفاظ متنوعہ پر نظر تام ہے کہ حدیث کے تو اثر یا شہرت یا فردیت نسبتیہ یا غرابت مطلقہ یا یا شگرت و اختلافات رفع و وقف و قطع و وصل و مزید فی متصل و بعد و اضطرابات سند و متن و غیرہ پر اطلاع پائے نیز اس جمع طرق و طرق سے رفع اوہام و دفع اوہام و ایضاح خفی و اظہار مشکل و تسوئہ معین محتمل ہاتھ آئے۔

تیسری منزل:۔ اب علل خفیہ و غوامض و قیثہ پر نظر کرے، جس پر اس سے کوئی قادر نہیں، اگر بعد احاطہ وجوہ اعلال تمام علل سے تو یہ تین منزلیں طے کر کے صرف صحت حدیث بمعنی مصطلح اثر کہتا ہے۔

یہ تمام حفاظ حدیث و اجلہ نقاد و ناواصلان ذرہ شاہ اجتہاد کی طرف اس منزل تک ہے۔ (الفضل الموعظی ۱۳)

تینوں منازل کا تعلق متن حدیث و تحقیق رواۃ سے ہے نہ

سکتی ہے، اس پر وہ لوگ شرمندہ ہو گئے۔ (طبقات الحنا بلہ اول ۱۳)

(۵) ایک علمی مجلس میں یحییٰ بن معین، زہیر بن حارث، خلف بن صالح اور دیگر اصحاب حدیث مذاکرہ کر رہے تھے، اسی درمیان ایک خاتون نے آکر عرض کیا، حائضہ عورت میت کو غسل دے سکتی ہے؟ یہ سن کر وہ لوگ خاموش ہو گئے اور سوچنے لگے تو حضرت ابو ثور نے فرمایا ہاں! غسل دے سکتی ہے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سرکار اقدس کے زلف مبارک میں کنگھا کرتی تھیں۔ حالانکہ وہ حائضہ ہوتیں تو اس سے معلوم ہوا کہ جب حائضہ عورت زندہ کو چھو سکتی ہے تو وہ مردہ کو بدرجہ اولیٰ چھو سکتی ہے اور غسل دے سکتی ہے۔ یہ سن کر محدثین کہنے لگے کہ یہ حدیث از قلاں از قلاں مروی ہے، اس خاتون نے کہا اب تک تم لوگ کہاں تھے جب انہوں نے بتا دیا تو اب روایت بیان کرنے لگے (ہدایہ الموفیقین الی الصراط المستقیم ص: ۳۷)

(۶) حضرت سلیمان اعمش رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کچھ مسائل پوچھے گئے، اس وقت وہاں امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ موجود تھے، امام اعمش نے ان سے دریافت کیا، امام نے فوراً جواب دیا، امام اعمش نے کہا، آپ نے یہ جواب کہاں سے پیدا کیا، کہا ان حدیثوں سے جو میں نے خود آپ سے ہی سنی اور ان احادیث کو مع سند روایت فرما دیں۔ امام اعمش نے فرمایا:

حسبک ما حدیثک بہ مائۃ یوم تحدثنی بہ فی سائۃ واحلۃ ما علمت انک تعمل بہذہ الاحادیث یا معشر الفقہاء انتم الاطباء ونحن الصیادلۃ وانت ایہا الرجل اخذت بکلا الطرفين (الفضل الموهبی ص: ۱۳)

”بس کیجیے جو حدیثیں میں نے سو دن میں آپ کو سنائیں آپ نے گھڑی بھر میں مجھ کو سنا دی ہیں۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ ان حدیثوں پر یوں عمل کرتے ہیں: اے فقہ والو! تم طیب ہو اور ہم محدث لوگ عطار ہیں یعنی دوائیں ہمارے پاس ہیں مگر ان کا طریق استعمال تم مجتہدین جانتے ہو۔ اے ابو حنیفہ تم نے تو فقہ و حدیث دونوں کنارے لے لیے۔“

چنانچہ اسی بحث کی طرف ذیل کی حدیث میں اشارہ فرمایا گیا:

نصر اللہ عبد اسمع مقالتي فحفظها ووعاها واداعا
فرب حامل فقه غیر فقیہ ورب حامل فقه الی من ہوا فقه منہ
رواہ احمد و الترمذی ابو داؤد و ابن ماجہ (مشکوٰۃ ص: ۳۵)

اس بندے کو اللہ تو تازہ رکھے، جس نے میرے ارشاد کو یاد کیا، اور محفوظ رکھا اور دوسرے تک پہنچایا، کتنے فقہ کے حامل ہیں۔ فقہ کے حامل سے زیادہ فقیہ وہ ہے جس کو اس نے پہنچایا۔

اب لگے ہاتھوں چوٹی منزل کو بھی دیکھیں:
چوٹی منزل:۔ اس کے لیے واجب ہے کہ جمع لغات و فنون ادب و جوہ و تحاطب و طرق تقابہم و اقسام نظمہ و صنوف معنی و علل و تنقیح مناط و استخراج جامع و عرفان مانع و موارد تعدیہ و مسائل و دلائل حکم آیات و احادیث و اقوال و اصحاب و ائمہ فقہ قدیمہ و حوالہ مواقع تعارض و اسباب ترجیح و مناجج توفیق و مدارج دلیل و تاویل و مسائل تخصیص و مناسک تقلید و مشارع قبول و شواہد و غیرہ ذالک پر اطلاع تام و قوف عام و نظر غائر و ذہن رفیع و وسیع رکھتا ہو (الفضل الموهبی ص: ۱۳)

ائمہ حدیث وہ ہیں جنہوں نے اول کی تین منزلوں کو طے کر کے فقہ مجتہد وہ ہوئے جنہوں نے چاروں منازل کو کھسن کر طے کیا، بایں سبب فقیہ، ائمہ حدیث پر فائق ہو گئے اور ائمہ حدیث اجتہاد سے بے نیاز نہ ہو سکے لاکھوں حدیثیں یاد ہونے کے باوجود زندگی ان ہی فقہا مجتہدین کے اقوال، فکر و تدبر پر بھروسہ کیا استخراج کردہ مسائل ہی کو عملی جامہ پہنانے میں دین و دنیا کی محسوس کی گویا کہ انہوں نے محدث ہونے کے باوجود کسی نہ کسی تقلید ضروری سمجھا۔

تقلید کی تعریف:۔ علامہ سید شریف جرجانی فرماتے ہیں: عبارة عن قبول قول الغير بلا حجة ولا دليل (التعريف ۵۷) حجت و دلیل کے بغیر کسی کی بات مان لینا تقلید ہے۔ حاشیہ حسامی میں ہے:

التقليد اتباع الرجل غيره فيما سمعه قاله فعله على زعم انه محقق بلا نظر في الدليل۔
اپنے غیر کی اطاعت کرنا اس میں جو اس کو کہتے ہوئے سن کر ہوئے دیکھ لے یہ سمجھ کر کہ وہ اہل تحقیق میں سے ہے، بغیر اس کے کہے ہوئے“ (حاشیہ حسامی باب متابعت رسول ص: ۸۶)

تقلید قرآن و سنت میں:۔ و اذا جاس امر من امر الله او الخوف اذا عوا به و لو ردوه الی الرسول و

لاسر منهم لعلمه الذين يستنبطونه منهم (النساء ص: ۸۳) اور جب ان کے پاس امن یا خوف کا معاملہ آتا ہے تو اسے مشہور کر دیتے ہیں اگر بغیر خدا یا اپنے سے اولی الامر کے پاس لے جاتے تو ان میں اہل استنباط ہیں اسے اچھی طرح جان لیتے۔

آیت مذکورہ میں اہل استنباط کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ جو اہل استنباط بتائیں کہ اس پر عمل کرنا ہوگا تو ان کی اس پر عمل کرنا ضروری ہے اور یہی تقلید ہے۔

عن ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر - (ترمذی جلد دوم ص: ۳۷۷) حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان دونوں کی اقتدا کرو جو اس کے بعد ہوں، یعنی ابوبکر و عمر کی۔

تقلید کے وجوب پر متعدد آیات و احادیث پیش کی جاسکتی ہیں۔ امت اتنے ہی پر انکشاف کیا جاتا ہے۔ لیکن دو غیر مقلد عالموں کا قول نقل کروں تو مناسب موقع ہوگا۔

غیر مقلد عالم نواب وحید الزماں حیدر آبادی فرماتے ہیں:

لا بد للعامة من تقليد مجتهد او مفت (نزل الابواب اول ص: ۷) عوام کے لیے کسی مجتہد یا مفتی کی تقلید ضروری ہے۔ نواب صدیق حسن خاں بھوپالی لکھتے ہیں:

ووجب على العامة تقليده والاخذ بفتواه (لقطۃ ص: ۱۳۷) مآخوذ مسلک غیر مقلدین ص: ۲۲) عوام پر واجب ہے کہ تقلید کریں اور ان کے فتویٰ پر عمل کریں۔

اب ہم تاریخی حقائق پیش کریں گے تاکہ معلوم ہو جائے کہ ائمہ نے کسی فقیہ کی تقلید کی ہے یا نہیں شاید اس سے ان لوگوں کو اپنے خیال پر نظر ثانی کا موقع مل سکے، جن کا عقیدہ ہے کہ تقلید ایک باطل ہے جسے اکابر علماء و ائمہ حدیث نے مخدوش تصور کیا ہے۔

(۱) امام بخاری :- حضرت امام قسطلانی تاج الدین سبکی کے سے لکھتے ہیں:

وقد ذكره ابو عاصم في طبقات اصحابنا - (ارشاد الساری اول ص: ۳۶) ”ابو عاصم نے بخاری کو طبقات شافعیہ میں بیان کیا ہے۔“

اور تاج الدین سبکی لکھتے ہیں:

وسمع بمكة عن الحميدى وعليه تفقه عن الشافعي - (طبقات شافعیہ کبری دوم ص: ۳)

یعنی امام بخاری نے مکہ میں حمیدی سے سماع کیا اور ان ہی سے فقہ شافعی پڑھی۔

نواب صدیق حسن خاں غیر مقلد بھوپالی لکھتے ہیں:

ولندكر بعد ذلك نبذا من ائمة الشافعية ليكون الكتاب كامل الطرفين حائز الشرفين و هؤلاء صنفان احد هما من تشرف بصحبة الامام الشافعي الاخر من تلاهم من الائمة امام الاول فمنهم احمد الخلال ابو جعفر البغدادي واما الصنف الثاني فمنهم محمد بن ادريس ابو حاتم رازی، محمد بن اسماعيل و محمد بن علي الحكيم الترمذی - (ابجد العلوم ص: ۸۱۱)

اور ہمیں چاہیے کہ اب کچھ ائمہ شافعیہ کا تذکرہ کریں تاکہ ہماری کتب حنفی اور شافعی دونوں کتابوں کی جامع ہو جائے اور ائمہ شافعیہ دو قسموں پر ہیں ایک وہ جو امام شافعی کی صحبت سے مشرف ہوئے جیسے احمد خلال، اور ابو جعفر بغدادی و دوسری قسم کے ائمہ شافعیہ یہ ہیں محمد بن ادریس رازی محمد بن اسماعیل بخاری اور حکیم ترمذی۔

(۲) امام مسلم :- حضرت امام مسلم صاحب الجامع الصحیح بھی مقلد تھے چنانچہ مولانا محمد حنیف گنگوہی لکھتے ہیں۔

”نواب صدیق حسن خاں غیر مقلد نے انہیں شافعی شمار کیا ہے، صاحب کشف فرماتے ہیں الجامع الصحیح الامام المسلم الشافعی“ (احوال المصنفین ص: ۱۱۸)

(۳) امام ابو داؤد :- صاحب سنن ابی داؤد کے بارے میں موصوف لکھتے ہیں:

تاريخ ابن خلكان میں مذکور ہے کہ شیخ ابواسحاق شیرازی نے ان کو طبقات الفقہاء میں امام احمد بن حنبل کے اصحاب میں شمار کیا ہے، حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری نے بھی علامہ ابن تیمیہ کے حوالے سے ان کو حنبلی فرمایا ہے (مرجع سابق ص: ۱۲۶)

(۴) امام ابن ماجہ :- مولانا محمد حنیف لکھتے ہیں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے نزدیک امام احمد بن

مصلک کے مسلک کی طرف میان تھا (مرجع سابق ص: ۱۴۰)

(۵) امام نسائی: حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی کے نزدیک آپ شافعی المذہب تھے جیسا کہ آپ کے مناسک سے پتہ چلتا ہے۔ نواب صدیق حسن خاں نے بھی شاہ صاحب کی تائید کرتے ہوئے امام نسائی کو شوافع میں شمار کیا ہے اور شاہ ولی اللہ دہلوی کے نزدیک بھی ان کا انتساب مسلک شافعی کی جانب مناسب ہے (مرجع سابق ص: ۱۵۴)

(۶) امام طحاوی: حضرت امام طحاوی پرانی راہ مسلک شافعی کو خیر آباد کہتے ہوئے نئی راہ مسلک حنفی پر گامزن ہو گئے (مرجع سابق ص: ۱۶۲)

(۷) صاحب مصباح: محی السنۃ ابو محمد حسین بن مسعود قراء بغوی صاحب مصباح کے بارے میں مولانا لکھتے ہیں: ”آپ اپنے زمانے کے مشہور محدث و مفسر اور بلند پایہ قراء میں سے ہیں، فقہ میں قاضی حسین بن محمد کے شاگرد ہیں اور صاحب تعلیقہ اور اجل شوافع میں سے ہیں“ (مرجع سابق ص: ۱۷۰)

ابو عمر یحییٰ الدین ابن صلاح شہزادہ دینی کے بارے میں لکھتے ہیں: ”ان کے والد صلاح الدین بڑے جلیل القدر عالم اور نہایت متبحر فقیہ تھے، اس لیے ابن صلاح نے ابتداء میں اپنے والد محترم سے علم فقہ حاصل کیا اور تھوڑی ہی مدت میں علم فقہ میں ایسا رسوخ حاصل کر لیا کہ فقہ شافعی کی کتاب المہذب کا درس دیتے اور تکرار کرنے لگے“ (مرجع سابق ص: ۱۷۳)

(۹) صاحب مسند حمیدی: ابو بکر عبد اللہ بن زبیر حمیدی صاحب مسند حمیدی امام بخاری کے شیوخ میں سے ہیں اور سقیان بن عیینہ کے شاگرد ہیں، کبار اصحاب شافعی میں شمار ہوتے ہیں (قرۃ العیون: ۱۷)

(۱۰) صاحب صحیح ابن عوانہ: صاحب صحیح ابن عوانہ شافعی المذہب تھے، اسراغین میں شافعی مذہب کی ابتداء ان ہی سے ہوئی (قرۃ العیون ص: ۷۴)

(۱۱) امام دارقطنی: ابو الحسن علی بن عمر دارقطنی شافعی المذہب تھے (مرجع سابق ص: ۷۴)

(۱۲) صاحب سنن بیہقی: آپ بھی شافعی المذہب تھے،

ان کی تصنیف معرفۃ الشافعی بالسنن والاثر سے واضح ہے۔
العزیز فرماتے ہیں کہ امام الحرمین نے احمد بیہقی کے بارے میں فرمایا کہ دنیا میں بیہقی کے سوا اور کسی کا امام شافعی پر احسان اتنے جتنا کہ ان کا ہے۔ (مرجع سابق ص: ۸۵)

(۱۳) وکیع بن الجراح: وکیع بن جراح کی حیثیت فن حدیث کی دنیا میں محتاج بیان نہیں، فوائد البھیہ میں سے عن ابن معین ہمارا ایت افضل من وکیع قبل وکیع المبارک قال قد کان لا بن المبارک فضل ولكن رأیت افضل من وکیع کان يستقبل القبلة ويحضر حدیثه و يقوم الليل ویفتی بقول ابی حنیفہ (القبول البھیہ فی تراجم الحنفیہ ص: ۹۲)

امام بن معین نے کہا میں نے وکیع سے افضل کوئی شخص دیکھا، کسی نے پوچھا ابن مبارک بھی نہیں؟ جواب دیا، ابن معین کی اپنی فضیلت ہے لیکن میں نے وکیع سے بڑھ کر کوئی شخص دیکھا وہ ہمیشہ قبلہ رخ بیٹھتے تھے، احادیث یاد کرتے تھے، قائم تھے، ہمیشہ امام ابو حنیفہ کے قول پر فتویٰ دیتے تھے۔

(۱۴) یحییٰ بن سعید القطان: فن جرح و تعدیل کے اور زبردست محدث ہیں مگر یہ بھی امام اعظم کے مطابق فتویٰ دیتے تھے، تذکرۃ الحفاظ میں ہے:

وکان یحییٰ بن سعید القطان یفتی بقول حنیفہ (مرجع سابق ص: ۹۲) (تذکرۃ الحفاظ اول ص: ۳۷)

”یحییٰ بن سعید القطان بھی امام اعظم کے قول پر فتویٰ دیتے تھے اس طرح سیرت و سوانح کی کتابوں میں مطالعہ کیا جائے کثیر محدثین و حفاظ حدیث کسی نہ کسی امام کی تقلید کرتے نظر آئے گے، کوئی فقہ حنفی سے وابستہ ہے تو کوئی مسلک شافعی سے کوئی مذہب سے کوئی مالکی فقہ کا مقلد ہے۔ یہاں اجمالاً چند ائمہ کے اسماء درج کرنے پر اکتفا کروں گا۔

مشاہیر حفاظ حدیث: (۱) حافظ ابو یوسف دولاہی حنفی (۲) الدین بن سلام شافعی (۳) حافظ اہلق بن راہویہ حنفی (۴) دقین العید شافعی (۵) حافظ ابو جعفر طحاوی حنفی (۶) حافظ شمس شافعی

بقیہ صفحہ ۱۸۹ پر ملاحظہ کرو

علمائے تفسیر اور تقلید

تقلید کے قائل ہیں لیکن وہ زندہ مجتہد کی تقلید کے قائل ہیں، حاصل یہ کہ زندہ لوگوں میں کوئی ایسا طبقہ نہیں جو تقلید سے آزاد ہے۔

(بحوالہ شرح صحیح مسلم از مولانا غلام رسول سعیدی ۳/۳۳۰)

جس زمانے میں مذاہب فقہ کی تدوین ہوئی اسی دور میں تفسیر قرآن بھی مختلف ادوار سے گزرتے ہوئے اپنے دور تدوین میں داخل ہو چکی تھی، اسی دور میں جہاں نامور فقہا پیدا ہوئے وہیں مفسرین نے بھی قرآن کریم سے فقہی احکام کا استنباط کرنے کے لیے فقہی اصول و ضوابط کو تفسیر قرآن کے ساتھ ملا دیا۔ اس دور میں اہل سنت کے مفسرین نے علوم عقلیہ، علوم ادبیہ، علوم کلامیہ اور علوم فقہیہ سے متعلق متعدد تفسیریں تحریر کیں۔ تاریخی طور پر اس عصر تدوین میں تفسیر بالماثور کی کتابیں زیادہ دستیاب ہیں کچھ مفسرین نے صرف فقہی فروعیات اور اس کے دلائل پر مشتمل تفسیریں بھی مرتب کیں مثلاً ابو بکر جصاص حنفی کچھ مفسرین نے تاریخی واقعات و اخبار پر مشتمل تفسیریں لکھیں مثلاً امام غزالی اور امام خازن وغیرہ۔ خلاصہ یہ کہ جس امام کو جس فن سے پابند ہو مسلمان نے زیادہ دل چسپی اور اس پر مہارت تھی تفسیر قرآن میں اسی علم سے متعلق نکتہ آفرینی کرنے کی سر توڑ کوشش کی گئی مگر تمام مفسرین میں یہ بات قدرے مشترک رہی کہ انہوں نے اپنے دلچسپ فن کے علاوہ دوسرے فنون کو تفسیر میں جگہ دی ہے۔ اتنی بات عرض کرنے کے بعد عصر تدوین سے لے کر حاضر تک کے مفسرین کے طبقات پر نظر ڈالی جاتی ہے تو تاریخی ماخذ و مراجع سے پتہ چلتا ہے کہ سوائے ابن جریر طبری کے علاوہ اہل سنت سوا ائمہ عظیم سے تعلق رکھنے والے تمام مفسرین ائمہ اربعہ کے پیروکار تھے۔ کسی نے اپنے آپ کو تقلید سے آزاد نہیں گردانا۔

ذیل میں علمائے تفسیر کی ایک مختصر فہرست درج کی جا رہی ہے جس سے یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ تقلید شخصی پر امت کے اہتمام میں مفسرین کا عظیم گروہ بھی شامل تھا۔ اس فہرست میں انہیں چند مفسرین کے اسمائے گرامی درج ہیں، جنہوں نے تفسیر میں نمایاں خدمات انجام دی۔

تاریخی طور پر تقلید کا یا ضابطہ آغاز ٹھیک اسی زمانے میں ہوا جس میں مذاہب فقہ کی تدوین ہوئی اور ان کا بر فقہاء کے اتباع سے اس کا ظہور ہوا، یوں کہ ہر شخص کے اندر یہ اہلیت و قابلیت نہیں تھی کہ مسائل شرعیہ اور احکام میں کو اس کے اصل ماخذ سے استنباط کر سکے۔ اس لیے عام لوگوں کے لیے اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں تھی کہ وہ ان کا بر فقہاء اور ائمہ اجتہاد کی پیروی کریں۔ تیسری صدی میں اس میں مزید وسعت آئی اور وقت کے بڑے بڑے نامور اصحاب علم و فضل نے ائمہ کی تقلید کی۔ جب کہ ان میں بعض علمائے راہنیں تھے جو خود قرآن وحدیث پر گہری بصیرت اور دقیق نظر رکھتے تھے اور مذاہب اربعہ کے دلائل سے بھی واقف تھے۔ وہ یہ جانتے تھے کہ کس کی بنا پر ایک امام کا قول دوسرے امام کے قول پر رائج ہے گویا وہ مقلد کس نہیں تھے۔ مگر پھر بھی احکام شرعیہ میں امام کی رائے کی موافقت کرتے تھے۔ اس سے ائمہ کے مذاہب کو زیادہ تقویت ملی کہ بڑے بڑے علمائے راہنہ نے ان ائمہ کی اصابت رائے اور فکر کی پختگی پر مہر تصدیق ثبت کی اور دوسری طرف علمائے راہنہ کی بھی عظمت بڑھی کہ انہوں نے اپنے آپ کو دینی کے باوجود مقلد ہی گردانا۔ تیسری صدی کے اواخر میں اس بات پر عام منعقد ہو گیا کہ عام آدمی کے لیے ائمہ اربعہ کی تقلید کرنا واجب ہے۔ ان واقعات سے ثابت ہو گیا کہ قرون اولی کے فقہاء میں جو وقت نظر، یک بینی، علم میں وسعت، گہرائی اور گیرائی پائی جاتی تھی وہ بعد کے فقہاء میں نہیں پائی اور احکام شرعیہ کو اصل ماخذ سے بذات خود استنباط کرنے کا ملکہ مہارت اور ایسی فقہی بصیرت جس میں فقہیہ استنباط اور اجتہاد کے اصول سے کرتا ہے متاخرین کے حصے میں نہیں آئی تو اہل علم اس پر متفق ہو گئے کہ اب ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک امام کی تقلید کرنا ضروری ہے۔ یہاں یہ بات پیش کرنا فائدے سے خالی نہیں ہوگا کہ ہر چند کہ ”ظاہر یہ (سلفیہ، غیر سنی یا اہل حدیث) اپنے آپ کو تقلید سے آزاد اور اصحاب جہت کہتے ہیں لیکن نواب صدیق حسن بھوپالی نے لکھا ہے کہ داؤد بن علی ظاہری فرقہ دہریہ کا امام ہے۔ لہذا وہ بھی ان کی آرا کے مقلد ہیں۔“ شیخ حضرت بھی

ہیں۔ ساتھ ہی یہ خیال بھی رہے کہ متنبہ ذیل مفسرین کے اسما کے ساتھ حنبلی، شافعی، مالکی اور حنفی کی صراحت تراجم و طبقات اور کتب تاریخ و سیر کی ان کتب میں موجود ہے جو اسلامی تاریخ اور اسلامی شخصیات کی سوانح میں مستند ماخذ و مراجع کی حیثیت رکھتی ہیں۔ جس سے ہمیں یہ ثبوت ملتا ہے کہ وہ عملی طور پر مقلد تھے، کیوں کہ اگر وہ کسی امام کے مقلد نہ ہوتے تو تاریخی ماخذ میں یہ صراحت نہیں ملتی۔ فہرست درج ذیل ہے:-

اسمائے علمائے تفسیر و حوالہ جات

- ۱- ابو الیث نصر بن محمد بن ابراہیم سمرقندی حنفی (م ۳۷۵ھ)۔ طبقات المفسرین از داؤد ودی۔ کشف الظنون
- ۲- ابواسحاق احمد بن ابراہیم ثعلبی نيساپوری شافعی (م ۴۲۷ھ)۔ معجم الادباء۔ وفیات الاعیان۔ شذرات الذهب
- ۳- ابو محمد حسین بن مسعود القراء بغوی شافعی (م ۵۱۰ھ)۔ طبقات المفسرین از سیوطی۔ وفیات الاعیان لابن خلکان۔ طبقات الشافعیۃ الکبریٰ للسیکی۔
- ۴- ابو محمد عبد الحق بن غالب بن عطیہ اندلسی غرناطی مالکی (م ۵۴۲ھ)۔ الديباج المذہب لابن فرحون۔ الاعلام للزورکی۔ بغیۃ الوعاة لسیوطی۔
- ۵- عماد الدین ابوالفضل اہل سامعیل بن عمر بن کثیر بصری شافعی (م ۷۷۷ھ)۔ طبقات المفسرین از داؤد ودی۔ الدرر الکامنه۔ شذرات الذهب
- ۶- ابو یزید عبد الرحمن بن محمد بن مخلوف شافعی جزائری مالکی (م ۸۷۷ھ)۔ الشؤ اللامع۔ نیل الاعتصاج۔
- ۷- جلال الدین ابوالفضل عبد الرحمن بن ابی بکر سیوطی شافعی (م ۹۱۱ھ)۔ شذرات الذهب۔ الاعلام للزورکی۔
- ۸- ناصر الدین ابوالخیر عبد اللہ بن عمر بن محمد بیضاوی (م ۶۹۱ یا ۶۸۵ھ)۔ شذرات الذهب۔ طبقات المفسرین از سیوطی۔ کشف الظنون۔
- ۹- ابو البرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود نسفی حنفی (م ۷۰۱ھ)۔ الجواهر المصنوعۃ فی طبقات المحققین۔ القوائد البحریۃ فی تراجم المحققین۔ الاعلام للزورکی
- ۱۰- علاء الدین ابوالحسن علی بن محمد بن ابراہیم خازن شافعی (م ۴۱۱ھ)۔ الدرر الکامنه۔ طبقات المفسرین از داؤد ودی، شذرات الذهب۔
- ۱۱- شہاب الدین ابوالشامہ سید محمود آفندی شافعی آلوسی (م ۱۲۷۷ھ)۔ الاعلام للزورکی۔ التفسیر والمفسرون از محمد حسین ذہبی۔

- ۱۲- محمد بن محمد بن مصطفیٰ ابوالسعود و عمادی حنفی (م ۹۸۴ھ)۔ القوائد البحریۃ العقد المنظوم فی ذکر افاضل الروم۔
 - ۱۳- ابوبکر احمد بن علی رازی یصاص حنفی (م ۳۷۷ھ)۔ الجواهر المصنوعۃ القوائد البحریۃ۔ شرح الازہار۔
 - ۱۴- ابوبکر محمد بن عبد اللہ بن محمد معافری اشعری مالکی (م ۵۴۳ھ)۔ الديباج المذہب۔ التفسیر والمفسرون۔ الاعلام للزورکی
 - ۱۵- ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری قرطبی اندلسی مالکی (م ۶۷۱ھ)۔ الديباج المذہب۔ مقدمہ احکام القرآن۔ الاعلام للزورکی۔
 - ۱۶- ابوالحسن علی بن محمد بن علی طبری شافعی (م ۵۰۴ھ)۔ البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر۔ وفیات الاعیان لابن خلکان۔
 - ۱۷- قاضی ثناء اللہ پانی پتی حنفی (م ۱۲۲۵ھ)۔ تذکرہ علماء ہند از رحمان علی۔ الاعلام از عبدالحی کھنوی۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی، حیدرآباد۔
 - ۱۸- احمد بن ابوسعید معروف بہ ملا جیون حنفی۔ تذکرہ علماء ہند از رحمان علی۔ الاعلام از عبدالحی کھنوی۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی، حیدرآباد۔
 - ۱۹- شاہ عبد العزیز بن شاہ ولی اللہ دہلوی حنفی۔ تذکرہ علماء ہند از رحمان علی۔ الاعلام از عبدالحی کھنوی۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی، حیدرآباد۔
- ہم نے اختصار کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ان مشاہیر مفسرین کا ذکر ہے جو اپنے اپنے وقت میں مسلمہ حیثیت کے مالک تھے اور جن کی شہرت آج تک اہل علم کے نزدیک مسلم ہے، اگر عالم اسلام کے تمام مفسرین کے اسامی جمع کیے جائیں تو ضخیم دفتر بن جائے گا جس کا یہ کل نہیں۔
- تقلید کے سلسلے میں علمائے تفسیر کا نظریہ:-** اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-
- ”فاسئلواہل الذکر ان کنتم لا تعلمون“ (النحل ۶۳)
- ”جس چیز کو تم نہیں جانتے ہو جاننے والوں سے اس کی دریافت کرو۔“
- آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عوام جو مسائل شرعیہ اور احکام دینیہ بذات خود معلوم نہیں کر سکتے ان پر ضروری ہے کہ اہل علم یعنی اہل اجتہاد سے دریافت کریں کیوں کہ ائمہ مجتہدین ہی براہ راست تمام احکام شرعیہ اصل مرجع سے حاصل کرنے کی قدرت رکھتے ہیں اور یہی تقلید ہے۔
- علامہ جلال الدین سیوطی، علامہ جلال الدین محلی اور علامہ

میں وہ خارق تقلید نہیں ہوگا کیوں کہ یہ بات صحیح سند سے ثابت ہے کہ جب حدیث صحیح مل جائے تو وہی ائمہ کا مذہب ہے۔ امام ابن عبد البر اور امام شعرانی نے ائمہ اربعہ سے روایت کیا ہے کہ جب حدیث صحیح مل جائے تو وہی میرا مذہب ہے (رد المحتار علی الدر المختار از ابن عابدین شامی ۱/۲۳)

اب اس تناظر میں شاہ کی تحریر پڑھیے اور یہ فیصلہ کیجیے کہ ”سلفیوں کو“ اس سے کون سی حمایت مل رہی ہے؟

لکھتے ہیں: ”دریس جایا ید دانست چنانچہ عبادت غیر خدا شرک و کفر است۔ اطاعت غیر او تعالیٰ نیز بالا استقلال کفر است و معنی اطاعت غیر بالاستقلال آنست کہ اورا در مبلغ احکام نادانستہ ربقہ تقلید او در گردن اندازد۔ واورا لازم شمارد و باوجود ظہور مخالفت او باحکام او تعالیٰ است۔ از اتباع پر ندارد و این ہم نوع است از اتخاذ انداد کہ در آیت کریمہ اتخذوا حبارہم اربا بامن دون اللہ والمسیح ابن مریم نکونش آن فرمودہ اند (تفسیر عزیزی ص- ۱۲۸ مطبوعہ دہلی)

شاہ صاحب جس شخص حقیقت کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں ہم نے مندرجہ بالا طور میں عرض کر دیا ہے کہ یہ امت کا اجماعی موقف ہے نیز اکثر ائمہ تفسیر نے اسی مفہوم کو قدرے اختلاف کے ساتھ بیان کیا ہے۔ درحقیقت اس مسئلہ کا مسئلہ تقلید اسلامی سے کوئی تعلق نہیں، دونوں الگ نوعیت کے مسئلے ہیں۔ تقلید اسلامی میں کوئی بھی مقلد خدا و رسول کی مخالفت کر کے امام کے قول کی اطاعت نہیں کرتا جب کہ مذکورہ آیت کی روشنی میں یہود و نصاریٰ کا عالم اس سے مکمل مختلف تھا اب جہاں تک شاہ صاحب کا تعلق ہے ان کے سلسلے میں تراجم و سوانح کی ساری کتابیں ان کے حنفی مقلد ہونے کی شہادت فراہم کرتی ہیں۔ غیر مقلدین کی محض ان کی ایک عبارت کی ناجائز تشریح کے آگے شاہ صاحب کے سلسلے میں کیا تمام تاریخی ماخذ کو بحیثیت چڑھا دیا جائے؟

ہم نے ہر شخص کا معیار نظر دیکھ لیا

قاضی بیضاوی کا نظریہ: قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”فلولا نفر من کل فرقة منهم طائفة لیستفقوا فی الدین ولینذروا قومہم اذارجعوا الیہم لعلہم یحذرون (توبہ

آلوسی کا نظریہ:- علامہ سید محمود آلوسی اس آیت کی تفسیر میں رقم طراز ہیں۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے الاکلیل میں اس آیت سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ عام آدمی کے لیے مسائل فرعیہ میں مجتہد کی تقلید ضروری ہے۔ آلوسی کے نزدیک فروع کی قید محل نظر ہے چنانچہ اس میں عموم پیدا کرنے کے لیے اگلی سطر میں علامہ جلال الدین بخاری کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ غیر مجتہد خواہ وہ عام آدمی یا نہ ہو مندرجہ بالا آیت کے سبب مجتہد کی تقلید ضروری ہے خواہ مجتہد با حیات ہوں یا انتقال کر گئے ہوں۔ یونہی دریافت شدہ مسائل اعتقادی ہوں یا نہ ہوں“ خود علامہ آلوسی کا بھی یہی نظریہ ہے کیوں کہ اس بحث کی آخری سطر میں ان کی فیصلہ کن بات شاہ عدل ہے۔ (روح المعانی از آلوسی (م ۱۲۷۰ھ) ۳۸۷/۷-دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان طبع دوم ۲۰۰۵ء ۱۳۲۶ھ)

ایک بے غبار عبارت کی غلط تشریح:- ہندوستان کے عالی غیر مقلدین حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی صاحب تفسیر فتح العزیز کی ایک تفسیری تحریر جو آیت کریمہ ”فلا تجعلوا اللہ انداداً وانتم تعلمون“ کے ذیل میں درج ہے اس کو تقلید کے خلاف بڑے طعنائی کے ساتھ پیش کرتے ہیں اور سادہ لوح عوام کی آنکھوں میں بڑی چابک دستی سے دھول جھونکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جب کہ شاہ صاحب کی تحریر سے غیر مقلدین کو ذرا بھی فائدہ نہیں مل رہا ہے بلکہ وہ تحریر آج تک خود انہیں کے گلے کی بڈی بنی ہوئی ہے۔ دراصل اپنی تحریر میں شاہ صاحب نے یہ فکر دینے کی کوشش کی ہے کہ اطاعت بالاستقلال اللہ ہی کو زیبا ہے۔ جو کسی دوسرے کو احکام کی تبلیغ میں اطاعت یا استقلال کے لائق گردانے اور اللہ کی مخالفت کے باوجود غیر اللہ کی تقلید کا پتہ اپنی گردن میں ڈالے رہے (جیسا کہ یہودی عوام علمائے یہود کی تقلید کرتے تھے) تو یہ بھی اتحاد انداد (خدا بنانے) کی قبیل سے ہے (جو ناجائز و حرام ہے) بلاشبہ ایسی اطاعت کفر کی دلیلیں تک پہنچا دیتی ہے۔ یہ صرف شاہ صاحب ہی نہیں بلکہ امت کا سواد اعظم کہہ رہا ہے یوں کہ اس بات پر ائمہ امت کا اجماع ہے کہ اصل اطاعت و اتباع اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے اور امام صرف مبلغ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لیے اہل علم پر واجب ہے کہ جب انہیں کوئی آیت یا کوئی حدیث صحیح سے مل جائے جو ان کے کسی امام کے قول کے خلاف تو ان کے قول کو چھوڑ کر قرآن و حدیث پر عمل کریں۔ لیکن ایسی صورت

(۱۲۲/۱) ”ہر گروہ میں سے ایک جماعت علم دین حاصل کرنے کے لیے کیوں نہ نکلی تاکہ جب واپس آئے تو گروہ کو احکام پہنچانے کا وہ (گناہوں سے) بچیں“ امام بیضاوی لکھتے ہیں ”اس آیت سے یہ دلیل فراہم ہوتی ہے کہ تفقہ اور تہذیب و فروع کفایہ سے ہیں البتہ اس چیز کو حاصل کرنے کا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ صاحب طلب خود سلامت رہے اور دوسرے کو سلامتی کی راہ دکھائے۔ لوگوں پر (علمی) بڑائی اور ممالک پر قبضہ جمانا ان کا مقصد نہیں ہونا چاہیے

(تفسیر بیضاوی ۱/۳۲۳- دارالکتب العلمیہ طبع اول ۱۳۲۰ھ ۱۹۹۹ء) **ملاحیون المیشوی کا نظریہ:**۔ برصغیر کے مستند اور نامور مفسر ملا احمد حیون لکھتے ہیں (آیت کا ایک معنی دینی علم میں تفقہ حاصل کرنا ہے اور) تفقہ سے مراد اجتہاد ہے اور یہ بھی فرض کفایہ ہے۔ ہاں مسائل کا علم فرض عین ہے۔ تفقہ اور اجتہاد فرض عین نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ”طلب العلم فربضۃ علی کل مسلم ومسلمۃ“ واللہ اعلم بالصواب۔ (تفسیرات احمدیہ فی بیان آیات الشرعیہ ص ۵۶۵۔ ناشر قرآن کمپنی لمیٹڈ، لاہور، پاکستان)

دونوں مفسر کے بقول بعض مسلمان تفقہ حاصل کریں اور باقی مسلمانوں کا ان کی اقوال پر عمل کرنا ضروری ہے کیوں کہ عمل ہی پر گناہوں سے بچنا موقوف ہے اور اصطلاح فقہاء میں اسی کو تقلید کہتے ہیں۔ وضاحت کے لیے ذیل کی تحریر پڑھیے:

محقق عصر مولانا غلام رسول سعیدی کا نظریہ:۔ صاحب تفسیر بیان القرآن سعیدی صاحب اپنی مشہور کتاب ”شرح صحیح مسلم“ میں اس آیت کو تقلید کی دلیل میں پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ”اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صرف بعض مسلمانوں پر یہ ذمہ داری ڈالی ہے کہ وہ علم حاصل کرنے کے بعد اپنی پوری قوم کو احکام پہنچائیں یعنی صرف بعض مسلمان تفقہ حاصل کریں اور باقی تمام مسلمان ان کے اقوال پر عمل کریں۔ اس آیت میں فقہاء کے اقوال کو واجب العمل قرار دیا ہے کیوں کہ اس پر گناہوں سے بچنا موقوف ہے اور یہی تقلید ہے۔ (شرح صحیح مسلم از مولانا غلام رسول سعیدی ۳/۳۳۶۔ ناشر المصباحی، مبارکپور، اعظم گڑھ۔ یو۔ پی۔)

علامہ ابن العربی مالکی کا قول:۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم فان تنازعتم فی شئی فردوه الی اللہ والی الرسول

(النساء ۵۹/۴) ابن العربی اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ مجھے۔ نزدیک صحیح یہ ہے کہ اس سے امر اور علما دونوں مراد ہیں۔ امر اس سے کہ اصل امر انہیں کی طرف سے ہے اور وہی صاحب اختیار ہیں۔ اس لئے مراد ہیں کہ لوگوں پر (نامعلوم مسائل کی) دریافت اور حقائق کا قیاس پر عمل واجب ہے۔ جب کہ علما پر ان مسائل کا جواب ضروری ہے۔ (احکام القرآن از ابن العربی اندلسی ۱/۱۸۹ مطبوعہ بیروت۔ بجور محافظہ مصر طبع دوم ۱۳۳۱ھ)۔

تقلید میں اس سے زیادہ کچھ نہیں ہوتا کہ عام آدمی مسائل قرآن وریافت کرتا ہے اور مجتہد احکام کا استنباط کر کے ان کا جواب دیتا ہے۔ حاضر کی فقہی کتابوں میں جو مسائل مستخرج شدہ ہیں اور ان کے حلے انہ کا جو رجحان ہے عام آدمی مفتیان کرام سے مسائل دریافت کرتا ہے مفتیان کرام فتاویٰ نقل کر کے جواب دیتے ہیں اور یہی امت کی تقلید ہے۔ علامہ عبدالحق حقانی دہلوی کی چشم کشا تحریر:۔ صاحب تفسیر مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ”جو احکام کہ کتاب و سنت میں بھراحت مذکور ہیں ان میں تو ان علما کا قول عامیوں پر ماننا فرض واجب ہے۔ اس میں شاید کسی کو اختلاف نہ ہو۔ رہے وہ احکام و مسائل کہ بھراحت کتاب و سنت میں نہ پائے جائیں بلکہ یہ حکم ”تفصیلاً لکم شئنی“ بطور اسرار و مودعہ پر وہ الفاظ میں مستور ہوں اور علما میں سے خواص و مستہبط ہیں جیسا کہ اگلی آیت میں ہے ”وردوہ الی الرسول والی اولی الامر منکم لعلہم للذین یمستبطوہ“ جن کو مجتہد کہتے ہیں وہ ان مسائل کو استنباط اور اجتہاد کر کے نصوص سے ظاہر کرتے ہیں۔ آیا ان مسائل میں بھی پیروی غیر مجتہد لوگوں کو چاہیے یا نہیں؟ اس پیروی کو عرف فقہاء میں تقلید کہتے ہیں۔ اہل اسلام میں جمہور حد سے خلف تک ان مسائل میں بھی اتباع کرنا واجب اور ضروری ہے ہیں۔ (اس کے بعد علامہ حقانی نے اس کے وجوہات بیان کیے ہیں آخر میں لکھتے ہیں: کہ یہ اعتراض کی چار امام ابوحنیفہ، مالک، احمد، شافعی معین کرتا اور آئندہ اجتہاد کا دروازہ بند کرنا اور انہیں کی تقلید پر اکتفا اور حنفی، شافعی، مالک، نابت و شرک ہے سو یہ محض تعصب ہے۔ (تفسیر حقانی ۱۹۹/۳۰۰ دارالاشاعت تفسیر حقانی، دہلی)

تقلید کے سلسلے میں اختصار کے پیش نظر ہم نے صرف چند مفسرین نظریہ پیش کیا ہے جس میں آپ نے ملاحظہ کیا کہ کچھ آیتوں کی تفسیر

اہل علم آج تک اس تفسیر میں شیخ کی تکمیل کا نقطہ آغاز تلاش کرنے سے قاصر ہیں۔ علم تفسیر کے لیے علوم شرعیہ اور دوسرے علوم پر کس قدر مہارت ضروری ہے، اہل بصیرت سے یہ بات پوشیدہ نہیں۔

آپ کی حیات مستعار کا بیشتر حصہ علوم اسلامیہ کی ترویج و اشاعت اور تصنیف و تالیف میں صرف ہوا۔ آپ نے متعدد علوم و فنون پر تصانیف کا خاصا ذخیرہ یادگار چھوڑا۔ یہ ذخیرہ اپنی قدر و قیمت کی وجہ سے ہر دور میں اپنی معنویت تسلیم کروانے پر مجبور کرتی رہی ہے۔ آپ کی مقبول تصانیف میں ”تفسیر کبیر“ کا نام سرفہرست ہے۔ یہ تفسیر لا تعداد خصوصیات کی جامع ہیں۔ اس کی مقبولیت اور شہرت کا سورج آج بھی نصف النہار پر ہے۔ اس کی وجہ مختلف علوم و فنون سے متعلق اس کے ٹھوس علمی اور فنی مباحث ہیں۔ بالخصوص علم کلام، علم ریاضی، علم فلسفہ اور دیگر علوم مثلاً علم الافلاک وغیرہ کا ذکر بھی کثرت سے کرتے ہیں۔ اس کی ایک بڑی خصوصیت یہ بھی ہے کہ احکامی آیات کی تفسیر کرتے ہوئے امام رازی فقہا کے مذاہب کا ذکر کرتے ہیں۔ شافعی ہونے کی وجہ سے امام شافعی کے مسلک کی تائید و حمایت میں بہ کثرت دلائل و براہین کا ذکر کرتے ہیں۔ غالباً اسی وجہ سے ابن خلدون نے لکھا ہے کہ ”امام رازی نے اس تفسیر میں ہر انوکھی بات یکجا کر دی ہے۔“ (وفیات الاعیان لابن خلدون ۲/۲۶۷)۔

ابو اسحاق احمد بن ابراہیم ثعلبی نیاپوری شافعی (م ۴۲۷ھ): امام ثعلبی کا شمار اوائل پانچویں صدی کی نادر روزگار ستیوں میں ہوتا ہے۔ آپ کثیر الشیوخ تھے آپ کے شیوخ کی تعداد تین سو بتائی جاتی ہے جن سے آپ نے علمی اسرار و رموز حاصل کیے۔ وہ بیک وقت مختلف علوم و فنون پر مہارت رکھتے تھے۔ علم تفسیر، علم حدیث، علم رجال، علم نقد و جرح، پر دسترس رکھتے تھے، علم تاریخ سے ان کی واقفیت گہری تھی۔ عربی زبان کے صاحب اسلوب ادیب تھے۔ اس کے علاوہ موثر خطیب اور دین دار اور باعمل واعظ بھی تھے۔ امام ثعلبی کی ثقاہت علمائے ناقدین کے درمیان متنازع فیہ ہے۔ امام ثعلبی کو علم تفسیر سے فطری دلچسپی تھی۔ اس کے حصول کے لیے انہوں نے سوچن کیا۔ ان کے مقدمے کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ وہ عہد طفولیت ہی سے علما کی خدمت میں حاضری دیتے تھے اور علم تفسیر کے حاصل کرنے کے لیے کوشاں رہتے تھے۔ ان کی محنت و کاوش کی حد یہ ہے کہ وہ رات بھر جاگتے تھے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر علم کے

مفسرین نے پوری وضاحت و صراحت کے ساتھ نظریہ تقلید پر دلائل فراہم کیے ہیں۔ بعض مفسرین نے گرچہ ان آیات کے ذیل میں تقلید کی بحثیں نہیں اٹھائی ہیں مگر عملاً وہ بھی مقلد ہی تھے۔ جیسا کہ ابھی چند سطور پہلے آپ نے مستند ماخذ کے حوالے سے ان کے ناموں کے ساتھ مقلد ہونے کی صراحت ملاحظہ فرمایا ہے۔ آئندہ صفحات میں کچھ مفسرین کی حالات زندگی اور ان کی تقلید کا مختصر تعارف بھی پیش کیا گیا ہے جس میں حتی الامکان یہ کوشش کی گئی ہے کہ احکامی آیات کے ذیل میں ان کی تفاسیر میں جس طرح کی فقہی مباحث ہیں ان کے بارے میں بھی آپ کو باخبر کر دیا جائے تاکہ یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو جائے کہ احکامی آیات کے ذیل میں علمائے تفسیر نے ائمہ اربعہ کے مسالک کے مطابق ہی مسائل کا استنباط کیا ہے یا مستنبط شدہ مسائل کو نقل کیا ہے۔ ساتھ ہی کچھ تفاسیر میں مسائل کے ذیل میں مذاہب کے دلائل بھی ذکر کیے گئے ہیں بلکہ مفسر جس امام کا مقلد ہے اس مسلک کا پلڑا بھاری دکھانے کی شعوری کوشش بھی کی ہے۔ گرچہ اکثر مفسرین نے محض مسائل اور مسالک کے دلائل کی وضاحت و تشریح کر دی ہے براکتفا کیا ہے۔

مشاہیر علمائے تفسیر اور ان کی تفاسیر کا مختصر جائزہ

محمد بن عمر بن حسین رازی شافعی (۵۴۳ھ/۶۰۶ھ): امام فخر الدین رازی شافعی ابن الخطیب کے نام سے مشہور تھے۔ ۵۴۳ھ میں پیدا ہوئے والد گرامی ضیاء الدین خطیب شافعی کے نام سے معروف تھے۔ امام رازی نے والد گرامی ہی سے علمی استفادہ کیا۔ ان کے علاوہ گمال سمعانی المجد جلی اور دیگر معاصر علمائے کرام سے بھی خوب استفادہ کیا۔ آپ اپنے دور کے یگانہ روزگار عالم، بے مثال متکلم تھے، علم کلام اور علم فلسفہ میں غیر معمولی عبور حاصل تھا۔ آپ نے اسلامی فلسفہ اور یونانی فلسفہ کے دوران خط فاصل کھینچا۔ علم تفسیر، لغت، بلاغت، تاریخ، بیان، قرأت اور علم و نقد و جرح میں آپ امامت کے مرتبے پر فائز تھے۔ (الاعلام للزور کلی ۷/۲۰۳) علوم شرعیہ کے علاوہ علم تصوف سے آپ کا گہرہ لگاؤ تھا۔ اس علم میں حضرت شیخ نجم الدین کبری رقت اللہ علیہ آپ کے پیر و مرشد اور شیخ طریقت تھے۔ حضرت شیخ نجم الدین کبری نہ صرف عظیم صوفی تھے بلکہ حافظ ابن حجر اور صاحب کشف العلون کے بیان کے مطابق آپ ہی نے اپنے شاگرد کی کتاب تفسیر تیسر کا تکمیل لکھا اس کے ناقص حصے کی تکمیل بعینہ اسی اسلوب میں لکھی

دروازے وا کر دیے جس سے وہ حق و باطل، ادنیٰ و اعلیٰ، جدید و قدیم، اور سنت و بدعت میں فرق کرنے لگے۔ ساتھ ہی ان پر یہ حقیقت بھی متکشف ہو گئی کہ وہ ایک ایسی جامع تفسیر تصنیف کریں جو متقدمین کی تمام صفات کی حامل ہو۔ ارادے کو عملی جامہ پہنایا اور اپنی تفسیر کی تمام خصوصیات کی حامل بنانے کی کوشش کی ان کا بیان ہے کہ میں نے اس کتاب میں قریب سو کتابوں کا منتخب مواد جمع کر دیا ہے۔ تعلیقات اور متفرق اجزاء اس پر مستزاد۔ (التفسیر والمفسرون، از: محمد حسین ذہبی ۱/ ۲۷۷-۲۷۸ دار احیاء التراث العربی طبع دوم ۱۳۹۶ھ ۱۹۷۶ء)

امام شافعی امام شافعی کے مقلد تھے وہ اپنی تفسیر میں دوسری بحثوں کے علاوہ فقہی احکام و مسائل پر بہت کچھ لکھتے ہیں۔ احکام کی آیات کی تفسیر میں ائمہ دین کے فقہی اختلافات کے ساتھ ان کے دلائل و براہین پر بھی کھل کر روشنی ڈالتے ہیں کہ نفس مسئلہ کا گوشہ گوشہ منور ہو جاتا ہے۔ قرآن میں فرمایا:

وان كنتم مرضى او على سفر او جاء احد منكم من الغائط (النساء ۳۴)

اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں یا کوئی شخص حاجت پوری کر کے آئے اس آیت کی تفسیر میں مؤلف نے لس، لامہ کا مفہوم واضح کرنے کے بعد اس مسئلے کے متعلق فقہاء کے پانچ مذاہب کے بارے میں بتاتے ہیں۔ بالخصوص شافعی ہونے کے ناطے امام شافعی کے مسلک کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔ اس کے بعد تیمم سے متعلق علماء کے اقوال و مذاہب پر روشنی ڈالتے اور تمام مسالک کے دلائل کا تجزیہ کرتے ہیں۔ اور اس تجزیے میں امام شافعی کا مسلک با وزن ثابت کرتے ہیں۔ (دیکھیے الکشف ج ۲/ ۱۳۵)

ابو محمد حسین بن مسعود الفراء بغوی شافعی (م ۵۱۰ھ): امام بغوی شافعی المسلک فقہی، عظیم محدث اور بے مثال مفسر تھے۔ آپ کا لقب محی السنہ ہے۔ آپ نے قاضی حسین سے حدیث و فقہ کا درس لیا۔ عابد شب زندہ دار اور نہایت ہی صابر و قانع تھے۔ صوفی ازم تحریک کے نامور اور فاضل صوفی تھے۔ ہمیشہ پاک و صاف حالت میں درس دیتے تھے، شبہات سے بچتے تھے، تعلیم و تعلم، تصنیف و تالیف، خدمت دین اور خدمت مخلوق، تزکیہ نفس ہی آپ کی پوری زندگی تھی، علامہ سبکی لکھتے ہیں۔ ”بغوی بڑے جلیل القدر امام عابد و زاہد، محدث، مفسر، فقہی، علم و

عمل کے جامع اور طریق سلف پر گامزن تھے۔ قرآن کریم کی کئی احادیث نبویہ کی مشکلات کے حل کرنے کے سلسلے میں کتابیں تصنیف کیں۔ حدیث رسول کی نقل و روایت اور درس و مطالعہ میں حدیث پر چھٹی لیتے تھے۔

آپ کی مشہور تصانیف مندرجہ ذیل ہیں۔

- (۱) معالم التنزیل (۲) شرح السنۃ (۳) المصباح
- (۴) الجمع بین الصحیحین (۵) التہذیب فی الفقہ
- امام خازن نے اپنے مقدمہ میں لکھا ہے کہ معالم التنزیل شافعی بلند پایہ اور گراں قدر کتاب ہے۔ یہ صحیح اقوال کی جامع، احادیث سے آراستہ اور احکام شرعیہ سے پیراستہ ہے۔ شبہات و تبدیلی سے پاک ہے۔ لیکن اس میں عجیب و غریب واقعات اور نادر و نایاب قصے کہانیاں بھی ہیں۔ (التفسیر والمفسرون از محمد حسن الذہبی ۱/ ۲۳۶ دار احیاء التراث العربی طبع اولی ۱۹۷۶ء)

تفسیر بغوی کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ آیتوں کی تشریح کے احکام اور ائمہ کے مذاہب اور ان کے دلائل اور دیگر امور شرعیہ کی توضیح کے احادیث ضرور ذکر کرتے ہیں۔ اس کی وجہ امام بغوی خود بتاتے ہیں۔ ”مسی آیت کی تشریح یا حکم شرعی کی توضیح کے سلسلے میں جہاں کہیں احادیث درج ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ کتاب الہی کی وضاحت و صراحت کے لیے اس کی ضرورت تھی۔ کتاب اللہ کی توضیح سنت سے طلب کی جاتی ہے۔ امور دین کا مدار و انحصار سنت ہی پر ہے۔ احادیث نبویہ میں نے معتبر حدیث کی کتب سے اخذ کی ہے اور منکر و غیرہ سے متعلق روایات سے احتراز کیا ہے (معالم ج ۱/ ص ۹)

ابو محمد عبد الحق بن غالب بن عطیہ اندلسی غرناطی مالکی (م ۵۳۲ھ): ابن عطیہ مالکی پچھٹی صدی ہجری کے نامور اور صاحب قاضی (Justice)، جلیل القدر فقیہ، معتد مفسر، بلند پایہ محدث، زبان کے مایہ ناز ادیب اور صاحب طرز انشا پرداز تھے۔ علم لغت و نحو کے بے مثال عالم تھے اس کے علاوہ دوسرے علوم پر بھی آپ امامت کے درجہ پر فائز تھے۔ علم تفسیر اور علم فقہ میں مہارت کا کوئی جواب نہیں (اعلام للزکلی ۴/ ۵۳)۔ مشہور مفسر ابو حیان اپنی تفسیر کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ جن لوگوں نے بھی تفاسیر قرآن مرتب کی ہیں ان میں ابن عطیہ کا مقام بلند تر ہے۔ (البحر المحیط ج ۱/ ص ۱۰۰)

بحوالہ التفسیر والمفسرون ۱/۲۳۹)

”ابن فرحون صاحب الدبیاج المذہب نے آپ کو مالکی فقہ کا ستون قرار دیا ہے“

مشہور مفسر ابو حیان ہی نے کشاف اور ابن عطیہ کی تفسیر کا مقابلہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ابن عطیہ کی کتاب زیادہ جامع اور غیر صحیح مواد سے پاک ہے۔ اس کے مقابلے میں زخشری کی تفسیر زیادہ گہری اور مختصر ہے (المحرر ۱۰۸، بحوالہ سابق ۱/۲۱۹)

”ابن عطیہ نے دینی تصانیف کا جو ذخیرہ یادگار چھوڑا ان میں ان کی تفسیر البحر الوجیر فی تفسیر الکتاب العزیز جملہ مفسرین کے نزدیک کتب تفسیر میں اہم مقام رکھتی ہے۔ ابن خلدون نے اس کو جملہ تفسیر کا نچوڑ قرار دیا ہے۔ ان کے بقول اس میں صرف صحیح مواد کو جگ دیا گیا ہے۔ یہ کتاب دیار مغرب و اندلس (اسپین) میں نہایت مقبول و مستحسن خیال کی جاتی ہے۔ صاحب التفسیر و المفسرون ان کے متعلق رقم طراز ہیں کہ ابن عطیہ ایک آیت ذکر کے نہایت ثمریں اور بلیغ عبارت میں اس کی تفسیر کرتے ہیں۔ پھر تفسیر میں وارد شدہ روایت و آثار تحریر کرتے ہیں۔ ابن جریر سے انہوں نے استفادہ کیا ہے بعض اوقات ابن جریر کی عبارت نقل کر کے اس پر کڑی تنقید کرتے ہیں۔ قرآنی الفاظ کی تفسیر کے سلسلے میں وہ اکثر عربی اشعار اور ادبی شواہد سے استدلال کرتے ہیں۔ نحوی مسائل سے بھی انہیں دل چسپی ہے۔ وہ اکثر مختلف قرأتیں ذکر کر کے ان کے جداگانہ معانی و مطالب پر روشنی ڈالتے ہیں“

(التفسیر والمفسرون ۱/۲۳۹ تا ۲۴۰)

عماد الدین ابوالقاسم اسماعیل بن عمر بن کثیر بصری شافعی (۵۷۰ھ/۱۱۷۴ء): ابن کثیر بصرہ میں پیدا ہوئے۔ سات سال کی عمر میں اپنے بھائی کی رفاقت میں دمشق چلے آئے۔ سینیں حصول تعلیم میں مشغول ہو گئے، ابن شہینہ آمدی اور ابن عساکر جیسے بلند پایہ محدثین سے علمی استفادہ لیا۔ عرصہ رازنک علامہ مزنی کی صحبت میں رہے۔ ان سے تہذیب الکمال کا درس لیا۔ علامہ مزنی نے آپ کو امامی کا شرف بخشا۔ آپ نے ابن تیمیہ قرآنی سے کافی استفادہ کیا۔ بلکہ بعض نظریات میں آپ ان کے حامی بھی رہے۔ آپ کی وفات ماہ شعبان ۷۴۱ھ میں ہوئی۔

ابن کثیر کا علمی مقام و مرتبہ مختلف زاویے سے کافی بلند ہے۔ وہ اپنی معمولی ذہانت و طباعت کی وجہ سے متعدد اسلامی اور سماجی علوم پر مہارت

رکھتے تھے۔ علم نقد و جرح پر بھی گہری بصیرت کے مالک تھے۔ بالخصوص اسلامی علوم میں تفسیر و حدیث، نقد و جرح، علم اسماء الرجال اور سماجی علوم میں تاریخ پر عبور رکھتے تھے۔ ان کی کتاب ”البدایہ و النہایہ“ کو آج تک اسلامی تاریخ کا اہم ماخذ تسلیم کیا جاتا ہے۔ علم فقہ سے بھی کافی دلچسپی تھی جس کی دینی احکام پر ایک کتاب لکھنے کا ارادہ بھی بنایا تھا بلکہ ایک عرصہ تک ابن کثیر مسند فقہ و افتا پر بھی فائز تھے۔

ابن کثیر نے مختلف علوم و فنون پر تصانیف کا بیش قیمت ذخیرہ چھوڑا ہے۔ علم تفسیر پر ان کی تفسیر ”تفسیر القرآن الکریم“ چار جلدوں پر مشتمل بین الاقوامی شہرت کی حامل ہے۔ یہ تفسیر متعدد اور متنوع خوبیوں سے عبارت ہے۔ ابن کثیر آیات کی تفسیر و تشریح میں حدیث، قرآنی آیات اور سلف صالحین کے اقوال کا سہارا لیتے ہیں۔ مگر وہ لکیر کے فقیر نہیں کہ انگوٹوں نے جو کہہ دیا اس پر مہر لگا دی بلکہ اپنی ناقدانہ نگاہ سے ان کے اقوال کا تنقیدی مطالعہ کرتے ہیں، پھر کسی حقیقت کا انکشاف کرتے ہیں۔ اس تفسیر کی ایک بڑی خصوصیت یہ بھی ہے کہ احکامی آیات کی تفسیر میں مؤلف فقہی احکام اور علماء و فقہاء کے اقوال و دلائل ذکر کرتے ہیں اختلافی مسائل میں مختلف مسالک و مذاہب کے دلائل کی تفصیلات بھی ذکر کرتے ہیں۔ جیسا کہ طلاق اور صوم سے متعلق آیتوں کی تفسیر میں خاصی تفصیل سے کام لیا ہے۔ ابن کثیر فقہاء کے اختلاف میں خلل دیتے اور ائمہ کے مذاہب و دلائل ذکر کرنے کے بعد اپنا نقطہ نظر بھی واضح کرتے ہیں۔ شافعی ہونے کے ناتے اسی مسلک کی تائید و حمایت اور تقویت میں دلائل کا اہتمام کرتے ہیں۔

(التفسیر والمفسرون ۱/۲۴۲ تا ۲۴۶ ملخصاً)

ابو زید عبد الرحمن بن محمد بن مخلوف ثعالبی جزائری مالکی (۷۸۶ھ/۱۳۸۵ء): امام ثعالبی مالکی تھے، آپ بلند پایہ عالم دین، عظیم محدث، بے مثال مفسر، جلیل القدر محقق ہونے کے ساتھ عابد و زاہد صوفی بھی تھے اور صاحب کرامت ولی بھی۔ ابن سلام الکبریٰ لکھتے ہیں: ”ہمارے شیخ محترم ثعالبی نہایت عابد و زاہد اور اکابر اولیاء اللہ میں شمار ہوتے تھے“ (التفسیر والمفسرون ۱/۲۴۷)

علمی مقام :- امام ثعالبی مشرق و مغرب کی نادر ہستیوں اور عظیم دانش وروں میں شمار کیے جاتے تھے وہ اپنا تعارف خود کراتے ہوئے رقم طراز ہیں ”آٹھویں صدی ہجری کے اواخر میں طلب علم کے لیے الجزائر

سے نکلا۔ پہلے تونس پھر مصر پہنچا۔ پھر تونس لوٹ آیا۔ ان دنوں تونس میں کوئی شخص ایسا نہ تھا جو علم حدیث میں مجھ پر فائق ہو۔ میں جب بولنے لگتا تو اہل علم خاموش ہو کر میری باتیں سنتے اور حق کا ساتھ دیتے میری روایت کو قبول کر لیتے۔ جب میں مشرق سے عازم مغرب ہوا تو بعض علمائے مغرب نے کہا کہ ”علم حدیث میں آپ یگانہ عالم ہیں۔“ (مرجع سابق ۱/۲۴۷)

آپ کو تصنیف و تالیف سے خاصا لگاؤ تھا بالخصوص علوم قرآن سے غایت درجہ دل چسپی تھی یہی وجہ ہے کہ آپ کی اکثر تالیفات اسی علم سے متعلق ہیں۔ آپ نے مندرجہ ذیل تصنیفات کا ذخیرہ یادگار چھوڑا۔

(۱) الجواهر الحسان فی تفسیر القرآن (۲) الذہب الابریز فی غرائب القرآن العزیز (۳) تحفة الاخوان فی اعراب بعض آیات القرآن (۴) جامع الامہات فی احکام العبادات (۵) الانوار (فی المعجزات النبویہ) (الضوع اللامع ۱۵۲/۴)

تفسیری خصوصیات: ان کی تفسیر الجواهر الحسان متنوع خوبیوں کی وجہ سے دوسری تفاسیر سے ممتاز ہے۔ مثلاً اس میں ثقہ، مستند مفسرین کی تفسیر سے مواد کشید کیا گیا ہے بالخصوص ابن عطیہ کی تفسیر سے زیادہ فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ تفسیری اقوال روایت کرنے میں روایت بالمعنی کی بجائے روایت بالملفظ پر زیادہ توجہ صرف کی گئی ہے۔ یہ کتاب تقریباً سو کتابوں کا عطر مجموعہ ہے۔ اور مصنف علام کے بقول ”(اس کتاب میں میں نے) ائمہ ثقات کی کتب سے مواد اخذ کر کے مفید اضافے کیے ہیں۔“ اسرائیلی واقعات ذکر کرنے کے بعد ان پر شدید نقد و جرح کیا ہے۔ کہیں کہیں فقہی مسائل کا ذکر بھی ہے مگر اس کی تفصیل سے انہوں نے احتراز کیا ہے۔

(التفسیر والمفسرون از محمد حسین ذہبی ۱/۳۸۱ تا ۳۸۵)

جلال الدین ابو الفضل عبدالرحمن بن ابی بکر سیوطی شافعی (م ۸۴۹ھ/ ۹۱۱ھ): امام سیوطی بارہویں صدی ہجری کے مجدد، عالم اسلام کے مرجع، احادیث نبویہ کے حافظ، کثیر علوم و فنون کے ماہر اور کثیر التصانیف عالم دین تھے۔ علوم اسلامیہ پر مہارت کے علاوہ کئی سماجی علوم سے بھی گہری واقفیت رکھتے تھے، امام سیوطی زود نویس اور بسیار نویس کے ساتھ خوب نویس بھی تھے یہ ایک ایسی خوبی ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں ہی کو عطا کرتا ہے۔

آپ کی تصانیف کی تعداد پانچ سو سے زائد بتائی جاتی ہے۔ تصانیف آپ کے دور میں مشرق و مغرب میں معروف و مشہور ہوئے۔ امام سیوطی اصلاحی، دعوتی، تدریسی اور تصنیفی خدمات کے علاوہ اپنے کے تقاضے کے مطابق علوم اسلامیہ میں بکھرے ہوئے مواد کو جمع کر کے کام زیادہ کیا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ امام سیوطی اختراعی صیحت کے مالک نہیں تھے۔ کیوں کہ انہوں نے زمانے کی تصنیفات اور کتب کے حافضے کو دیکھ کر جامع کتابیں لکھنی شروع کیں ایک جگہ خود تخریر فرماتے ہیں ”دور حاضر میں ہمت پست ہو چکی ہے اور لوگ اسانید سے قطع کر کے صرف متن حدیث کا مطالعہ کرنا چاہتے اور طوالت سے گھبراتے ہیں۔ تفسیر کے تعلق سے بھی آپ کے ذہن میں ایک جامع خاکہ تھا۔ علم تفسیر اور قرآنی آیات کی تفسیر سے متعلق جملہ مواد پر مشتمل ایک قیمتی ذخیرہ ہوتا اس تفسیر کا نام بھی آپ نے ”مجمع البحرین“ مطلع البدرین، ”منتخب کر لیا تھا۔ حتیٰ کہ الاقان کو آپ نے اسی نام سے مقدمہ قرار دیا ہے جو ایک زمانے سے مستقل تصنیف کے نام سے معروف ہے۔ لیکن امام کا یہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا مگر یہ انحصار کو مد نظر رکھ کر ”ترجمان القرآن“ کے نام سے تفسیر لکھی، جس میں بھی حدیثوں کی سندیں مذکور تھیں بعد میں طوالت ہی کے سبب آپ نے سندیں بھی کو حذف کر کے اس کا نام الدر المنثور فی التفسیر الماثور رکھ دیا۔ (التفسیر والمفسرون ۱/۲۵۱)

امام سیوطی نے ایک مختصر تفسیر جلالین کے نام سے بھی تفسیر برسوں سے ہندوستانی مدارس کے درس نظامی میں داخل نصاب ہے۔ آپ مسلک شافعی تھے اس لیے احکام و مسائل کی آیات کی تفسیر میں شافعی کے مسلک کے مطابق تفسیر بھی فرماتے ہیں۔

فتویٰ نویسی، تدریس اور وعظ گوئی آپ کے مشغلے میں شامل تھے۔ بعد میں عملی تصوف کی طرف طبیعت کا میلان بڑھ گیا تھا اس لیے یہ سال کے بعد ذکر و عبادت میں وقت کا زیادہ حصہ صرف کرتے تھے۔ (الاعلام للسرر کلی ۳/۷۱) آپ کے مناقب و کرامات کی تعداد ہے جن کو مورخین نے نقل کیا ہے۔

ناصر الدین ابو الخیر عبداللہ بن عمر بن محمد بیضاوی (م ۶۸۵ھ/ ۱۲۸۶ء): قاضی بیضاوی ساتویں صدی ہجری کے نامور محدث ایران، عظیم فقیہ، علوم اسلامیہ کے معتبر عالم، عربی زبان کے فن کا

میں قاضی بیضاوی نے قروء سے مراد طہر لینے پر کئی شواہد پیش کیے ہیں اور امام شافعی کے مسلک کی پوری ترجمانی کی ہے، نیز وہ اپنی تحریر کے بین السطور سے حنفیہ کی تردید بھی کر رہے ہیں۔ یہ صرف ایک مثال جو ان کے مقلد ہونے کا ثبوت فراہم کرنے کے لیے کافی ہے اس طرح سیکڑوں مثالیں ان کی کتاب میں موجود ہیں بلکہ فقہ شافعی سے متعلق ان کی مستقل تالیف الغایۃ القصویٰ کا ذکر اوپر آچکا ہے جو ان کے مقلد ہونے پر شاہد عدل ہے۔

ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود نسفی حنفی (م ۷۰۱ھ): امام نسفی حنفی فقہ و تفسیر کی اس قد آور شخصیت کا نام ہے جس کا نام اہل علم کی زبان پر آتے ہی اعتبار، استناد، ثقاہت جیسے معتبر اور باعزت الفاظ کی گہما گہما کی دھنوں میں محسوس ہونے لگتی ہے۔ آپ ساوراء النہر میں شہر نسف میں جلوہ بار ہوئے۔ آپ نے علامہ شمس الاندلس کردی اور احمد بن عثمان جیسے مشائخ عصر سے استفادہ کیا۔ تصوف و سلوک سے گہرا لگاؤ تھا، عبادت و ریاضت اور زہد و تقویٰ آپ کی داخلی اور شخصی زندگی کے معیارات تھے۔ حدیث، فقہ، اصول اور تفسیر و لغت میں گہری بصیرت اور بے پناہ خدا واد صلاحیت کی وجہ سے علما کی نگاہ میں معتبر و مقبول تھے۔ آپ کی تصانیف علوم و معارف کا خزانہ ہیں ان میں بیشتر اصول اور علم فقہ سے متعلق ہیں اور یہ مندرجہ ذیل ہیں: (۱) متن السوافی (فی الفروع)، (۲) الکافی فی شرح الوافی (۳) کنز الدقائق (فی الفقہ)، (۴) المنار (فی اصول الفقہ)، (۵) عمدۃ العقائد (۶) مدارک التنزیل و حقائق التواہیل (فی التفسیر) (الاعلام للزرکلی ۴/ ۱۹۲)۔

امام نسفی کی کتاب کنز الدقائق فقہ حنفی میں ایک مستند اور جامع متن کی حیثیت سے متداول ہے۔ اس میں فقہ حنفی کے مطابق مسائل بیان کیے گئے ہیں اس کی شروحات میں "البحر الوافی" اور تبیین الحقائق" خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ تفسیر نسفی میں متنوع خصوصیات کے علاوہ ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ امام نسفی نے احکامی آیات کی تفسیر میں فقہی احکام و مسائل بیان کرتے ہیں کہیں مسالک کے دلائل بھی ذکر کرتے ہیں۔ اس موقع پر وہ حنفیت کی بھرپور ترجمانی کرتے ہوئے دوسرے مسالک کی پرزور تردید بھی کرتے ہیں۔ تفصیل کے لیے طلاق وغیرہ مسائل سے متعلق آیتوں کی طرف رجوع کیا جاسکتا

اور لاثانی مفسر گزرے ہیں۔ آپ فارس میں شیراز کے قریب بیضا شہر میں پیدا ہوئے۔ اسی وجہ سے بیضاوی کہلائے۔ علوم اسلامیہ میں مہارت حاصل کی۔ غیر معمولی استعداد کی وجہ سے شیراز کے قاضی القضاہ (Chief Justice) کے عہدے پر فائز کیے گئے۔ آپ مدتوں اس منصب پر فائز رہ کر عدل و قسط کے امن و نقوش ثبت کیے۔ لوگ آپ کے منصفانہ فیصلے سے مطمئن تھے۔ ایک دور میں آپ منصب قضا سے دست بردار ہو کر تہمیز چلے آئے اور یہیں ۶۸۵ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔

آپ نے بے پناہ مصروفیات کے باوجود بھی تصنیف و تالیف کا گراں قدر ذخیرہ یادگار چھوڑا۔ یہ تصانیف علوم و فنون اور مواد کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہیں، جو مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) انوار التنزیل و اسرار التاویل . معروف بہ تفسیر بیضاوی (۲) طواع الانوار (علم توحید میں) (۳) منهاج الوصول الی علم الاصول (۴) لب اللباب فی علم الاعراب (۵) نظام التواریخ (فارسی) (۶) (کتابچہ) موضوعات العلوم و تعاریفها (۷) الغایۃ القصویٰ فی دارۃ الفتویٰ (فقہ شافعی سے متعلق) (الاعلام للزرکلی ۴/ ۲۳۸)۔

تفسیر بیضاوی، کشاف، امام راغب اصفہانی اور امام رازی کی تفاسیر سے کشید کی گئی ہے لیکن صاحب کشف الظنون لکھتے ہیں کہ جو نکات و دقائق بیضاوی اپنی فکر رسا سے استخراج کرتے ہیں وہ اس پر مستزاد ہیں۔ یہ تفسیر کئی اعتبار سے ممتاز ہے امام بیضاوی اسرائیلیات کو ضعیف و قلیل سے بیان کرتے ہیں۔ مختلف قراتوں سے مختلف نکتے پیدا کرتے ہیں۔ سورت کے آخر میں ایمان کی تازگی اور روحانی تسلی کے لیے سورت اور آیتوں کی فضیلت سے متعلق حدیثیں ذکر کرتے ہیں۔ آیتوں میں بلاغت اور صنائع و بدائع دکھا کر امام بیضاوی بین السطور سے قرآن کے پنهان مطالب و معانی کی طرف جوا اشارے دینا چاہتے ہیں وہ انہیں کا حصہ ہے۔ آپ مسلک شافعی تھے، فقہ شافعی پر مستند اور قابل قدر کتاب بھی لکھی، اپنی تفسیر میں احکامی آیات کی تفسیر میں فقہی مسائل کی تفصیلات شافعی مسلک کے مطابق بیان کرتے ہیں گرچہ اس سے زیادہ دل چسپی نہیں لیتے، فقہی مسائل کے تذکرہ کے دوران امام شافعی کے مسلک کی تائید و تقویت میں دلائل و شواہد بھی ذکر کرتے ہیں۔ چنانچہ آیت کریمہ "المطلقات یترو بصن بانفسہن ثلثۃ قروء"

ہے امام نسفی نہ صرف روایتی مقلد تھے بلکہ ان کی کتابوں اور ان کی تفسیر کے ذریعے فقہ حنفی کو مزید تقویت ملی۔ انہوں نے بہت سے فقہی نکات کا اضافہ کیا۔ ان کی تفسیر کو ایک معتدل اور مستند تفسیر ہونے کی حیثیت سے خواص میں کافی شہرت حاصل ہوئی۔

علامہ الدین ابو الحسن علی بن محمد بن ابراہیم خازن شافعی (م ۶۷۸ھ/۱۲۸۱ھ): امام خازن بغداد میں پیدا ہوئے۔ بیس ابن الدواہلیسی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا، پھر دمشق آکر قاسم بن مظفر اور وزیرہ بنت عمر سے علمی استفادہ کیا، محنت و ذل چھٹی سے علم و عمل اور فکر و فن میں یگانہ روزگار بن گئے مسلک شافعی تھے۔ شریاباصوفی تھے مخلوق سے ہمدردی اور محبت کرتے تھے۔ ابن شیبہ کہتے ہیں کہ ”آپ عظیم عالم دین اور بہت بڑے مصنف تھے۔ متعدد علوم و فنون پر کتابیں تصنیف فرمائیں، جن میں مندرجہ ذیل تصانیف کو خوب شہرت حاصل ہوئی۔

(۱) لباب التاویل فی معانی التنزیل معروف بہ تفسیر خازن (۲) عدۃ الأفہام فی شرح عمدۃ الاحکام (فقہ شافعی کی فروعات سے متعلق) (۳) مقبول المنقول (حدیث میں دس جلدوں پر مشتمل) (شذرات الذہب ۱۳۱/۶)

امام خازن کی تفسیر لباب التاویل متعدد خوبیوں کی مالک ہے اس میں تفصیلات ہیں آیات اور سورتوں کی فضیلت میں امام خازن نے زیادہ تفصیلات سے کام لیا ہے۔ تاریخی واقعات بھی تفصیلاً مذکور ہیں۔ تفسیر بغوی اس کا خاص ماخذ ہے۔ اس میں زیادہ مواد نقل و انتخاب پر مشتمل ہے۔ اختراعی باتیں کم ہیں امام خازن آیتوں کی صوفیانہ تفسیر بھی کرتے ہیں۔ جن میں تزکیہ روح اخلاق و عمل کی پاکیزگی کے لیے ترغیب و تہذیب کی حدیثیں بہ کثرت ذکر کر کے ان میں ایسی نکتہ آفرینی کرتے ہیں کہ ایمان تازہ ہو جاتا ہے اور روح جموم اٹھتی ہے۔

فقہی مسائل: امام خازن علم فقہ میں مسلک امام شافعی کے مقلد تھے انہوں نے اپنی تفسیر میں فقہی مسائل کی تفصیلات کا ذکر خوب کیا ہے۔ احکامی آیات میں فقہاء کے مذاہب و دلائل پر روشنی ڈالتے ہیں اور امام شافعی کے مسلک کا پلڑا بھاری دکھانے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں، نیز آیتوں سے نمبر و اثر مسائل نقل کرتے ہیں۔ اطمینان کے لیے نکاح، طلاق، خلع، طہار، عدت، اور ایلاء سے متعلق احکام کی تفصیلات کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔

غالباً اسی وجہ سے صاحب التفسیر والمفسرون نے ان کے حوالے سے کہا ہے کہ وہ سب کچھ ہیں، مگر مفسر نہ۔

(التفسیر والمفسرون ۱/۳۱۴-۱۵)

محمد بن یوسف بن علی اندلسی غرناطی شافعی معروف ابو حیان (۶۵۳ھ/۷۷۵ھ): افریقہ اور یامغرب کے نامور محدث، دین، فاضل نحو و صرف، ماہر شعر و سخن، مختلف قرأتوں کے روح شائیں طبقات و تراجم رجال کے واقف کار علامہ ابو حیان کا نام تاریخ اسلام کے صفحات میں ہمیشہ انمٹ نقش کی طرح ثبت رہے گا۔ جن کی صلاحیتوں اور لافانی خدمات سے پورا عالم اسلام فیض یاب ہوا اور اس کا ہے۔ ابو حیان نے اتین کے فضلاء سے استفادہ کیا۔ بعدہ اسکندریہ میں عبد النصیر بن علی مروی، ابو طاهر اسماعیل بن عبد اللہ مہلبی سے علم فقہ کی پڑھ کر عبور حاصل کیا۔ اس کے بعد مصر میں شیخ بہاء الدین بن نحاس سے آپ نے استفادہ کیا، ابو حیان خود کہتے ہیں کہ میں نے چار سو بیچوں ۳۵۰ اساتذہ سے کسب فیض کیا۔ ابو حیان اپنے دور میں نحو و صرف کے یگانہ روزگار عالم تسلیم کیے جاتے تھے۔ علم تفسیر میں بھی ابو حیان کو جہاں واقفیت حاصل تھی۔ ابو حیان نے جمال الدین ابو عبد اللہ محمد بن سلیمان المقدسی معروف بہ باین النقیب کی کتاب ”البحر المحیط فی التفسیر لافہام الصحیر لافہام ائمة التفسیر“ سے خوب استفادہ کیا ہے۔ یہ کتاب علم تفسیر میں سو جلدوں پر مشتمل ہے۔ لکھنا پڑھنا اور روایات سننا، سنانا ان کی زندگی کا خوبصورت مشغلہ تھا، صدیقی کہتے ہیں ”میر نے ہمیشہ ابو حیان کو لکھتے، پڑھتے اور روایات سنتے دیکھا اس کے سواں کا کوئی مشغلہ نہ تھا“، ان کی تصانیف علم و فن، نکتہ آفرینی میں لاجواب ہیں مشہور تصانیف حسب ذیل ہیں:-

(۱) البحر المحیط (علم تفسیر میں) (۲) غرر القرآن (۳) شرح التسمیہ (۴) نہایۃ الاعراب (۵) خلاصۃ البیان

ابو حیان شافعی تھے آپ کی تفسیر میں احکامی آیات کے ذیل میں فقہ شافعی کے مطابق جزئیات پر روشنی پڑتی ہے۔ نیز اس سلسلے میں مختلف آراء و اقوال بھی ذکر کیے گئے ہیں۔ اس تفسیر میں زیادہ تر نحو و صرفی مسائل بیان کیے گئے ہیں۔ ان مسائل میں ابو حیان زنجیری ابن عطیہ جیسے بلند پایہ نحویوں کی بھی خبر لی ہے۔ مگر ان کے علمی قد

الظہیر اور لا جواب ہے۔ علامہ عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں۔ ”(یہ تفسیر ان گنت لطائف و نکات اور فوائد و اشارات کی جامع ہے۔ حسن تعبیری کی بنا پر ابوالسعود کو ”خطیب التفسیرین“ کہا جاتا ہے۔ یہ ایک برہنہ حقیقت ہے کہ تفسیر کشاف اور بیضاوی کے بعد کوئی تفسیر اس مرتبہ کو نہیں پہنچی۔ (الفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ۔ ص ۸۲)

امام ابوالسعود حنفی مسلک تھے۔ ان کی تفسیر میں بھی فقہی احکام و مسائل، اصول و فروع اور دلائل و براہین کا ذکر ملتا ہے۔ البتہ فقہی تفصیلات سے وہ گریز کرتے ہیں۔ صرف ائمہ کے فقہی مسالک بیان کر دینے پر اکتفا کرتے ہیں امام ابوالسعود جس طرح خود معتدل مزاج اور معتدل فکر کے حامل تھے یونہی ان کی تفسیر بھی اعتدال و توازن کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ (مرجع سابق ۱/۳۵۱)

شہاب الدین ابوالعلاء سید محمود آفندی شافعی آلوسی (۱۲۱۷ھ/۱۸۰۲ھ): امام آلوسی اپنے دور کے سرخیل علمائے عراق میں شمار کیے جاتے تھے، علوم اسلامیہ کے علاوہ کئی سائنسی اور سماجی علوم پر درک رکھتے تھے، بے مثال خطیب، باکمال مدرس تھے، وسیع المطالعہ فقہیہ، مفتی اور عدیم الظہیر محدث و مفسر تھے۔ قدرت نے آپ کو بلا کا حافظہ عطا کیا تھا۔ خود کہتے ہیں ”میں نے اپنے ذہن کے حوالے کوئی ایسی امانت نہیں کی جس میں اس نے خیانت کی ہو اور اپنے ناخن فکر و تدبر کو جس مشکل کام کی گہرہ کشائی کے لیے بھی استعمال کیا تو اس نے اس امر کی پرتیں نہ کھولا ہو۔“

وہ احکامی آیات کی تفسیر کرتے ہوئے فقہاء کے مذاہب و دلائل بیان کرتے ہیں اور آخر میں ہمیشہ کبھی شافعی مسلک کو قوی قرار دیتے ہیں۔ ”المصطلحات یتروصن الخ“ والی آیت کی تفسیر کے بعد لکھتے ہیں کہ یہاں شافعیہ کا مسلک قوی معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ جو شخص ان کے دلائل دیکھتا ہے اور مخالفین کے اعتراضات کے جوابات ملاحظہ کرتا ہے وہ اس بات کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہتا۔“ آپ نے ۱۲۱۷ھ میں کرخ بغداد میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد گرامی، شیخ خالد نقش بندی اور شیخ علی سیدی کے علاوہ اکابر علمائے کرام سے علمی استفادہ کیا۔ تیرہ (۱۳) سال کی عمر میں تدریس و تالیف میں مصروف ہو گئے۔ کثیر طلبہ نے آپ چشمہ علم سے سیرابی حاصل کی۔ آپ طلبہ کے لیے علمی درس کے علاوہ ہوشل اور اس کے لوازمات کا بھی انتظام فرماتے تھے اور ہاشل میں رہنے والے طلبہ کو اخلاق کی تہذیب، نفس کے تزکیہ، اور

قامت کا وہ کھلے دل سے معترف ہیں۔ اور اہل علم کی یہی شان بھی ہوتی ہے۔ (التفسیر والمفسرون ۱/۳۱۹)

محمد بن محمد بن مصطفیٰ ابوالسعود عمادی حنفی (۸۹۳ھ/۹۸۲ھ): امام ابوالسعود دسویں صدی ہجری کے نامور مفسر، صاحب رائے دانش ور، مکتبہ راس فقیہ، بلند پایہ ادیب اور اپنے وقت کے عادل قاضی تھے۔ آپ نے ۸۹۳ھ کو قسطنطنیہ کے ایک تعلیم یافتہ گھرانے میں آنکھ کھولی، آپ کے علم و فضل کے بارے میں علما کی رائے ہے کہ ”(آپ) علم و فضل کی گود میں پلے، بڑھے اور پروان چڑھے۔ زندگی بھر علوم و فنون کی خدمت میں مشغول رہے۔ اپنے والد سے اکثر علمی کتب پڑھیں اور دیگر اکابر علمائے کسب فیض کیا۔ ترکی کے بہت سے مدارس میں تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ مختلف اوقات میں بروہہ قسطنطنیہ اور علاقہ عسکری میں منصب قضا پر متمکن ہوئے اور برائیں (۳۰) سال تک یہ خدمت انجام دیتے رہے۔ اس مدت میں انہوں نے فتویٰ نویسی میں کامل مہارت و براعت کا ثبوت بہم پہنچایا۔

آپ کی خدمات کے متعلق مؤرخین کا بیان ہے کہ ”آپ سائل کے سوال کے مطابق فتویٰ لکھتے۔ اگر سوال نظم میں ہوتا تو اسی وزن و قافیہ میں اس کا منظوم جواب دیتے۔ اگر سوال مسجع نثر میں ہوتا تو جواب بھی ویسا ہی لکھتے۔ اگر سائل ترکی یا عربی میں لکھتا تو آپ اسی زبان میں جواب دیتے۔ آپ نے جمادی الاولیٰ ۹۸۲ھ کو قسطنطنیہ میں وفات پائی۔ اور میزبان صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوالیوب انصاری رضی اللہ عنہ کے پڑوس میں مدفون ہوئے۔ (التفسیر والمفسرون ۱/۳۳۵-۳۳۶ دار احیاء التراث العربی ۱۹۷۶ء)

آپ نے مشاغل کے ہجوم میں زندگی کا بیشتر حصہ بتایا۔ تدریس، منصب افتاء و قضا کے علاوہ آپ نے تالیف کے لیے بھی وقت کا کچھ حصہ صرف کیا جس میں آپ کی تفسیر ارشاد العقل السلیم الی مزایا الكتاب الکریم معروف بہ تفسیر ابوالسعود ”وجود میں آئی۔ مؤرخین فقہاء اور علمائے فصاحت و بلاغت نے اس کی شان میں حقیقت پسندانہ تاثرات اور مدحیہ کلمات کا اظہار کیا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ تفسیر حسن تعبیر اور طرزِ ادا کی دلکشی، بلاغی اسرار و رموز کی عقدہ کشائی، دلائل و براہین کی قدرت اور لطائف و نکات کی جامعیت کی وجہ سے عدیم

انسانیت و آدمیت کی تعمیر کا سلیقہ بھی سکھاتے تھے۔ حضرت شیخ آلوسی کی زندگی کا سب سے پرکشش پہلو یہ ہے کہ انہوں نے علوم کی ترویج و اشاعت ان کی نوک پلک سنوارنے میں پوری زندگی صرف کر دی۔ بتایا جاتا ہے آپ اکثر یہ شعر گنگنا یا کرتے تھے۔

سہری لشفیق العلوم الدلی — من فصل غانیۃ و طیب عناق علوم (معارف) کی نوپلک سنوارنے کے لیے میری شب بیداری حسین و جمیل عورت کی ملاقات سے لذیذ تر ہے۔

۱۲۶۸ھ میں آپ کو مفتی احناف مقرر کیا گیا۔ ماہ شوال ۱۲۶۳ھ میں افتا کے منصب سے الگ ہو کر تفسیر قرآن کی تالیف میں مصروف ہو گئے۔ ۱۲۶۷ھ میں قسطنطنیہ واپس لوٹ کر سلطان عبدالحمید خاں کی خدمت اپنی تفسیر پیش کی۔ سلطان نے اس کو خوب سراہا۔ آپ نے اس کا آغاز ۱۶ شعبان ۱۲۵۲ھ بوقت شب کیا اور اس کی تکمیل ۳ ربیع الآخر ۱۲۶۷ھ کو کی۔ اس وقت کے وزیر اعظم علی رضا پاشا نے اس کا نام ”روح المعافی فی تفسیر القرآن و السبع المثانی“ تجویز کیا۔

(التفسیر والمفسرون ۱/۳۵۳)
علامہ آلوسی ادیان و مذاہب کے زبردست عالم تھے۔ آپ مسلک شافعی تھے۔ لیکن کچھ مسائل میں حنفیہ کی تقلید کرتے تھے۔ آپ کی تفسیر الاعداد ظاہری اور باطنی خصوصیات کی جامع کے باوصف فقہی احکام و مسائل کی تریل و تقییم میں اپنا جواب تمہیں رکھتی۔

وہ احکامی آیات کی تفسیر کرتے ہوئے کے مذاہب اور اس کے دلائل بیان کرتے ہیں اور آخر میں کبھی کبھی شافعی مسلک کو قوی قرار دیتے ہیں ”المطلقات ینتہی عن“ والی آیت کی تفسیر کے بعد لکھتے ہیں کہ یہاں شافعیہ کا مسلک قومی معلوم ہوتا ہے جو شخص ان کے دلائل دیکھتا ہے اور مخالفین کے اعتراضات کے جوابات ملاحظہ کرتا ہے وہ اس بات کا اعتزاف کیے بغیر نہیں رہتا۔ امام آلوسی نہ صرف رسمی مقلد تھے بلکہ ہمہ دانی کے باوجود تقلید پر ان کا عمل اس نظریے کو مزید استحکام عطا کر رہا ہے۔

ابو بکر احمد بن علی رازی بھاص حنفی (۳۰۵ھ/۳۷۰ھ):
حضرت ابو بکر بھاص رازی رحمۃ اللہ علیہ چوتھی صدی ہجری کے نامور حنفی فقہیہ اور عالم قرآن تھے، اہل علم کے مشہور ترین فضلا میں شمار کیے جاتے تھے۔ ۳۲۴ھ میں بغداد پہنچے اور یہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ یہاں علی بن الحسین الکفری کے ساتھ درس میں فقہ کا مطالعہ کیا، العاصم اور عبد

الباقی قانع استاذ دار قطنی سے احادیث کی روایت کی اور پھر مصر کی نشر و اشاعت میں ہمدن مصروف ہو گئے۔ آپ نے اپنی بیشتر حصہ علم و فن کی خدمت، درس و تدریس، فقہ و افتاء، مصروفیات میں صرف کیا۔ جس زمانے میں بغداد میں آپ کا حنفی فقہ حنفی کی ممکنیت میں آپ ہی کا سکہ رائج الوقت تھا۔ آپ کی خدمت مسلک حنفی کو استحکام اور قرار ملا، آپ کے بحر علم سے لاتعداد اشاعتیں نے سیرانی حاصل کی، ان میں قدوری، ابو بکر خوارزمی خاص طور پر ذکر ہیں۔ علمی جاہ جلال کی وجہ سے منصب قضا کے لیے دوسرے جگہ گئے لیکن آپ نے انکار کر دیا۔ آپ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے محدثین اور فقہاء کے درمیان ثالثی کے فرائض انجام دیے جس سے خیر اثرات رونما ہوئے۔ آپ نے ۷ ذی الحجہ ۳۷۰ھ میں بمقام وفات پائی۔ آپ علمی انہماک کے باوجود بہت سی قابل قدر تصانیف یادگار چھوڑیں۔ جن میں (۱) کتاب الاصول شرح الجامع لکھنوی (۲) امام طحاوی کی المختصر فی الفقہ کی شرح اور تفسیر القرآن قابل ذکر ہیں۔ (التفسیر والمفسرون ۲/۳۳۸)
علمائے اسلام کے نزدیک بھاص کی تفسیر فقہی تفسیر کی اہمیت میں شمار ہوتی ہے جس میں آیات کے ذیل میں فقہی احکام و مسائل استنباط، اور اختلافی مسائل میں دلائل و براہین کا بکثرت تذکرہ ہے۔ بھاص نے فقہی تفسیر کے نظریے کے مطابق اس کی ترتیب و تیسرے کی ہے۔ اور پوری تفسیر امام ابو حنیفہ کی تائید و تقویت اور دوسرے مسائل کی تردید سے عبارت ہے، یہی وجہ ہے اس میں آیتوں کی خصوصیات پر بہت کم روشنی ڈالی گئی ہے۔

ابو بکر محمد بن عبد اللہ بن محمد معافری اشعری مالکی (۵۳۳ھ/۵۵۳ھ):
ابن (اندلس) کے مشہور قاضی اسلام، حافظہ و فقہی اصول و فروع کے بے نظیر عالم، تاریخ و ادب کے رمز شناس تفسیر کے فقیہ المثل عالم قرآن علامہ ابن العربی مالکی کی ذات تعارف کا محتاج نہیں۔ زرنگی لکھتے ہیں کہ ”بلغ رتبة الاجتهاد علوم الدین“ کہ ابن العربی علوم دینیہ میں مرتبہ اجتہاد پر فائز تھے ابن بشکوال کہتے ہیں۔ ”ختم علماء الاندلس و آخر حاشا“ و حفاظہا“ کہ ابن العربی اندلسی علما کی آخری کڑی، اور خاتم کرام کے سلسلے کا آخری حصہ ہیں۔ (الاعلام للزکری ۶/۱۰۶) ہیں۔

تالیف میں بسر کرتے تھے۔ آپ نے تصانیف کا بیش بہا ذخیرہ یادگار چھوڑا جو مندرجہ ذیل ہے۔

- (۱) الجامع الاحکام القرآن (۲۰ جلدیں) معروفہ بہ
- تفسیر قرطبی (۲) قمع الحرس بالنزہد والقناعة (۳)
- الاسنی فی شرح اسماء الحسنی (۴) التذکار فی افضل
- الاذکاء (۵) التذکرۃ باحوال الموتی و احوال الاخرة .
- (الاعلام ۲۱۸/۶)

تفسیر قرطبی ایک معتدل، متوسط اور پاک باز صاحب بصیرت کی تالیف ہونے کی حیثیت سے اہل علم کے نزدیک معروف و متداول ہے۔ قرطبی کے یہاں کچھ دوسرے مفسرین کی طرح شدت و سختی نہیں۔ مالکی ہونے کے باوجود اگر کوئی قوی دلیل و برہان مذہب مالکی کے خلاف ہے تو اس وقت دلیل و حدیث کی پیروی کرتے ہیں لیکن اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں وہ تقلید کے مخالف ہیں جیسا کہ غیر مقلدین و دلیل میں اس بات کو شد و مد کے ساتھ پیش کرتے ہیں کیوں کہ جب حدیث صحیح مل گئی اور قرطبی نے اسی پر عمل کیا تو اب امام مالک کا صحیح مسلک و مذہب ان کے نزدیک وہی ہوا کیوں کہ امام مالک سے ثابت ہے کہ جب حدیث صحیح مل جائے تو وہی میرا مسلک ہے۔ اس لیے یہ عمل تقلید کے خلاف نہیں بلکہ نظریہ تقلید کو مزید قوت عطا کر رہا ہے۔ قرطبی نے زیر نظر تفسیر احکام و مسائل کے استنباط و استخراج ہی کے تعلق سے مرتب کی ہے اس لیے یہی عنصر ان کے ہاں غالب ہے وہ آیتوں کی تفسیر میں نمبر وائر مسائل کا استخراج کرتے ہیں اختلافی مسائل میں تمام مسالک کے دلائل و براہین ذکر کرنے کے بعد اپنی فیصلہ کن رائے سے نوازتے ہیں۔ تفصیل کے لیے کسی بھی آیت کے ذیل میں ان کی فقہی تفسیر کے شہد پارے دیکھے جاسکتے ہیں۔ (التفسیر والمفسر ۳۶۰/۲۵۹/۲)

خلاصہ یہ کہ امام قرطبی کی تفسیر اپنی جامعیت غیر جانبداری اور اعتدال و توازن کی وجہ سے اہل علم کے نزدیک زیادہ مسلم و قبول ہے۔ امام قرطبی کے بارے میں مؤرخین کا ماننا ہے کہ ان کی قوت استخراج و استنباط اتنی تیز اور پختہ تھی کہ ایک آیت کی تفسیر میں مسائل کا انبار لگا دیتے ہیں۔ یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ امام قرطبی اس وصف کے مالک ہوتے ہوئے آیتوں کی تفسیر کو اپنی فکر کے تابع نہیں بنایا بلکہ فقہاء اور ائمہ مجتہدین نے جو اصول اور ضوابط فراہم کیے تھے اسی کے آئینے میں آپ

آپ اشبیلہ (Seville) میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد کے ہمراہ آپ نے مشرق کا سفر کیا، بغداد، شام اور مصر کے مشہور فقہاء مثلاً الطرطوشی، ابوبکر الشاشی اور الغزالی وغیرہ سے تحصیل علم کیا۔ اور علوم دینیہ پر کامل عبور حاصل کیا۔ بالخصوص ادب میں غیر معمولی مہارت حاصل کی۔ ۳۸۹ھ میں حج کیا، ۳۹۳ھ میں والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا تو آپ دوبارہ اشبیلہ (Seville) تشریف لائے اور یہاں قاضی القضاۃ (Chief Justice) کے عہدہ پر فائز کیے گئے۔ اس کے بعد آپ فارس آ گئے اور یہیں ۵۳۳ھ / ۱۱۳۸ء میں وفات پائی۔ علامہ ابن العربی نے جس جگہ بھی سکونت اختیار کی علم و فن اور تصنیف و تالیف سے ان کا تعلق ضرور جڑا رہا۔ آپ کی تصانیف کی تعداد ۳۰۰ سے زائد بتائی جاتی ہے مگر ان میں اکثر ناپید ہیں مشہور تصانیف مندرجہ ذیل ہیں۔

- (۱) العواصم من القواصم (۲) عارضة الاحوذی فی
- شرح الترمذی (۳) القبس (فی شرح المؤطا) (۴) الا
- صاف فی مسائل الخلاف (۲۰ جلدیں) (۵) اعیان الاعیان
- (۶) المحصول (اصول فقہ میں) (۷) کتاب المتکلمین
- (۸) قانون النواہل (۹) احکام القرآن (تفسیر میں) (الاعلام
- ملزوم کلی ۱۰۶/۶) اردو دائرہ معارف اسلامیہ حیدرآباد/۱۶۰۵ ان کی
- تفسیر فقہ مالکیہ میں اہم ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ ابن العربی مالکی تھے
- اس لیے فقہ مالکی کا دفاع اور اس کی پر زور تائید و حمایت کرتے ہیں۔ وہ
- حکامی آیات کی تفسیر میں نمبر وائر مسائل کا استخراج کرتے ہیں اور کسی
- آیت کی تفسیر میں فقہ سے متعلق اکثر چیزوں کو بیان کر ڈالتے ہیں۔
- اختلافی مسائل میں ان کا مناظرانہ اسلوب خاص طور پر دیکھنے کے قابل
- مناظر ہے۔ ابن العربی اپنی باتوں میں قلعہ ہیں۔ آپ افراط و تفریط سے
- بیک ہو کر اعتدال پسندی کی راہ پر گامزن ہیں کچھ لوگ ابن العربی پر ائمہ
- کے تین تعصب کا الزام عائد کرتے ہیں جو کسی طرح درست نہیں۔

ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری قرطبی اندلسی مالکی (م ۶۷۱ھ / ۱۲۷۳ء) : امام قرطبی عظیم عالم و دین عارف باللہ اور عابد شب زندہ رہے۔ دنیاوی کاموں سے الگ ہو کر ذکر و عبادت اور اخروی کاموں میں مصروف رہتے تھے۔ تکلف و تصنع سے پاک صاف سادگی کے دل داوہ تھے۔ عالم یہ تھا کہ صرف ایک لباس زیب تن کرتے اور سر ایک ٹوپی رہتی تھی۔ تمام اوقات اللہ کی عبادت و ریاضت یا تصنیف و

نے گفتگو کی ہے اور ان کے مسائل و مذاہب کو غیر جانب دارانہ طور پر بیان کیا۔ نیز کہیں کہیں مذہب مالکی کی قوت بھی ثابت کی ہے امام کا یہ عمل کھلے بندوں ان کے مقلد ہونے کا ثبوت فراہم کر رہا ہے

قاضی ثناء اللہ پانی پتی حنفی (۱۱۳۳ھ/۱۷۳۰ء-۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء):

قاضی ثناء اللہ حنفی مجددی برصغیر کے نامور عالم دین اور بے مثال مفسر گزرے ہیں۔ مشرقی پنجاب میں پیدا ہوئے، دہلی میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۷۶ھ-۱۲۶۲ء) سے حدیث سنی اور دیگر اکابر علماء مشائخ دہلی سے علوم عقلیہ و نقلیہ حاصل کیے۔ حافظ محمد عابد لاہوری نقشبندی سے علم طریقت حاصل کیا نیز مشہور زمانہ صوفی حضرت شیخ سرور مظہر جان جاناں سے بھی علم تصوف حاصل کیا۔ مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی باطنی خوبیوں کو دیکھ کر ”علم الہدی“ کا لقب دیا۔ تحصیل علم کے بعد قاضی صاحب وطن مالوف پہنچ کر تصنیف و تالیف اور علوم اسلامیہ کی ترویج و اشاعت میں لگ گئے چنانچہ آپ نے تفسیر و کلام باصوف اور دیگر علوم پر اپنی بیش بہا تصانیف کا ذخیرہ یادگار چھوڑا۔ قاضی صاحب اپنے دور میں اپنی جودت طبع، صلاحیت فکر، اور پختگی عقل میں مشہور تھے اسی لیے پانی پت میں منصب قضا پر فائز رہ کر اس کا حق ادا کیا۔ آپ کی تحقیقی خدمات اور ذہانت کو دیکھ کر ”شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے آپ کو ”بہت ہی وقت“ کا خطاب دیا۔ آپ کی تصانیف کی تعداد تیس سے زائد بتائی جاتی ہے۔ مشہور تصانیف مندرجہ ذیل ہیں:

- (۱) وصیت نامہ (۲) مالا بد منہ (۳) ارشاد الطالبین (۴) جواهر القرآن (۵) شہاب ثاقب (۶) تذکرۃ المعاد (۷) رسالہ در اباحت و حرمت سرود (۸) رسالہ در مسئلہ سماع و وحدت وجود (۹) السیف المسلول (۱۰) رد منہج شعبہ (۱۱) رسالہ حرمت متعہ اور (۱۲) التفسیر المظہری

اپنی تفسیر میں قاضی صاحب نے محدثانہ عظمت دکھائی ہے، نیز علم قرأت لغت اور دیگر متعلقہ بحثوں کو بھی اختصاراً جگہ دی ہے۔ اس تفسیر میں ایک بڑی بات یہ ہے کہ اس میں احکامی آیات کی تفسیر میں فقہی مسائل کا بیان ملتا ہے۔ اختلافی مسائل میں مختلف مسائل کے دلائل و براہین کا تذکرہ کرتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ تفسیر مظہری قدیم مفسرین کے اقوال کی جامع اور تاویلات صحیح سے مزین ہے۔

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ ۶/۱۰۳۲-۱۰۳۳ء) قابل ذکر ہیں۔

مندرجہ بالا طور میں تقلید کے متعلق مفسرین اور ان کی حوالے سے جس طرح کی بحثیں پیش کی گئیں اس کا مقصد یہ ہے کہ قرآن اور اللہ کے کلام کے اسرار و رموز سے واقف کاروں میں یہ اور معتبر جماعت جن کے علمی جاہ و جلال پر امت کا سوا کوئی بھی ایمان رکھتا ہے وہ جماعت بھی تقلید کے سلسلے میں نیت کے احکام صرف غلط ہے بلکہ خود ان کا عمل بھی، اسی کا مطابق رہا ہے قرآن کریم کی فقہی تفسیر میں بھی ان کا قلم شریعہ مبارکی کی روشنی میں ہے اور قلم نے خود ساختہ باتیں گڑھا ہے بلکہ مذاہب کے جو باتیں صحیح ہو سکتی تھیں، انہیں کو رقم کیا ہے، اگر کسی منہرے کے اور مسائل و احکام کے استنباط و اختراع میں واقعہ یہ ہے کہ بھی ائمہ مجتہدین کے وضع کردہ اصول و ضوابط کی پوری پوری نظر آتی ہے۔ جب امت کا اتنا بڑا ائمہ گروہ کی تقلید سے اپنے آزاد نہیں گروانا تو آج کے اس علمی زوال اور قحط الرجال کے مسلمان کیوں کہ شرعی احکام و مسائل تقلید سے اپنے آپ کو آزاد ہے۔ یہ بات ائمہ تفسیر سے اندھی عقیدت کا نتیجہ نہیں بلکہ یہ وقت کے ٹھوس اور ناقابل انکار حقیقت کا اظہار ہے، جس کے بغیر مسلمان نہیں، کوئی بھی انسان ایک قدم آگے نہیں بڑھ سکتا ہے۔ کیونکہ یہ ریت رہی ہے ہر ناواقف کا شخص اپنے سے زیادہ جاننے والے سے معلومات حاصل کرتا ہے، اسی طرح وہ شرعی امور و احکام جن کو رسول کے کلام سے براہ راست کوئی شخص اخذ نہیں کر سکتا ایسے مسائل میں اگر وہ مجتہدین کی طرف رجوع کرتا ہے تو اس میں حیرت نہیں جب کہ یہی فطری آزادی ہے ورنہ اگر ہر شخص شریعت میں بھی کی آزادی اور تہجد پسندی کا مظاہر کرنے لگے، جیسا کہ غیر مقلدین میں تو اسلامی شریعت کا اللہ ہی حافظ۔ جس طرح معاشرے میں آزادی اس کی تباہی کا سبب بن جاتی ہے، یونہی شریعت میں مناسب تہجد و پسند اور ناموزوں آزادی کی وجہ سے عدم توازن کا پیدا جائے گی۔ اس لیے افراط و تفریط سے ہٹ توازن و اعتدالی اپنانے میں قوم، ملت اور شریعت کی بھلائی ہے۔

مَسَاوِدِ اِمَامِ اعْظَم

(۱) حافظ ابن عساکر - ابو القاسم علی بن الحسن الدمشقی الشافعی مشہور اور نامور محدث ہیں آپ کی ولادت ۵۹۹ھ میں اور وفات ۶۵۷ھ میں ہوئی۔ حافظ امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں آپ کا ذکر ان الفاظ سے شروع کیا ہے اس عساکر الامام الحافظ الکبیر محدث الشام فخر الائمة صاحب التصانیف والکتاب (تذکرۃ الحفاظ، ص: ۴۲، ج: ۳) ابن عساکر حافظ کبیر محدث شام فخر ائمہ اور صاحب تصنیف شخص ہیں، حافظ ابن عساکر نے امام اعظم کی روایت کردہ احادیث کو یکجا فرمایا، ان کی تالیف کردہ کتاب مستدابی حنیفہ کا ذکر محدث زبیر کوثری صاحب اور ڈاکٹر علی صاحب نے بھی کیا ہے، ابن عساکر کی مستدابی حنیفہ کا شمار جامع مسانید میں ہوتا ہے۔

(۲) حافظ ابن شایین - ابو حفص بن احمد بن عثمان بغدادی معروف بہ ابن شایین کی ولادت باسعادت ۲۹۷ھ میں ہوئی اور آپ ۳۸۵ھ میں ہوا آپ کا شمار بلند پایہ محدثین اور نامور مصنفین میں ہوتا ہے، آپ اپنی خودنوشت میں تحریر کرتے ہیں کہ ”میں نے تین سو تیس کتابیں تصنیف کی ہیں، جن میں تفسیر کبیر کے ایک ہزار، مسند کے تیر سو، تاریخ کے ڈیڑھ سو ہیں۔“

(تذکرۃ الحفاظ، ص: ۱۹۶، ج: ۳)

حافظ ذہبی ان کے بارے میں رقم طراز ہیں: ابس شاهییں الحافظ المفید المکثر محدث العراق صاحب التصانیف (تذکرۃ الحفاظ، ص: ۱۹۵، ج: ۳) ابن شایین محدث عراق، صاحب تصانیف، حافظ حدیث تھے۔ انہوں نے محمد بن ابی غنیمہ، محمد بن ہرون الحذاد اور ابو حبیب بن العباس وغیرہ سے احادیث سنی اور کثیر لوگوں نے آپ سے روایت کی ہے، حافظ ابن شایین نے امام اعظم کی جو مسند لکھی ہے، اس کا تذکرہ محمد زبیر کوثری نے اپنی تالیف ”تسائب الخطیب فی ماسافہ فی ترجمۃ ابی حنیفہ من الاکاذیب“ میں کیا ہے۔

(۳) حافظ ابن خضرو - ابو عبد اللہ حسین بن محمد بن نصر الدمشقی

سراج امت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا علم حدیث میں مقام و مرتبہ ہے، وہ کسی پر مخفی نہیں ہے، جہاں ایک جانب آپ امام تھے ہیں، وہی دوسری جانب آپ امام الحدیث بھی ہیں، بعض لوگ حسب کی بنا پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ آپ علم حدیث میں بہت کم درجہ تھے، آپ کا علم حدیث میں مبلغ علم چندا حدیث ہیں، ان متعصبین و دشمن کی یہ الزام تراشی حقیقت سے انتہائی دور ہے، امام اعظم علیہ رحمۃ ہزارہا مسائل کا استخراج و استنباط فرمایا، جس کے احسان سے امت مسلمہ قیامت سبکدوش نہیں ہو سکتی، یہ استخراج و استنباط آپ کی وسعت علم حدیث پر واضح طور پر دلالت کر رہا ہے۔

استخراج مسائل سے صرف نظر آپ کی وسعت علم حدیث پر آپ مسانید بین ثبوت فراہم کرتی ہیں، جس کثرت سے مسانید ابی حنیفہ کی گئیں، شاید ہی کسی شخص کی مسانید لکھی گئیں ہوں، صحاح، سنن، مسانید، معاجم وغیرہ مختلف عنوانات حدیث پر بے شمار کتابیں لکھی گئیں۔ لیکن کسی ایک شخص کی روایت کو مستقل مجموعہ کی شکل میں بند کرنے کا رواج نہ تو علما نے متفقہ طور پر کیا ہے، دور میں ہوا اور نہ ہی متاخرین کے دور میں ہو سکا، میرے انتہائی ناقص و محدود مطالعہ کی روش میں امام اعظم کی فرید العصر شخصیت ایسی ہے، جن کی روایات کے معمول سے زیادہ اہتمام کیا گیا اور کثرت سے ان کی مسانید مرتب کیں، مسانید ابی حنیفہ کو مرتب کرنے والے اشخاص معمولی نہیں ہیں، اپنے زمانے کے ائمہ وقت اور حفاظ حدیث ہیں یہ حضرات خود اس سچے کسان کی مسانید لکھی جائیں امام اعظم کی اس خصوصیت میں اگر کوئی ہمسرہ ہو سکتا تھا تو وہ امام مالک علیہ الرحمہ کی ذات ہو سکتی تھی۔ ان مسانید کی موجودگی میں آپ پر یہ الزام لگانا کہ آپ کا مبلغ علم چندا حدیث ہیں، انتہائی بے انصافی و بددیانتی کی بات ہے۔ اب یہ میں ان محدثین و حفاظ حدیث کی تحقیق پیش کرتے ہیں، جنہوں نے حکم کی روایات کو مستقل طور پر علیحدہ تصنیفات میں مدون فرمایا ہے۔

التوفی ۵۲۲ھ بڑے پائے کے محدث گزرے ہیں فن حدیث میں حافظ ابن عساکر کو آپ سے شرف تلمذ حاصل تھا، انہوں نے طلب حدیث میں بڑی جافشانی سے کام لیا، یہاں تک کہ ان شیوخ سے بھی سماعت حدیث کی جو خود نیچے طبقہ سے تعلق رکھتے تھے، دور دراز سے آنے والے تشنگان علم حدیث کو سیراب کیا اور امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کی مسانید کو جمع فرمایا، آپ فقہات میں بھی یکتائے زمانہ تھے، حافظ شمس الدین ابو الحسن محمد علی حسینی التوفی ۶۵۷ھ نے صحاح ستہ، موطا، مسند شافعی، مسند احمد اور مسند ابی حنیفہ کے رجال کے حالات ایک مبسوط کتاب میں تحریر فرمائے ہیں۔ جس کا نام التذکرۃ بر رجال العشر ہے اس میں حافظ حسینی نے امام ابو حنیفہ کی تمام مسانید میں سے جس مسند کا انتخاب کیا ہے، وہ حافظ ابن خسر کی مسند ہے، اس انتخاب سے ابن خسر کی تالیف کردہ مسند ابی حنیفہ کے مرتبے کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

(۴) حافظ محمد بن مخلد بن حفص وری:- ان کی کنیت ابو عبد اللہ

ہے اور عطاء کی نسبت سے شہرت ہے، ۲۳۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۳۱ھ میں وفات ہوئی، فن حدیث کی تحصیل یعقوب دورق زبیر بن بکار، حسن بن عرفہ اور امام مسلم بن حجاج وغیرہ سے کی، ان سے دارقطنی، ابن عقدہ اور ابن اعظم جیسے اکابر حفاظ نے اس فن عظیم کو حاصل کیا۔ (”تذکرۃ الحفاظ“ ۸۲۸/۳، دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان ۱۳۷۴ھ) میں ذہبی لکھتے ہیں ”کان معروفاً بالثقة والصلاح والاجتهاد فی الطلب“ محمد مخلد ثقاہت صلاح وینکی اور طلب حدیث کے لیے کوشش کرنے میں معروف و مشہور تھے، محدث دارقطنی سے ایک بار ان کے متعلق دریافت کیا گیا، آپ نے جواب دیا ہو ثقة مامون وہ ثقة مامون ہیں، حافظ ابن مخلد رحمۃ اللہ علیہ نے امام اعظم ابو حنیفہ کی روایات کو ایک مستقل تالیف میں علیحدہ جمع فرمایا ہے، جس کا ذکر محدث خطیب بغدادی کی تاریخ بغداد میں متعدد جگہ آیا ہے۔ لہذا محمد ابن الحسن بن الوائز ابو داؤد البیہاق کے تذکرۃ میں لکھتے ہیں ”روی عنہ محمد بن مخلد الدورق فی جمعه حدیث ابی حنیفہ“ ان سے محمد بن مخلد دورق نے اپنی کتاب جمع حدیث ابی حنیفہ میں روایت کی ہے۔

(۵) حافظ محمد بن اعظم:- ابو الحسن محمد بن المعظم بغدادی کی

ولادت ۲۸۶ھ میں ہوئی، کم سنی سے ہی حدیث کی سماعت شروع کر دی، جب آپ کی عمر صرف چودہ سال تھی، اسی وقت سے آپ طلب

حدیث میں مصروف ہو گئے۔ طلب حدیث کے سلسلے میں مصر، شام، جزیرہ اور عراق کی خاک چھانی، انہوں نے امام محمد بن جریر طبری سے بھی شرف تلمذ حاصل کیا، اکابر محدثین دارقطنی، ابن شاکب، برقی، ابو نعیم جیسے اپنے وقت کے یگانہ روزگار حضرات نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا ہے۔ دارقطنی نے ہزار ہا احادیث کریمہ کی مسند آپ سے کی ہے، اسی سبب دارقطنی آپ کی انتہائی تعظیم و تکریم کرتے تھے، یہاں تک کہ کبھی آپ کی موجودگی میں سہارا لگا کر بیٹھ بیٹھے، ہمیشہ آداب تلمذ کو پیش نظر رکھ کر بآداب بیٹھے۔ حافظ امام ذہبی نے شہرہ آفاق کتاب تذکرۃ الحفاظ میں آپ کے بارے لکھتے ہیں ”محمد بن المفضل الحافظ الامام الثقة محدث العراق“ (تذکرۃ الحفاظ ص: ۱۸۹/۳) حافظ امام محمد بن مظفر ثقہ اور محدث عراق تھے۔ آگے چلے کر لکھتے ہیں: ”و جمع والف و عن مطلق هذا القول يتخلف روى عنه الدارقطني و ابن شاهين و ابو الفتح القفطاس و الماليني و ابو نعیم“ انہوں نے احادیث میں قرین اور کتب تالیف فرمائی، جو اس مبارک فن کے اصول سے تجاوز نہیں کرتے ہیں، ان سے دارقطنی، ابن شاکب، ابو الفتح ابی القفطاس، المالینی اور نعیم نے روایت کی ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے ”تجعیل المسند بزوائد رجال الثمۃ الاربعۃ“ کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ انہوں نے جو مسند ابی حنیفہ لکھی ہے، وہ حافظ ابو بکر المقرئ کی مسند ابی حنیفہ برابر ہے، جس میں صرف امام ابو حنیفہ سے مروی احادیث مرفوعہ نہیں اور یہ امام حارث کی تصنیف سے چھوٹی ہے۔

(۶) حافظ ابو نعیم اصبہانی:- حافظ ابو نعیم اصبہانی مشہور محدث

اور مصنف ہیں ۳۳۶ھ میں ولادت ہوئی، صغریٰ میں ہی ساری دنیا سے مشہور مشائخ کرام سے روایت حدیث کی اجازت مل چکی تھی۔ ذہبی ان کے متعلق لکھتے ہیں: ”لہ تہیا لہ من لقی الکبار مالہ معہ لہ حفاظ“ کبار محدثین سے جس قدر ان کو شرف ملاقات حاصل کسی اور حافظ حدیث کو نہ ہو سکا، امام ذہبی نے آپ کا ذکر تذکرۃ الحفاظ میں ”ابو نعیم الحفاظ الكبير محدث العصر“ کے الفاظ سے ہے (تذکرۃ الحفاظ ص: ۲۹۱، ج: ۳ مطبع دائرة المعارف النظامیہ حیدرآباد) حافظ ابو نعیم نے ضخامت کے اعتبار سے اگرچہ چھوٹی مسند ابی حنیفہ ہے۔ مگر وہ بہت جامع ہے، انہوں نے انتہائی تحقیق کے بعد اس سے

ولاوت ہوئی۔ فن جرح و تعدیل میں ان کا بڑا شہرہ ہے، فن جرح و تعدیل میں شہرہ آفاق کتاب ”الکافی فی الجرح والتعدیل“ تصنیف فرمائی، حدیث میں امام نسائی اور ابویعلیٰ موصلی کے شاگرد ہیں، حافظ نے بہت جامع مسند ابی حنیفہ لکھی ہے اور اس مسند کے دیباچہ میں امام ممدوح کے مناقب و فضائل بھی ذکر کیے ہیں۔

(۱۰) حافظ دارقطنی:۔ ابوالحسن علی بن عمر مشہور معروف محدث اور صاحب تصانیف شخص ہیں، ۳۰۶ھ میں ان کی پیدائش ہوئی اور ۳۸۵ھ میں وفات پائی، دارقطنی نے امام اعظم ابوحنیفہ کی جو مسند لکھی ہے اس کا ایک نسخہ خطیب بغدادی کے پاس بھی تھا۔

(۱۱) حافظ ابوالقاسم:۔ عبد اللہ بن محمد ابی العوام السعدی التوفی ۳۳۵ھ یہ امام نسائی اور امام طحاوی کے شاگرد رشید ہیں، آپ نے امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے مناقب میں بھی ایک مبسوط کتاب لکھی ہے، یہ مسند ابی حنیفہ بھی اسی کتاب کا ایک جزو ہے، یہ مصر میں عہد فقہاء پر بھی فائز رہے ہیں۔

(۱۲) مسند الدنيا:۔ قاضی ابوبکر محمد بن عبد الباقی المعروف بقاضی المرستان بہت مشہور محدث تھے، حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ابوالقاسم اسماعیل اصفہانی کے تذکرہ میں ان کا ذکر بھی کیا ہے، ترقیوں کے سال کی عمر میں بھی ان کے حواس میں ذرا تغیر نہیں ہوا۔ سات سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کر لیا تھا۔

الخیران میں حافظ ابن خشر کے تذکرہ میں اس امر کے ماننے سے انکار کیا ہے کہ قاضی صاحب موصوف نے امام ابوحنیفہ کی کوئی مسند تالیف کی ہے، حالانکہ خود ان کے نامور شاگرد حافظ شمس الدین سخاوی قاضی صاحب سے ان کی مسند کو مسند ذیل روایت کرتے ہیں عن التمد مرى عن السميد وى عن الشجيب عن ابن الجوزى عن جامع المسند قاضى المرستان اور حافظ عبد القادر قرطبی نے ”الجوار المحمدیہ“ میں نصر بن سيار بن صاعد کے تذکرہ میں حافظ سعانی سے نقل کیا ہے کہ:

”میں نے نصر سے امام ابوحنیفہ کی کتاب الاحادیث کا سماع کیا، جس کو عبد اللہ بن محمد بن النصارى نے جمع کیا ہے، نصر اس کتاب کی روایت اپنے دادا صاعد سے کرتے ہیں اور صاعد خود قاضی صاحب سے۔ محدث خوارزمی نے بھی جامع المسانید میں اس کتاب کی متعدد

متابعات کو ذکر کیا ہے، نیز رواۃ کے ابواب کی بھی نشاندہی کر دی ہے۔

(۷) حافظ ابن المقرئ:۔ حافظ ابن المقرئ اصفہانی بڑے مشہور مصنف اور اکابر حافظ حدیث میں ایک بلند مقام رکھتے ہیں، فن حدیث میں امام طحاوی کے شاگرد ہیں اور ان کی مشہور و معروف تصنیف ”شرح معانی الآثار“ کے ان سے راوی ہیں، کثیر لوگوں نے آپ سے روایت کی ہے، حافظ امام ذہبی ان بارے میں فرماتے ہیں ”محدث کبیر، صاحب مسانید سمع مالا یحصی کثرۃ“ وہ محدث کبیر عالم مسانید ہیں اور بے شمار احادیث نبویہ کی جمعیت کی، خود ابن المقرئ کا بیان ہے کہ میں نے طلب حدیث میں چار مرتبہ مشرق و مغرب کا سفر کیا ہے، آپ کی وفات ۳۸۱ھ میں ہوئی، انہوں نے ”مسند ابی حنیفہ“ لکھی، جس کا اعتراف امام ذہبی کو بھی ہے، تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں وقد صنف مسند ابی حنیفہ“ انہوں نے مسند ابی حنیفہ تصنیف فرمائی (ص ۱۸۳/۲) حافظ زین الدین قاسم بن قطلوبغا نے ابن المقرئ کی مسند ابی حنیفہ کے رجال کے حالات میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے، حافظ قاسم نے اس مسند کی احادیث کو ابواب فقہیہ پر بھی مرتب کیا ہے۔

(۸) حافظ عمر ابن عقدہ:۔ عقدہ آپ کے والد کا نام تھا جو ایک فاضل سیرت، وجہ بہ صورت شخص تھے اور نحو کی تعلیم دیا کرتے تھے، حافظ ابن نے ابن عقدہ کو حافظ عصر اور محدث بحر کے لقب سے ملقب کیا ہے، آگے چل کر ان کے بارے میں لکھتے ہیں ”وکان الیہ المنتھی فی سیرۃ الحفاظ و کثرۃ الحدیث و صنف و جمع فی الابواب تراجم“ (تذکرۃ الحفاظ ص ۸۵/۳) قوت حافظہ اور کثیر حدیث کی پرانہا ہو گئی، انہوں نے ابواب و تراجم کے دونوں عنوانوں کے تحت تصنیف و تالیف کی، اور احادیث جمع فرمائی۔ حافظ ابن الجوزی المنتظم لکھتے ہیں کہ اس موصوف خود اکابر حفاظ میں سے تھے اور ان سے اکابر حفاظ ابوبکر بن الجعفی، عبد اللہ بن عدی طبرانی، ابن المظفر، دارقطنی اور ابن شاپین نے احادیث روایت کی ہیں، حافظ بدر الدین محمود یعنی شارح صغریٰ نے ”تاریخ کبیر“ میں لکھا ہے کہ ”ان مسند ابی حنیفہ لا بن عقدہ یستوی و حدہ علی ہایزید علی الف حدیث“ ابن عدی کی مسند ابی حنیفہ ایک ہزار سے زائد احادیث پر مشتمل ہے۔

(۹) حافظ ابن عدی:۔ ابوعبد اللہ بن عدی کی ۷۷۲ھ میں

سندیں اپنے سے لے کر قاضی مرستان تک ذکر کی ہیں۔

(۱۳) حافظ طلحہ: طلحہ بن محمد جعفر الشاہ ابو القاسم ۲۹۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۸۰ھ میں وفات پائی اور اپنے وقت کے بے مثال محدث ہیں، علامہ خوارزمی لکھتے ہیں، حافظ آقی الدین سبکی نے "شفاء القاسم فی زیارة خیر الانام" میں ان کی مسند سے ایک حدیث نقل فرمائی ہے، جس کی سند ان الفاظ میں نقل کی ہے کہ "وفی مسند الامام ابی حنیفہ رحمہ اللہ کئی تصنیف ابی القاسم طلحہ بن جعفر الشاہ العدل حدیثی" محدث خوارزمی نے ان کی مسند کے متعلق لکھا ہے کہ وہ حروف معجم پر مرتب ہے۔

(۱۴) حافظ اشائی: یہ نامور محدث اور صاحب تصانیف شخص ہیں، حافظ طلحہ بن محمد ان کے بارے میں لکھتے ہیں "کسان من اجله اصحاب الحدیث المجوز ذین واحد الحفاظ و قد حدث حدیثا کثیرا، حمل الناس عنہ قدیما و حدیثا" یعنی یہ بڑے پایہ کے جلیل القدر محدثین اور حفاظ حدیث میں سے تھے، انہوں نے کثرت سے احادیث بیان کی ہیں اور لوگوں نے ہر دور میں ان سے روایات کی ہیں، انہوں نے امام ابو حنیفہ کی جو مسند تالیف کی ہے، محدث خوارزمی نے اس سے جامع المسانید میں نقل فرمائی ہے۔

(۱۵) امام حارثی: مشاہیر ائمہ احناف میں سے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنے رسالہ "الانتخاب" میں ان کو اصحاب الوجوہ میں شمار کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ اپنے زمانے میں فقہائے حنفیہ کا مرجع تھے۔ فقہ کی تحصیل آپ نے امام ابو نعیم صغیر سے کی تھی، طلب حدیث میں امام حارثی نے خراسان، عراق اور حجاز کا سفر کیا اور بہت سے شیوخ وقت سے اس فن عظیم کی تحصیل کی۔ ماہر فن رجال امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں قاسم بن اصبح کے ترجمے میں انھیں وفیات ۳۴۰ھ ان کا ذکر شاندار الفاظ میں کیا ہے، امام ذہبی لکھتے ہیں: "فیہامات عالم ماوراء النہر و محدثہ الامام العلامة ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن یعقوب بن الحارث الحارثی الملقب بالاساذ جمع ابی حنیفہ الامام ولہ اثنتان و قمانون سنة (تذکرۃ الحفاظ ص ۳۷، ج ۳)"

اسی سال ماوراء النہر کے عالم حدیث علامہ ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن یعقوب بن الحارث الحارثی کی وفات ہوئی، جن کا لقب استاذ تھا، انہوں نے امام ابو حنیفہ کی مسند جمع فرمائی، بیاسی سال کی عمر میں آپ نے وفات پائی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے تجلید المنہج میں ان کو حافظ حدیث تسلیم کیا ہے، بڑے بڑے حفاظ حدیث جیسے حافظ ابن مندہ، حافظ ابن عقیلہ اور حافظ ابو بکر جعفی فن حدیث میں ان کے شاگرد تھے۔

(۱۶) حافظ ابن القیسرانی: ابو الفضل محمد بن طایب بن معروف بہ ابن القیسرانی ۴۳۸ھ میں پیدا ہوئے اور ماہ ربیع الثانی ۵۰۷ھ کو وفات پائی۔ بہت بڑے حافظ حدیث گزرے ہیں، حدیث میں اتنا سفر طے کیا کہ دو مرتبہ پیشاب سے خون آنے لگا۔ برہنہ پا بغیر سواری کے سفر کرنے کا نتیجہ تھا، رجال ومتون کی معرفت رکھتے تھے، کثیر التصانیف تھے، انہوں نے اطراف احادیث ابی حنیفہ کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے، اس کتاب کا ذکر ان کی تصنیف "الجمع بین الرجال الصحیحین" کے آخر میں ہے، اطراف پر جو کتابیں لکھی جاتی ہیں ان میں متن حدیث کے ارتقا کے علاوہ کتب مع سند کے بیان کی جاتی ہیں، اس لیے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس کتاب میں امام ابو حنیفہ کی مختلف مسانید سے ان حدیث کے اطراف کو لے کر جمع کر دیا ہے۔

(۱۷) محدث عیسیٰ الجعفری المغربی: محدثین متاخرین میں سے ہیں، ان کی وفات ۱۰۸۰ھ سے شاہ ولی اللہ صاحب نے "العین فی مشائخ الحرمین" میں ان کا ذکر کیا ہے، فرماتے ہیں "یکے از علماء متقنین بود و دو استاد جمہور اہل حرمین است و از اویہ حدیث" (محدث عیسیٰ الجعفری) اثبات میں سے ہیں اور جمہور حرمین کے استاد ہیں، نیز داعی حدیث ہیں، محدث عیسیٰ باوجود یکہ دور افتاد پیداوار ہیں اور ان کا زمانہ بہت ہی بعد کا ہے تاہم جس شان کی انہوں نے امام اعظم ابو حنیفہ کی مسند تالیف کی اور جن شرط کا اس میں اہتمام کیا وہ شاہ صاحب ہی کی زبان سے سننے کے لائق ہے فرماتے ہیں:

"مسند برائے امام ابو حنیفہ تالیف کردہ در آنجا عین متصرف کردہ در حدیث از آنجا بظان زعم کسانیکہ گویند سلسلہ حدیث متصل نمائندہ واضح ترمی گردد"

انہوں نے امام ابو حنیفہ کی ایک ایسی مسند تالیف کی ہے کہ جس میں اپنے سے لے کر امام موصوف تک حدیث کے اتصال سند کو بیان ہے اور یہاں سے ان لوگوں کے دعویٰ کا باطل ہوتا خوب ظاہر ہوتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ حدیث کا سلسلہ آج کل متصل نہیں رہا۔

اور ان کے مصنفین کے نام اور ان مصنفین تک اپنی سند کو بیان کیا ہے۔ لیکن ان میں زیادہ تر مشہور اور رائج دو مسندیں رہی ہیں جو تاحال موجود و متداول ہیں، اول مسند حافظ الوقت حسین بن محمد بن محمد خسر، لہذا ان تینوں مسندوں کی اجازت راقم الحروف (شاہ ولی اللہ) کو اپنے اساتذہ سے پہنچی ہے۔

مسند ابی حنیفہ کا علمی مقام:۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے "قرة العينين في تفضيل الشيخين" میں مسند ابی حنیفہ کو احتیاف کی اہمات کتب میں شمار کیا ہے، فرماتے ہیں کہ "مسند ابی حنیفہ کے آثار محمد بنائے فقہ حنیفہ است، فقہ حنفی کی اساس مسند ابی حنیفہ اور آثار امام محمد پر ہے، حافظ حسینی فرماتے ہیں کہ:

"مسند الشافعی موضوع لادلة علی ماصح عنده مروياته و كذلك مسند ابی حنیفہ" مسند امام شافعی ان اولہ پر مشتمل ہیں کہ جو امام ممدوح کی مرویات میں ان کے نزدیک صحیح ہیں اور یہی حال امام ابو حنیفہ کا ہے۔

حافظ حسینی علیہ الرحمہ نے اس امر کا واضح طور پر اعتراف و اقرار کیا ہے کہ مسند امام شافعی کی طرح امام ابو حنیفہ کی مسند بھی امام ممدوح کے ان اولہ پر مشتمل ہے، جو امام کی مرویات میں ان کے نزدیک صحیح تھے، یہ حسینی حنفی المذہب نہیں بلکہ شافعی ہیں اور ان کا شمار معمولی محدثین میں نہیں، حفاظ وقت اور تاقیدین فن میں ہے، علامۃ الدہر شافعی المذہب عبدالوہاب شعرانی کی رائے مسند امام حنیفہ کی نسبت ملاحظہ کیجیے۔ فرماتے ہیں:

وقد من الله تعالى على بمطالعة مسانيد الامام ابی حنیفہ الثلاثة من نسخته صحيحة عليها خطوط الحفاظ آخرهم الحفاظ الدمياطي فرائنه لا يروى حديثا الا عن خيار التابعين العدول الثقات الذين هم من خير القرون بشهادة رسول الله عليه وسلم كالا سد و علقمة و عطاء، مجاهد و مكحول و الحسن البصري و اضراهم رضى الله عنهم اجمعين - فكل الرواة الذين هم بينه وبين رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا منهم بكذب و ناهيك يا اخي بعد الله من ارتضاهم الا امام ابو حنیفہ رضى الله عنه لان ياخذ عنهم احكام دينه مع شدة تروعه و تحرزه و شفقتة على الامة المحمدية -

فی الجملہ یہ ان مشاہیر کرام کا تذکرہ تھا جو میدان حدیث کے ماہرین ہیں، ان میں سے ہر ایک نے امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کی مرویات کو مستقل تصانیف میں اپنی اسانید کے ساتھ جمع کیا ہے، پھر قاضی القضاۃ ابوالموید محمد بن محمد خوارزمی التوفی ۶۵۵ھ نے جامع مسانید الامام الاعظم میں امام اعظم کی مسانید کے پندرہ نسخوں کو یکجا جمع کرنے کی قابل ستائش کوشش کی ہے۔ چنانچہ جامع مسانید کے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ:

"میں نے شام میں بعض جہلاء کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ امام ابو حنیفہ کی کوئی مسند نہیں ہے اور وہ فقط چند احادیث کے راوی ہیں، یہ سن کر مجھے بے حد افسوس ہوا اور مجھے حیرت مذہبی نے آگھیرا، میں نے اسی وقت یہ عزم مصمم کر لیا کہ امام اعظم کی ان پندرہ مسانید کو جنہیں یکٹائے روزگار علماء و محدثین کی جماعت نے بڑی جانفشانی کے ساتھ مرتب کیا ہے، یکجا کروں گا"

خوارزمی کی جامع مسانید کا ذکر شاہ عبدالعزیز صاحب نے بھی بستان المحدثین میں کیا ہے فرماتے ہیں کہ:

"مسند حضرت امام اعظم کہ بالفعل مشہور است تالیف قاضی القضاۃ ابوالموید محمد بن محمد الخوارزمی است، کہ در سندش صد و ہفتاد و چہار آنرا رائج ساختہ، مسانید امام اعظم را کہ علماء سابق پر داخستہ بودند بریں سند جمع کردہ برزعم خود بیچ چیز را از مرویات امام اعظم درک نہ کردہ و قبل از و سے ہر چند مسانید بسیار برای مرویات امام اعظم ساختہ بودند چنانچہ خودش در خطبہ ایں مسند نام آنہا و مصنفین آنہا و سند خود باں مصنفین بیان نمودہ اما بشیر رائج و مشہور دو مسند بود و تاحال موجود و متداول است اول مسند حافظ الوقت حسین بن محمد بن محمد بن یعقوب الحارثی، دوم مسند حافظ الوقت حسین بن محمد بن خسر و رحمۃ اللہ علیہ چنانچہ اجازت ایں ہر سر راقم نیز از شیوخ خود رسیدہ"

ترجمہ: مسند امام اعظم جو دور حاضر میں مشہور و معروف ہے قاضی القضاۃ ابوالموید محمد بن محمد الخوارزمی کی تالیف ہے، جس کو انہوں نے ۶۵۳ھ میں رواج دیا ہے، علمائے سابقین نے جن مسانید امام اعظم کی تالیف کی، خوارزمی نے ان کو اپنی مسند میں جمع کر دیا ہے اور اپنے خیال میں امام اعظم کی مرویات میں سے کوئی چیز ترک نہیں کی، ان سے پہلے بھی اگرچہ بہت سی مسندیں امام اعظم کی مرویات کے سلسلہ میں لکھی گئیں ہیں۔ چنانچہ خود خوارزمی نے اس مسند کے دیباچہ میں ان کے نام

بقیہ: سعودی حکومت کے نظریات اور عملی کردار

ایک موقع سے سلفی خطیب معراج الدین ربانی سے کسی نے پوچھا کہ مسجدوں میں منارے بنانے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ جواب ملا، حرام ہے۔ سائل نے موقع گنوائے بغیر استفسار کر لیا کہ منارے تو حرمین شریفین میں بھی ہیں؟ جس کے جواب میں "فضلیہ" اشخ "معراج الدین ربانی" گویا "ہوئے۔ شاہ فہد سے پوچھو کہ انہوں نے کیوں بنوائے ہیں۔ یہ ہے ایک بڑے ہندوستانی سلفی خطیب کا مبلغ علم و اختیار جو شب و روز سیدھے سادے عوام کو عقائد و عبادات کو گویا کھلاتا رہتا ہے۔ بد قسمتی سے میں مذکورہ سوال و جواب کی مجلس میں شریک تھا، یہ توخیر کم و بیش آٹھ سال پرانا حادثہ ہے، جو میری نظروں کے سامنے پیش آیا تھا۔ حال تو یہ ہے کہ برصغیر کے سلفی معاشرہ میں شب و روز اس طرح کے حالات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ ہمارے پاس سلفیوں سے کرنے کے لیے کچھ سوالات ہیں۔ وہ یہ ہیں کہ کیا واقعی امام ابوحنیفہ بھی تھے؟ اگر درست مان بھی لیا جائے تو کیا ان کی بحیثیت منصب امامت فی الفقہ کے منافی ہے؟ کیا یہ سچ ہے کہ ان کو صرف سات حدیثیں یاد تھیں؟ کیا ابن خلدون کی سات حدیث والی روایت صحیحین میں موجود ہے کہ آپ نے اسے آنکھ بند کر کے تسلیم کر لیا؟ کیا واقعی ہدایہ یکس کی کتاب ہے؟ اگر ایسا نہیں ہے اور ہرگز نہیں ہے تو یہ باتیں تو جوان سلفی طلبہ کی زبان پر کیسے آتی ہیں؟ کیا یہ سوالات عرب و عجم میں پھیلے ہوئے ملت اسلامیہ کے سواد اعظم اور ائمہ فقہ کے خلاف درون خانہ کینے والی پھجڑی کی چغلی نہیں کھاتے؟

سلفی برادران کے لیے میری نصیحت نہیں بلکہ ان سے التجا ہے کہ اگر وہ شیخ ابن تیمیہ سے لے کر آج تک کے سعودی اور غیر سعودی علماء ہی کو اپنا مقتدی مانتے ہیں تو مانیں۔ ہمارے کہنے سے وہ باز کیوں آئیں گے، لیکن رفع الملام عن الأئمة الاعلام، دائمی کمین کے فتاویٰ اور شیخ سلمان فہد العودہ کی کتاب "افعل ولا حرج" اور اس جیسی دوسری کتابوں کا مطالعہ کریں۔ اسلام، قوانین اسلام، احمد اسلام اور اہل اسلام کے خلاف زبان کھولنے میں محتاط رہیں۔ اپنے معاشرہ میں احترام اور رواداری کو فروغ دیں۔ بصورت دیگر اگر ایک اور نئے فرقہ کی بنیاد و مقصد ہو تو اس میں دیر نہ کریں۔ اسلام کے بیٹوں نے اسے انتشار و افتراق کے اتنے زخم دیے ہیں کہ وہ اس کا عادی ہو چکا ہے۔ ایک اور زخم کو برداشت کر لے گا۔ اللہ کی زمین بڑی ہے، جگہ بھی مل جائے گی اور دو چار ہزار ماننے والے بھی مل جائیں گے۔ لیکن اپنا نیا نام بھی منتخب کر لیں۔ ملت اسلامیہ پر احسان ہوگا۔

ترجمہ: اللہ رب العزت کا مجھ پر احسان عظیم رہا کہ امام ابوحنیفہ کی تین مسندوں کا ان کے صحیح نسخوں سے مطالعہ کرنے کی توفیق ملی، ان نسخوں پر حفاظ حدیث کے قلم کی تحریریں تھیں، جن میں آخری شخص حافظ میاطی ہیں، مطالعہ کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ امام اعظم صرف ان تابعین کرام سے احادیث روایت کرتے ہیں جو اپنے وقت کے برگزیدہ ترین، عادل اور ثقہ حضرات تھے اور حدیث نبوی کی تصریح کے مطابق خیر القرون کے لوگ تھے، جیسے کہ اسود، علقمہ، عطاء، مجاہد، کھول اور حسن بصری، رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ لہذا تمام وہ روایہ جو امام اعظم ابوحنیفہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین ہیں، سب کے سب عادل ثقہ نیک اور برگزیدہ ہیں، ان میں کوئی شخص نہ کذاب ہے اور نہ ہی اس پر کذب کی تہمت لگائی گئی ہے۔ میرے عزیزان کی عدالت کے لیے تمہیں یہی کافی ہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے باوجود شدت و رخ و احتیاط اور امت محمدیہ کا خاص خیال رکھنے کے، ان حضرات کو اس غرض کے لیے منتخب کر لیا کہ ان سے دینی احکام کو حاصل کریں۔

آگے چل کر لکھتے ہیں کہ:

"کل حدیث و جندناہ فی مسانید الامام الثلاثة فہو صحیح" امام اعظم کی تینوں مسندوں میں ہم نے جو بھی حدیث پائی وہ صحیح ہے۔

یہ بات آپ کے ذہن نشین رہے کہ اس بحث سے قبل امام شعرانی خود یہ تصریح کر چکے ہیں کہ

"انسی لم اجب عن الامام ابی حنیفہ وغیرہ بالصدرو احسان الظن کما یفعل ذالک غیری وانما اجیب عنہ بعد التسع والفرص" میں امام ابوحنیفہ وغیرہ کے متعلق وسعت صدر اور حسن ظن کی بنا پر کوئی جواب دہی نہیں کروں گا، جیسا کہ دوسرے لوگ کرتے ہیں، بلکہ جو کچھ بھی جواب دوں گا وہ تلاش و تتبع کے بعد دوں گا۔ امام شعرانی کے اس بیان سے آپ پر روشن ہو چکا ہوگا کہ مسانید امام ابوحنیفہ کے بارے میں جو رائے انہوں نے قائم کی ہے، وہ محض حسن ظن کی بنا پر نہیں ہے، بلکہ وہ پوری تحقیق اور تتبع کے بعد ہے۔

ان مسانید کے مطالعہ کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ کا علم حدیث میں کیا مقام و مرتبہ ہے اور ان متعصبین کی الزام تراشی کس قدر زمینی حقیقت سے دور ہے۔

فقہ حنفی پر غیر مقلدوں کے اعتراضات کا ایک تنقیدی جائزہ

کہ آیات قرآنیہ لکھی جائیں، احادیث طیبہ نہ لکھی جائیں، مبادا التباس ہو جائے، لیکن اس عہد مسعود میں بھی جن حضرات کو اپنی یادداشت پر مکمل بھروسہ تھا اور التباس سے بے خوف تھے، وہ آیات قرآنیہ کے ساتھ احادیث نبویہ کو بھی ضبط تحریر میں لانے کا اہتمام فرمانے لگے۔ ۹۹ھ میں جب حضرت سیدنا عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالیں تو انہوں نے ذخیرہ احادیث کو ضبط تحریر میں لانے کا باقاعدہ نظم فرمایا، چنانچہ انہوں نے حضرت ابو بکر بن حزم رضی اللہ عنہ کو جو مدینہ منورہ میں محکمہ فقہ میں خلیفہ کے نائب تھے، احادیث جمع کرنے کی ذمہ داری سونپی اور فرمایا کہ جو احادیث ملیں انہیں لکھ لیں کہ مجھے علم کے مٹنے اور علماء کے چلے جانے کا اندیشہ ہے۔ انہوں نے اطراف و جوانب میں بھی اپنا یہ پیغام روانہ فرمادیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جو حدیث بھی ملے اسے جمع کر لیا جائے۔ حضرت سیدنا عمر بن عبد العزیز کی تحریک فن حدیث میں پہلی باقاعدہ کتاب حضرت ابو بکر بن حزم نے تصنیف فرمائی۔ اس کے بعد جو جمع و ترتیب اور تصنیف و تالیف کا تاریخ ساز اور خوشگوار سلسلہ راز ہو گیا اور احادیث کی چھان پھانک تحقیق و تفتیش روایت و درایت کی بنیاد پر ہونے لگی۔ محدثین کرام کا امت مسلمہ پر یقیناً یہ احسان عظیم ہے کہ انہوں نے انتہائی محنت و مشقت لگن، جگر سوزی اور دیدہ ریزی کے بعد احادیث صحیحہ کا ذخیرہ ہمارے لیے بہم فرمایا، اب ہم بہت آسانی کے ساتھ ان ذخیرہ احادیث سے اسلامی احکام کے تعلق سے راہنمائی حاصل کر لیتے ہیں۔ لیکن کیا احادیث سے مسائل کا استنباط بھی ہر کس و نا کس کا منصب ہے یا...

محبت کے لیے کچھ خاص دل مخصوص ہوتے ہیں

اگر ایسا ہوتا تو عظیم علمائے محدثین نے ائمہ مجتہدین کی تقلید کی روش اختیار نہ کی ہوتی۔ ظاہر ہے کہ علم حدیث کے تعلق سے ہمارا دائرہ علم جس قدر محدود ہے، اس کے مقابلے میں ان حضرات کا تو علم و مطالعہ اور فکر و آگہی حدودِ وسیع تھی، لیکن اس کے باوجود انہوں نے تقلید کا دم بھر کر

احکام اسلامی کا پہلا سرچشمہ قرآن مقدس ہے اور اسی کے فرمان کے مطابق احکام خداوندی کی تمام تفصیلات اور قرآن کی منشا و مراد کو احادیث کی تجلیات کے بغیر سمجھا نہیں جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں دونوں کا محتاج بنایا ہے، ایک داخلی نور دوسرا خارجی، اور بلاشبہ ایک کے بغیر دوسرا دھورا اور نامکمل۔ داخلی نور کے بغیر خارجی نور سے گوہر مقصود حاصل نہیں ہو سکتا تو دوسری طرف خارجی نور کے بغیر صرف داخلی نور کے ذریعہ منزل کا نشان پالینا بہت دشوار ہے۔ اندھا جو داخلی نور سے محروم ہے وہ خارجی نور کے ذریعہ مقصود حاصل کرنے میں ناکام اور اندھیرے میں ہماری آنکھیں ناکام۔ ان میں سے ایک بھی نہ ہو تو ہم اندھیرے میں ٹامک ٹویاں مارتے رہ جائیں گے۔ بلاشبہ قرآن خارجی نور ہے اور حدیث داخلی نور ہے، قرآن مقدس آفتاب ہے تو احادیث نبویہ ہماری آنکھوں کا نور، حدیث کے بغیر قرآن کو نہیں سمجھا جاسکتا اور قرآن کے بغیر حدیث کا صحیح فہم نصیب نہیں ہو سکتا۔ اصحاب کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا احسان عظیم ہے کہ انہوں نے نہ صرف سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال سے اپنے نگار خانہ حیات کو سجایا، ستوارا، بلکہ انہیں اپنے مقدس سینوں میں نہایت حزم و احتیاط کے ساتھ محفوظ رکھ کر آئندہ نسلوں تک منتقل فرمادیا اور اسی طرح ان کے بعد کی نسلوں نے مشکوٰۃ صدر نبی سے رونما ہونے والی تجلیات میں اپنی دینی و دنیاوی زندگی کی سمت کا صحیح تعین کرنے میں راہنمائی حاصل کی اور پھر انہیں بعد کی نسلوں تک حفاظت تمام منتقل فرمادیا۔ اصحاب کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے احادیث رسول کی حیانت و حفاظت میں جو تاریخ ساز اور قابل ذکر کردار ادا کیا ہے وہ یقیناً اسلامی تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔ ایک ایک حدیث کی سماعت کے لیے لمبی لمبی مسافت طے کی جاتی۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں تو احادیث کو ضبط تحریر میں لانے کا کوئی باقاعدہ مزاج و منہاج نہ تھا، بلکہ آقائے انبات صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اس کی ممانعت فرمادی تھی اور یہ حکم دیا تھا

ہمارے لیے تقلید کو ازلیں ضروری قرار دے دیا۔ حد تو یہ کہ وہابیوں کے متفقہ امام علامہ ابن تیمیہ کے تعلق سے غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خاں بیوپالی کا یہ اقرار ہے۔ ”احمد بن الحلیم بن مجد الدین عبد السلام بن عبید اللہ بن عبد اللہ بن ابی القاسم بن تیمیہ الحرانی ثم الدمشقی الحنبلی صاحب منهاج السنة: (ترجمہ: احمد بن حلیم بن مجد الدین عبد السلام بن عبید اللہ بن عبد اللہ بن ابی القاسم بن تیمیہ حرانی، دمشق) صاحب منهاج السنة امام احمد بن حنبل کے مقلد تھے) اگر احادیث نبویہ کی روشنی میں مسائل کا استخراج اور استنباط ہر کسی کے ہوتے کی بات ہوئی تو محدثین نے یہ نہ کہا ہوتا ”یسا معشر الفقہاء انتم الاطباء و نحن الصیاد لہ“ (ترجمہ: اے گروہ فقہاء تم طبیب ہو اور ہم محدثین عطار ہیں) احادیث طیبہ کو فقہ کے تفقہ کی روشنی میں ہی سمجھا جاسکتا ہے، اس کے بغیر فہم حدیث کا دعویٰ کھوکھلا ہے۔

ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے ”تکلیس ابلیس“ میں تحریر فرمایا ہے کہ بعض محدثین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرمایا ”من کان یومن باللہ والیوم الآخر فلا یسقیں ماء ذرع غیرہ ترجمہ: جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے تو وہ اپنے پانی سے دوسرے کی کھیتی کو سیراب نہ کرے“ تو محدثین کی جماعت جو وہاں موجود تھی، اس نے کہا کہ جب ہمارے باغوں یا کھیتوں سے پانی بچ جاتا ہے، تو اپنا زائد پانی ہم سایوں کے کھیتوں کی طرف چھوڑ دیتے تھے اب ہم اس بات سے توبہ کرتے ہیں اور خدا سے استغفار کرتے ہیں۔ تفقہ فی الدین کی کمی کے سبب محدثین کرام اس حدیث پاک کا صحیح مطلب اخذ نہ فرما سکے۔ یہاں تو اجتہاد عورت کے ساتھ وطی کی ممانعت کا حکم دیا جا رہا ہے یا زانیہ سے نکاح کے بعد وطی سے منع کیا جا رہا ہے۔ اس طرح کے اور واقعات بھی تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہیں، جن سے بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ احادیث طیبہ کا یاد رکھنا اور ہے، مسائل کا استخراج اور۔ اگر علمائے محدثین نے احادیث صحیحہ کی جمع و ترتیب کا کار عظیم انجام دے کر ہمارے لیے بہت ساری سہولتیں فراہم کر دی ہیں تو یقیناً ان فقہائے کرام اور ائمہ مجتہدین کے احسان سے بھی ملت اسلامیہ سبکدوش نہیں ہو سکتی کہ انہوں نے دین کے مسائل میں صحیح راہنمائی کے لیے راہیں کھول دیں۔

فقہ اربعہ میں فقہ حنفی پر غیر مقلدین کے اعتراضات کی تان کچھ

زیادہ ہی ٹوٹی۔ غیر مقلدین کے علاوہ غیر حنفی مقلدین نے بھی فقہ حنفی اپنے اعتراضات کی زد میں رکھا اور یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ فقہ حنفی کی ساری عمارت قیاس اور عقل پر ہے، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اس کی اساس احادیث طیبہ پر ہے۔ مختصر یہ کہ امام ابو حنیفہ، امام یوسف (رحمہم اللہ تعالیٰ) حدیث کی معرفت اور سنت سے استدلال کرنے میں بہترین مقام پر فائز تھے۔ لیکن ان کے مذہب کے بعض علماء نے احادیث کی تلاش اور ان کی تخریج میں کوتاہی کی اور عقلی دلائل پر اکتفا کیا، جس سے لوگوں کو یہ گمان ہوا کہ اس مذہب کی بنیاد رائے پر ہے۔ اس لیے یہ کہنا کہ امام ابو حنیفہ قیاس کو اختیار کرتے ہیں اور حدیث کو چھوڑ دیتے ہیں وہم ہے۔ بلکہ وہ تمام ائمہ سے زیادہ حدیث کی پیروی کرتے ہیں جسے شک ہے وہ فقہ حنفی کی کتاب ”شرح مواہب الرحمن“، دیکھ لیں اس کے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن پاک صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے دلائل پیش کرنے کا التزام کیا ہے، اسی طرح محقق ابن ہمام کی شرح ہدایہ (فتح القدیر) دیکھ لیجیے، انہوں نے ان اعتراضات کا جواب دیا جو ہدایہ پر وارد کیے جاتے ہیں، کہا جاتا ہے کہ ان کی پیش کردہ احادیث کمزور ہیں اور انہوں نے عقلی دلائل پر اکتفا کیا ہے۔ جب کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اکثر حدیث کا سماع کیا تھا، ان کے چار بڑے اساتذہ محترم میں تین سوتا ہی تھے۔ اس وہم کے اسباب میں ایک بات یہ بھی ہے کہ بعض محدثین مثلاً صاحب مصابح، صاحب مشکوٰۃ اور صاحب ترمذی مذہب شافعی سے تعلق رکھتے تھے، چنانچہ ان حضرات نے اپنے مذہب کے دلائل تلاش و جستجو سے جمع کر کے اپنی کتابوں میں درج کر دیے اور جن احادیث سے احناف استدلال کرتے ہیں، ان کے راویوں پر طعن اور جرح کی۔ ہدایہ، جو مذہب حنفی کی مشہور و معروف کتاب ہے، اس نے بھی لوگوں کو کسی حد تک اس وہم میں مبتلا کیا کیوں کہ اس کے مصنف علامہ برہان الدین مرغینانی نے اکثر مقامات پر عقلی دلائل اور قیاسات پر بنا رکھی ہے اور ایسی احادیث بطور دلیل لائے جن میں کئی قسم کا ضعف پایا جاتا ہے، ان اقتباسات کی روشنی میں یہ بات عیاں ہے کہ مذہب حنفی کی بنیاد قیاس پر نہیں۔ خود حضرت امام اعظم حنفیہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ: اگر دین رائے سے ہوتا تو میرا پیشاب سے غسل واجب کرتا اور منی سے وضو، کیوں کہ پیشاب بالاقفاق نجس ہے اور منی بعض علماء کے یہاں پاک بھی ہے اور میں لڑکی

قلے ہیں تو گندگی کو نہیں اٹھاتا، اس حدیث کو ترک فرماتے ہوئے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث سے استدلال فرماتے ہیں، جسے شخصین نے روایت فرمایا ہے عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یسولن احدکم فی الماء الدائم ثم یغتسل منه (مسلم شریف جلد اول ص: ۱۳۸) ترجمہ: ”تم میں سے کوئی شخص ٹھہرے پانی میں ہرگز پیشاب نہ کرے، پھر اس سے غسل کرے۔“

اول الذکر حدیث کو شخصین نے روایت نہیں فرمایا، نیز اس کی سند میں اضطراب بھی ہے، اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم کے زمانے میں ایک حبشی چاہ زم زم میں گر کر مر گیا، حضرت ابن عباس اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے تمام صحابہ کی موجودگی میں کنواں پاک کرنے کا حکم دیا، کسی نے انکار نہ کیا، جب کہ چاہ زم زم میں ہزاروں قلعے پانی تھے، لہذا امام اعظم کا مذہب یہ ہے کہ پانی اگر جاری نہیں ہے تو نجاست کے گرنے سے قابل وضو و غسل نہیں رہ جاتا، اگر اول الذکر حدیث کو جاری پانی پر منطبق کیا جائے تو دونوں حدیثوں سے تعارض بھی ختم ہو جائے گا۔

(۳) وہ حدیثیں جن میں آیا ہے کہ حیوان کے مرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا انہیں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے ان حیوانات کی موت کے سلسلے میں ترک فرمادیا، جن میں خون نہیں ہوتا اور وہ بخاری کی روایت کردہ اس حدیث سے استدلال فرماتے ہیں کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کے برتن میں کھٹی گر جائے تو اسے ڈبو سے پھر نکال کر پھینک دے کیوں کہ اس کے ایک پر میں شفا اور دوسرے میں بیماری ہے، کھٹی شفا والے پر سے پہلے بیماری والا پر ڈبوتی ہے۔“

(۴) مردے کی حرمت کے عموم پر وارد ہونے والی حدیث کو امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ترک فرمایا اور وباغت کے بعد مردار کی کھال کی پاکی کا حکم فرمایا اور امام بخاری و مسلم رحمۃ اللہ علیہما کی روایت کردہ حدیث سے استدلال فرمایا: عن عبد اللہ بن عباس قال تصدق علی مولاة لمیمونۃ بشاة فماتت فمر بہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ہلا اخذتم اہا بہا فذبحتموہ فانفتحت بہ فقال انہا میتۃ فقال انما حرم اکلہا (بخاری، مسلم) ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضرت میمونہ کی لونڈی کو بکری صدقہ کی گئی جو مر گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر گزرے تو فرمایا کہ تم نے اس کی کھال کیوں نہیں اتاری تم اسے پکا لیتے

کولڑے سے دو گنی میراث دیتا کیوں کہ لڑکی کمزور ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ مذہب حنفی میں بعض احادیث کو بعض پر ترجیح دینے کی روایت بھی ملتی ہے، لیکن یہ ترجیح وہیں پائی جاتی ہے، جہاں موافق قیاس اور مخالف قیاس احادیث پائی جا رہی ہوں، ایسی صورت میں موافق قیاس احادیث کو مخالف قیاس احادیث پر ترجیح دی جاتی ہے، اور یہ اصول فقہ کے ضابطے کی روشنی میں ہے، یہ نص کے مقابلے قیاس کو ترجیح دینے کی بات قطعی نہیں۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک احادیث کے مقام و مراتب بہت اونچے تھے، وہ تو حدیث مشہور کے ذریعے کتاب اللہ کے حکم کے نسخ کے قائل تھے، نیز انہوں نے حدیث مرسل، حدیث ضعیف اور صحابی کے قول و فعل تک کو حجت قرار دیتے ہوئے اس کو بالا اے طاق رکھا، اس سلسلے میں چند مثالیں ملاحظہ فرمائی جاسکتی ہیں۔

(۱) حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس پانی سے وضو مکروہ ہے، جس میں کوئی ترچیز گر جائے اور اس میں کوئی چیز مخلوط ہو جائے۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو ترک فرماتے ہوئے اس حدیث سے استدلال فرماتے ہیں جس کو امام بخاری، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہما نے روایت فرمایا۔ حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا راوی ہیں کہ ”ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، میں آپ کی صاحبزادی حضرت زینب یا ام کلثوم رضی اللہ عنہما کو غسل دے رہی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انہیں پانی اور پیری کے پتوں کے ساتھ غسل دو اور آخری مرتبہ کا فور شامل کرو، چنانچہ اس موافق قیاس حدیث سے استدلال فرماتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ جس پانی کے کسی وصف (رنگ، بو، مزہ) کو کوئی پاک چیز تبدیل کر دے تو اس سے وضو کرنا جائز ہے، جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس پانی سے وضو جائز نہیں۔“

(۲) سنن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الماء یكون فی القلابة من الارض وما ینوبہ من الدواب والسباع فقال اذا کان الماء قلقتین لم یحمل الخبث (ترمذی شریف ابواب الطہارۃ ص: ۱۲۱) ترجمہ: حضرت سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس پانی کے متعلق دریافت کیا گیا جو میدانی زمین میں ہو اور اس پر چوپائے اور درندے آتے ہوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب پانی دو

اور نفع اٹھا لیتے۔ کسی صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ مردار بکری ہے، سرکار نے فرمایا صرف اس کا کھانا حرام ہے۔

(۵) امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو ترک فرمادیا، جس کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا "عن الاسود وهمام عن عائشة في المنى قالت كنت افركه من ثوب رسول الله صلى الله عليه وسلم" (مسلم جلد اول ص: ۴۳۳) ترجمہ: روایت ہے حضرت اسود اور ہمام سے وہ حضرت عائشہ سے راوی ہیں، منی کے سلسلہ میں حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی مل دیتی تھی۔ آپ نے اس حدیث سے استدلال فرمایا، جس کو امام بخاری، امام مسلم نے روایت سے فرمایا "عن سليمان بن يسار قال سألت عائشة عن المنى يصيب الثوب فقالت كنت اغسل من ثوب رسول الله صلى الله عليه وسلم فيخرج الى الصلوة واثو الغسل في ثوبه" (بخاری جلد اول ص: ۳۶) ترجمہ: "روایت ہے حضرت سلیمان بن یسار سے، فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ سے منی کے متعلق دریافت کیا جو کپڑے کو لگ جائے۔ فرماتے ہیں کہ میں اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے دھوتی تھی، جس پر نماز کو تشریف لے جاتے حالانکہ دھونے کا اثر آپ کے کپڑے میں ہوتا۔

(۶) امام اعظم نے ان احادیث کو ترک فرمایا دیا، جن میں تین مرتبہ سر کے مسح کی روایت ہے اور وہ حضرت عثمان سے روایت کردہ حدیث سے استدلال کرتے ہیں: "عن عثمان انه توضأ فافروغ على يديه ثلاثاً ثم تمضمض واستنثر ثم غسل وجهه ثلاثاً ثم غسل يده اليمنى الى المرافق ثلاثاً ثم غسل يده اليسرى الى المرافق ثلاثاً ثم مسح برأسه ثم رجله اليمنى ثم اليسرى ثلاثاً ثم قال رايت رسول الله صلى الله عليه وسلم توضأ نحو وضوئي هذا ثم قال من توضأ وضوئي هذا ثم يصلي ركعتين لا يحدث نفسه فيهما شئ غفر له ما تقدم من ذنبه" (بخاری ص: ۲۸) ترجمہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے وضو فرمایا تو اپنے ہاتھوں پہ تین مرتبہ پانی بہائے پھر کھلی کی اور ناک صاف کی، پھر تین مرتبہ چہرہ دھویا، پھر داہنے ہاتھ کو کہنیوں تک تین مرتبہ دھویا، پھر بائیں ہاتھ کو کہنیوں تک تین مرتبہ دھویا

پھر سر کا مسح کیا، پھر داہنے پاؤں تین مرتبہ دھویا پھر بائیں پاؤں تین مرتبہ دھویا پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کرتے دیکھا، پھر سرکار نے فرمایا: جس شخص نے میرے اس وضو کی طرح وضو کیا پھر دو رکعتیں خشوع قلب کے ساتھ ادا کی اسے تین مرتبہ گناہ بخش دیے جائیں گے۔

(۷) امام اعظم نے ان احادیث کو ترک فرمادیا جن میں تین مرتبہ وقت میں ادا کرنے کی روایت ہے اور ان روایتوں سے استدلال کرتے ہیں، جو نماز ظہر اور فجر کو تاخیر سے ادا کرنے پر دلالت کرتی ہیں۔

(۸) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی، اس حدیث سے استدلال فرماتے ہیں: عن ابی ہریرۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا شرب الكلب من ماء اناء احدكم فليغسله سبع مرات (مسلم جلد اول ص: ۳۳۳) ترجمہ: جب تم میں سے کسی کے برتن میں کتا پانی پی جائے تو اسے سات بار دھوؤ۔ چنانچہ مذہب شافعی میں کہتے کہ چائے پر برتن کا سات بار دھونا اور مٹی سے مانجنا فرض ہے۔ جب کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے نزدیک اس کا حکم بھی دوسری نجاستوں کی طرح ہے کہ اسے دھونے کی ضرورت قعداً مقرر ہے نہ مٹی سے مانجنا لازم بلکہ گندگی اور اس کا اثر و اثر لازم ہے۔ وہ ان روایتوں سے استدلال فرماتے ہیں، جنہیں دارقطنی نے روایت کیا: حضور فرماتے ہیں کہ جب کتا برتن چاٹ جائے تو اسے تین، پانچ یا سات بار دھوؤ۔ نیز ابن عربی کی مرفوعہ روایت سے کہ جب برتن چاٹ جائے تو پانی پھینک دو اور برتن تین بار دھو لو۔ دارقطنی نے صحیح حضرت عطاء سے روایت کیا کہ خود حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا غسل یہ تھا کہ جب ان کا برتن کتا چاٹ جاتا تو پانی گرا دیتے اور برتن تین بار دھالتے۔ لہذا سات بار کی حدیث منسوخ اور یہ احادیث مذکور، مانع ہیں کہ اولاً اسلام میں کتا پانی ممنوع اور اس کا قتل کرنا واجب تھا، اس زمانے میں یہ پابندیاں تھیں لیکن جب ضرورتاً کتا پانی کی اجازت ملی اور اس کا قتل واجب نہ رہا تو سات مرتبہ کا حکم بھی منسوخ ہو گیا۔ پھر یہ کہ کتا اور اگر برتن میں پیشاب کر دے تو تین بار دھونے سے برتن پاک ہو جاتا گا، اب ظاہر ہے کہ کتے کا لعاب پیشاب سے تو بدتر نہ ہوا۔

مذکورہ مثالوں کی روشنی میں یہ بات واضح طور پر ثابت ہوئی کہ مذہب حنفی کی بنیاد قیاس پر نہیں، قیاس وہیں نظر آتا ہے، جہاں نصوح

احادیث موجود نہیں۔ چنانچہ حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کے سامنے، جب حدیث شریف آجاتی تو اس کا اتباع کرتے یا اصحاب کرام اور متقدمین کا کوئی قول آتا تو اس کی پیروی کرتے بصورت دیگر اجتہاد اور رائے سے کام لیتے۔ امام ابوحنیفہ کے تمام تلامذہ اس بات پر متفق ہیں کہ حدیث اگرچہ ضعیف ہو اجتہاد و قیاس سے مقدم اور اعلیٰ ہے۔ ان حقائق کے پس منظر میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ حضرت سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر قیاس کو حدیث پر اولیت و تقدم دینے کا الزام غلط ہے اور انہیں صاحب رائے اس معنی میں کہنا حقائق سے چشم پوشی کے مترادف ہے۔

مذہب حنفی کو احادیث و روایات کی تائید حاصل ہے، چنانچہ جن حضرات نے اس بحرِ خواص میں تحقیق و تدقیق کو آلہ کار بنایا، ان پر یہ حقیقت کھل کر سامنے آگئی، چنانچہ امام طحاوی کے چچا امام مزنی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اجلہ شاگردوں میں تھے، فقہ شافعی کے مہتر فقیہ اور عالم تھے، اس کے باوجود وہ احناف کی کتابوں کا مطالعہ کیا کرتے تھے، ایک دن امام طحاوی نے ان سے دریافت کیا، سیدی! آج آپ شوافع کے امام و مقتدا اور حجت ہیں۔ لیکن میں نے آپ کو کتب احناف کا بکثرت مطالعہ فرماتے دیکھا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ انہوں نے فرمایا: ان کتابوں میں مجھے ایسی تحقیقات و تدقیقات ملتی ہیں جو دوسری کتابوں میں نہیں ملتیں۔ امام طحاوی عرض گزار ہوئے کہ جب یہ بات ہے تو آپ امام ابوحنیفہ کا مذہب کیوں نہیں اختیار فرما لیتے۔ امام مزنی سخت ناراض ہوئے اور اپنے یہاں سے نکال دیا، برا بھلا کہا اور انہیں بدعادی، ان کی دعا تو پوری نہ ہوئی، لیکن امام طحاوی کی زندگی ایک زبردست انقلاب سے دو چار ضرور ہوئی، چنانچہ انہوں نے فقہ حنفی کا گہرائی کے ساتھ مطالعہ شروع کیا تو ان پر اس کی حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی اور پھر انہوں نے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کا یہ اپنی گردن میں ڈال لیا۔ نیز فقہ حنفی کی تائید میں احادیث کا ذخیرہ جمع فرمایا۔ جس کا نام ”شرح معانی الآثار“ رکھا۔

عظام کی غیر معمولی دینی خدمات پر پانی پھیرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا ہے۔ لیکن ان اعتراضات کی حیثیت ریت پر محل تعمیر کرنے سے زیادہ نہیں۔ رکوع سجدے والی نماز میں قہقہہ ناقض وضو ہے۔ فقہ حنفی کا یہ مسئلہ ہے، اس سلسلے میں جو استدلال کیا گیا ہے، وہ یہ ہے ”ان الصحابة كانوا يصلون خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم فحذاء اعرابي وفي عينه سوء فوقع في حفرة كانت هناك فضحك بعض الصحابة فقال لهم رسول الله صلى الله عليه وسلم الامن ضحك منكم فقهية فليعد الموضوع وصلوة جمعياً ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں اصحاب کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نماز ادا کر رہے تھے کہ ایک اعرابی آئے، جن کی بینائی میں کچھ عیب تھی، وہ قریب ہی ایک گڑھے میں گر پڑے تو بعض اصحاب ہنس پڑے، اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے جس شخص نے قہقہہ لگایا ہے وہ نماز اور وضو دونوں کا اعادہ کرے۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے، جس پر امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی جس قدر تعریف کی جائے کم ہے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ سر مایہ فقہ حنفی احادیث طیبہ کے خلاف نہیں بلکہ حد و درجہ تائید یافتہ ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اس موڑ پر تو عقل کا کھلا تقاضا تھا کہ جس طرح قہقہہ خارج نماز وضو نہیں توڑتا اسی طرح نماز میں بھی وضو نہیں توڑتا لیکن عقل کے اس تقاضے کے خلاف حدیث پاک کے مطابق فتویٰ صادر فرمایا اور اسے صرف رکوع سجدے والی نماز تک ہی محدود رکھا۔ نماز جنازہ اور سجدۂ تلاوت میں اسے مفید صلوٰۃ قرار نہیں دیا، چونکہ حدیث پاک میں رکوع سجدے والی نماز میں ہی قہقہہ ناقض وضو قرار دیا گیا ہے۔ ہدایہ میں اس کی وجہ تحریر کی گئی ہے ”والاثر ورد في صلوٰۃ مطلقاً فيقتصر عليه“ (ترجمہ: اور حدیث نماز کامل کے بارے میں وارد ہوئی ہے، لہذا اسی پر اس کا اقتصار کیا جائے گا) کہاں ہیں وہ لوگ جو یہ دعویٰ کرتے نہیں تھکتے کہ ”احادیث نبوی کو قیاس سے رد کرنے کا طریقہ کوفہ ہی میں بنا۔“ غیر مقلدین جو خود کو اہل حدیث اور عامل حدیث کہتے ہیں انہوں نے کیوں قیاس کو حدیث پر ترجیح دے کر اپنے دعویٰ اہل حدیث کو مشکوک کر دیا۔

فقہ حنفی کا یہ مسئلہ ہے کہ ”انسان اور خنزیر کے سوا جس چمڑے کو دباغت دے دی جائے وہ پاک ہے، ہدایہ میں یہ مسئلہ بایں الفاظ ہے ”كل اهاب دبغ فقد طهر الا جلد الخنزير والآدمي اس سلسلے

فقہ حنفی پر غیر مقلدین کے اعتراضات جہاں ان کے علمی افلاس اور فکری دیوالیہ پن کا کھلا اظہار ہیں تو وہیں فن حدیث پہ ان کی گہری بصارت و بصیرت پر سوالیہ نشان بھی قائم کرتے نظر آتے ہیں۔ فقہ حنفی کے مسائل پر اعتراضات کی بارش برسا کر غیر مقلدین نے فقہائے

فقہ حنفی پر غیر مقلدین کے اعتراضات جہاں ان کے علمی افلاس اور فکری دیوالیہ پن کا کھلا اظہار ہیں تو وہیں فن حدیث پہ ان کی گہری بصارت و بصیرت پر سوالیہ نشان بھی قائم کرتے نظر آتے ہیں۔ فقہ حنفی کے مسائل پر اعتراضات کی بارش برسا کر غیر مقلدین نے فقہائے

میں حدیث پاک ہے ”ایما اہاب دبغ فقد طهر“ یا ”اذا دبغ الاہاب فقد طهر“ حدیث پاک کی وضاحتوں کی روشنی میں فقہ حنفی کے اس مسئلے پر اعتراض کی بوجہ کر کے والے ذرا ٹھنڈے دل سے غور کریں کہ ان کے اعتراض کا اثر کہاں تک پہنچ رہا ہے؟

کتے، بھیڑیے، گدھے وغیرہ درندوں کو ذبح کرنے سے ان کی کھالیں پاک ہو جاتی ہیں، غیر مقلدین نے اس پر بھی اعتراض کیا ہے۔ اس سلسلے میں جو حدیث شریف آئی ہے وہ یہ ہے ”زکوة الميتة دبغها، (ترجمہ: مردار کو ذبح کرنا اس کی دباغت ہے) ایک دوسری حدیث مرفوعہ میں ”زکاة کل مسک دبغہ“ آیا ہے۔

یعنی ہر چیز کو ذبح کرنا اس کی دباغت ہے۔ ہدایہ میں اس کی وجہ یہ تحریر ہے ”لانه يعمل عمل الدباغ فی ازالة الرطوبات النجسة“ ترجمہ: ذبح کرنا دباغت کا کام کر جاتا ہے، جس طرح دباغت سے جس رطوبتیں زائل ہو جاتی ہیں، اسی طرح ذبح سے بھی زائل ہو جاتی ہیں۔

کتے، بھیڑیے وغیرہ کی کھالوں کو دباغت کے بعد استعمال کرنے پر بھی اعتراضات وارد کیے گئے ہیں۔ جب کہ احادیث کریمہ کی روشنی میں یہ بات ثابت ہو گئی کہ دباغت سے ہر کھال پاک ہو جاتی ہے تو پھر اس کے استعمال پر کیوں کلام کیا جائے گا؟

پتھر، گچ، چونا اور بڑتال سے بھی تیمم جائز ہے، فقہ حنفی کا یہ مسئلہ بھی طرکاً نشانہ بنا۔ جب کہ ان اشیاء سے تیمم کے جواز کی دلیل بھی ہے ان الصعید اسم لوجه الارض ت (ترجمہ: صعیروئے زمین کا نام ہے) شرح ہدایہ میں علامہ عینی نے فرمایا ”لان الصعید لیس

التراب انما هو وجه الارض ترابا کان او صخرات لیس علیہ او غیرہ ترجمہ: کیوں کہ صعیڈ مٹی نہیں بلکہ روئے زمین ہے جس پر مٹی ہو یا پتھر جس پر مٹی نہ ہو یا اس کا غیر ہو) اس سلسلے میں جو احادیث ہیں وہ یہ ہیں ”جعلت لسی الارض مسجداً وطهوراً“ (ترجمہ: میرے لیے زمین کو مسجد اور مطہر بنائی گئی ہے) اس حدیث کے

تحت علامہ عینی شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں ”هذا الذی ذکرہ فی الحقیقة استدلال لابی حنیفہ و محمد علی جواز التیمم بجمیع اجزاء الارض لان اللام فیہا للجنس فلا یخرج شئی منها وکان الارض کلہا جعلت مسجداً واما جعل مسجدہا الذی جعل طهوراً (ترجمہ: دراصل اس میں امام ابو

حنیفہ اور امام محمد کی دلیل ہے کہ زمین کے تمام اجزاء سے تیمم جائز ہے۔ کیوں کہ اس میں ”لام“ جنس کا ہے، اس لیے کوئی شئی اس سے خارج نہ ہوگی اور کل زمین مسجد بنائی گئی ہے اور جو مسجد بنائی گئی ہے وہ پاک کرنے والی بھی بنائی گئی ہے) زمین کا حصہ مسجد بنایا گیا لہذا اس سے تیمم بھی جائز ہوا خواہ ریت، چونا، پتھر وغیرہ کیوں نہ ہو، علامہ عینی کی تائید میں غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن بھوپالی ”روضہ نذیر“ میں رقم طراز ہیں:

”قال فی القاموس والصعید التراب او وجه الارض انتهى والثانی هو الظاهر من لفظ الصعید لانه ما صعد اى علا وار تفع علی وجه الارض وهذه الصفة لا تختص بالتراب ویؤید ذالک الحدیث ”جعلت لسی الارض مسجداً وطهوراً“ (ترجمہ: قاموس میں ہے کہ صعیڈ تراب ہے یا روئے زمین اور دوسرا معنی لفظ صعیڈ سے ظاہر ہے۔ کیوں کہ صعیڈ وہ ہے جو بلند ہو اور زمین کے اوپر ہو اور یہ صفت یعنی روئے زمین پر ہونا مٹی کے ساتھ مختص نہیں) (کہ تیمم اسی کے ساتھ خاص ہو) اور حدیث جعلت لسی الارض مسجداً وطهوراً سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے)

پتھر، گچ، چونا اور بڑتال سے تیمم کا ثبوت نہ صرف حدیث پاک سے ہے بلکہ قرآن مقدس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں قرآن پاک میں ”صعیڈ طیب“ آیا ہے جس کا معنی پاک روئے زمین ہے، ظاہر ہے کہ روئے زمین صرف مٹی تو نہ ہوگا، بلکہ کھنکھ مٹی تو کہیں ریت کہیں پتھر کہیں گچ۔

کوئی عید گاہ، پتھر، نماز ہو رہی ہے اور اسے خوف ہے کہ اگر میں وضو میں مشغول ہوں گا تو نماز چھوٹ جائے گی تو وہ تیمم کر کے جماعت میں شامل ہو جائے۔ فقہ حنفی کے اس مسئلے پر اعتراض کیا گیا ہے، جب کہ یہ بھی حدیث کے مطابق ہے ”عن ابن عباس اذا خفت ان تفوتک الجنازۃ وانت علی غیر وضوء فتیمم وصل“ (ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ جب تمہیں نماز جنازہ کے فوت ہو جائے کا اندیشہ ہو اور تم بے وضو ہو تو تیمم کر کے نماز جنازہ میں شامل ہو جاؤ) (تحریر: زیلعی جلد اول ص: ۸۲)

”عن ابن عمر انه اتی بجنازۃ و هو علی غیر وضوء فتیمم ثم صلی علیہا“ (ترجمہ: حضرت سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایک جنازہ پر تشریف لائے، آپ بے وضو تھے تو آپ نے تیمم

کر کے نماز پڑھی)

میں ہے۔ ”فان صلی غیرہ ای الولی ممن لیس لہ حق النقص علی الولی ولم یثابعه الولی اعاد الولی ولو علی قبرہ (ترجمہ: اگر ولی کے علاوہ کسی دوسرے نے نماز جنازہ پڑھی ہو، ولی نے نہ پڑھی ہو تو ولی کو اعادے کا حق ہے گو اس کی قبر پر پڑھے) منہ الخالق حاشیہ بحر الرائق میں ہے ”لا تعاد الصلوۃ علی المیت الا ان یکون الولی هو الذی حضر فان الحق للذی لیس لغيرہ ولاية اسقاطہ: (ترجمہ: کسی میت پر دو دفعہ نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔ ہاں! اگر ولی آئے تو اس کا حق ہے کوئی دوسرا اس کا حق ساقط نہیں کر سکتا۔)

ایک دفعہ نماز جنازہ کی ادائیگی سے میت کا حق ساقط ہو گیا تو جو فرض تھا وہ ساقط ہو گیا، اب اگر دوبارہ پڑھیں تو نفل میں شمار ہوگا اور نماز جنازہ نفل مشروع نہیں۔ ”الفرض یسادی بالاول والتنفل بہا غیر مشروع“ (جوہرہ)

بحر العلوم ”رسائل الارکان“ میں لکھتے ہیں: لنو صلوا الزوم التنفل بصلوۃ الجنائزۃ و ذاعیر جائز (ترجمہ: اگر نماز جنازہ کا اعادہ کریں تو یہ نفل ہوگا اور یہ جائز نہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی جنازے کی نماز دوبارہ نہیں ادا فرمائی، اگر نماز جنازہ کی تکرار جائز ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی تو کسی کی نماز جنازہ دوبارہ ادا فرمائی ہوتی؟ نہ ہی یہ روایت ملتی ہے کہ کسی صحابی پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھ کر اسے دفن کر دیا ہو اور پھر کسی صحابی غیر ولی جو جنازے میں شامل نہ ہو سکے، انہوں نے قبر پر نماز جنازہ ادا کی ہو، اگر نماز جنازہ کی تکرار جائز ہوتی تو کہیں نہ کہیں اس کا سراغ ملتا، روایت تو اس کے برخلاف ہے: ذکر عبد الرزاق عن معمر عن ابیوب عن نافع ان ابن عمر قدم بعد توفی عاصم اخوہ فسأل عنہ فقال این قبر اخی فدلوه علیہ فاتاہ فدعا لہ قال عبد الرزاق وبہ ناخذ قال وانا عبد اللہ بن عمر عن نافع قال کان ابن عمر اذا انتھی الی جنازۃ قد صلی علیہ دعا وانصرف ولم یعد الصلوۃ قال ابو عمر فی التمهید هذا ہوا لصحیح المعروف من مذهب ابن عمر من غیر مارجہ عن نافع وقد یحتمل ان یکون معنی رواۃ من روی انہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ دعا لہ لان الصلوۃ دعا فلا یکون مخالفا لروایۃ من روی انہ دعا ولم یصل (جوہر النہی جلد ۱ ص ۱۰۰)

دونوں حدیثوں سے صاف ظاہر ہو گیا کہ اگر نماز جنازہ فوت ہو جائے کا اندیشہ ہو تو تیمم کی اجازت ہے، چنانچہ فقہ حنفی میں اس صورت میں تیمم کی اجازت ہے اور چونکہ نماز جنازہ فوت ہو جائے تو اس کا بدل نہیں لہذا وہ نماز جس کے فوت ہو جانے پر اسے اصلاً اور خلفاً ادا نہ کیا جاسکے، اس میں بھی تیمم کی اجازت ہوگی، اسی بنیاد پر نماز عیدین کے فوت ہو جانے کے اندیشے کے تحت تیمم کر کے نماز میں شامل ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔

ایک بہن کے عدت طلاق (خواہ طلاق رجعی ہو یا بائن) میں رہتے ہوئے دوسری بہن سے نکاح کرنا حرام ہے، اس پر بھی غیر مقلدوں نے اعتراض کیا ہے، جب کہ جمع بین الاختین قرآن کے حکم کے مطابق حرام ہے اور یہ جمع از روئے نکاح ہو یا عدۃ بہر حال حرام ہے، کیوں کہ قرآن مقدس نے دو بہنوں کو نکاح میں رکھنے سے منع نہیں فرمایا، بلکہ جمع کرنے سے منع فرمایا، جو دونوں بلکہ تینوں شکلوں کو شامل ہے۔ نکاحاً، عدۃ، ملکاً، ہدایہ میں اس تعلق سے وضاحت ہے ”ان نکاح لاولی قائم لبقاء احکامہ کالتفکۃ والمنع والفراش (ترجمہ: نکاح اول کے احکام باقی رہتے ہیں، مثلاً نفقہ، منع اور فراش) طلاق کے بعد حقیقتاً نکاح باقی نہ رہی لیکن حکماً تو ہے چنانچہ عدت کے اخراجات مر کے ذمہ ہیں، عدت کے اندر مرد کے گھر سے عورت کا نکلنا منع ہے اور نوبت نسب کے لیے وہ عورت اسی مرد کی فراش ہوگی۔ پھر اس مسئلے پر حجاج امت بھی ہے، علامہ ابن الہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں ”قال سیدۃ ما اجتمع اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی شئنی کاجتماعہم علی تحویم نکاح الاخت فی عدۃ اخصت (ترجمہ: حضرت عیدہ فرماتے ہیں کہ اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا کسی چیز پر ایسا اجماع نہ ہوا جیسا کہ اس بات پر کہ بہن عدت میں اس کی بہن سے نکاح حرام ہے)

فقہ حنفی کا مسئلہ ہے کہ جب ولی نماز جنازہ پڑھے یا اس کی اجازت سے پڑھی جائے تو دوبارہ نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔ غیر مقلدین نے یہ اعتراض کرتے ہوئے، چند حدیثیں اس کے خلاف بیان کر کے ہم کو مغالطے میں ڈالنے کی کوشش کی ہے اور یہ باور کرانے کی سعی کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر پر نماز جنازہ پڑھی جب کہ امام ابو یوسف دوبارہ نماز جنازہ پڑھنے سے منع کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں درمختار

الرجوع کہ گواہوں کا ابتداء سنگ باری نہ کرنا ان کے رجوع کرنے پر دال ہے، ممکن ہے شہادت کے وقت زنا کی شہادت تو دے دی لیکن جب سنگ باری کے امتحان آزمائے سے گزرنے کا معاملہ سامنے آیا تو انہوں نے ایک انسان کے قتل کو امر عظیم سمجھا اور اس سے رگ گئے ہوں اور انہوں نے اپنی شہادت سے درپردہ رجوع کر لیا ہو۔

فقہ حنفی میں غائبانہ نماز جائز نہیں، یہ اعتراض کرتے ہوئے ایک حدیث بطور استدلال پیش کی جاتی ہے کہ آقائے کائنات ﷺ نے نجاشی پر غائبانہ نماز جنازہ ادا فرمائی۔

علامہ زرقانی نے شرح موطا میں اس کا جواب دیتے ہوئے یہ تحریر فرمایا ہے: "اجیب ایضاً بانہ کناہ یارض لم یصل احد علیہ فصینت الصلوۃ علیہ لذلک فاتہ لم یصل علی احد مات غائباً من اصحابہ و بہذا جزم ابو داؤد و استحسنت الروایۃ" (ترجمہ: اس کے جواب میں میں یہ کہوں گا کہ نجاشی ایسے ملک میں تھا کہ وہاں اس پر کسی نے نماز جنازہ ادا نہیں کی، اس لیے یہ نماز ان پر متعین ہوئی کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے کسی صحابی پر غائبانہ نماز جنازہ نہیں ادا کی۔ ابو داؤد نے اس پر جزم کیا، روایاتی نے اسے بہتر سمجھا۔)

زاد المعاد کے حوالے سے "عون المعبود" میں لکھا ہے: "لم یکن من ہدیہ و سنتہ الصلوۃ کل میت غیب فقد مات خلق من المسلمین وہم غیب فلم یصل علیہم" (ترجمہ: حضور ﷺ کا یہ طریقہ نہ تھا کہ ہر میت غائب پر نماز پڑھتے، بہت مسلمان تھے لیکن آپ نے کسی کی نماز جنازہ (غائبانہ) ادا نہ فرمائی۔

نجاشی پر غائبانہ نماز پڑھنے پر روشنی ڈالتے ہوئے وہابیوں کے عقائد امام علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں: "کذلک النجاشی ہو و ان من ملک النصرانی فلم یعطہ قومه فی الدخول فی اسلام بل اتما دخل معہ نفر منهم و لهذا لم یکن یک یصلی علیہ فصلی علیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم لمدينة" (ترجمہ: نجاشی اگرچہ نصرانی کا یاودشا تھا، اس کی قوم نے اسلام ہونے میں اس کی اطاعت نہیں کی بلکہ ان میں سے ایک شخص اس کے ساتھ داخل اسلام ہوئی، اس لیے اس کی وفات کے بعد اس کا کوئی شخص نہ تھا جو اس پر نماز جنازہ پڑھے تو حضور ﷺ نے غائبانہ نماز جنازہ ادا فرمائی۔

ان روایتوں سے نہ صرف یہ کہ غائبانہ نماز جنازہ کے ثبوت کی نفی ہو گئی بلکہ نجاشی پر یہ نماز جنازہ ادا کرنے کی دینی حکمتیں بھی روشن ہو گئیں۔ علامہ ابن تیمیہ نے غائبانہ نماز جنازہ کے سلسلے میں مزید وضاحت کے ساتھ اپنا موقف واضح کر دیا ہے: "الصواب ان الغائب ان مات بسلام یصل علیہ فیہ صلی علیہ صلوۃ الغائب کما صلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی النجاشی لانه مات بین الکفار ولم یصل علیہ صلوۃ الغائب لان القرض قد سقط للسلوۃ المسلمین علیہ" (ترجمہ: درست یہ ہے کہ اگر غائب ایسے شہر میں فوت ہوا کہ اس پر کسی نے نماز جنازہ نہ پڑھی تو غائبانہ نماز جنازہ پڑھی جائے، جیسا کہ حضور ﷺ نے نجاشی پر غائبانہ نماز جنازہ ادا فرمائی کہ وہ کافروں کے درمیان فوت ہوا اس پر کسی نے نماز جنازہ نہیں پڑھی۔ اگر اس غائب پر نماز جنازہ پڑھ کر دفن کر دیا جائے تو غائبانہ نماز جنازہ نہ پڑھی جائے، کیوں کہ مسلمانوں کے پڑھنے سے فرض ساقط ہو گیا۔

مقام حیرت تو یہ ہے کہ فقہ حنفی کے جن مسائل پر غیر مقلدین کے اعتراضات کی برسات ہوئی ہے ان میں سے بعض مسائل میں ان کا موقف و مسلک بھی وہی ہے، جو علمائے احناف کا ہے۔

اختصار کے پیش نظر ہم ان کے حوالے نقل کرنے سے گریز کرتے ہیں، ویسے اس مختصر جائزے سے انصاف پسند قارئین پر یہ امر روشن ہو گیا کہ فقہ حنفی پر اعتراضات، علمائے احناف پر اصحاب الارب کے طعنے اور ترک حدیث کے الزام کی حقیقت کیا ہے؟۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا قول فیصل

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتبعوا السواد الأعظم ولما اندرست المذاهب الحقۃ الاھذہ المذاهب کان اتباعھا اتباع السواد الأعظم

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: سواد اعظم کی پیروی کرو۔ چونکہ ان مذاہب اربعہ کے علاوہ بقیہ حق مذاہب باقی نہیں رہے، لہذا انہی کا اتباع ہی سواد اعظم کا اتباع ہے۔"

(عقد الجید فی احکام الاجتہاد و التقلید، مطبع مجبائی دہلی، ۱۳۴۳ھ/۱۹۲۴ء)

باب

۵

انکشافات

- ◀ مولانا فیضان المصطفیٰ قادری _____ غیر مقلدین کی بنیاد کتاب و سنت یا ائمہ مجتہدین سے خاصیت؟
- ◀ وقار احمد ندوی _____ سعودی حکومت کے نظریات اور عملی کردار
- ◀ علامہ کامل سہرانی قدس سرہ _____ شہید ناز کی تربیت کہاں ہے؟
- ◀ سید سیف الدین اصدق _____ تحریک و ہدایت: ہندوستانی تناظر میں

غیر مقلدین کی بنیاد کتاب سنت یا ائمہ مجتہدین مخالفت؟

بن راہویہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل وغیرہ لیکن احمد کے علاوہ کسی کی فقہ پوری مدون نہ ہو سکی۔ مودلک فضل اللہ من یشاء، اس وجہ سے ان کی فقہ کو اپنی زندگی میں کوئی کیے کرتا؟ دوسری طرف احمد اربعہ کی فقہ و قادی کی خدمت کرنے بہت ہوئے، تو ان پر عمل درآمد کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اور سارے اسلام میں یہ چار فقہی مذاہب پھیل گئے۔ جس امام کے فیصلے جہاں تک پہنچ سکے وہاں کے لوگوں نے انہی کی اتباع کی، گویا مختلف ذرائع سے جس کی جس تک رسائی ہوئی وہ اسی کا پیروکار رہا۔ کوئی سختی نہ ہو، کوئی شام نہ ہو، کوئی مالکی ہوا، کوئی حنبلی ہوا، اب جو سختی ہے وہ کسی اور امام کی تقلید سے کرتا جس کے سارے فیصلے اسے دستیاب نہیں ہیں۔

ان ائمہ مجتہدین کے فیصلوں کو ماننا اور ان پر عمل کرنا اس کے ضروری ہوا کہ ان کے فیصلے قرآن و حدیث و اتباع امت کے اصول شرع پر مبنی ہیں۔ نہ یہ کہ ان اصول سے بہت کر خود ان کے ذاتی اقاویں اگر اس کا کوئی شائبہ بھی ہوتا تو ائمہ اربعہ مرجع اتمام نہ بنتے۔ ان کے اخلاص و وفور علم و قوت فیصلہ، استحسان علمی اور معیار تحقیق کی بنیاد پر ہی ان نے ان پر اعتماد کا اظہار کیا اور جوں جوں علم گھٹتا گیا یہ اعتماد چلا گیا جو تقلید کی صورت اختیار کر گیا، امانت علم جوں جوں اکتی گئی آئے ۱۱۱۱ زمانہ گزرے ہوئے زمانے سے ابتر ہوتا گیا، مسلمانوں نے کسی ایک امام کی تقلید کا التزام کر لیا اور علماء نے مسلمانوں پر ائمہ میں سے کسی ایک کی تقلید واجب قرار دی۔ اور سارا عالم اسلام ان چار امامت پر متفق ہو گیا۔ مشہور مورخ ابن خلدون اپنے دور آشوبیں مصر بصری کے بارے میں عالم اسلام میں تقلید ائمہ کے بارے میں ہے جس میں نو قلد ضلوا اهل الاسلام اليوم علی تقلید هؤلاء الاربعة (۲) آج سارے مسلمان ان چار ائمہ کی تقلید پر گامزن ہیں۔ بالآخر تاریخی طور پر حق انہیں چار میں منحصر ہو گیا، کیونکہ ساری امت نے اس پر اتفاق کیا، اور امت باطل پر کبھی اتفاق نہ کرے گی (اٹا اللہ

یہ چار امام کہاں سے آئے؟ ان کی تقلید کا حکم کس نے دیا؟ مذاہب فقہ کا چار میں انحصار کیوں؟ اب ان کے مقابل اجتہاد کیوں نہیں ہو سکتا؟ قول امام کو ماننا جائے یا قول رسول کو؟ یہ سب سوالات بہت آسانی سے حل ہو جائیں گے اگر موجودہ دور کے علمی حقائق پر غور کیا جائے اور کسی مخالفت کا جذبہ دل سے نکال دیا جائے۔ دراصل دین کی تعلیمات پر صحیح عمل، تقلید کے بغیر ممکن نہیں۔ ورنہ عمل پر نہ کبھی مداومت ہو سکے گی نہ استقامت، اور دین میں اجتہاد مطلق کا کوئی تصور نہیں۔ ہر شخص کسی نہ کسی کا مقلد ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی کوئی نیا سوال ہوتا تو آپ وحی کا انتظار فرماتے، اور فرماتے، اِنَّا اتَّبَعَ الْاَمَّا یُوحٰی الٰہی۔ آپ نے مسلمانوں کے مسائل کے حل کے لیے دو ذریعے عطا کیے کتاب اور سنت، دور صحابہ میں کتاب اور سنت کو ہی محور اجتہاد قرار دیا گیا، دونوں میں حکم نہ ملا تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کے مشورے سے صورت مسئلہ طے کی اور جو متفقہ فیصلہ ہوتا وہ اجماع امت قرار پاتا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو قرآن و حدیث میں حکم نہ ملا تو صرف انہیں پر اکتفا نہ کرتے بلکہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے فیصلوں میں تلاش کرتے اور یہی طرز عمل حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا تھا۔ (۱) ائمہ مجتہدین نے بھی اپنی دست رس کے مطابق اپنے پیش رو فقہائے صحابہ و تابعین کے فیصلوں پر اعتماد کیا۔ لیکن ان ائمہ مجتہدین نے پہلے تو مسائل کو حل کرنے کے لیے قرآن و حدیث سے اصول مستنبط کیے، پھر ان اصول و قواعد کی روشنی میں زندگی میں پیش آنے والے مسائل کو مدون کر کے علم فقہ کی شکل دے دی۔ ان کے مرتب کردہ اصول چونکہ اصول ہیں اس لیے زندگی کا کوئی گوشہ یا پہلو ان سے خارج نہ ہوگا، اور وہ قرآن و حدیث سے مستنبط ہیں اس لیے قرآن و حدیث ہی کے اصول قرار پائیں گے۔ علم فقہ کی بنیاد ڈالنے والے امام اعظم ابوحنیفہ ہیں۔ ان کے دور میں، اور ان کے بعد بہت ائمہ مجتہدین ہوئے، مثلاً امام اوزاعی، امام سفیان ثوری، امام اسحق

جس قدر بڑھتی جائے گی مسائل بڑھتے جائیں گے، جس قدر مسائل ائمہ اربعہ کے سامنے تھے اس سے زیادہ مسائل اگلے دور میں سامنے آئے اور یہ مسائل بڑھتے ہی جائیں گے۔ کیوں نہ بڑھتے ہوں مسائل کو ہی اپنی جوا لگاؤ فکر و تحقیق بنایا جائے۔ پھر یہ کون سی خدمت علم دوین ہے کہ اپنے حصے کے کام پر توجہ دینے کی بجائے اپنے پیش رو ائمہ کے کاموں پر بنام تحقیق تنقید کا بازار گرم کیا جائے؟

آخر امام کی اطاعت کا حکم تو رب نے دیا ہے۔ فرمان الہی ہے۔ اَطِيعُوا اللَّهَ وَاَطِيعُوا الرَّسُولَ وَاُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ (النساء: ۵۹) اور اولوالامر میں فقہاء اور علماء بھی داخل ہیں، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ هُمْ أَهْلُ الْفِقْهِ وَالَّذِينَ (ابن کثیر) وَعَنْ جَابِرٍ وَمُجَاهِدٍ هُمْ أَهْلُ الْقُرْآنِ وَالْعِلْمِ وَقَالَ الضَّحَّاكُ يَعْنِي الْفُقَهَاءَ وَالْعُلَمَاءَ فِي السُّنَنِ (قرطبی)۔ اب ذرا سوچو تو کسی اطاعت کیا ہوتی ہے، کیا یہ اطاعت ہے کہ جس کی اطاعت کی جائے پہلے اس کے دلائل دیکھ کر سمجھ لیے جائیں، مضبوط و مستحکم ہوں تو اطاعت کی جائے ورنہ نہیں، اگر دلائل کی بھرپور سمجھ اور اس کی بنا پر فیصلہ کرنے کی اہلیت ہوتی تو پھر خود ہی مطاع ہوگا نہ کہ مطیع۔ بلکہ ان ائمہ کے دلائل کی پرکھ رکھتا ہو، صحیح کو سقیم سے الگ کر سکتا ہو تو پھر تو ان کا بھی امام ہو۔ اب ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر بتاؤ ایسا کون ہے؟ کس نے ان کے دلائل کا تجزیہ کیا ہے؟ اگر نہیں، تو تم کو تو اطاعت اولوالامر کرنی تھی نہ کہ اتباع ہوائے نفس، کہ جو مسئلہ اچھا اور آسان لگے اسے لے لو اور جو مشکل لگے اسے چھوڑ دو۔ نفس کا حال نہیں معلوم؟ جو فیصلہ اچھا لگے گا اس کے دلائل بھی خوب بھلے معلوم ہوں گے۔ دل کی اتھاہ گہرائی سے برجستہ داد پر داد نکلے گی اور جو مسئلہ مشکل لگے گا عقل عیار اس کے دلائل میں کہیں نہ کہیں کوئی حتم یا کھوٹ نکال لے گی۔ آخر نفسانیت کا دور تو بہت پہلے شروع ہو چکا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: إِنَّا لِلَّهِ لَا يَبْقِضُ الْعِلْمُ أَنْتَرَا عَا يُنْزَعُهُ مِنَ الْعِبَادِ وَلَكِنْ يَبْقِضُ الْعِلْمُ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ حَتَّى إِذَا لَمْ يَبْقِ عَالِمًا اتَّخَذَ النَّاسُ رُؤُسًا جُهَالًا فَسْتَلُوا فَاسْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوا وَاضَلُّوا (۳) اللہ تعالیٰ علم یوں نہ اٹھائے گا کہ لوگوں کے سینوں سے کھینچ لے بلکہ علماء اٹھا لیے جائیں گے حتیٰ کہ جب علم باقی نہ بچیں گے لوگ جاہلوں کو اپنا سردار بنائیں گے، ان سے مسائل پوچھ جائیں گے تو وہ بے علم فتوے دیں گے خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں

لَا يَجْمَعُ أَهْلِي عَلَى ضَلَالَةٍ) اور ان میں سے کسی ایک کی اتباع کرنے کی بجائے کوئی اور راہ چلنے والا "وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ" سَوَّلَهُ مَا تَوَلَّيْ" کا مصداق قرار پائے گا۔ کیونکہ اب قرآن وحدیث کے احکام پر عمل کی یہی ایک واحد ممکنہ صورت ہے۔ اب نہ صحابہ رہے نہ تابعین، نہ تبع تابعین رہے نہ ائمہ مجتہدین، اخلاص کا دور بھی گیا، امانت ہم بھی اٹھالی گئی، جو لوگ موجود ہیں ان میں اگر اخلاص عمل ہو تو نجات کے لیے یہی کافی ہے، اور خود ان کے کرنے کے کام ہے انتہا۔ ورنہ آج پھر جگہ افتاء کی میشری قائم ہے، کہیں مفتی وقت کے پیچھے مجبوری ہوتی کبھی دولت، کہیں عوام یا انتظامیہ کا دباؤ، کہیں سیاسی حالات، کہیں مسلکی تعصب، کہیں کچھ، کہیں کچھ، جس کو تھوڑی سی عربی آگئی تو قرآن حدیث پڑھ پڑھ کر جو سمجھ میں آتا ہے بکھاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بہت سارے امور تحقیق و تفتیش سے متعلق رکھے، سیاسی قوت و استحکام، انتظامی امور، معاشی و اقتصادی وسائل کا، عقلی علوم، نوپیدا فقہی مسائل، ان میں جس قدر اور تحقیق دیا جائے ہے۔ لیکن یہ ضروری کام چھوڑ کر ہم اس چکر میں پڑ جائیں کہ آخرا امام حنفی نے کس بنیاد پر اس مسئلے میں یہ فیصلہ کیا، امام شافعی نے ایسا کیوں امام مالک کی دلیل کتنی مضبوط ہے؟ امام احمد بن حنبل کے فیصلوں کی قوت استدلال ہے؟ ذرا معلوم تو کریں کہ کس کی دلیل مضبوط ہے؟ فیصلے کو مان لیا جائے؟ اور (بایں مبلغ علم) کسی کے استدلال کی ضروری پائیں تو اسے ترک کرویں، جی ہاں، مجتہدین کو یہی حق ہے۔ ان کے لیے کچھ ضروری نہیں کہ اپنے پیش رو محقق کا فیصلہ مان لیں، یہی وجہ ہے کہ امام ابو یوسف و امام محمد بن حسن شیبانی، امام ابو عبد اللہ بن مبارک وغیرہ اصول شرع میں تو امام ابو حنیفہ کی تقلید کرتے ہیں مگر مسائل میں تقلید نہیں کرتے بلکہ خود تحقیق کرتے ہیں۔ اور قدر زمانہ آگے بڑھتا جاتا ہے، تحقیقات کا دائرہ وسیع ہے، اور سلسلہ تحقیقات کو آگے بڑھایا جاتا ہے۔ نہ یہ کہ نشاۃ نہیں امور کو بنایا جائے جو یگانہ روزگار ماہرین کے ذریعہ فیصلے ہوں، پھر تو سلسلہ تحقیقات کو آگے کہاں بڑھایا گیا؟ بلکہ گھوم پھر کر پہنچ گئے جہاں سے سفر شروع ہوا تھا۔ اسی لیے ہر دور کے ذہنی فہم و علم کی ذمہ داری ہے کہ اس دور کے نوپیدا مسائل پر تحقیق کریں، تحقیق میں گزشتہ ماہرین کی تحقیقات سے استفادہ کریں، دنیا

کو بھی گمراہ کریں گے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: إِنَّ مِّنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ يُرْفَعَ الْعِلْمُ وَيُظْهِرَ الْجَهْلُ، قیامت کی نشانی یہ بھی ہے کہ علم اٹھایا جائے گا اور جہالت عام ہو جائے گی۔

(ترمذی ابواب الفتن)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کی چندہ نشانیاں بیان فرمائیں جن میں آخری نشانی یہ ہے: وَيُبَلِّغُنِي آخِرُ هَذِهِ الْأُمَّةِ أَوَّلُهَا۔ اس امت کے اگلے لوگ اپنے پیچھلوں کو برا کہیں گے۔ (۴)

خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ يَأْتِي مِنَ بَعْدِهِمْ قَوْمٌ يَتَسَمَّنُونَ وَيُجْحُونَ السَّمْنَ يُعْطُونَ الشَّهَادَةَ قَبْلَ أَنْ يَسْأَلُواَهَا وَفِي رِوَايَةٍ يُحُونُونَ وَلَا يُؤْتَمِنُونَ زَوَاهِ عَمْرَأَنُ بْنُ حُصَيْنٍ (۵) اچھے لوگ میرے عہد کے ہیں پھر وہ لوگ جو ان کے بعد آئیں پھر وہ جو ان کے بعد آئیں، پھر ان کے بعد ایسی قوم آئے گی جو یورپا کا راور شہرت پرست ہوگی، بن مانگے گواہی دیں گے، امتداداری کے بجائے خیانت کریں گے۔

ہاں ان ائمہ اربعہ کا زمانہ دوسرا اور تیسرا زمانہ ہے۔ امام ابو حنیفہ تو تابعی ہیں اور دوسرے ائمہ تبع تابعین سے ہیں۔ امام ابو حنیفہ کا عہد ۸۰ھ تا ۱۵۰ھ ہے۔ امام مالک بن انس کا ۹۳ھ تا ۱۷۹ھ ہے، امام شافعی کا ۱۵۰ھ تا ۲۰۴ھ ہے اور امام احمد بن حنبل کا دور ۲۴۱ھ تا ۲۴۱ھ ہے۔ یعنی یہ ائمہ اسی دور کے ہیں جس کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے درجہ اعتبار دیا ہے۔

کہتے ہو کہ صحابہ کرام تو حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی نہ تھے، بھلے آدمی! وہ کیوں ہوتے جب ان کے درمیان شیخ شریعت موجود ہے، وہ تو صحابہ تھے ہمیں بھی صحابہ ہونا چاہیے؟ وہ تو انصار و مہاجرین، اصحاب پدر و اصحاب بیعت رضوان تھے، بناؤ اب ویسا ہی بننے کی کیا صورت ہے؟ اگر کہو، کوئی حنفی ہے تو کسی دوسرے امام کے فیصلوں کی اتباع کیوں نہیں کر سکتا؟ ہاں! اگر وہ مجتہد ہوگا تو بلاشبہ اسے ایک امام کے فیصلوں کی اتباع ضروری نہ ہوگی، بلکہ اس کے لیے تقلید منع ہے، اور اگر مجتہد نہیں تو جن مسائل پر عمل کر رہا ہے آخر کس وجہ سے انہیں چھوڑے گا؟ اگر دوسرے امام کے مسائل اسے زیادہ قوی اور مدلل محسوس ہوئے

تو اس کا یہ احساس کس قدر قوی اور مبنی بر حقیقت ہے؟ یہ بات مجتہدین کے حق میں ثابت ہو چکی، لیکن ذرا سوچو یہ احساس کس کی طرف اشارہ کرتا ہے؟ کہ رب نے فرمایا ”وَزَيْنٌ لَّهُمُ الشَّيْطَانُ اَعْدَاؤُهُ“ پھر تو احساس جو کہے اس کی موافقت ضروری ہے، اگر کہو بعض ایک امام کی مان لیں بعض دوسرے کی، یہ تمہارا منصب نہیں اور اصحاب تمیز جو دلائل پر تفصیلی نظر رکھتے ہیں وہ ائمہ کرام کے امتداد میں ترجیح و تمیز کرتے ہیں کہیں فرمایا اَعْلِيَهُ الْفَتْوَى، کہیں فرمایا يَفْتَى، کہیں ”وَهُوَ الصَّحِيحُ“۔

اور تحقیق مسائل کے لیے کوئی خود کو یا کسی ماہر کو ائمہ اربعہ کے درجے کا محقق ہونے کا دعویٰ کرے تو کیا اجتہاد کے لیے جن صفتوں میں مہارت اور جن امور میں دست رس ضروری ہے وہ اس میں موجود ہیں مثلاً مانا کہ قرآن جو ان ائمہ کے سامنے تھا من و عن وہ ہر ایک کے پاس ہے۔ لیکن کیا احادیث کے وہی وسائل اور وہی رواۃ، تحقیق سند حدیث کے وہی ذرائع یا ان سے بہتر ذرائع، اور تفتیش کے وہی یا بہتر وسائل، اخلاص کا وہی یا اس سے بہتر ماحول میسر ہے؟ بعد کے دور میں احادیث سب سے معتبر ذریعہ صحاح ستہ تو خود مقلدین کی تالیف ہے۔ خصوصاً بخاری و مسلم، انہیں دو کتب کو علم حدیث کا سب سے معتد ترین ذریعہ قرار ان ائمہ اربعہ کے فیصلوں کی تحقیق شروع کریں تو خود امام شافعی کی فقہ کی موید حدیثیں اس میں جمع کی گئی ہیں) کے متعدد فیصلے کیسے ہوئے جاتے ہیں۔ خود امام بخاری جو انھوں شیخ حدیثوں کے حافظ تھے صحیح بخاری میں صرف ساڑھے چار ہزار حدیثیں جمع کیں، آخر یہ انہیں مجبور کرتی کہ ان کے مذہب فقہ کے خلاف جو احادیث ہوں وہ درج کرتے۔ انھوں نے ساری صحاح جمع کرنے کا التزام تو نہ تھا۔ الامالہ ماننا پڑے گا کہ تحقیق حدیث کے جو ذرائع ان کو میسر تھے اب یقیناً عطا ہیں۔ ذرا غور کریں اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کوئی واضح ہدایت دی ہو تو وہ سننے والوں کے لیے بالکل قابل عمل مطلوب تھی، اسی حدیث کے مطابق صحابہ نے، تابعین نے، ائمہ مجتہدین نے فتوے دیے، لیکن آگے چل کر سلسلہ سند میں کوئی ضعیف راوی آیا اب اس راوی کی وجہ سے وہ حدیث ضعیف ہو گئی، اب تو احکام میں قابل عمل نہ ہوگی۔ لہذا اگر تقلید نہ کرو تو اس حدیث کی بنیاد پر کسی امام جو حکم دیا تھا اب تم اسے رد کرو گے حالانکہ حقیقتاً وہ مطلوب تھا۔

بلکہ متقوی علی العبادت ہو تو حرج نہیں۔ اور فرمایا پوری دنیا کی دولت مجھے دی جائے کہ میں اسے حرام کہہ دوں تو نہیں کہہ سکتا کیوں کہ اس میں شبہ ہے اور اگر ساری دنیا کی دولت مجھے دی جائے کہ میں اس سے ایک قطرہ پی لوں تو ہرگز نہ پیوں کیوں کہ اس میں شبہ ہے۔ مگر قول امام محمد تو اس کی مطلقاً حرمت کا ہے، جس میں قلیل و کثیر کا فرق نہیں اور فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے۔ (۶)

کسی شخص کی موت کے وقت اس کی زوجہ حاملہ ہو تو حمل کے لیے بھی میراث ہوتی ہے اگر وہ زندہ پیدا ہو جائے، لہذا حمل کے لیے میراث سے حصہ باقی رکھا جائے گا۔ اب کس قدر حصہ باقی رکھا جائے؟ امام ابوحنیفہ کے نزدیک چار بیٹوں کا حصہ باقی رکھا جائے گا کیونکہ نہیں معلوم پیٹ میں کتنے بچے ہیں، اور امام ابو یوسف کے نزدیک ایک بیٹے کا۔ اور فتویٰ امام ابو یوسف کے قول پر ہے۔ وهذا هو الحق وعلیہ الفتویٰ (۷)

تعبیر تشریق کا وقت امام ابوحنیفہ کے نزدیک یوم عرفہ کی فجر سے دسویں کی عصر تک ہے، جب کہ صاحبین کے نزدیک اس کا وقت یوم عرفہ کی فجر سے آخریام تشریق کی عصر تک ہے۔ اور فتویٰ صاحبین کے قول پر، وَبَقُولِهِمَا يُعْمَلُ وَ عَلَيْهِ الْفَتْوَى (۸)

اگر کہو اپنے امام کے مذہب کے دائرے ہی میں رہے، اس سے تو تجاوز نہ کیا۔ تو تمہیں نہیں معلوم، دیکھو زوج مقتود الخمر کا مسئلہ، کہ کسی خاتون کا شوہر غائب ہو جائے اور اس کا کوئی پتہ یا نشان نہ ملے تو قول امام ابوحنیفہ ستر سال تک انتظار کرنے کا ہے کہ اس دور میں وہ کسی سے نکاح نہیں کر سکتی۔ اور قول امام احمد بن حنبل مسئلہ کو دار القضا میں درج کرانے کے بعد چار سال تک انتظار کرنے کا ہے۔ اس کے بعد محکم قاضی اس شوہر کو میت قرار دے کر عدت کے بعد عورت کسی اور سے نکاح کر سکتی ہے۔ پھر قول امام سے عدول کر کے علانہ قول امام احمد بن حنبل پر ہی فتویٰ دیا۔ ملاحظہ کرو کتب رسم المفتی جن میں قول امام سے عدول کے اسباب بیان کیے گئے ہیں۔ پھر بتاؤ، کہاں کسی نے کس کو رب کا درجہ دیا؟ لیکن تم چاہو کہ قول امام سے عدول کا حق ہر ایک کو مل جائے تو ”فَاسْتَشْلُوا أَهْلَ الدُّخَانِ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ“ کا کیا ہوگا؟ اگر کہیے قول امام سے عدول کی ایک دو مثالوں سے کام نہ چلے گا بلکہ ان کی بندگی کا اعتراف تو جب ہو جب خاصی مقدار میں ان سے اختلاف کیا جائے، ہاں ہر مسئلے میں اختلاف تو آپ بھی نہیں کر سکتے،

نہ جانے کہاں سے یہ خیال آیا کہ کسی معین امام کی تقلید کرنا اسے رب بنانا ہے۔ کبھی مشرکین سے متعلق آیات کو مسلمانوں پر چسپاں کرتے ہیں کبھی یہود و نصاریٰ سے متعلق آیات کو، حالانکہ معاملات میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ کہتے ہیں: جب ایک حدیث صحیح مل جائے تو اس پر عمل کرے نہ کہ قول امام پر۔ قول امام کے خلاف قول خدا و قول رسول ملے پھر بھی قول امام کو ہی ماننا شرک ہے۔ بھلے آدمی! جس امام کا قول معصیت ہو اس کی تقلید کا کون قائل ہے؟ اور ان ائمہ اربعہ میں کا کون سا قول معصیت یا داعی الی المعصیت ہے؟ ذرا نشاندہی تو کرو۔ اب آیتیں اور حدیثیں پیش کرو گے، مگر مطلب خود بھی نہ سمجھو گے۔ چلو ذرا امام ابوحنیفہ ہی کا کوئی قول دکھاؤ جو داعی الی معصیت الخالق ہو۔ اگر حدیثیں پیش کرو جو بظاہر مسلک حنفی کی مخالف ہیں، تو تمہارے بھی ایسے فتوے ہیں جن کے خلاف حدیثیں موجود ہیں۔ اب مطلب بتانا شروع کرو گے، تو ہم بھی منہ میں زبان رکھتے ہیں۔ یوں تو مسئلہ کبھی حل نہ ہوگا۔ کہو کہ اگر باصلاحیت ہوں تو خود کا اپنا اجتہاد کیوں نہیں کر سکتے؟ اور امام ابوحنیفہ سے اختلاف کیوں نہیں کر سکتے؟ جی ہاں، بالکل کر سکتے ہیں، اور ائمہ مجتہدین اس کے اہل تھے، یہی وجہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے بعد ان کے شاگرد امام محمد بن حسن شیبانی نے فقہ کچھ کر اور ان کی کتابوں سے استفادہ کر کے امام شافعی نے امام ابوحنیفہ کی تقلید کیے بغیر اجتہاد کیا اور بیشار مقامات پر اختلاف کرتے ہوئے بھی حق بجانب رہے۔ امام احمد بن حنبل کا زمانہ تو اور بعد کا ہے۔ انھوں نے بھی صرف پیش رو ہونے کی بنا پر ان ائمہ کی تقلید نہ کی، بلکہ خود اجتہاد کیا اور سب سے اختلاف بھی کیا، خود امام ابوحنیفہ کے شاگردوں نے اصول کی حد تک ہی اپنے امام کی تقلید کی ہے، مسائل میں تو اپنے اجتہاد کو پوری جوا لائیت دی ہے اور ساری امت نے ان کے اجتہاد کو تسلیم کیا۔ نہیں دیکھتے کہ اصحاب افتا اپنے امام کے قول کی اندھی تقلید نہیں کرتے، بلکہ مختلف وجوہ فتاویٰ کی بنا پر کبھی قول امام ابو یوسف پر فتویٰ دیتے ہیں کبھی قول امام محمد بن حسن پر فتویٰ دیتے اور عمل کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ دونوں قول امام کے خلاف بھی ہو سکتے ہیں۔ دیکھو رسم خمر تو بالاقفاق مطلقاً حرام اور نجس ہے، لیکن کھجور، کشمش، شہد اور غیرہ کی نیبہ لگی پکا کر بنائی جائے اور اس میں جوش بھی آجائے تو اس حرمت امام ابوحنیفہ نے حد اسے شہد اور کھجور، قلیل اگر مسکر نہ ہو

ذرا بتاؤ تو ان کی بندگی کے اعتراف کے لیے ان سے کتنے مسائل میں اختلاف درکار ہے؟ اور کون کون اختلاف کر سکتا ہے؟ کتنے بڑے دارالعلوم کا مدرس، یا کتنے بڑے دارالافتاء کا مفتی ہونا چاہیے؟ یا کتنی بڑی مسجد کا امام ہونا چاہیے؟ یا عرب کے کس خطے سے اس کا تعلق ہونا چاہیے؟ اگر کہو، بس دلائل پر نظر رکھنے والا ہو اور قرآن و حدیث کا ماہر ہو، تو ذرا بتاؤ تو ائمہ اربعہ کی تقلید کے خلاف بات کرتے ہی شیخ ابن تیمیہ، شیخ ابن قیم، امام شوکانی اور شیخ البانی وغیرہ کا نام کیوں لینے لگتے ہو، تمہیں تو قرآن و حدیث پیش کرنی تھی۔ جب ان کی تحقیق کا حوالہ دیا ان کے مقلد ہوئے یا نہیں؟ ذرا دل سے کہنا، کسی مقام پر ان شیوخ سے علمی غلطی ہوئی یا نہیں، اگر نہیں تو تمہارے اصول کے خلاف ہے کہ نہیں یا معصوم عن الخطایہ بھی نہیں، اور غلطی ہوئی تو ان کی تقلید ترک کیوں نہ کی؟ بجائے اس کے کہ تم اس سے عدول کرتے تمہاری دنیا میں تو ان کی ہر بات کو حقیقت ثابتہ کا درجہ دیا گیا ہے۔ مثلاً حدیث لَا تَشُدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ مَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَسْجِدِي هَذَا وَمَسْجِدِ الْأَقْصَى۔ اس سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ کسی نبی یا ولی کی قبر کی زیارت کے لیے حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار اقدس پر حاضری کی نیت سے سفر کرنا ممنوع ہے۔ اب ذرا ہوش سنبھالو اور غور کرو اس حدیث پاک میں استثنا مقرر ہے کیوں کہ مستثنیٰ منہ محذوف ہے، اب یہاں محذوف مستثنیٰ منہ عام مانتے ہو یا خاص۔ اگر مکان یا بلد وغیرہ عام مقدر مانو تو معنی ہوگا کہ ان تین مسجدوں کے علاوہ کہیں کا سفر نہ کرو۔ پھر تم دنیا بھر کے جو سفر کرتے ہو اس کا کیا ہوگا؟ کس قدر حرام کا ارتکاب کرتے ہو۔ اور اگر محذوف مستثنیٰ منہ خاص ہو تو مغہبوم بالکل واضح ہے، تقدیر عبارت یوں ہوگی ”لَا تَشُدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ“ تو یہاں دنیا کی ساری مساجد مستثنیٰ منہ ہوں گی اور یہ تین مسجدیں مستثنیٰ کیونکہ ان تینوں مسجدوں میں نماز پڑھنے کا ثواب زیادہ ہے، باقی مسجدوں میں نماز پڑھنے کا ثواب برابر ہے، پھر اپنی یا اپنے علاقے کی مسجد کو چھوڑ کر دوسری مسجد میں صرف نماز پڑھنے کے قصد سے سفر کرنا کون سی عقلمندی ہے، جب کہ حدیث کثرتاً قطعی سے بھی اپنے علاقے کی مسجد کو ویران کرنے کی اجازت نہیں۔ اب بولو، یہاں مجبور انبیاء و صالحین اس ممانعت میں کہاں سے داخل ہوں گی۔ حالانکہ یہ زیارت تو شرعاً مطلوب ہے كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ

زِيَارَةِ الْقُبُورِ فَزُورُوهَا فَإِنَّهَا تُذَكِّرُ الْآخِرَةَ۔ حدیث شریفہ سے غیر علمی استدلال کر کے تم حاضری روضہ انور سے منع کرتے ہو رب تعالیٰ کا فرمان ہے ”وَلَوْ أَنَّهُمْ أَذْطَلَمُوا أَنفُسَهُمْ حَافِظًا جَسَدًا فِي حَيَاتِهِمْ وَمَمَاتِهِمْ كَوْنِي قِيدَ نَبِيٍّ، اور حکم سارے مسلمانوں کو رب کا حکم ہے مسلمانو! گناہ کرو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اور تم کہتے ہو وہاں سفر کر کے مت جاؤ۔ اب رب کے حکم کی بجائے ابن تیمیہ کی بات مانی تو نہیں رب کا درجہ دیا یا نہیں؟ اور سفر شرعی کی بھی خوب کہی، حج کے موقع پر حجاج کرام کو شیخ ابن باز کی جو تصانیف و عمرہ کے متعلق دی جاتی ہیں ان میں شیخ ابن باز لکھتے ہیں کہ ”مسجد نبوی میں نماز کے ارادے سے مدینے جائے اور جائے تو قبر رسول زیارت بھی کر لے، خاص زیارت کی نیت سے مدینے کا سفر نہ کر۔ یہ زیارت کی تھوڑی سی گنجائش جو نکالی ہے اس پر دراصل حدیث ”مَنْ حَجَّ وَلَمْ يَزُرْنِي فَقَدْ جَفَانِي“ ہے تمہیں مجبور کیا، اب تمہارے سارے ارکان تو مکہ مکرمہ میں پورے ہو جاتے ہیں، اسی حدیث کے کلمات ”مَنْ حَجَّ وَلَمْ يَزُرْنِي“ میں زیارت کو بھی داخل نہیں فرمایا، اس حدیث پاک میں صرف زیارت کا ذکر ہے نہ کہ مسجد نبوی میں نماز کا (وہ الگ مستقل عبادت ہے) اور مکہ مکرمہ مدینہ منورہ کا فاصلہ اتنا ہے کہ متفقہ طور پر یہ سفر شرعی ہے۔ اور حدیث میں ذکر صرف زیارت کا ہے، لہذا اس حدیث کا واضح مفہوم یہ ہے کہ میری قبر کی زیارت کے لیے رجب کے بعد سفر شرعی نہ کرے۔ اور حدیث ہے۔ اور رسول پر ظلم کا انجام ”وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ اللَّهِ عَذَابٌ أَلِيمٌ“ (توبہ ۶۱) اور تم کہتے ہو کہ زیارت کے لیے سفر نہ کرے مسجد نبوی میں نماز کے لیے سفر کرے اور ساتھ میں زیارت بھی کرے۔ ان غیر مقلدین نے اللہ و رسول کے واضح احکام کے خلاف اپنے کی تقلید کا پناہ اپنی گردنوں میں ڈال رکھا ہے۔ اور کہتے ہیں کہ اس کی تقلید شرک ہے۔

تقلید ائمہ کے خلاف جو باتیں پر کشش بنا کر کہی جاتی ہیں میں یہ بھی ہے کہ عمل بالکتاب والنت ہونا چاہیے نہ کہ عمل بماتقال، بھلا تمہیں یہ بات کیسے سمجھ میں آئے گی کہ قولی امام قول خدا و رسول کا شارح ہے، نہ کہ اس کا مقابل۔ یہی مان کر ساری امت کے اقوال پر عمل کرتی ہے نہ کہ ان کے اپنے ذاتی اقوال مان کر۔

سے خطا ہوئی، کس سے نہیں، ابھی سے کیوں خطا میں مان بیٹھیں، خطا سے پہلے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صواب کی بات فرمائی تھی، اسے ہی پہلے مان کر عمل میں یکسوئی پیدا کی جائے جو عین مطلوب ہے۔

تقلید بالا امام کی بجائے عمل بالجہد کی بات کرتے ہو اور خود بھی کتنی حدیثوں پر عمل نہیں کرتے، ہاں ائمہ کے فیصلوں کے خلاف کوئی حدیث مل جائے تو اس پر عمل کرنے میں بڑا لطف آتا ہے، کسی تعصب یا جذبہ محاسنیت سے بے نیاز ہو کر جب پوری صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر احادیث پر غور کرو گے تو اندازہ ہوگا کہ تقلید بالا امام میں عمل بالجہد کیسے ہے۔ ورنہ بڑی بڑی غلطیاں کرو گے، بلکہ ان ائمہ سے تو خطاؤں کا امکان تھام سے ترمو سرکشی ہوئی جاتی ہے۔

یہاں امریکہ میں بہت سی مسجدوں کے امام عرب ہیں، میرے ایک کرم فرماؤ اکثر شیم صاحب ایسی ایک مسجد میں نماز کے لیے گئے اور امام صاحب سے اجازت لے کر اذان و اقامت کہی، حسب معمول کلمات اقامت بھی اذان کی طرح دودو بار ادا کیے، امام صاحب نے انہیں نماز کے بعد پیٹھ لیا کہ آپ سے ایک بات کرنی ہے۔ پھر تھوڑی دیر میں بخاری شریف (انگریزی ترجمہ کے ساتھ) لا کر کتاب الاذان کھول کر حضرت انس بن مالک کی یہ روایت دکھائی ”عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ أُمِّرُ بِلَالٍ أَنْ يَشْفَعَ الْأَذَانَ وَيُوتِرَ الْأَقَامَةَ“ (۱۱) اور کہا اس کا انگریزی ترجمہ پڑھو اس میں کیا لکھا ہے، یعنی اقامت ایک بار ہوئی چاہیے، ڈاکٹر صاحب نے کہا، ہم جتنی ہیں، ہم یو ہیں کہتے ہیں، بولے، جتنی ہوں یا شافعی، یہ حدیث کیا کہتی ہے؟ ساتھ میں ایک علمی دہشت گردی کا جملہ بھی جڑ دیا ”میں پہنچ کر تھا ہوں کہ حدیث کی کسی کتاب میں کوئی دیکھا دے کہ کلمات اقامت بھی اذان کی طرح دودو بار ہیں۔ ڈاکٹر صاحب جب شام میں میرے پاس آئے تو اس معاملے کا ذکر کیا، میں نے کہا، معلوم ہوتا ہے صاحب دو رکعت کے امام ہیں۔ کتب حدیث کی انہیں ہوا بھی نہیں گئی، فقہ تو دور کی بات ہے۔ اوڑھ تو میں نے ڈاکٹر صاحب کو اس حدیث کے حوالے سے مطمئن کیا، پھر مختلف کتب صحاح سے کلمات اقامت کے دودو ہونے پر پلا تیسرہ نو روایتیں نقل کر کے بھیج دیں۔ اور کہہ دیا کہ یہ دے کر کہہ دیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں معروف سے نہی کا نہیں بلکہ منکر سے نہی کا حکم دیا ہے۔ اور یہ حدیثیں دیکھ کر مطلب بتانا شروع کریں تو فوراً مجھے فون

قول امام کو قول خدا و رسول کے مقابل قرار دیکر عمل بالجہد کی بات کرتے ہوئے کیا ساری احادیث پر عمل ممکن ہے؟ اگر روایات متعارض ہوئیں پھر کیا ہوگا؟ تطبیق نہ ہو سکے تو ترجیح کے عمل کے بغیر کیسے عمل ہوگا؟ اسی لیے دور صحابہ میں جسے ناسخ منسوخ کا علم نہ ہو وہ فتویٰ دینے کا مجاز نہ تھا۔ سچ کہا کہ صرف انبیاء معصوم عن الخطا ہیں باقی ہر ایک سے غلطی ہو سکتی ہے، اسی لیے ہر مجتہد کا ماننا ہے کہ اس کا اجتہاد جو فیصلہ کرے وہ صواب ہے لیکن اس میں احتمال خطا ہے، اگر خدا اللہ بھی صواب ہو، تو کیا خوب! مجتہد کو دونا اجر ملے گا، اور ایک روایت میں ہے کہ اسے دس نیکیاں ملیں گی، اور اگر خدا اللہ خطا ہو، پھر بھی اسے اجر ملے گا، اس کی گرفت نہ ہوگی، ملاحظہ ہو حدیث شریف۔

جَاءَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَصْمَانِ يَخْتَصِمَانِ فَقَالَ لِعُمْرُو افْضُ بَيْنَهُمَا يَا عُمْرُو فَقَالَ أَنْتَ أَوْلَى بِذَلِكَ مِنْنِي يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ وَإِنْ كَانَ، قَالَ فَإِذَا قَضَيْتَ بَيْنَهُمَا فَمَا لِي؟ قَالَ إِنْ أَنْتَ قَضَيْتَ بَيْنَهُمَا فَاصْبِرْ الْقَضَاءُ فَلَكَ عَشْرُ حَسَنَاتٍ وَإِنْ أَنْتَ اجْتَهَدْتَ فَأَخْطَأْتَ فَلَكَ حَسَنَةٌ. (۹)

”حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو آدمی کوئی مسئلہ لے کر آئے تو آپ نے حضرت عمرو بن العاص سے فرمایا، کہ ان کے مابین فیصلہ کرو، عرض کی: یا رسول اللہ مجھ سے زیادہ اس کے آپ حق دار ہیں، فرمایا: اگر چاہیہا ہے، عرض کی: میں فیصلہ کروں تو میرے لیے کیا اجر ہے؟ فرمایا: اگر تم ان کے مابین فیصلہ کرو اور درست کرو تو تمہارے لیے دس نیکیاں ہیں، اور اگر تمہارے فیصلے میں خطا ہو جائے تو تمہارے لیے ایک نیکی ہے۔“

دوسری حدیث میں ہے: إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ فَاصْطَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ فَأَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ وَاحِدٌ۔ یعنی جب فیصلہ کرنے والا اجتہاد سے فیصلہ کرے اور وہ فیصلہ درست ہو تو اس کے لیے دو اجر ہے، اور اگر اس کا فیصلہ خطا ہو تو اس کے لیے ایک اجر ہے۔ (۱۰)

اگر مجتہد سے خطا ہو جائے تو بھی اس کو ثواب ہے، ثابت ہوا کہ ائمہ مجتہدین کی خطا قابل گرفت نہیں۔ خطا پر جب ان کی گرفت نہیں تو ان کے اجتہاد پر عمل کرنے والے کی گرفت کیوں ہوگی؟۔ اور جرتو آخرت میں ملے گا تو ان خطاؤں کا عقدہ بھی وہیں کھلے گا، کہ کس

کے ساتھ 'سیدنا' کا اضافہ کر کے بتایا، جو حدیث پاک میں نہیں ہے۔ اس پر ایک صاحب نے جہنمیں قرآن و حدیث کے علم کاغہ تھا، اعتراض کیا کہ یہاں 'سیدنا' کا اضافہ نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ یہ اللہ سے ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمت نازل فرما، تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو 'سیدنا' نہیں کہنا چاہیے، ہاں اس کے علاوہ سید المرسلین کہہ سکتے ہیں۔ میں نے کہا، علامہ شامی نے روالپنڈی میں 'سیدنا' کے اضافے کو مستحب لکھا ہے، لہذا وہ عمل فی الادب' بولے ہمیں کسی ایک کی تقلید نہیں کرنی چاہیے، میں نے کہا پھر کیسے عمل کیا جائے؟ بولے، جس پر علماء کا اجماع ہو اس پر عمل کرنا چاہیے، میں نے کہا علماء کا اجماع کیسے معلوم ہوگا؟ بولے آپ نے امت تیسہ کی کتب پڑھیں؟ میں نے کہا: ہم ان کی تقلید نہیں کرتے، لیکن بتائیں یہ درود ابراہیمی سنت ہے یا واجب؟ بولے نماز کا حصہ ہے۔ میں نے پھر کہا: سنت ہے یا واجب؟ بولے نماز کا حصہ ہے۔ میں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام التحیات میں بھی ہے اور درود ابراہیمی میں بھی، لیکن التحیات واجب ہے اور درود ابراہیمی سنت ہے، ہم نے فرائض و واجبات میں کچھ اضافہ نہ کیا کہ یہ مقام مقام اتباع ہے، اور سنت درود ابراہیمی میں نام اقدس کے ساتھ 'سیدنا' کہنا ہی ادب و احترام اور ایمان کا تقاضا ہے۔ حرم الامت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت جس میں آپ کا ہاتھ پکڑ کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے التحیات سکھانے کے بعد فرمایا "اِذَا قُلْتَ هَذَا فَقَدْ تَمَّتْ صَلَاتُكَ" تو نماز تو پوری ہو چکی ہے اب درود شریف میں نام اقدس کے ساتھ سیدنا کا اضافہ کیا جائے تو کیا حرج ہے؟ بولے حدیث میں تو نہیں، میں نے کہا حدیث تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے خود کو کیسے 'سیدنا' کہتے؟۔

آخر اس سمجھ کو کیا کہا جائے جو اضافہ کو خلاف ورزی یا تبدیلی سمجھتا ہو، مثلاً دس دینے کو کہا، نو دینے تو خلاف ورزی کی، گیارہ دینے تو خلاف ورزی کہاں؟ وہ تو اکسٹرا کر ڈیٹ کا مستحق ہے، ہاں بیانِ حصر ہو تو بات دوسری ہے۔ ذرا اصول تو یاد کرو کہ خبر واحدہ سے کتاب اللہ پر زیادتی جائز ہے، کیا خبر واحدہ سے کتاب اللہ کی خلاف ورزی یا اس کی تبدیلی جائز ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی روایت کے بارے میں جس کا مفاد یہ ہے کہ مطلقہ ثلاثہ کو سکنی اور نفقہ

کریں۔ اگر اس حدیث کا حوالہ دینے کی بجائے کسی مذہب فقہ کی تقلید میں ایک ایک بار اقامت کی حمایت اور عمل کیا ہوتا تو جان چھوٹ جاتی، اب حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہو تو سنو، اس میں اقامت کے لیے وتر کا لفظ بیانِ عدد میں صریح نہیں، وتر کا معنی 'ایک' ہے، ہی نہیں بلکہ ایک، تین، پانچ، سات، سب پر 'وتر' صادق آتا ہے، تو کلمات اقامت کا ایک ایک بار ہونا اس حدیث سے کیسے ثابت کرو گے؟ جب کہ حضرت ابو محمد ورہ کی روایت بیانِ عدد میں بالکل صریح ہے "وَعَلَّمَنِي الْاِقَامَةَ سَبْعَ عَشْرَةَ كَلِمَةً" (۱۲) اب تم کو بخاری و مسلم چھوڑ کر دیگر کتب کی طرف رجوع کرنا پڑے گا جہاں اقامت کے لیے فردی فردی کا لفظ ملے، تو وہاں تو شنی شنی کی بھی روایتیں ملیں گی حالانکہ بخاری کی حضرت انس کی حدیث کے مقابل حضرت عبداللہ بن زید کی روایت بھی ہے جسے ترمذی نے تخریج کی "كَانَ اِذَا نَزَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَفَعًا شَفَعًا هِيَ الْاِذَانُ وَالْاِقَامَةُ" آخر کس حدیث پر عمل کرو گے؟ اور کیوں؟ دراصل حدیثوں کے حوالے سے اگر اذان و اقامت کی پوری تاریخ پر نظر ہو تو اندازہ ہوگا کہ اس باب میں حضرت عبداللہ بن زید اور حضرت ابو محمد ورہ کی روایات اصل ہیں، نہ کہ حضرت انس بن مالک اور حضرت عبداللہ بن عمر کی، رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین، اور ظاہر ہے کہ اقامت کے، مثل اذان ہونے یا شنی شنی ہونے کے بارے میں اول الذکر صحابہ کی، اور ایک ایک بار ہونے کے بارے میں موخر الذکر صحابہ کی مرویات ہیں۔ (ملاحظہ ہو کتب صحاح کتاب الاذان) اب ذرا سوچو کہ ایک روایت میں ایک ایک بار کلمات اقامت کہنے کا ذکر ہو دوسری روایت میں دو دو بار کہنے کا، تو احتیاط تو اسی میں ہے کہ دو دو بار کہہ لیے جائیں، کیونکہ ایک ایک بار کہنے سے دو والی روایات بالکل متروک ہو جائیں گی، جب کہ دو بار کہنے سے ایک والی روایات پر بھی یک گونہ عمل ہو جائے گا کیونکہ علم الاعداد کے اعتبار سے 'دو' میں 'ایک' داخل ہے۔ اور یوں بھی کسی کو ایک بار کہنے کو کہا جائے، وہ دو بار کہہ دے تو یہ اضافہ ہوگا نہ کہ حکم کی خلاف ورزی یا تبدیلی۔

اس موقع پر ایک اور غیر مقلد سے راقم کی گفتگو ملاحظہ کریں۔ میں ایک بار کچھ بچوں کو نماز کی تربیت دے رہا تھا، اس میں درود ابراہیمی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام مبارک

كَانَ إِذَا قُحِطُوا اسْتَسْقَى بِالْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ قَدْ
اَللَّهُمَّ اِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ بِنَبِيِّنَا فَتَسْقِينَا وَاِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِعَمَلِ
نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا قَالَ فَيَسْقُونَ“۔ صریح حدیث کے خلاف بولتے ہو،
اور دعویٰ ہے عمل بالجہدیت کا۔

چند مصری حضرات مجھے بریلوی سمجھ کر میری مسجد میں آئے اور
مختلف سوالات میں ایک سوال وسیلہ کا بھی کیا، میں نے کہا: قرآن پاک
میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَابْتَغُوا الْيَسَّهَ الْوَسِيلَةَ“ بولے یہ تو اعمال
ہیں، میں نے کہا، یہاں ذکر نہ تو اعمال کا ہے نہ شخصیات کا، اگر اعمال کا
وسیلہ مطلوب ہے تو انبیاء کا وسیلہ تو اور زیادہ مطلوب ہوگا کیوں کہ سورہ
ماعون نے بتایا کہ بعض لوگوں کی نماز ہی انہیں جہنم میں لے جائے گی، تو
بارگاہ الہی میں ہمارے اعمال کی مقبولیت کی ہمارے پاس کوئی ضمانت
نہیں، لیکن انبیاء بہر حال مقبول ہیں ورنہ وہ نبی کیوں ہوتے۔

جمع بین الصلاتین کا مسئلہ بھی عمل بالجہدیت کا اہم موضوع رہا ہے
۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے ”جَمَعَ رَسُولُ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَبَيْنَ الْمَغْرِبِ
وَالْعِشَاءِ بِالْمَدِينَةِ مِنْ غَيْرِ خَوْفٍ وَلَا مَطَرٍ“ (۱۳) اور ابو داؤد
شریف میں متعدد واقعات بیان فرمائے جن میں دوران سفر حضور صلی
اللہ علیہ وسلم نے جمع بین الصلاتین فرمائی۔

اس جمع بین الصلاتین کا کیا معنی سمجھتے ہو؟ دو نمازوں کو ایک نماز
کے وقت میں ملا کر پڑھ لینا، یہ کہاں سے ثابت ہوگا؟ حج کے علاوہ کہاں
اس کی صراحت ملتی ہے؟ اگر ایسا کریں تو قرآن پاک کے حکم کی خلاف
ورزی ہوگی، اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا (نساء
۱۰۳) یعنی ہر نماز وقت کا فریضہ ہے، یوہیں حدیث امامت جبریل کے
آخری جملہ ”الْوَقْتُ لَكَ مَا بَيْنَ هَذَيْنِ الْوَقْتَيْنِ“ کی بھی مخالفت
ہوگی۔ نہ صرف اسی قدر بلکہ ان تمام حدیثوں کو ترک کرو گے جن میں بے
وقت نماز پڑھنے اور جان بوجھ کر نماز کو اس کے وقت سے مؤخر کرنے پر
وعید شدید بیان کی گئی ہے۔ حالانکہ تم تو عمل بالجہدیت کے قائل تھے
تمہارے لیے بڑی آسانی تھی کہ اس جمع بین الصلاتین کو اس معنی پر محمول
کرتے جس کی تفصیل خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بحالت ضرورت
حضرت حمزہ بنت جحش رضی اللہ عنہا کو بتائی تھی۔ یعنی ظہر کی نماز آخر وقت
میں پڑھنا اور عصر اول وقت میں، جو بظاہر جمع ہے، لیکن حقیقتاً اپنے اپنے

ملا کر فرماتے ہیں ”لَا تَدْعُ كِتَابَ اللَّهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّنَا يَقُولُ امْرَاةٌ
لَا تَدْرِي اَخْفَضْتُ اَمْ نَسِيتُ“ تو ثابت ہوا کہ اضافہ و زیادتی نہ حکم کی
تبدیلی ہے نہ خلاف ورزی، بلکہ جنس مطلوب سے ہو تو مرغوب ہے۔

تقلید ائمہ سے روکنے کے لیے کہتے ہو کہ ”صرف انبیائے کرام
معصوم عن الخطا ہیں باقی سب سے خطا کا صدور ہو سکتا ہے، گویا تمہارے
نزدیک امکان خطا، وقوع خطا کو مستلزم ہے۔ پھر تمہیں کو اپنے اقوال میں
خاطی کیوں نہ کہا جائے۔ تجربہ یہ ہے کہ اکثر اچھی بات کسی غلط مقصد
کے لیے استعمال کرتے ہو مثلاً یہاں ائمہ کی خطا ثابت کرنے کے لیے
انبیاء کو معصوم عن الخطا مانا اور جب انبیاء کا ذکر آئے گا تو وہاں یہ بات
بھول جاؤ گے۔ اور وہاں قرآن وحدیث پڑھ پڑھ کر انبیائے کرام کی
طرف خطاؤں اور بھول کی لمبی فہرست منسوب کر دو گے، اور ان پر حملہ
کرنے کے لیے اللہ وحدہ لا شریک کی عظمت و قدرت کا حوالہ دو گے۔

حدیث گزری کہ یہ قیامت کی نشانی ہے کہ بعد کے لوگ اپنے
بزرگوں کو برا بھلا کہیں گے۔ دور جدید میں اکابر کو گالی دینے کا نیا طریقہ
ایجاد ہوا ہے۔ جس کو برا بھلا کہنا ہوا اس کو اس سے بڑے کے مد مقابل
لا کر اسے جو چاہو بول دو، لوگ کچھ کہہ بھی نہ سکیں گے اور دل کی بھڑاس
بھی نکل جائے گی۔ ائمہ مجتہدین کو بولنا ہو تو انبیاء سے تقابل کرتے ہو اور
انبیاء کو بولنا ہو تو اللہ تعالیٰ کے مد مقابل لا کر جو چاہو بولو، یوں تو کوئی کسی کو
بول سکتا ہے۔ عموماً غیر مقلدین کے تو صفی جملے بھی اعتراف عظمت کی
جائے کسی کی جنگ حرمت کے لیے ہوتے ہیں۔

جو خود سمجھتے ہیں اسی کو دین کہتے ہیں اور جب صحیح حدیثوں کی وجہ
سے معاملہ پھٹتا ہے تو تھوڑا سا اعتراف کر لیتے ہیں مثلاً بخاری کی
حدیث اصحاب غار کی بنیاد پر اتنا مانا کہ اعمال کو خدا کی بارگاہ میں وسیلہ
نایا جاسکتا ہے، کیونکہ ان تینوں افراد نے اپنے اعمال کے ہی وسیلے سے
عامانگی تھی جو قبول ہوئی، لیکن بارگاہ الہی میں کسی شخصیت کا وسیلہ درست
نہیں، حالانکہ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کی حدیث تمہارے
دیک بھی صحیح ہے، جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے ہی
عام کی تعلیم ہے ”اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ وَاتَّوَجَّهُ اِلَيْكَ بِنَبِیِّکَ
سَیِّدِ الرَّحْمَةِ“ (۱۳) اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی دعا میں
کی بطور وسیلہ شخصیت ہی کا تو ذکر ہے نہ کہ اعمال کا، دیکھو بخاری
”یَا کِتَابَ الْاِسْتِقَامَةِ اِنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللہ عَنْہُ

نکالتے رہو، اور جب پھنس جاؤ تو مان لو، اسی حالت کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَسْتَفْتِ قَلْبَكَ اپنے دل سے فتویٰ پوچھو۔ الحمد للہ ہمارا مذہب ہی ہماری چوائس ہے، اور تمہارا مذہب تو تمہاراں مجبوری، لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِكَ وَصَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَآلِہٖ وَاصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ وَعَلٰی سَائِرِ الْاَیْمَةِ الْمُجْتَہِدِیْنَ آمِیْن یَا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ۔

حوالہ

- (۱) تاریخ فقہ اسلامی، دارالمصنفین اعظمؒ ۱۶۱ھ
- (۲) بحوالہ مقياس الحنفیت ۱۷۴
- (۳) صحيح البخاری کتاب العلم، باب كيف يقبض العلم
- (۴) ترمذی ابواب الفتن
- (۵) ترمذی ابواب الفتن
- (۶) درمختار کتاب الاشریہ
- (۷) الميسوط للسرخسی کتاب الفرائض باب حمل الميراث
- (۸) فقه العبادات علی المذہب الحنفی، کتاب الصلاة فصل صلاة العیدین
- (۹) مسند امام احمد، مسند الشامیین، بقیة حدیث عمرو بن العاص
- (۱۰) صحيح البخاری کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة
- باب اجر الحاکم اذا اجتهد فاصاب او اخطا، والجامع الصغير باب حرف الالف
- (۱۱) رواہ البخاری ومسلم
- (۱۲) ابو داؤد کتاب الاذان
- (۱۳) ترمذی کتاب الدعوات
- (۱۴) ترمذی باب ما جاء فی الجمع بین الصلاتین
- (۱۵) ابو داؤد کتاب الطهارة باب من قال اذا اقبلت الحیت تدع الصلاة
- (۱۶) بخاری ابواب التجدید
- (۱۷) ترمذی، قیام رمضان

وقت میں ہے۔ حضرت حمزہ بنت جحش کی روایت کا آخری حصہ یہ ہے۔

قَالَ قَوَيْتُ عَلَى أَنْ تُؤَخِّرَ الظُّهْرَ وَتُعَجِّلَ الْعَصْرَ فَتَغْتَسِلَیْنِ وَتَجْمَعِیْنِ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَتُؤَخِّرِیْنِ الْمَغْرِبَ وَتُعَجِّلِیْنِ الْعِشَاءَ ثُمَّ تَغْتَسِلَیْنِ وَتَجْمَعِیْنِ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ فَافْعَلِیْ وَتَغْتَسِلَیْنِ مَعَ الْفَجْرِ فَافْعَلِیْ وَصُومِیْ اِنْ قَدَرْتِ عَلٰی ذٰلِكَ. (۱۵)

تراویح کی بیس رکعات پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث پڑھ کر وادیا پھاڑ رکھا ہے تاکہ نیک کام جس قدر کم ہو سکے اچھا ہے، جو حدیث پیش کی اس کے الفاظ پر بھی غور نہ کیا کہ وہ کس سلسلے کی ہے، تراویح کی صرف اصل حدیث مرفوع سے ثابت ہے، لیکن باقاعدہ تراویح کا سلسلہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد سے شروع ہوا، جو حضرت ابی بن کعب کی امامت میں بیس رکعتوں پر مشتمل تھی، اور اس کا ذکر حدیث کی متعدد کتب میں ہے۔ (ترمذی، مؤطا، بیہقی) ربی بخاری شریف کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت جو تمہارا مبلغ استدلال ہے، مَا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَزِيدُ فِي رَمَضَانَ وَلَا فِي غَيْرِهِ عَلَى أَحَدٍ عَشَرَ رُكْعَةً يُصَلِّي أَرْبَعًا فَلَا تَسْئَلُ عَنْ خُسْبَيْنٍ وَطَوْلِيْنِ ثُمَّ يُصَلِّي أَرْبَعًا فَلَا تَسْئَلُ عَنْ خُسْبَيْنٍ وَطَوْلِيْنِ ثُمَّ يُصَلِّي ثَلَاثًا“ (۱۶) فِي رَمَضَانَ وَلَا فِي غَيْرِهِ“ سے تمہیں اندازہ نہ ہوا کہ یہ اس نماز کے بارے میں فرماتی ہیں جو رمضان اور غیر رمضان سب میں پڑھتے تھے، اور وہ بلاشبہ صلاة اللیل ہے، کیا تراویح غیر رمضان میں بھی پڑھتے تھے؟ یہ تو تہجد تھی جسے اندرون خانہ ادا فرماتے، اسی لیے اس کی راوی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں، اور امام بخاری نے اس روایت کو تہجد کے باب میں بیان کیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تراویح میں تو بڑا مجمع شامل ہو گیا تھا، جس کے وجوب کے خدشے سے تیسرے دن آپ نے وہ نماز ترک فرمادی تھی، حالانکہ تہجد ہمیشہ پڑھا کرتے تھے۔ یہ ہے عمل بالجہد، کہاں کی بات کہاں لگائی، یہ ہے ائمہ سے خلاصت، کیوں کہ آٹھ رکعات تراویح تو کسی امام کی دریافت نہ تھی، واقعی تم نے کمال کر دیا۔ حضرت امام مالک کے نزدیک تو چھتیس رکعات تھیں، اور اہل مدینہ کا عمل اکتالیس رکعات پر تھا جسے حضرت اٹحق بن راہویہ نے بھی اختیار کیا تھا، (۱۷) بھلا ادھر کیوں جاتے، جس قدر گنجائش نکلتی رہے

سعودی حکومت کے نظریات و عملی کردار اور برصغیر کے غیر مقلدین

ساتھ ساتھ نبھایا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ابن سعود کی حکومت کے ساتھ ساتھ خطہ نجد میں غیر تقلیدی مزاج و رجحان کو بڑی تقویت ملی۔ ۶۵ء میں محمد بن سعود کے انتقال کے بعد عبدالعزیز بن محمد نے زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔ اس نے کم و بیش اتریس (۳۸) سال حکومت کی۔ اس کی حکومت نجد سے نکل کر آلاء حساء، قطیف، شام کے مضافاتی علاقے، عراق، یمن اور حجاز مقدس تک پھیل گئی۔ ۱۸۰۳ء میں اس کے انتقال کے بعد سعود بن عبدالعزیز نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی اور دس سال حکومت کرنے کے بعد ۱۸۱۳ء میں اس کا انتقال ہو گیا اور حکومت اس کے بیٹے عبداللہ بن سعود کو منتقل ہو گئی۔ عبداللہ بن سعود کی حکومت کے چار سال ہی مکمل ہوئے تھے کہ مصر کے حاکم محمد پاشا نے اپنے بیٹے محمد علی کی قیادت میں نجد پر بیخوار کرنے کے لیے ایک لشکر روانہ کر دیا۔ عبداللہ بن سعود اپنے اور شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے خاندان کے ساتھ گرفتار ہو کر خلافت عثمانیہ کے دارالسلطنت آستانہ بونچا دیا گیا، جہاں عبداللہ قتل کر دیا گیا اس طرح آل سعود کی نجدی حکومت کا پہلا دور ۱۸۱۷ء میں ختم ہو گیا، یہ دور کم و بیش پچیس (۵۵) سالوں کو محیط ہے۔

خطہ نجد پر آل سعود کی حکومت کا دوسرا دور ۱۸۳۰ء سے شروع ہو کر ۱۸۸۸ء تک جاری رہا۔ اس دوران ۱۸۳۹ء سے ۱۹۳۳ء تک تقریباً پانچ سال کے لیے وہ حکومت سے بے دخل رہے۔ اس دور میں آل سعود کے تین شہزادوں نے حکومت کی، جن کے نام اور دور اقتدار بالترتیب اس طرح ہیں۔ فیصل بن ترکی نے ۳۱ سال، عبداللہ بن فیصل نے (۲۱) اکیس سال جبکہ عبدالرحمن بن فیصل نے تقریباً ڈیڑھ سال حکومت کی۔ ۱۸۸۸ء میں حائل کے حاکم محمد بن رشید نے خلافت عثمانیہ کی زیر سرپرستی نجد پر حملہ کیا۔ حاکم نجد عبدالرحمن بن فیصل جان بچا کر افراد خاندان کے ساتھ قطر چلے گئے، وہاں سے بحرین گئے اور بالآخر کویت میں جا کر مقیم ہو گئے، عبدالرحمن بن فیصل کی حکومت کے خاتمہ کے ساتھ آل سعود کے نجدی اقتدار کا دوسرا دور بھی ختم ہو گیا، یہ دور بھی کم و بیش چوہان (۵۴) سالوں تک جاری رہا۔ ریاض (نجد) چھوڑنے کے وقت عبدالرحمن بن فیصل کے ساتھ

برصغیر کے بے چارے سلفی کیا ہیں، کچی مٹی کے دیئے تھے، جن میں مٹی تیل ڈالنے کے بجائے پٹرول ڈال کر روشن کرنے کی کوشش کی گئی۔ نتیجہ ظاہر تھا، بجائے اس کے کہ خود روشن ہوتے اور گرد و پیش کے ماحول کو روشن کرتے خود اپنے شعلوں کی پلیٹ میں آگئے۔ جب پٹرول ختم ہو گا اور شعلے بجھ جائیں گے، سیاہی کی اتنی تہہ جم چکی ہوگی کہ غیروں کے لیے ان کی شناخت مشکل ہوگی اور وہ خود اپنے وجود سے گھن محسوس کریں گے۔ برصغیر کے نابالغ و خام فکر سلفی معاشرے کی طفلانہ شوقی حد ادب سے بہت آگے بڑھ چکی ہے۔ نومولود کے ناف کا زخم سوکھ نہیں پاتا ہے اور وہ اپنے باپ کا قد بنا پنا شروع کر دیتا ہے کہ باپ ہی تو ہیں۔ اللہ یا اللہ کے رسول تھوڑی ہیں جو ان کی ہر بات مان لی جائے۔

جوان سال و جوان فکر صحافی خوشتر نورانی کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے راقم دستور کو جام نور کے خصوصی نمبر میں قلمی شرکت کے قابل سمجھا۔ جس عنوان کے تحت مجھے لکھنے کا حکم ملا ہے وہ مشکل کم اور دلچسپ زیادہ ہے۔ بات اتنی سی ہے کہ معاشرے کے ہر طبقہ میں دیکھا اور محسوس کیا جاتا ہے کہ کسی بھی طبقہ کا دوا اثر افر گروہ جب کسی مسئلہ میں آنے سامنے ہوتا ہے تو اپنے مقام و مرتبہ کا لحاظ کرتے ہوئے ایک دوسرے کے خلاف زبان استعمال کرتا ہے، جبکہ اس کے حاشیہ بردار، نمک خوار چیلے، چچھو اپنی اوقات چھپا نہیں پاتے اور مغلوب الغضب ہو کر ایسی بازاری زبان استعمال کرتے ہیں، جنہیں سن کر خود ان کے آقائے نعمت شرمائے بغیر نہیں رہ پاتے۔ سعودی سلفی حکومت اور علماء کے مقابلہ میں برصغیر کے سلفیوں کا حرف یہ حرف یہی حال ہے۔

بات صدیوں پرانی ہے، وادی شام کے شیخ تقی الدین بن تیمیہ اور صوفی بن قیم الجوزیہ کے غیر تقلیدی فقہی سلسلہ کی خلافت جب صحرائے نجد کے شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی تک پہنچی، اس زمانہ میں خانوادہ آل سعود کے مورث اعلیٰ سعود کے انتقال کے بعد خطہ نجد پر ان کے بیٹے محمد کی حکومت تھی۔ حاکم نجد محمد بن سعود اور شیخ نجد محمد بن عبدالوہاب نے ایک دوسرے کا بھرپور

میں آباد ہے، سعودی عرب کا مشرقی صوبہ جسے منطقہ شرقیہ کہا جاتا ہے تیل کی دولت سے مالا مال ہے، اس صوبہ کا مشہور شہر دمام ہے، اس کے علاوہ دوسرے چھوٹے شہروں میں قطیف، الأحساء، البقیع، الخفجہ، جبیل، رأس تنوره اور الخیر وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ جیسا کہ میں پہلے سمجھا رہا تھا میں ذکر کر آیا ہوں کہ شیعوں کی بیشتر آبادی مشرقی صوبہ میں ہے، یہی مذکورہ بالا شہر ہیں، جہاں شیعوں کی تعداد پچاس فی صد سے بھی زیادہ ہے ملک میں کثیر مذہبی معاشرہ نہ ہونے کی بڑی مثال کے طور پر ان شیعہ آبادی والے شہروں کو پیش کیا جا سکتا ہے، مذکورہ شہروں میں صرف القطیف اور الأحساء دو ایسے شہر ہیں جہاں آپ کو شیعوں کی چند مساجد نظر جائیں گی لیکن امام باڑے کہیں نہیں ملیں گے، امام باڑے ہیں لیکن ان کا رجسٹریشن امام باڑوں کے نام پر نہیں دیا گیا ہے بلکہ شخصی عمارتوں کو امام باڑوں کی شکل میں نوحہ خوانی اور ماتم کے لیے استعمال کی اجازت دے دی گئی ہے، شیعوں کے دینی مدارس اور ان کی مذہبی کتابوں کی دوکانیں آپ کہیں نہیں پائیں گے، قارئین کی معلومات میں اضافہ کے لیے میں نے یہ باتیں نقل کر دی، اب ہم اصل موضوع کی طرف لوٹتے ہیں۔

گزشتہ سطور میں آپ نے ملاحظہ کیا کہ مختلف ادوار میں آل سعود نے خطہ نجد اور بعض وقت دور دراز علاقوں پر بھی کم و بیش ایک سو دس سال حکومت کی۔ اقتدار کے اس دورانیہ میں ایک لمحہ کے لیے بھی وہ شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی کے فکر و اعتقاد سے دستبردار نہیں ہوئے، نتیجتاً سیاست اور غیر تقلیدی فکر کا چولی دامن کا ساتھ ہو گیا، آل سعود کی حکومت مضبوط ہوتی تو وہ فکر بھی پھولنے پھیلنے لگتی اور حکومت کمزور یا ختم ہوتی تو وہ بھی رختِ سحر باندھ لیا کرتی تھی، کیوں کہ خلافت عثمانیہ کے عقائد و افکار مسلم امہ کے اعصاب پر چھائے ہوئے تھے، آل سعود کے موجودہ دور اقتدار کے ساتھ غیر تقلیدی فکر پھر سے زور پکڑنے لگی اور خلافت عثمانیہ کے زوال کے بعد اس کے لیے میدان صاف ہو گیا۔ آل سعود کی حکومت جیسے جیسے مضبوط ہوتی اور پھیلتی گئی، غیر مقلدین بھی اپنے پاؤں پارتے چلے گئے، خاص طور سے پچھلی صدی کی چوتھی دہائی کے بعد جب دولت کی ریل پیل ہوئی تو غیر مقلدین کے دارے نیارے ہو گئے۔ ہمارے برصغیر کے غیر مقلدین نے تو لگتا ہے پٹرول کی صراحیوں صاف کر دی ہیں کہ جب وہ بولتے ہیں تو آگ اگلنے ہیں، بایں ہمہ سعودی عرب کی حکومت اور وہاں کے علما کا فقہی مزاج برصغیر کے سلفیوں سے قابل لحاظ حد تک الگ اور احترام و

ان کا ایک بیٹا بھی ان کے ساتھ تھا، جس کا نام عبدالعزیز تھا اور اس کی عمر اس وقت کم و بیش بارہ (۱۲) سال تھی۔ عبدالعزیز بھی اپنے باپ کے ساتھ کویت میں مقیم تھا لیکن وہ اپنے آباء و اجداد کی حکومت کو بہر حال واپس لینا چاہتا تھا، یہی وجہ ہے کہ جب وہ تقریباً پچیس (۲۵) سال کا ہوا تو اس نے ۱۹۰۲ء میں کمال جوان مردی کا مظاہرہ کرتے ہوئے صرف ۶۵ آدمی کے ساتھ ریاض پر حملہ کر دیا اور کامیاب بھی ہو گیا، ریاض کے گورنر عثمان کو قتل کر کے اس پر قبضہ کر لیا، اس طرح عبدالعزیز بن عبدالرحمن آل سعود نے کم و بیش چودہ (۱۴) سال بعد خانوادہ آل سعود کے تیسرے دور حکومت کی بنیاد ڈال دی، اس کے بعد حکومت کے رقبہ کو وسیع کرتا گیا، یہاں تک کہ کویت، شام، عراق، یمن اور بحرین کے حدود تک اپنی حکومت کو وسعت دینے اور حرمین شریفین کو اپنی حکومت میں شامل کرنے کے بعد ۱۹۳۲ء میں یعنی ریاض پر قبضہ کرنے کے پورے تیس (۳۰) سال بعد "المملکۃ العربیۃ السعودیۃ" کے قیام کا اعلان کر دیا، اس تیسرے یعنی موجودہ دور حکومت میں عبدالعزیز بن عبد الرحمن کے بعد اس کے چار بیٹے، سعود، فیصل، خالد اور فہد حکومت کر چکے ہیں، جبکہ پانچواں بیٹا عبداللہ برسرِ اقتدار ہے۔

سعودی عرب کا رقبہ بارہ لاکھ پچیس ہزار مربع میل ہے اور اس کی آبادی تقریباً دو کروڑ ساٹھ لاکھ ہے، جس میں تقریباً ساٹھ لاکھ غیر ملکی تارکین وطن شامل ہیں جو روزگار کے سلسلہ میں وہاں مقیم ہیں، ہندوستان کے باشندے سب سے زیادہ ہیں، جن کی تعداد پندرہ لاکھ سے تجاوز ہے، اس کے بعد بنگلہ دیش کے دس لاکھ، پاکستان کے نو لاکھ، فلپائن کے آٹھ لاکھ، مصری ڈھائی لاکھ، فلسطینی ڈیڑھ لاکھ، لبنانی سوا لاکھ، سری لنکن پچاس ہزار، دیگر عرب افریقی ممالک کے تقریباً پچاس ہزار اور یورپ و امریکہ کے کم و بیش پچاس ہزار افراد یہاں آباد ہیں، جو وہاں کے شہری نہیں ہیں، لیکن مجموعی تعداد میں شامل ہیں، اس طرح ایک کثیر ثقافتی معاشرہ وہاں پروان چڑھ رہا ہے۔ لیکن کثیر مذہبی معاشرہ کے آثار و رد و رستک نظر نہیں آتے۔

غیر ملکی باشندوں کے علاوہ ان کی حقیقی آبادی تقریباً دو کروڑ ہے، جس میں پندرہ فی صد شیعہ مذہب کے لوگ شامل ہیں، بیشتر شیعہ ملک کے مشرقی صوبے میں ہیں، البتہ مدینہ منورہ میں بھی ان کی کچھ آبادی ہے، شیعہ مذہب کے اسماعیلیہ فرقہ کے لوگوں کی بہت بڑی تعداد انجمن

رواداری پر مبنی ہے، تفصیل کے لیے مطالعہ کا تسلسل جاری رکھیے۔

راثم الحروف کے محدود مطالعہ و مشاہدہ کی روشنی میں سعودی عرب عصر حاضر میں دنیا کا واحد ایسا ملک ہے جس کا نام کسی ایک خاندان سے منسوب ہے، وہاں کا نظام بادشاہت اور اس کے آئین کی اساس قرآن و سنت ہے، حکومت کا فقہی مذہب حنبلی ہے، تاہم قانونی طور پر جج حضرات حنفی، شافعی اور مالکی مذہب پر اعتماد کر کے فیصلہ صادر کرنے کے مجاز ہیں۔

باوجود اس کے کہ سعودی حکومت کا دستور فقہ حنبلی کو اپنا نمائندہ مانتا ہے یا اپنی فقہی اساس قرار دیتا ہے، عملاً پورا نظام سلفی ہے۔ ارباب اقتدار اور علماء کا طبقہ نہ تو اپنے آپ کو حنبلی کہتا ہے اور نہ ہی لکھتا ہے بلکہ سلفیت سے منسوب کرتا ہے، البتہ حنبلی فقہ سے قربت عیاں وہاں ہے، اس کے بالمقابل دوسرے تین مکاتب فقہ حنفی، شافعی اور مالکی کے ساتھ ناروارویہ کی ایک موٹی سی مثال یہ ہے کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے بشمول ریاض، دمام اور جدہ جیسے بڑے شہروں میں ایک بھی ایسی مسجد نہیں ہے جس کا امام غیر سلفی ہو، جبکہ نرمی اور رواداری کے الفاظ کا استعمال اگر مناسب ہو تو وہاں نرمی اور رواداری کا یہ عالم ہے کہ ہر شخص اپنے مذہب فقہ پر عمل کرنے میں مکمل آزاد ہے۔ گویا معاشرہ اپنی جماعتی ہیئت و ماہیت میں حکومت کی اسلامی تفاسیر کا یا فقہی تعبیر کا مکمل پابند ہے، جبکہ فرد اپنی انفرادی حیثیت میں مکمل آزاد۔

نصاب تعلیم کچھ ایسا مرتب کیا گیا ہے کہ پرائمری سے لے کر ثانوی تک شعبہ خواہ میڈیکل یا انجینئرنگ کا ہی کیوں نہ ہو اسلامیات و مضمون لازمی طور پر اس میں داخل ہے اور طبعی طور پر فقہ حنبلی ہی پڑھایا جاتا ہے۔ البتہ جامعات میں تخصص کے طلبہ کو دیگر سنی مکاتب فقہ سے شناس ہونے کا موقع مل ہی جاتا ہے، اسی طرح دوسرے طلبہ کا فقہ حنبلی محض دارالکلاز بھی کلاس روم تک ہی محدود ہے، کلاس روم سے باہر چند مصلح کے فاضلے پر کالج یا اسکول کی لائبریری میں تمام سنی مکاتب فقہ کی سلی بڑی، معروف و غیر معروف ساری کتابیں انہیں بہ آسانی دستیاب ملتی ہیں اور مطالعہ پر کسی طرح کی کوئی پابندی بھی نہیں ہے۔ نیز سرکاری سریریاں اور سربراہ کتابوں کے بڑے بڑے تجارتی مراکز امام ابوحنیفہ، مالک، امام شافعی اور ان کے علاوہ دیگر اکابر فقہاء کی تصانیف اور ان کے تراجم و مناقب پر مشتمل کتابوں سے بھرے پڑے ہیں، حاصل یہ ہے کہ سعودی حکومت وہاں کے علماء اور پیشرو عام نظریاتی طور پر سلفی ضرور

ہیں لیکن دیگر مکاتب فقہ کے فقہاء و ائمہ کو وہ احترام کی نظروں سے دیکھتے ہیں، ان کی کتابوں سے استفادہ کرتے ہیں، ان کے مذاہب کے مطابق فتاویٰ دیتے ہیں اور عوام کو بھی ان کا احترام سکھاتے ہیں، اس سے قبل کہ میں اپنے ان دعوؤں کی وکیل کے طور پر ”اللجنة الدائمة للبحوث العلمیة و الفتویٰ“ کے چند فتاویٰ نقل کروں قارئین کو بتا دوں کہ یہ اللجنة الدائمة للبحوث العلمیة و الفتویٰ

فتویٰ اور علمی تحقیقات کی دائمی کمیٹی کی حیثیت سعودی حکومت اور عوام کے نزدیک کیا ہے اور اس کی کتنی اہمیت ہے، سعودی حکومت نے ۱۳۹۱ھ میں قرار داد نمبر ۱۳۷ کے ذریعہ اکابر علماء کا ایک بورڈ قائم کیا۔ جس کا نام ”ہیئة كبار العلماء بالمملكة العربية السعودية“ (سعودی عرب کے اکابر علماء کا بورڈ رکھا، اس بورڈ کا صدر وزیر کے مرتبہ پر فائز ہوتا ہے اور وہی سعودی عرب کا مفتی عام بھی ہوتا ہے، شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز کے انتقال کے بعد مذکورہ بورڈ کے صدر اور سعودی عرب کے جہز مفتی شیخ عبدالعزیز عبداللہ بن محمد آل شیخ ہیں، مذکورہ بالا فتویٰ اور علمی تحقیقات کی کمیٹی اس اکابر علماء بورڈ کی ذیلی کمیٹی ہے، علماء بورڈ کے ہی چند اراکین پر یہ کمیٹی مشتمل ہوتی ہے، البتہ بورڈ کے کسی رکن کو فتویٰ اور علمی تحقیقات کی کمیٹی کی رکنیت حاصل کرنے کے لیے بادشاہ کی منظوری ناگزیر ہے۔

مذکورہ کمیٹی کی ذمہ داری عقائد، عبادات اور شخصی معاملات میں عوام الناس سے کے استفتاء کا جواب دینا ہے، اس کے ذریعہ جاری کیا گیا، فتویٰ تب ہی معتبر ہوتا ہے جب کم از کم تین فقہاء اس کی تحقیق میں شامل ہوں اور کمیٹی کے اراکین کی اکثر تعداد میں نے اس کی توثیق کر دی ہو، اگر موافق و مخالف کی تعداد برابر ہوتی ہے تو کمیٹی کے صدر کا رجحان فیصلہ کن ہوتا ہے۔ ذیل میں تحقیق و فتویٰ کی کمیٹی کے چند فتاویٰ ملاحظہ فرمائیں۔

فتاویٰ اللجنة الدائمة (الحزہ رقم: 2) الصفحة رقم: 243) السؤال الثاني من الفتوی رقم (1361)

س: (2) ماہی السلفية و ما زایکم فیہا؟

ج: (2) السلفية: نسبة الى السلف، و السلف: هم صحابة رسول الله صلى الله عليه وسلم وائمة الهدی من اهل القرون الثلاثة الاولى رضى الله عنهم الذين شهد لهم رسول الله صلى الله عليه وسلم بالخیر فی قوله: خیر الناس قرنی ثم الذین یلونہم، ثم الذین یلونہم، ثم یجی اقوام تسبق

بشارت یافتہ تین صدیوں تک پھیلا ہوا ہے اور جو ان کی پیروی کرے گا وہ سلفی کہلانے کا مستحق اور اہل سنت ہے۔ اب آئیں ذرا یہ دیکھیں کہ کوشش کرتے ہیں کہ مذکورہ بالا اسلاف کے عمومی مفہوم میں خصوصی نام پر ائمہ اربعہ اور ان کے مذاہب فقہ کے بارے میں سعودی عرب کے اکابر علما کیا فرماتے ہیں۔

فتاویٰ اللجنة الدائمة (الجزء رقم : ۵، الصفحة رقم : ۵۷-۵۶) الفتویٰ رقم ۱۵۹۱

س: کیف ظهرت المذاهب الأربعة و کیف سوغوا لانفسهم الاجتهاد دون الناس وما الدلیل علی انه یجب اتباع مذهب واحد فقط من المذاهب الأربعة؟

ج: الحمد لله وحده والصلاة والسلام علی رسوله وصحبه و بعد:

المجتهدون من الفقهاء کثیر و خاصة فی القرون الثلاثة التي شهد لها الرسول صلى الله عليه وسلم بالخیر وقد اشتهر من بینهم علی مر السنين اربعة - ابو حنیفة النعمان بن ثابت فی العراق و ابو عبد الله مالک بن انس الاصبغی فی المدينة المنورة و ابو عبد الله محمد بن ادریس الشافعی القرشی عالم قریش و فخرها فی بغداد ثم فی مصر، و ابو عبد الله احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی امام اهل الحديث و قدوتهم و فقیه اهل العراق فی زمانه.

و اسباب شهرتهم کثیرة منها انتشار مذهبهم فی البلد الذی نشأوا و ارتحلوا الیه علی مقتضى السنة الکوئنیة کانی حنفیة و احمد رحمهما الله فی العراق و مالک فی المدينة و الشافعی فی مکة و مصر، و منها نشاط تلامیذهم و من اُخذ بمذهبهم و بنی علی اصولهم و اجتهدوا هم فی الدعوة الی مذهبهم فی بلادهم و البلاد التي رحلوا الیها کمحمد بن الحسن و ابی یوسف مثلاً فی العراق و ابن القاسم و اشبه فی مصر و سحنون فی المغرب، و الربیع بن سلیمان فی مصر و تلامیذ الامام احمد فی الشام و العراق و غیرهما، و منها تبني الحکام للمذهب و لعلمائهم و تولیتهم اياهم المناصب کالقضاء و الاقضاء و فتحهم المدارس لهم و اغداق الخیر

شهادة ائمتهم یمنه و یمنه شهادته، رواه الامام احمد فی مسنده و البخاری و مسلم - و السلفیون: جمع سلفی نسبة الی السلف، و قد تقدم معناه و هم الذین ساروا علی منهاج السلف من اتباع الكتاب و السنة و الدعوة الیهما و العمل بهما، فكانوا بذالك اهل السنة و الجماعة و بالله التوفیق، و صلى الله علی نبینا محمد، و آله و صحبه و سلم

اللجنة الدائمة للبحوث العلمیة و الافتاء

عبد الله بن قعود (عضو) ✽ عبد الله بن غدیان (عضو) ✽ عبد الرزاق عقیقی (نائب رئیس اللجنة) ✽ عبد العزیز بن عبد الله بن باز (الرئیس)

ترجمہ:- دائمی کمیٹی کے فتاویٰ جلد ۲، ص: ۲۳۳ فتویٰ ۱۳۶۱ کا سوال نمبر ۲

سوال:- سلفیت کیا ہے اور اس کے بارے میں آپ حضرات کی کیا رائے ہے؟

جواب:- سلفیت: سلف سے منسوب ہے اور سلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اور پہلی تین صدیوں کے وہ ائمہ رشد و ہدایت ہیں، جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیر کی گواہی دی ہے، آپ کا ارشاد ہے: ”تمام لوگوں میں بہتر میری صدی کے لوگ ہیں، پھر اس کے بعد والی صدی کے، پھر اس کے بعد والی صدی کے، ان کے بعد ایسی قومیں آئیں گی جس کی شہادت اور قسم ایک دوسرے پر سبقت لے جائیں گی۔“ اس حدیث کو امام احمد نے اپنی مسند میں اور بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔

اور ”السلفیون“ سلفی کی جمع ہے جو کہ سلف سے منسوب ہے، سلف کی توضیح گزری چکی ہے، قرآن و سنت کے متبعین، اس کی دعوت دینے والے اور اس پر عمل کرنے والے اسلاف کے پیروکاروں کو سلفی کہا جاتا ہے، بایں طور وہ بھی اہل سنت ہی ہوتے و باللہ التوفیق و صلی اللہ علی نبینا محمد و آله و صحبه و سلم۔

علمی تحقیقات اور فتویٰ کی دائمی کمیٹی
عبد اللہ بن قعود (رکن) ✽ عبد اللہ بن غدیان (رکن) ✽ عبد الرزاق عقیقی (نائب صدر) ✽ عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز (صدر)
مذکورہ بالا فتویٰ کا یہ پہلو ملحوظ رہے کہ قابل اتباع اسلاف کرام کا

گزر نے کے ساتھ مشہور ہوئے، ابو حنیفہ نعمان بن ثابت عراق میں ابو عبد اللہ مالک ابن انس الاصمعی، مدینہ منورہ میں، ابو عبد اللہ محمد بن اور بس الشافعی، بغداد اور مصر میں اور ابو عبد اللہ احمد بن حنبل الشیبانی عراق میں۔

ان کی شہرت کے بہت سے اسباب ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ جن ملکوں یا خطوں میں پرورش پائی اور جن جن مقامات کے سفر کیے وہاں ان کا مذہب فطری طور پر پھیل گیا۔ جیسے ابو حنیفہ اور رحمۃ اللہ علیہ عراق میں، مالک مدینہ میں اور شافعی مکہ اور مصر میں، دوسرا سبب یہ ہے کہ ان کے تلامذہ نے اور دوسرے اہل علم جنہوں نے ان ائمہ کے اصول کو اپنے اجتہاد کی بنیاد بنایا اپنے اپنے ملکوں میں اور جہاں جہاں کے سفر کئے وہاں ان کے مذہب کو پھیلاتے چلے گئے، جیسے محمد بن حسن، اور ابو یوسف نے عراق میں، ابن قاسم اور اشہب نے مصر میں، بخون نے عراق میں، ربیع بن سلیمان نے مصر میں اور امام احمد کے تلامذہ نے شام اور عراق وغیرہ میں۔ تیسرا سبب یہ ہے کہ حکمرانوں نے کسی مذہب اور اس کے علماء کو اپنا، انہیں قضا و افتاء کے عہدے دیئے، ان کے لیے مدارس قائم کیے اور ان پر اوقاف وغیرہ سے دولت کا منہ کھول دیا۔

ان ائمہ میں سے کسی نے نہ تو اپنے مذہب کی دعوت دی اور نہ ہی اس کے لیے ان میں تعصب پیدا ہوا اور نہ ہی انہوں نے اپنے مذہب یا کسی متعین مذہب پر عمل کرنے کے لیے کسی کو مجبور کیا۔ وہ حضرات قرآن و حدیث پر عمل کی دعوت دیتے تھے۔ اور جو کچھ پوچھا جاتا تھا اس کے بارے میں فتاویٰ دیا کرتے تھے، لیکن اپنے شاگرد یا ان کے علاوہ کسی اور کو اپنا موقف تسلیم کرنے پر مجبور نہیں کرتے تھے، بلکہ ایسا کرنے والے کو برا سمجھتے تھے اور وہ حکم دیتے تھے کہ اگر ان کا موقف حدیث صحیح کے خلاف ہو تو اسے دیوار پر مار دو، انہیں میں سے کسی کا قول ہے ”صحیح حدیث ہی میرا مذہب ہے“ اور ان سب پر رمتوں کی بارش فرمائی۔

بایں ہمہ ان مذاہب میں سے کسی ایک مذہب کا اتباع کسی پر فرض نہیں ہے۔ بلکہ اگر ممکن ہو تو ضروری ہے کہ حق کی شناخت کے لیے اجتہاد کرے۔ یا اس سلسلہ میں اللہ سے مدد چاہے اور علماء اسلام نے بعد میں آنے والوں کے لیے جو علمی ذخیرہ چھوڑا ہے اور نصوص کے فہم اور اس کی تطبیق کو آسان فرمایا ہے، اس سے استفادہ کرے اور جس کے لیے کسی سبب نصوص سے احکام کا استنباط ممکن نہ ہو وہ قابل اعتناء اہل علم سے اپنی ضرورت کے شرعی احکام پوچھ لے۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ نحل آیت نمبر ۴۳

عليهم من اوقاف وغيرها - ولم يدع احد منهم الى مذهبه ولم يتعصب له ولم يلزم غيره العمل به او يمنه مذهب معين انما كانوا يدعون الى العمل بالكتاب والسنة ويشرحون نصوص الدين ويبينون قواعده ويفرغون عليها ويعتون فيما يسألون عنه دون ان يلزموا احدا من تلاميذهم او غيرهم بارائهم بل يعيرون على من فعل ذلك ويأمرون ان يضرب برائهم عرض الحائط اذا خالف الحديث الصحيح ويقول قائلهم (اذا صح الحديث فهو مذهبي رحمهم الله جميعا)

ولا يجب على احد اتباع مذهب بعينه من هذه المذاهب بل عليه ان يجتهد في معرفة الحق ان أمكنه او يستعين في ذلك بالله ثم بالثروة العلمية التي خلفها السابقون من علماء المسلمين لمن بعدهم ويسروا لهم بها طريق فهم النصوص وتطبيقها ومن لم يمكنه استنباط الاحكام من النصوص ونحوها لا امر ما عاقد عن ذلك سأل اهل العلم الموثوق بهم عما يحتاجه من احكام الشريعة لقوله تعالى: سورة النحل الآية ۴۳ ”فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون“ و عليه ان يتحرى في سؤاله من يتق به من المشهورين بالعلم والفضل والتقوى والصلاح - وبالله التوفيق وصلى الله على نبينا محمد و اله وصحبه وسلم -

اللجنة الدائمة للبحوث العلمة والافتاء

عبد الله بن قعود (عضو) عبد الله بن غديان (عضو) عبد الرزاق عفيفي (نائب رئيس اللجنة) عبد العزيز بن عبد الله بن باز (الرئيس)

ترجمہ: دائی کمیٹی کے فتاویٰ: جلد ۵، صفحہ ۵۶-۵۷، فتویٰ ۱۵۹۱ سوال:- چاروں مذاہب کیسے وجود میں آئے، دوسرے لوگوں سے قطع نظر انہوں نے اجتہاد کو اپنے لیے کیسے جائز سمجھا، نیز اس کی کیا دلیل ہے کہ چار مذاہب میں سے کسی ایک کی پیروی واجب ہے؟

جواب:- تمام تفریقیں اللہ رب العلمین کے لئے اور رد و سلام اس کے رسول پر، ان کے آل اور اصحاب پر، و بعد، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی جن تین صدیوں کے خیر کی بشارت فرمائی تھی، ان میں امت سے صاحب اجتہاد فقہاء پیدا ہوئے، جن میں چار وقت کے

میں فرمایا ہے ”اگر تمہیں معلوم نہیں ہے تو جاننے والوں سے پوچھ لو“ اور اس کے لیے ضروری ہے کہ قابل اعتماد علم و فضل میں مشہور صاحب صلاح و تقویٰ کی تلاش کرے۔ اللہ ہی سے توفیق ہے، اللہ صلوة و سلام بھیجے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر، ان کے آل اور اصحاب پر۔

اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء

عبد اللہ بن قعود (رکن) ☆ عبد اللہ عذیان (رکن) ☆ عبد الرزاق عقیقی (نائب صدر) ☆ عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز (صدر) مذکورہ بالا فتویٰ کی روشنی میں قارئین کی توجہ ہم تین نکات کی طرف لے جانا چاہتے ہیں، پہلا نکتہ یہ ہے کہ چاروں ائمہ فقہ خیر سے معمور پہلی تین صدیوں کے ہیں، دوسرا نکتہ یہ ہے انہوں نے نصوص دین کی توضیح و تشریح کی، قواعد متعین کیے اور اجتہاد فرمایا جبکہ تیسرا اور آخری حلقہ یہ ہے کہ ان میں متعین طور پر کسی ایک کی تقلید واجب نہیں ہے۔ فتویٰ کی عبارت ”ولا یجب علی احد“ یاد رکھنے کی چیز ہے، اس سے الجھو فتویٰ سمجھنے میں مدد ملے گا۔ ساتھ ہی یہ بھی خیال رہے کہ سلفی مکتب فقہ میں واجب اور فرض ہم معنی ہیں۔

فتاویٰ اللجنة الدائمة (الجزء رقم : ۵ الصفحة

رقم: ۶۳) الفتویٰ رقم ۱۴۵۳۸

س: قرأت فی کتاب الف فی لغتنا حیث یقول مؤلفہ ان موقف الاثمة لاصحاب المذاهب فی الاسلام ابو حنیفة، احمد، مالک، والشافعی وغیرہم کموقف بولس فی دین المسیح اذ یصرفون الناس من الحقيقة الی اھوائهم مع وجود الادلة الوارده عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم وفجاء وبارانہم بعد هذه الادلة، فما هو الرد علیہ؟ ویقول ان مقلدہم واتبعہم کفار حیث یتبعون الناس یترون ما قالہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

ج: الحمد للہ وحده والصلاة والسلام علی رسولہ و آلہ وصحبہ و بعد:

اولاً: ان ائمة المذاهب الاربعة وھم ابو حنیفة و مالک والشافعی و احمد بن حنبل من فضلاء اھل العلم و من اتباع النبی صلی اللہ علیہ وسلم و من اھل الاجتہاد والاستنباط للاحكام الشرعية من ادلتھا التفصیلیة وما قالہ

المؤلف المذکور من انھم یصرفون الناس عن الحق و یتبعون اھواء ھم کذب و بہتان علیہم و لیس مقلدہم بکافر فان الانسان اذا لم یکن من اھل المعرفة بالاحکام و اتبع احد المذاهب الاربعة فانه لا حرج علیہ فی ذلك و قد صدر منا فتویٰ فی المذاهب الاربعة هذا نصھا: و بالذہ التوفیق و صلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ و سلم۔

اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء

عبد اللہ بن قعود (عضو) ☆ عبد اللہ عذیان (عضو) ☆ عبد الرزاق عقیقی (نائب رئیس اللجنة) ☆ عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز (الرئیس)

ترجمہ:- فتاویٰ اللجنة الدائمة جلد ۵، ص ۶۳، فتویٰ ۱۴۵۳۸

سوال:- میں نے اپنی زبان میں تالیف کی گئی ایک کتاب پڑھی ہے۔ جس کا مؤلف کہتا ہے کہ اسلام میں اصحاب مذاہب ائمہ ابوحنیفہ اور شافعی وغیرہ کا کردار عیسائی مذہب کے پادریوں جیسا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دلائل موجود ہوتے ہوئے اپنی آراء پیش کرتے ہیں اور عوام کو حقیقت سے پھیر کر اپنی خواہش کا غلام بناتے ہیں تو اس کا جواب کیا ہے؟ اور وہ کہتا ہے کہ ان اماموں کی پیروی کر کے والے کافر ہیں، کیونکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک فرمان کو چھوڑ کر دوسروں کی پیروی کی۔

جواب:- تمام تعریفیں صرف اللہ کے لیے ہیں اور صلوة و سلام ہو اس کے رسول پر، ان کی آل اور ان کے اصحاب پر بے شک مذاہب اربعہ کے ائمہ فضلاء اہل علم میں ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکار ہیں اور احکام شرعیہ کا استنباط اس کے اولیٰ تفصیلیہ کے ذریعہ کرنے والوں میں سے ہیں۔ مذکورہ کتاب کے مصنف نے جو بات کہی ہے وہ حقائق سے پھیرتے ہیں اور اپنی خواہشات کی پیروی کرتے کراتے ہیں وہ ان کی ذات پر جھوٹ اور بہتان ہے۔ ان کا مقلد کافر نہیں ہے۔ کیوں کہ جب انسان احکام کی معرفت کا اہل نہ ہو اور چاروں مذاہب میں سے کسی ایک کی پیروی کرے تو ایسا کرنے میں اس کے لیے کوئی حرج نہیں ہے۔ ہم نے مذاہب اربعہ کے بارے میں ایک فتویٰ دیا ہے، جس کی عبارت یہ ہے..... (ذیر ترجمہ فتویٰ میں اس سے قبل مذکور فتویٰ کی پوری عبارت مذکور ہے، جس کی طرف یہاں

اشارہ کیا گیا ہے۔ چوں کہ میں اسے پیش کر آیا ہوں اس لیے اسی حد پر اکتفا کیا، جس سے اس فتویٰ کے سوال کا جواب ہو رہا تھا۔

میں قارئین کو جس مقام پر پہنچا کر اپنا یہ تحریری سفر آگے بڑھانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ پہلے فتویٰ کے رو سے سارے ائمہ اسلام کی فہرست میں ہیں۔ دوسرے فتویٰ کے مطابق وہ ان میں سے کسی ایک کی متعین طور پر تقلید واجب نہیں ہے، جس کا سیدھا مطلب ہے۔ ”وہ نہ انہیں“ ”لا یجب لاحد“ کے بجائے ”لا یجوز لاحد“ کہنے سے کون روک سکتا تھا۔ اگر کسی غبی کے لیے یہ عبارت ناقابل فہم تھی تو تیسرے فتویٰ نے وہم کا سارا بھرم توڑ کے رکھ دیا اور یہ کھلا اعلان کر دیا کہ مقلدین نہ صرف یہ کہ کافر نہیں ہیں بلکہ تقلید میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔

تقلید کے باب میں علمائے سعودی عرب کے موقف کی مکمل وضاحت اور اپنی طرف سے اتمام حجت کے طور پر بلا تمبرہ تین فتاویٰ اور نقل کروں گا۔ جن میں سے دو میں سعودی علمائے تقلید سے متعلق اپنے موقف کی وضاحت کی ہے اور تیسرے میں ائمہ اربعہ کو شاندار خراج تحسین پیش کیا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی واضح کرتا چلوں کہ سعودی علماء سلفی ہیں۔ میں انہیں مقلد ثابت کرنے کی کوشش نہیں کر رہا ہوں۔ میری کوشش عوام کو باور کرانے کی حد تک ہے کہ برصغیر کے سلفی غیر سلفی مسلمانوں اور ائمہ فقہ کے خلاف جس ہذیانی کیفیت میں مبتلا ہیں، وہ انہیں کی قسمت ہے۔ سعودی سلفی علماء اس میں شریک نہیں ہیں۔ سلفی ہونے کے باوجود احترام و رواداری کی بیش بہا روایت کو اگر وہ اپنے ساتھ لے کر چلنا چاہتے تو ان کے لیے ناممکن نہیں تھا۔ لیکن ہر برادری اپنی قسمت لے کر پیدا ہوتی ہے۔

فقاوی اللجنة الدائمة الجزء رقم: ۵، الصفحة رقم ۲۹ السؤال الرابع من الفتوى رقم ۴۱۷۴

س: ما حکم التقيد بالمذاهب الاربعة واتباع اقوالهم على كل الاحوال والزمان؟

ج: الحمد لله وحده والصلاة والسلام على رسوله وآله وصحبه وبعد: أولاً: المذاهب الاربعة منسوبة الى الائمة الاربعة الامام ابي حنيفة والامام مالک والامام الشافعي والامام احمد، فمذهب الحنيفة منسوب الى

ابی حنيفة وهكذا بقية المذاهب۔

ثانياً: هؤلاء الائمة أخذوا الفقه من الكتاب والسنة وهم مجتهدون في ذلك، والمجتهد اما مصيب فله اجران اجر اجتهداه واجر اصابتہ واما مخطي فيؤجر على اجتهداه ويعذر في خطئه، ثالثاً: القادر على الاستنباط من الكتاب والسنة ياخذ منهما كما أخذ من قبله ولا يسوع له التقليد فيما يعتقد ان الحق بخلافه، بل ياخذ بما يعتقد أنه حق ويسجوز له التقليد فيما عجز عنه واحتاج اليه، رابعاً: من لا قدرة له على الاستنباط يجوز له أن يقلد من تطمئن نفسه الى تقليده و اذا حصل في نفسه عدم اطمئنان سال حتى يحصل عنده اطمئنان، خامساً: يتبين مما تقدم أنه لا يتبع اقوالهم على كل الاحوال ولا زمان: لانهم قد يخطئون بل يتبع الحق من اقوالهم الذي قام عليه الدليل۔ وباللہ التوفيق وصلى الله عليه وعلى نبينا محمد وآله وصحبه وسلم۔

اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء

عبد الله بن قعود (عضو) عبد الله بن عديان (عضو) عبد الرزاق عفيفي (نائب رئيس اللجنة) عبد العزيز بن عبد الله بن باز (الرئيس)

ترجمہ: مذاہب اربعہ کی تقلید اور ہر حال اور ہر زمانہ میں ان کے اقوال کی پیروی کا کیا حکم ہے؟

جواب: الحمد لله وحده والصلاة والسلام على رسوله وآله وصحبه: وبعد: أولاً: چاروں مذاہب چار امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل سے منسوب ہیں، مثلاً حنفی مذہب ابو حنیفہ سے منسوب ہے اور اسی طرح دوسرے مذاہب۔ ثانیاً: ان ائمہ نے کتاب و سنت سے فقہ اخذ کیا ہے، اور وہ اس میں مجتہد ہیں۔ ایک مجتہد اگر اپنے اجتہاد میں درست ہے تو اس کے لیے دواجر ہیں۔ ایک اس کے اجتہاد کا اور دوسرا اس کی اصابت رائے کا اور اگر غلط ہے تو اس کو اجتہاد کا ایک اجر ملے گا اور خطا معاف ہو جائے گی۔ مثلاً: کتاب و سنت سے مسائل کے استنباط پر قادر شخص کتاب و سنت سے ہی مسائل اخذ کرے گا، جیسا کہ اس کے پیش رووں نے کیا ہے۔ اور اس کے لیے ایسے مسائل میں تقلید جائز نہیں ہے، جن میں اس کا اعتقاد ہو کہ

غيره من المجتهدين قبل أن يصل بالاجتهاد الى الحكم الشرعي، فهذا لا يجوز له تقليد غيره فيما ذهب اليه الشافعي وأحمد وجماعة رحمهم الله وهو الأرجح لقوله على الوصول الى الحكم الشرعي بنفسه فكان ممكن بالاجتهاد ليعرف ما كلفه الشرع به لقوله تعالى: فاتقوا الله ما استطعتم ولما ثبت من قول النبي صلى الله عليه وسلم اذا امرتكم بأمر فأتوا منه ما استطعتم 3- تقليد العاجز في البحث في الأدلة واستنباط الأحكام منها عالم قد توافرت فيه أهلية الاجتهاد في أدلة الشرع فهذا جائز، لقوله تعالى لا يكلف الله نفساً الا وسعها ولقوله سبحانه: فاسألوا الله الذكرا ان كنتم لا تعلمون ونحوها من النصوص الدالة على رفع الحرج ولصيانة المكلف عن التخييط في الأحكام والقول على الله بغير علم 4- تقليد من يخالف الشرع الاسلامي من الأبناء والسادة والحكام عصبية أو جاهلية للهوى وهذا محرم بالاجماع، وقد ورد في ذمّه كثير من نصوص الكتاب والسنة الخ:

اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء

عبد الله بن غديان (عضو) ☆ عبد الرزاق عفيفي (رئيس اللجنة) ☆ عبد العزيز بن عبد الله بن باز (الرئيس) ترجمه: فتاوى اللجنة الدائمة - جلد: 5، صفحہ نمبر: 30 فتویٰ نمبر: 11399 کا سوال نمبر 2

سوال: تقلید کی حقیقت اور اس کے اقسام کیا ہیں؟ اور اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب: - الحمد لله وحده والصلوة والسلام على رسوله وآله وصحبه وبعد: (الف) تقلید کی حقیقت بیان کرنے کے لئے علمائے اصول نے اس کی متعدد تعریضیں ذکر کی ہیں۔ ان میں سے بعض کا قول یہ ہے کہ تقلید، قائل کے قول کو سند جانے بغیر قبول لینے کا نام ہے۔ اور بعض اس طرف گئے ہیں کہ بغیر دلیل قائل کا قول قبول کر لینے کو تقلید کہتے ہیں۔ اور ابو المعالی الجوی نے تقلید کی تعریف کو پسند کیا ہے کہ ایسے شخص کی پیروی کرنا جس کی پیروی یہ حجت قائم نہ ہو اور اس کی کوئی علمی بنیاد بھی نہ ہو۔ یہ تمام تعریضات

حق اس کے خلاف ہے۔ بلکہ جس کے حق ہونے کا اعتقاد ہو اس کو قبول کرے گا اور اس کے لیے تقلید ایسے مسئلہ میں جائز ہوگی، جس کے استنباط سے وہ عاجز ہے اور اسے اس کی ضرورت ہے۔ رابعاً: جس شخص کو مسائل کے استنباط پر قدرت نہ ہو اس کے لیے جائز ہے کہ جس سے اس کا دل مطمئن ہو اس کی تقلید کرے۔ اور اس کے دل میں عدم اطمینان کی کیفیت ہو تو سوال کرے، یہاں تک کہ اسے اطمینان حاصل ہو جائے۔ خامساً: مذکورہ بالا سطور سے واضح ہے کہ ان ائمہ کی ہر حال اور ہر زمانہ میں تقلید نہیں کی جائے گی اس لیے کہ ان سے کبھی خطا بھی سرزد ہوتی ہے۔ بلکہ ان کے ایسے اقوال حق کی پیروی کی جائے گی، جن پر دلیل قائم ہو۔ وباللہ التوفیق، وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم

اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء

عبد الله بن قعود (رکن) ☆ عبد الله غديان (رکن) ☆ عبد الرزاق عفيفي (نائب صدر) ☆ عبد العزيز بن عبد الله بن باز (صدر)

فتاوى اللجنة الدائمة (الجزء رقم: 5، الصفحة

رقم: 30) السؤال الثاني من الفتوى رقم 11296

س: ما حقيقة التقليد وما أقسامه مع بيان الحكم؟

ج: الحمد لله وحده والصلوة والسلام على رسوله وآله وصحبه وبعد: 1- ذكر علماء الأصول تعريفات لبيان حقيقة التقليد منها قول بعضهم التقليد هو قبول قول القائل وهو لا يدري مستنده، وذهب بعضهم الى أن التقليد قبول قول القائل بلا حجة، واختار أبو المعالي الجويني تعريف التقليد بأنه اتباع من لم يقم باتباعه حجة ولم يستند الى علم. وهذه التعاريف متقاربة والعلماء الاصول فيها مناقشات ترجع الى الصناعة المنطقية ولكن القصد هنا بيان حقيقة التقليد على وجه التقريب - ب- أما أقسامه مع بيان حكم كل قسم فكما يلي:

1- تقليد من عنده أهلية الاجتهاد غيره من العلماء بعد ما تبين له الحق بالأدلة الثابتة عن النبي صلى الله عليه وسلم فهذا لا يجوز له تقليد من خالفه فيما وصل اليه بالا استدلال بالاجماع 2- تقليد من توافرت فيه أهلية الاجتهاد

ملتی جلتی ہیں۔ اس سلسلہ میں علمائے اصول کے منطقی مباحثے ہیں۔ لیکن یہاں تقریبی حد تک حقیقت تقلید کا بیان مقصود ہے۔

(ب) رہا اقسام کے ساتھ اس کے حکم کا بیان تو حسب ذیل ہیں: (۱) اجتہاد کی اہلیت کے حامل ایسے شخص کے لیے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت دلائل کے ذریعہ حق واضح ہو چکا ہو، دوسرے علماء کی تقلید بالاجماع جائز نہیں ہے جنہوں نے اس کی ایسے مسئلہ میں مخالفت کی ہے، جس تک وہ استدلال کے ذریعہ پہنچا ہے۔

(۲) اپنے اجتہاد کے ذریعہ حکم شرعی حاصل کرنے سے پہلے اہلیت اجتہاد کے حامل شخص کا کسی دوسرے مجتہد کی تقلید کرنا امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک جائز نہیں۔ اور یہی راجح ہے۔ کیوں کہ وہ خود حکم شرعی معلوم کرنے کا اہل ہے شرع کی معرفت کے لیے اجتہاد کا مکلف ہوا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”جہاں تک ہو سکے اللہ کا تقویٰ اختیار کرو“ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ”جب میں کسی بات کا حکم دوں تو مقدور پھر اسے بجالاؤ۔“

(۳) دلائل میں غور و فکر کر کے ان سے احکام شرع کا استنباط کرنے کی صلاحیت نہ رکھنے والے شخص کا کسی ایسے عالم کی تقلید کرنا، جس کے اندر اولیٰ شرعیہ میں اجتہاد کی اہلیت ہو، جائز ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”اللہ کسی پر اس کی اوقات سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا“ اور ”اگر تم نہیں جانتے ہو تو اہل علم سے پوچھ لو“ اور اس طرح کے دوسرے نصوص کے سبب جو پریشانی کو دور کرنے اور مکلف کو احکام کی معرفت کے لیے اندھیرے میں ہاتھ پاؤں مارنے سے بچانے والے ہیں اور اللہ کی ذات پر بغیر علم کلام کرنے سے محفوظ رکھنے والے ہیں۔

(۴) عصییت یا نقضانی خواہشات کی پیروی میں آباء و اجداد، سیاستدانوں اور جاگیرداروں یا حکمرانوں کی تقلید کرنا اجتماعی طور پر حرام ہے۔ اور اس سلسلہ میں کتاب و سنت کے اندر بہت سارے نصوص موجود ہیں۔ (اس فتویٰ میں تقلید کی چوتھی حرام شکل سے متعلق بہت سی آیات و احادیث مذکور ہیں، جنہیں موضوع سے متعلق نہ ہونے اور طوالت کے کے پیش نظر ذکر کرنے سے گریز کیا ہے)

اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء

عبد اللہ بن غدیان (رکن) ✽ عبد الرزاق عقیفی (نائب صدر) ✽ عبدالعزیز بن عبد اللہ بن باز (صدر)

فتاویٰ اللجنة الدائمة (الجزء رقم: ۵، الصفحة

۳۲-۳۳) السؤال الثالث من الفتوى رقم ۱۱۲۹۶

س ۳: من يقول ان التقليد كفر، مطلقاً و فسق و شرک و ينسبون الى الائمة الاربعة الكفر والضلال فماد حكمة وهم يقولون هذا رأي علماء الحرمين والمملكة السعودية والكويت:

ج: الحمد لله وحده والصلاة والسلام على رسوله وآله وصحبه... وبعد:

۱- ليس كل تقليد كفر ا با طلاق أو فسقا أو شرکا، بل الصواب أن في حكمه تفصيلاً يعرف من الجواب على السؤال الثاني فيما تقدم. ليس من علماء الحرمين مكة والمدينة ولا من سائر علماء المملكة السعودية من يذم أئمة الفقهاء مالكا وأبا حنيفة والشافعي وأحمد بن حنبل ونحوهم من علماء الفقه الاسلامي ولا من يزدریهم، بل المعروف عنهم أنهم يوقرونهم ويعرفون لهم فضليهم وان لهم قدم صدق في خدمة الاسلام وحفظه وفهم نصوصه وقواعده وبيان ذلك وابلاغه والجهاد في نصره والذود عنه ودفع الشبهة عنه وابطال ما انتحلته المنتحلون وابتدعه المفترون فجزاهم الله عن الاسلام والمسلمين خيراً. يدل على موقف علماء الحرمين وسائر علماء المملكة السعودية من الأئمة الأربعة موقف تكريم وتقدير عنا يتهم بتدريس مذاهبيهم ومؤلفاتهم في المسجد الحرام بمكة المشرفة والمدينة المنورة وسائر مساجد المملكة السعودية وفي جامعاتها وعنا يتهم بطع الكثير من كتبهم وتوزيعها ونشرها بين المسلمين في جميع الدول التي بها مسلمون، وبالله التوفيق وصلى الله وسلم وبارك على عبده ورسوله نبينا محمد وعلى آله وصحبه وسلم۔

اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء

عبد اللہ بن غدیان (عضو) ✽ عبد الرزاق عقیفی (نائب رئيس اللجنة) ✽ عبد العزيز بن عبد الله بن باز (الرئيس)

ترجمہ:- فتاویٰ اللجنة الدائمة جلد ۵، صفحہ ۳۲-۳۳، فتویٰ ۱۱۲۹۶ کا سوال ۳

سوال:- ایسے لوگوں کا کیا حکم ہے جو یہ کہتے ہیں کہ تقلید کفر مطلق ہے، فسق ہے اور شرک ہے، نیز ائمہ اربعہ کی طرف کفر و منکر منسوب کرتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ علماء حرمین، مملکت سعودیہ عربیہ اور کویت کا یہی موقف ہے؟

جواب:- الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على رسولہ و آلہ وصحبہ وبعد: ہر تقلید کفر مطلق یا فسق یا شرک نہیں ہیں۔ بلکہ اس کے حکم میں تفصیل ہے، جسے سابقہ سوال (۲) سے سمجھا جا سکتا ہے۔ علماء حرمین مکہ اور مدینہ اور مملکت سعودیہ عرب کے علماء میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو ائمہ فقہ مالک، ابو حنیفہ، شافعی اور احمد بن حنبل اور ان جیسے دیگر فرقہ اسلامی کے علماء کی مذمت یا ان کی توہین کرتا ہو، بلکہ ان کے بارے میں یہی مشہور ہے کہ وہ ان کی تعظیم کرتے ہیں، ان کے فضل کا اعتراف کرتے ہیں، یہ بھی اقرار کرتے ہیں کہ انہوں نے اخلاص کے ساتھ اسلام کی خدمت کی، اس کی حفاظت پر کمر بستہ رہے۔ اس کے نصوص اور اصول کو سمجھا، اس کو بیان کیا اور اس کی تبلیغ کی، اس کو غالب کرنے کے لیے جہاد کیا اور اس کا دفاع کیا۔ اس سے شبہات کو دور کیا اور من گھڑت کرنے والوں کا قلع قمع کیا، تو اللہ ان سب کو اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔

علمائے حرمین اور سعودی عرب کے سارے علماء کا موقف ائمہ اربعہ کے تعلق سے تعظیم و تکریم کا موقف ہے اور اس دعویٰ کی دلیل یہ ہے کہ ان ائمہ کے مذاہب اور ان کی تالیفات مسجد حرام مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، مملکت کی دوسری تمام مساجد اور یونیورسٹیوں میں پڑھائی جاتی ہیں۔ ان کی بہت سے کتابوں کی طبعیت کا اہتمام کیا جاتا ہے اور ساری دنیا میں جہاں جہاں مسلمان رہتے ہیں تعظیم کیا جاتا ہے۔ وبس اللہ التوفیق و صلی اللہ وسلم وبارک علی عبدہ و رسولہ نبینا محمد و علی آلہ وصحبہ وسلم۔

اللجنة الدائمة للبحوث العلمیة والافتاء

عبد اللہ بن عدیان (رکن) عبد الرزاق عقیلی (نائب صدر) عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز (صدر)

زیر نظر فتویٰ کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے میرا مختصر تبصرہ یہ ہے

کہ سائل نے ائمہ کی تکفیر و تفسیق کرنے والے کا حکم بھی پوچھا تھا کہ جانے کس مصلحت کی بنا پر اس کا جواب نہیں دیا گیا۔ غالباً سبب اس کی یہی ہے کہ جاننا ضروری ہے، جس نے برصغیر کے سنی طبقہ کی شوقی کو اس حد تک گستاخ بنا دیا ہے کہ اب ائمہ سے بڑھ کر صحیحہ رضوان اللہ تعالیٰ جمیعین بھی اس کی زد میں ہیں۔

مثال کے طور پر تراویح کے مسئلہ کو لے لیجئے، برصغیر کے مسلمان صرف (۲۳) تیس رکعات کو بدعت کہتے ہیں بلکہ کچھ پچھ اور پچھتے ہیں شکل میں اسے چھاپ کر عوام میں تقسیم کرتے ہیں۔ ایسا ہی ایک تیس سال پہلے مجھے ممبئی میں ملا تھا۔ جس کے مؤلف مولوی ہارون علی جوہر پورہ سنی مسجد کے اس وقت امام تھے، عوام کو باور کرائے کی کوشش تھی کہ تیس رکعت تراویح بدعت ہے۔ اس کے جواب میں ہم اپنی طرف سے کچھ کہنے یا احادیث و آثار سے دلائل لانے کے بجائے سعودیہ کے اکابر علما بورڈ کے معزز ممبر شیخ صالح بن فوزان عبد اللہ الفوزان کتاب "تحصیف اہل الایمان بدروس شہر رمضان" عبارت نقل کردینا زیادہ مناسب سمجھتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں: وأما من یقول: ان الزیادة علی احدى عشر رکعة فی التراويح بدعة فهو قول مجازف فیہ، وقائلہ لا یعرف ضابط البدعة، وقد حکم علی فعل الصحابة بانہ بدعة، ولا حول ولا قوة الا باللہ، وهذا من شؤم التسرع والقول علی اللہ بلا علم ترجمہ:- جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ گیارہ رکعت سے زیادہ تراویح بدعت ہے وہ من گھڑت ہے اور ایسا کہنے والا بدعت کے ضابطے سے ناواقف ہوتے ہوئے صحابہ کے عمل کو بدعت قرار دیتا ہے۔ لا حول ولا قوة الا باللہ۔ یہ حدیث بازی کا برا انجام اور بغیر علم کے اللہ کی ذات پر کلام کرنا ہے۔ اس مسئلہ پر مزید توضیح کرتے ہوئے شیخ صالح الفوزان لکھتے ہیں: "أما العشرون الأول فالأفضل لمن یطیل الصلوة أن یقتصر علی ثلاث عشرة رکعة أو احدى عشر رکعة ومن یشفق أن یصلی ثلاثاً وعشرين رکعة"۔ ترجمہ: رمضان المبارک کے پہلے تیس دن میں جو لوگ نماز کی رکعتیں لمبی کرتے ہیں ان کے لیے افضل ہے کہ تیرہ (۱۳) رکعت پڑھیں یا گیارہ (۱۱) رکعت پڑھیں اور جو رکعت نہیں کرتے ان کے لیے افضل ہے کہ وہ تیس (۲۳) رکعت پڑھیں۔ مصنف موصوف نے اپنی مذکورہ کتاب میں شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمہ

شار کی جاتی ہے۔ باقی دو سنت اور ایک وتر۔ بایں ہمہ فتاویٰ میں تراویح کے آٹھ رکعت ہونے کا کہیں ذکر نہیں ہے۔

میرے پاس ایک کتاب ہے، جس کا نام ہے ”کیف تعالج مریضک بالوقیۃ الشرعیۃ“ آپ اپنے مریض کا شرعی تعویذ سے کیسے علاج کریں۔ اس کتاب کے مصنف سعودی عرب کے مشہور سلفی عالم شیخ عبداللہ بن محمد اسد حمان ہیں، یہ کتاب پانچ بڑے علماء کی تقاریر کے ساتھ چھپ کر منظر عام پر آئی ہے۔ جن میں سے دو شیخ عبداللہ بن سلیمان المنیع اور شیخ عبداللہ بن عبدالرحمن الجبرین کبار علماء یورڈ ہیں، جبکہ دیگر تین علماء شیخ ناصر بن عبدالکریم العقل، شیخ محمد بن عبدالرحمن انیس اور شیخ عبدالحسن بن ناصر العزیز کان بھی جید علماء میں شمار کیے جاتے ہیں۔ زیر نظر کتاب چھپنے سے پہلے شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز کو پڑھ کر سنائی جا چکی ہے، اس کتاب کے آخر میں شیخ عبداللہ بن سلیمان المنیع کا ایک رسالہ بھی ملتی ہے، جس کا نام ہے ”الابانۃ فی التسمییز بین الطب الشرعی وخرافۃ الکھانۃ“۔

مذکورہ کتاب میں حسد، نظر، جادو اور اس کے علاوہ دیگر نامعلوم دلا علاج امراض کے علاج کے لیے قرآنی آیات و ادعیہ کا ثورہ پڑھ کر مریض کے بدن پر بھونکنے یا پانی پر دم کر کے اس کو پینے اور غسل کرنے کے طریقے بتائے گئے ہیں۔ آیات و ادعیہ کی تاثیر بے نظیر کے یہ علماء اس قدر قائل ہیں کہ شرعی تعویذات کی انہوں نے نہ صرف اجازت دی بلکہ اس کے رواج کے ختم ہو جانے پر اپنی تشویش کا اظہار بھی کیا ہے اور حکومت سے درخواست کی ہے کہ ہر ہسپتال میں رقیۃ شریعہ کا ایک کاؤنٹر کھولنا چاہیے، جہاں سے لا علاج سے پریشان حضرات شرعی تعویذ حاصل کر سکیں۔ نیز ان معاملات میں صالح جن کی خدمات حاصل کرنے کا جواز بھی شیخ ابن تیمیہ کے حوالہ سے مذکور ہے۔

اس میں شک نہیں کہ رقیۃ شریعہ دینے والے کے لیے مصنف نے بڑی معقول شرائط رکھی ہیں، مثلاً یہ کہ اس کے عقائد درست ہوں، پابند شرع ہو، شرعی تعویذ میں کوئی ایسی بات شامل نہ ہو، جو عقیدہ تو حید کے منافی ہو، شرعی تعویذ دینے والے کا عقیدہ ہو کہ شافی صرف اللہ پاک کی ذات ہے اور یہ کہ جو کچھ وہ دے رہا ہے، اس میں بھی اس ذات پاک نے تاثیر رکھی ہے، نیز تعویذ استعمال کرنے والے کا عقیدہ بھی یہی ہو کہ شفا صرف اللہ کی قدرت و اختیار میں ہے، وغیرہ وغیرہ۔ ان تمام

اور ان کے بیٹے شیخ عبداللہ کے فتویٰ بھی نقل کیے ہیں ملاحظہ ہو۔

(۱) مسئلہ الشیخ محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ عن عدد التراويح فأجاب: الذی استحباب أن تكون عشرين رکعة۔

ترجمہ: شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی رحمہ اللہ سے تراویح کی رکعات کے عدد کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ میرے نزدیک بیس رکعت مستحب ہے۔

(۲) وأجاب ابنہ الشیخ عبد اللہ رحمہما اللہ: الذی ذکرہ العلماء وحکمہ اللہ أن التراويح عشرين رکعة ترجمہ: اور ان کے بیٹے شیخ عبداللہ نے جواب دیا کہ علماء رحمہم اللہ نے بیس رکعت ذکر کیا ہے۔ اس موضوع پر شیخ صالح الفوزان نے بڑی تفصیلی بحث کرتے ہوئے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ تراویح کی تعداد متعین طور پر نصوص میں وارد نہیں ہے۔ البتہ اگر رکعت طویل ہوگی تو تعداد کم ہو جائے گی اور عاشر صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث پر عمل کرتے ہوئے گیارہ رکعات پر اکتفا کیا جائے گا اور اگر رکعات خفیف ہوں گی تو تعداد بڑھ جائے گی جو امام مالک کی روایت کے مطابق چھتیس (۳۶) رکعت بھی ہو سکتی ہے اور امام ابوحنیفہ، شافعی اور احمد بن حنبل کے مذہب کے مطابق بیس رکعت بھی ہو سکتی ہے اور اسحاق بن ابراہیم کے مذہب کے مطابق اکتالیس (۳۱) رکعت بھی ہو سکتی ہے، جسے ابی بن کعب نے روایت کیا ہے۔ حاصل بحث یہ ہے کہ شیخ صالح الفوزان کی مذکورہ کتاب میں برصغیر کے سلفیوں کی آٹھ رکعت والی تراویح کے لیے کوئی حجت پیش نہیں ہے۔ شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز کے فتویٰ کی ایک کاپی بھی میرے پاس ہے جس میں شیخ ابن باز نے تراویح کی تعداد متعین نہ ہونے کی بات کہتے ہوئے بیس رکعت کو مستحب اور گیارہ یا تیرہ رکعت کو افضل قرار دیا ہے۔ تاہم آٹھ رکعت کا کہیں ذکر نہیں ہے، جریمین شریفین کے بشمول سعودی عرب کی دیگر بہت سی مسجدوں میں بیس رکعت تراویح ہوتی ہے، جبکہ بہت سی مسجدوں میں وتر سمیت گیارہ یا تیرہ رکعت ہوتی ہے، واضح رہے کہ سلفی مکتب فکر میں وتر ایک رکعت ہی ہے۔ تین رکعت اگر پڑھتے ہیں تو دو رکعت کے بعد سلام ضرور پھیرتے ہیں۔ لہذا اگر مجموعی صورت حال کا جائزہ لیں تو جن مسجدوں میں گیارہ رکعت تراویح ہوتی ہے وہاں تراویح آٹھ رکعت ہی

شرائط سے کسی بھی اہل علم کو ہرگز اختلاف نہیں ہو سکتا۔ اس کتاب کے ذکر سے میرا مقصد تعویذ گنڈوں کی تجارت کرنے والوں کے لیے سند جواز فراہم کرنا نہیں بلکہ یہ ظاہر کرنا ہے کہ سعودی عرب کے اکابر علاقہ شرعیہ کی طرف اجازت ہی نہیں دیتے بلکہ اس کی طرف لوگوں کو مائل کرتے ہیں، گویا ایک سنت مردہ ہو گئی تھی، جس کے احیاء کی کوشش کر رہے ہیں، یہاں تک کہ حکومت سے ہمتالوں میں احتجاج کا وٹنر کھولنے کی سفارش کر بیٹھے، جبکہ برصغیر کے سلفیوں کا یہ حال ہے کہ ان کے سامنے رقیہ شرعیہ کا نام بھی لیا جائے تو وہ ایسے بدکتے ہیں، جیسے امریکی صدر یا عوام کے سامنے کسی نے اسامہ بن لادن کا نام لے لیا ہو۔

ہم بدعت کی شفاعت سے شوق غافل ہیں اور نہ ہی اس کے منکر۔ لیکن احادیث و آثار سے ثابت متواتر عمل متواتر مسائل و معتقدات کو بدعت کے خانہ میں ڈالنے والے افراد کے خلاف تعزیرات شرع کی کن دفعات کے مطابق مقدمہ چلایا جائے اور کیا کیا سزائیں تجویز و نافذ کی جائیں؟ برصغیر کے سلفی اگر اب علم و فضل سے ہمارا سوال ہے۔

ہم اپنے مضمون کا اختتام ان معروضات کے ساتھ مناسب خیال کرتے ہیں کہ ساری دنیا کے مسلمان سلفی ہیں۔ لیکن وہ کبھی اتنے بڑے نہیں ہوئے اور مذاہب فقہ یا ائمہ فقہ کا دامن کبھی اتنا تنگ نہیں رہا کہ وہ اس میں سنا نہ سکیں۔ ضرورت صرف نخوت و پندار علم کو توڑنے کی تھی۔ اور کبھی ہوتا آیا ہے، کبھی بھی اہل سنت کے معتقد میں و متاخرین غرور علم کا شکار نہیں ہوئے۔ ہمارے ایک سے زیادہ اساتذہ اور احباب سلفی ہیں، جن کے ساتھ ہماری نشست و برخاست ہے۔ اگر ان تک میری تحریر پہنچے اور آئینہ دل کو نہیں لگے تو میری گزارش ہے کہ کڑوروں تھلید کے قائل مسلمانوں کے دلوں میں پیدا ہونے والی ٹیس کو محسوس کریں آپ کا درو کم ہو جائے گا۔ ہم نے تو صرف برصغیر کی سلفی جماعت کے اجتماعی مزاج کا ایک سرسری جائزہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ یقیناً ان میں کچھ معتدل مزاج علماء و عوام بھی ہیں جنہیں تکلیف پہنچی ہو تو میں معذرت خواہ ہوں۔ لیکن سلفیوں کی جانب سے تو مقلد مسلمانوں، ان کے امام اور عبادات کے بعض ارکان کی نشاندہی کر کے ایسی دلخراش باتیں کہی جاتی ہیں، جن سے شرافت کا ضمیر چھلنی ہو جاتا ہے، بطور مثال عرض کر دیں کہ رفع یدین، قرأت خلف الامام، احرام نماز (ہاتھ سینہ پر باندھنا یا ناف پر)، نمازوں کے اوقات، تراویح اور وتر کی رکعات من جملہ ان مسائل کے ہیں جو حنفی

اور سلفی کے مابین مختلف قیہ ہیں، اپنے مسائل پر تشدد کے ساتھ مل ہونے کے باوجود کوئی حنفی عالم مذکورہ بالا مسائل میں سلفی موقف کو یہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکا۔ احناف کا موقف یہی رہا ہے کہ وہ مروجہ خلاف اولیٰ ہیں اور بس، اس کے برخلاف سلفی موقف یہ ہے کہ انھیں عمل بدعت لگتا ہے جسے وہ نہیں کرتے۔ تراویح کی تین رکعت، وتر کی دو رکعت، اقامت میں شہادتیں کا اعادہ، نماز کی حالت میں ناف پر ہاتھ باندھنا، آملین بالسر، عدم رفع یدین اور ان کے علاوہ وہ دوسرے تمام جنہیں وہ نہیں کرتے ہیں، انہیں یا تو وہ ضعیف احادیث سے مستحکم بدعت قرار دیتے ہیں۔ علم و انصاف کا خون تو تب ہوتا ہے جب یہاں کے بھٹکے ہوئے آہو اور ناخواندہ عوام مسلمان کے نادان دوست حدیث کے اجمالی مفہوم سے بے بہرہ عوام کو ضعیف اور صحیح حدیث کا فرق بتاتے ہیں کہ ضعیف کہتے ہیں کزور اور بوڑھی حدیث کو۔ کاش انہیں کوئی علم والا ہوتا کہ صحت و ضعف کا معیار جسے محدثین کرام نے قائم کیا ہے سرسرفی اور ٹھکنی ہے۔ اس سے نفس حدیث کی صحت و ضعف متعین نہیں جاسکتی۔ بلکہ اجتہاد میں اسے معیار بنا کر موقف متعین کیا جاسکتا ہے۔ رسول گرامی وقار محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کر کے جو کچھ بھی بیان کیا گیا ہو اگر وہ مقام نبوت اور مزاج اسلام کے خلاف نہ ہو تو اپنی اہمیت برابر ہے اسے کزور یا بوڑھی حدیث نہیں کہا جاسکتا تھا۔ چہ جائیکہ وہ احادیث سے ائمہ کرام نے مسائل کا استنباط کیا ہے، ان میں بھی خاص طور سے ابوحنیفہ نے جو کہ عہد نبوت سے اقرب ترین امام ہیں۔

پھر بھی اگر صحیح اور ضعیف احادیث کا ذکر کرنا ہی ٹھہرا تو ان جابلوں کے سامنے ذکر کرنے کا کیا مطلب لگتا ہے، جن کے ذہن میں ضعیف کا لفظ ہی جذباتی تحقیر انگڑائیاں لینے لگے۔ کیا یہ کلام رسالت مآب کی توہین نہیں ہے؟ کیا انہیں اتنا سمجھا دینا کافی نہیں ہے کہ ہم جو کرتے ہیں وہ دوسروں کے متبع میں زیادہ بہتر ہے، البتہ ان کا عمل بھی صحیح ہے۔ علم و تحقیق کی اس سے بڑی دامن اور کیا ہو سکتی ہے کہ بغیر سوچے سمجھے کسی بھی عمل کو بدعت قرار دے جائے۔ مقام حیرت ہے کہ ایک ایسی قوم جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق سے یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کسی چیز کے حلال یا حرام کرنے کا اختیار نہیں دیا تھا اور اعلان کرے کہ التحلیل والتحریم حق حلال و حرام کرنا اللہ کا حق ہے، لیکن خود اپنے لیے حق میں سینہ دکھانے کا حق محفوظ رکھے۔

بقیہ صفحہ ۲۱۲ پر ملاحظہ کریں

تمیز نازکی نسبت کہاں؟

والے راستے میں متعدد کشادہ سڑکیں، قدم قدم پر شفا خانے، بارونق گلیاں، قابل دید بازار اور اس طرح کی بہت ساری دوسری سہولتوں اور حسن انتظام پر سعودی حکومت یقیناً اائق تحسین ہے۔ بمقتوں کا تھکا ہارا مسافر جب اپنے لیے اتنی ساری سہولتوں اور حرم کی جدید ترین تعمیر کو دیکھتا ہے تو سفر کی کلفتوں کو بھول جاتا ہے۔

زیارت بیت اللہ، طواف کعبہ اور دیگر ارکان و زیارت سے شاد کام ہونے والے خوش نصیب زائر کی نگاہ حین زار عقیدت کو تلاش کرتی ہے، مشام روح خوشبوئے وفا کی جستجو کرتی ہے، دل کی دنیا متاع گرانمایہ کے دیدار کی تمنا کرتی ہے اور جذبہ عشق، یوسف گم گشت کا متلاشی ہوتا ہے۔ نگاہوں کی عقیدتیں اپنے اس معمول سرمائے کو کشادہ سڑکوں پر بارونق بازاروں میں، حسین گلیوں میں، سربفلک عمارتوں میں اور ایک ایک مقام پر ڈھونڈتی ہیں۔ لیکن حیف صد حیف! کہ تمام تر تلاش ساری جستجو اور غریب الوطن عقیدتوں کی ہزار آبلہ پانی کے باوجود وہ متاع گم شدہ، وہ سرمایہ عقیدت، وہ مرکز احترام جس کا براہ راست تعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے تھا، نہیں ملتا۔ جسمانی آرام و آسائش کا اہتمام کرنے والی حکومت سے عقیدتیں ہر سال سوال کرتی ہیں اور قیامت کی صبح تک سوال کریں گی کہ آخر وہ متاع عقیدت کہاں گئی؟ وہ سرمایہ محبت کیا ہوا؟ کیا ہوا! نایاب تہکات کا؟ مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کہاں گیا؟ مولد فاطمہ کہاں گیا؟ دار ارقم کہاں گیا؟ باب ام بانی کہاں گیا؟ قبۃ خدیجہ الکبریٰ کہاں گیا؟ تہکات کی دنیا کیسے ختم ہو گئی؟ کہاں غائب ہو گئی؟ اور کیسے مٹا دی گئی؟ مکہ کے بازار و اتم بتاؤ، بلند عمارتو! تم کچھ کہو، حرم کی دیوار و! تمہی کوئی نشاندہی کرو، ذمہ دار حکمرانو! تم ہی کچھ بولو عشق و ایمان کی امانت میں کس نے خیانت کی ہے؟ کس نے کی ہے یہ خیانت؟ لیکن افسوس کہ عقیدتوں کی پکار اور محبتوں کی دریافت پر خاموش مایوسیوں کے سوا کچھ بھی نہیں ملتا۔ جانے والے خوش نصیب حاجیو! اگر ہو سکے تو اس یوسف گمشدہ کو تم بھی تلاش کرنا اور اگر

کاروان عقیدت کی پیہم جستجو کے باوجود متاع عشق و محبت کا نام و نشان نہیں ملتا۔ جدا، طائف، ریاض، دامام اور مکہ کی صاف ستھری چوڑی کشادہ اور چکنی سڑکوں پر دندناتی ہوئی صبار قاتر تیز کاریں، کاروں میں قیمتی قالین، جدید طرز کے مکانات، سربفلک ایر کنڈیشنڈ عمارتیں، عمارتوں کے اندر ٹیلی ویژن، ریفریجیٹر، شاندار صوفے، ایرانی قالین اور آرام و آسائش کی تمام جدید سہولتیں اس بات کا اعلان کر رہی ہیں کہ تیل کی بے اندازہ دولت نے ان عربوں کی زندگی اور رہائش کو بے حد شاہانہ اور شہروں کو بہت ترقی یافتہ بنا دیا ہے۔ ایک سیاح جب ان سڑکوں سے گزرتا ہے تو کچھ دیر بٹھکر یہ ضرور سوچتا ہے کہ یہ ریگستان عرب کا کوئی خطہ ہے یا یورپ کے جدید ترین شہر کا کوئی حصہ؟

بے پناہ دولت کے مالک سعودی حکمران جہاں اپنے ملک کی مادی ترقی اور عوام کے طرز معاشرت اور انداز زندگی کو مغربی ممالک کے دوش دوش اور شانہ بشانہ کرنے کی جدوجہد میں مسلسل مصروف عمل ہیں، وہیں یہ حکمران موسم حج کی سہولت، زائرین کی راحت اور ہر سال آنے والے حاجیوں کے آرام کے خیال سے بھی غافل نہیں۔ اونٹوں کے زمانے کے سفر اور آج کے سفر میں زمین و آسمان کا فرق ہے، آج سفر کی تمام تر سہولتیں محض دولت ہی کی نہیں بلکہ حکمرانوں کی بھی رہن منت ہیں۔

جدہ میں وسیع ترین مدرستہ الحاج کی تعمیر، کشتن کی تیز رفتار کارکردگی، میٹھے پانی کی فراوانی، سوار یوں کی سہولتیں، ہر قسم کی تیز رفتار وازیاں پھر مکہ معظمہ میں حرم کی توسیع، جدید انداز کی بے حد خوبصورت پر شکوہ تعمیر، ملٹی اسٹوریز عمارتیں، بلند مینار، جابجا قالینوں کے فرش، خوشبوئی کے ان گنت بلب، ہر لمحہ صفائی کا التزام، تقریباً ہر دروازے سے قریب وضو خانے، انہی سے متصل سیکڑوں استنجا خانے اور بیت صفاء اور حرمہ کے ربیع ربیع میل کے طویل راستے پر کشادہ اور سہولتوں کی تعمیر، آنے جانے کی الگ الگ راہیں، پھر اس میں سیف، کمزور اور مجبور و محتاج کا جدا گانہ راستہ، مٹی اور عرفات تک جانے

محلہ دارالجو کے نشیب میں چار کمروں پر مشتمل خدمتِ الکربری رضی اللہ عنہا کا بابرکت مکان مرجعِ خلافت تھا۔ جس کی دیوار پر سنگ مرمر کی گلی تختی پر مندرجہ ذیل عبارت کندہ تھی۔

حضرت فاطمہ زہرہ بتول سیدۃ نساء العالمین بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعمیر کا حکم سیدنا مولانا مفروض الطاعت امیر المومنین ناصر الدین نے اس کے منافع اور پیداوار کو پہلے اس کے مصالحوں پر اس مقام نبوی کے مصالحوں پر حسب رائے متولی و عمرانی کار خلاصت لوجہ وقف کیا جو شخص اس میں تعمیر و تبدل کرے اس پر خدا کی لعنت اور کمرے والوں کی لعنت قیامت تک ہو۔ ۶۰۴ء کتابت (عربی عبارت کا ترجمہ) اس عظیم تاریخی تبرک کو تلاش کرنے والے مکہ کی ایک ایک گلی میں تلاش کرتے ہیں لیکن اس بابرکت مکان کا ملنا تو کجا کوئی اس کا پتہ نشان بتانے والا نہیں ملتا۔

دارالرقم:- یہ محترم مکان حضرت ارقم مخزومی رضی اللہ عنہ کا تھا جو تاریخی روایت کی بنیاد پر کوہ صفا کی بائیں جانب محلہ دارالخیزران کی ایک گلی میں واقع تھا۔ یہ وہ زیارت گاہ تھی، جس میں کفار ان مکہ کے مظالم سے تنگ آکر سرکار نے اقامت فرمائی تھی، یہیں سے اسلام کی خوش تبلیغ کا کام ہوا کرتا تھا، یہی وہ زمین تھی جس پر بندگانِ خدا ظالموں کے شر سے چھپ کر خدائے واحد کی بارگاہ میں سجدہ کیا کرتے تھے۔ حضرت رسول پر آدھ عمر کو اسی مکان میں دولت ایمان کا لازوال خزانہ ملا تھا۔ یہیں سے اہل حق کا قافلہ خانہ کعبہ کی سرزمین پر تجد نیا کی نذر پیش کرنے گیا تھا اور ڈنکے کی چوٹ پر نماز باجماعت کی ابتدا ہوئی تھی، اس مرکزِ عقیدت کو دریافت کرنے والوں کی زبان میں کانٹے پڑ جاتے ہیں لیکن کوئی رہنمائی کرنے والا نہیں ملتا۔ اور حد تو یہ ہے کہ مکہ جعفریہ تک میں اس مکان کے وجود کا نشان نہیں ملتا۔ حالانہ تاریخ کے صفحات پکار رہے ہیں کہ دارالخیزران میں حضرت ارقم کا وہ مکان تھا جس کی مشرقی دیوار پر مندرجہ ذیل عبارت کا کتبہ تھا۔

بسم اللہ... امن گھروں میں جن کے متعلق خدائے یہ حکم ہے کہ وہ بلند کیے جائیں گے، ان میں خدا کا نام لیا جائے گا اور صبح و شام ان میں خدا کی تسبیح پڑھی جائے گی، یہ رسول اللہ کے چھپنے کی جگہ خیزران کا مکان ہے، اسلام کی ابتدا یہیں سے ہوئی۔ اس کی تجوید عمارت کا حکم امین الملک نے خلاصہ لوجہ اللہ دیا اور خدا تعالیٰ کے

کہیں مل جائے تو تشہد کا مان زیارت کی جانب سے عقیدتوں کی نذر اور محبتوں کا سلام پیش کرنا۔ لیکن پتا بتانے کے باوجود تحقیق ہے کہ تمہاری تلاش و جستجو بھی کامیاب نہ ہو سکے گی۔

لیے پھرتی ہے بلبل چوچ میں گل
شہید ناز کی تربیت کہاں ہے؟

مولد النبی:- وہ مقدس و بابرکت مکان جہاں فخر آدم، تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت طیبہ ہوئی تھی، جہاں فرشتے اور سید الملائکہ دست بستہ امین سلامی کے لیے حاضر ہوئے تھے، جہاں حوران بہشتی خدمات پر مامور کی گئی تھیں، جہاں حضرت مریم، حضرت باجرہ، حضرت آسیہ پیغام مبارک و سلامت کے لیے آئی تھیں، جہاں نبی کریم نے شیر خوارگی کے چند دن گزارے تھے، جہاں سے ان کے عہد طفولیت کی بہت ساری یادیں وابستہ ہیں، جس زمین نے بچپن کے ننھے ننھے قدم پاک کو چوما، جن درود دیوار نے اس کے دست کرم کا شرف حاصل کیا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ یہ مقدس مکان شعب بنی عامر میں واقع تھا جو حرم سے دو سو قدم کے فاصلے پر واقع ہے۔ تین کمروں پر مشتمل یہ مکان زمین سے ڈیڑھ میٹر کی بلندی پر واقع تھا، جس میں چند زینوں پر چڑھ کر اندر داخل ہوا جاتا تھا۔ مکان کے ایک کمرے میں بطور نشان ایک قبہ اور کمرے کے وسط میں ذرا سی گہرائی تھی، یہی وہ مقام تھا، جہاں سے آفتاب نبوت طلوع ہوا تھا۔ لیکن آج مولد پاک اور اس مقدس زیارت گاہ کے دیدار کے لیے ترستی ہوئی نگاہوں کو مایوسیوں کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ اگر کوئی خوش بخت تلاش و جستجو اور رہبری و رہنمائی کے سہارے اس سرزمین تک پہنچنے میں کامیاب بھی ہو گیا تو وہاں کوڑے کرکٹ کے سوا کچھ نہیں ملتا۔

مولد فاطمہ:- یہ مکان حضرت خدمتِ الکربری رضی اللہ عنہا کا تھا، یہ وہ مقدس اور با عظمت مکان تھا، جس میں نزول وحی کے بعد سب سے پہلے سرکار تشریف لائے تھے اور مکمل اوڑھانے کی فرمائش کی تھی۔ یہیں سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ایک کمرے میں عبادت فرمایا کرتے تھے۔ یہیں قرآن کی آیتیں نازل ہوتی تھیں، یہیں جبریل امین سلامی کو حاضر ہوا کرتے تھے، یہیں سیدہ خاتون جنت پیدا ہوئی تھیں، یہیں ایک الماری میں ان کی چکی بطور تبرک کبھی موجود تھی، یہی گھر اسلام کی ابتدائی تبلیغ کا مرکز تھا، سو سال قبل کی تاریخ آج بھی پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ

والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ (ترجمہ)

قبرِ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا: مکہ کا قبرستان جس کا نام جنت المعلیٰ ہے، اسی کے مشرقی دروازے کے قریب ام المومنین زویہ سیدہ المصلین کی قبر انور اور قبر انور پر ایک مختصر لیکن خوبصورت سابقہ تھا۔ ہم سارے مسلمانوں پر تو اسلام کا احسان ہے۔ لیکن بلاشبہ اسلام پر سیدہ خدیجہ کا احسان ہے، یہ وہ طیبہ طاہرہ خاتون تھیں، جنہیں بیوگی کے باوجود میرے سرکار نے اپنی زوجیت کا شرف عطا فرمایا۔ نزول وحی کے بعد جنہوں نے سب سے پہلے سرکار کی زیارت فرمائی۔ کبمل اوڑھ لیا اور تسکین کی باتیں کیں، سب سے پہلے حضور کی رسالت پر ایمان لا کر عورتوں میں اولین اسلامی خاتون کا اعزاز حاصل کیا۔ جن کی بے شمار دولت کی ایک ایک پائی اسلام کے لیے وقف ہوئی اور جن کا سرمایہ آڑے وقتوں میں اسلام کے کام آیا۔ جن کے شوہر رسول خدا، جن کی صاحبزادی فاطمہ زہراء جن کے داماد شیر خدا، جن کے نواسے حسن مجتبیٰ اور حسین شہید کربلا تھے۔ حیف! آج ان کی مقدس قبر کا پتا و نشان نہیں ملتا۔ جنت المعلیٰ کے مشرقی حصے میں منہدم شدہ قبر کا ڈھیر ملتا ہے۔ توڑ پھوڑ کا مزاج نظر آتا ہے۔ عظمت و تقدس کی دھجیاں بکھری دکھائی دیتی ہیں۔ لیکن اس عظیم المرتبت خاتون جن کے لمبوں کی دھول مل جائے تو گنہگاروں کی نجات ہو جائے، ان کی قبر کے نشانات نہیں ملتے اور مشتاق زیارت ترستی ہوئی آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسوؤں کے سائے میں فاتحہ پڑھ کر زخمی جذبات کے ساتھ واپس ہونے پر مجبور ہوتا ہے۔

باب ام ہانی: دنیا جانتی ہے کہ معراج کی رات سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام ہانی کے گھر تشریف فرما تھے، یہیں جبریل امین نے حاضر بارگاہ ہو کر سلام کے بعد دیدار الہی اور معراج کا مژدہ سنایا اور چلنے کی درخواست کی۔ حضور یہاں سے حرم شریف تشریف لائے، پھر شفیق صدر وغیرہ کے بعد ستر ہزار فرشتوں کے جلو میں حرم کعبہ سے مسجد اقصیٰ تک کے لیے روانہ ہوئے۔ خانہ ام ہانی سے چل کر جس دروازے کے ذریعے حضور نے حرم پاک میں قدم رکھا اس دروازے کا نام اسی مناسبت سے باب ام ہانی رکھ دیا گیا تاکہ عقیدت مند نظر جبہ اس پر پڑے تو واقعہ معراج کی یاد تازہ ہو۔ حضرت ام ہانی کی عظمت و تکریم سے دل معمور ہو اور عقیدت و محبت کا چمن زار ایک نئی بہار سے ہم کنار ہو۔ لیکن نیاز مند آنکھیں حرم پاک کے ایک ایک دروازے کو

دیکھتی ہیں، اس پر لکھی عبارتوں کو بار بار پڑھتی ہیں لیکن کسی دروازے پر باب ام ہانی لکھا نہیں ملتا۔ ہیثم تلاش و جستجو اور دریافت کے بعد پتا چلتا ہے کہ وہ دروازہ جس پر باب عبدالعزیز لکھا ہے، وہی دراصل کبھی باب ام ہانی تھا۔ اگر انصاف و دنیا سے ختم نہیں ہو گیا اور ضمیر مردہ نہیں ہو گئے تو میں پوچھنا چاہتا ہوں اور عوامی عدالت میں استغاثہ پیش کر کے فیصلہ قلب لینا چاہتا ہوں۔ ایک زائر کا قدم جب حرم کی سرزمین پر پڑتا ہے تو اس کی نگاہ شوق و عشق و ایمان کے مرکزوں کو تلاش کرتی ہے، اسلاف کی یادگاروں کو ڈھونڈتی ہے یا کسی عبدالعزیز کو؟ کاروان محبت ہر قدم پر اپنے مقدس محبوب کی نشانیوں کو تلاش کرتا ہے یا پھر ان کے چہرے کی یادگاروں کو؟ اور جب صورت حال یہ ہے تو پھر فیصلہ دیجیے کہ یہ سب کچھ آباء پرستی کی بدترین بدعت کے سوا کچھ بھی نہیں۔

اس طرح کی اور بہت سی یادگاریں ہیں اور نشانیاں ہیں جو تاریخ کے صفحات پر قلمبندی ہیں لیکن مکہ معظمہ کی سرزمین پر ان کا نام و نشان نہیں ملتا۔ مکہ کے بارونق بازاروں میں دنیا کے ہر ملک کی چیزیں بکتی ہیں۔ ہر قسم کا سامان ملتا ہے۔ لیکن نہیں ملتا تو مولدا النبی نہیں ملتا، مولد فاطمہ نہیں ملتا، دار ارقم نہیں ملتا، قبر خدیجہ نہیں ملتا، باب ام ہانی نہیں ملتا اور تہذیب کی چمک، تمدن کی روشنی اور دولت کی فراوانی میں یہ یادگاریں اس طرح دبائی گئی ہیں جیسے واقعات کی دنیا میں ان کا کوئی وجود تھا ہی نہیں۔

آج عقیدتوں کی دنیا ارباب اقتدار سے سوال کرتی ہے کہ کیا مولد نبی کی دیواریں لائق توقیر نہ تھیں، اس کی زمین محبتوں کی بوسہ گاہ نہ تھی، مولد فاطمہ کے بام و در قابل تکریم نہ تھے، خدا کے آخری نبی کا عبادت خانہ اور وحی الہی کا مقام نزول باعث عزت نہ تھا۔ کیا اسلام کی اولین خاتون کا قبر قابل تکریم نہ تھا۔ کیا ام ہانی کا نام لائق التفات نہ تھا؟ اگر تھا اور یقیناً تھا تو ان مقامات مقدسہ کی بقا اور تحفظ کا معقول و مناسب انتظام کیوں نہیں کیا گیا؟ حرم کی توسیع پر کروڑوں اور اربوں خرچ کرنے والوں سے کوئی دریافت کرے کہ وہ عمارتیں کیوں منہدم ہوئیں؟ وہ نشانیاں کیوں زمین بوس ہوئیں؟ وہ مآثر کیوں بے نام و نشان ہوئے؟ کیا ان یادگاروں کا تحفظ ممکن نہ تھا؟ کیا ان کی خیدہ دیواروں کو چند ریال کے سہارے کھڑے نہیں رکھا جاسکتا تھا؟ کیا چودہ سو سال پرانی دھول مٹیوں کو دبیز شیشوں سے ڈھانک کر محافظ کا حق ادا نہ کیا جاسکتا تھا؟

بقیہ صفحہ ۷۸ پر ملاحظہ کریں

تحریک وہابیت: ہندوستانی تناظر میں

حدیث پڑھ دی کہ ”جو شخص میری امت کے فساد کے وقت میری سنت کو اپنائے اس کے لئے شہید کا اجر ہے۔“ محدث چچانے اس کٹ جتنی اور پیما کی پرفرمایا: ”بابا ہم تو سمجھے تھے کہ اسماعیل عالم ہو گیا مگر وہ تو ایک حدیث کا معنی بھی نہ سمجھا۔ یہ حکم تو اس وقت ہے جب کہ سنت کے مقابل خلاف سنت ہو اور ناخن فیہ (زیر بحث مسئلہ) میں سنت کا مقابل خلاف سنت نہیں، بلکہ دوسری سنت ہے، کیوں کہ جس طرح رفع یدین سنت ہے، یوں ہی ارسال بھی سنت ہے۔“

(حکایات اولیا - دارالشاعت کراچی - ص: ۱۳۰)

یہ آزادی اور بڑھی تو تقویۃ الایمان کی صورت میں سامنے آئی۔ انبیاء اور اولیا کی شان میں ایسے نازیبا کلمات استعمال ہوئے کہ الامان والہ الخفیظ، اہل دانش سمجھ گئے کہ زبان امپورٹ کی ہوئی ہے۔ انہیں کے مطلب کی کبریاہوں امپورٹ زبان میری ہے بات ان کی۔“ دہلی کے مشہور نقشبندی مجددی عالم و شیخ طریقت حضرت شاہ ابوالحسن زید فاروقی (متوفی ۱۹۹۳ء) تحریر فرماتے ہیں:

اس کتاب (تقویۃ الایمان) سے مذہبی آزاد خیالی کا دور شروع ہوا۔ کوئی غیر مقلد ہوا، کوئی وہابی بنا، کوئی اہل حدیث کہلایا، کسی نے اپنے کو سلفی کہا ائمہ مجتہدین کی جو منزلت اور احترام دل میں تھا وہ ختم ہوا۔ معمولی نوشت و خواند کے افراد امام بننے لگے۔ اور افسوس اس بات کا ہے کہ توحید کی حفاظت کے نام پر بارگاہ نبوت کی تعظیم و احترام میں تفصیلات کا سلسلہ شروع کر دیا گیا۔ (تقویۃ الایمان اور مولانا اسماعیل دہلوی - شاہ ابوالخیر اکیڈمی چٹائی قبر دہلی - ۶ ج: ۹)

شاہ اسماعیل دہلوی کی اس رسوائے زمانہ کتاب پر ایک طوفان برپا ہو گیا۔ باز پرس ہوئی، مناظرے ہوئے، ان گنت کتابیں رد میں لکھی گئیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہ آنکھوں سے معذور ہو گئے تھے، کسی نے سنایا تو چہرہ سرخ ہو گیا، فرمایا اگر بیمار یوں سے معذور نہ ہوتا تو ”تحفہ اشاعریہ“ کا سا جواب اس کے رد میں بھی

ہندوستان میں اسلام کی تاریخ بتاتی ہے کہ عرصہ دراز تک یہاں مسلمان ایک تھے۔ مذہب ایک تھا، عقیدہ و مسلک میں یکسانیت تھی۔ وہ اتحاد و اتفاق کی دولت سے مالا مال تھے۔ اختلاف و انتشار کا دور دور تک نام و نشان نہ تھا۔ یہ ایک ایسی تاریخی حقیقت ہے جس سے انکار ممکن نہیں۔ ہاں! جب مقلوں کا دور شروع ہوا تو وقتاً فوقتاً شیعیان علی نے ہندوستان کا رخ کیا اور اپنے قدم جمائے لیکن جب بھی ان کے نظریات کے فتنے نے سر اٹھایا تو علمائے اہل سنت نے ان کی سرکوبی میں ذرا کوتاہی نہ فرمائی چنانچہ اگر مجدد الف ثانی نے ”رد و افاض“ کے نام سے رسالہ لکھا تو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ”المقدمۃ السنۃ لانقصار الفرقۃ السنۃ“ کے نام سے اس کا عربی ترجمہ فرمایا۔ پھر ردھیمیت میں نہایت شرح و بسط کے ساتھ لکھی گئی حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی معرکہ آرا تصنیف ”تحفہ اشاعریہ“ کی خدمت کو کون فراموش کر سکتا ہے جب مغلیہ سلطنت کا زوال شروع ہوا اور ہند کی سر زمین پر انگریزوں نے اپنے ناپاک پنجے گاڑے تو دین بیزاری، آزاد خیالی اور گمراہی و بے راہ روی کی ایک ہوا چل پڑی۔ جماعت غیر مقلدین ہی کے ایک نامور پیشوا مولوی محمد حسین بٹالوی اس امر کی شہادت دیتے ہیں۔

اے حضرات! یہ مذہب سے آزادی اور خود سری و خود اجتہادی کی تیز ہوا یورپ سے چلی ہے اور ہندوستان کے ہر شہر و بستی کو چہرہ دگی میں پھیل گئی ہے جس نے غالباً ہندوؤں کو ہندو اور مسلمانوں کو مسلمان رہنے نہیں دیا۔ خفی اور شافعی مذاہب کا تو کیا پوچھنا ہے۔ (اشاعت السنۃ جلد ۱۹ - شمارہ ۸۵ ص: ۲۵۵)

یعنی یہ ہوا خود بخود نہیں چلی بلکہ ایک خاص پلاننگ کے تحت انگریزوں کی طرف سے چلائی گئی تھی۔ جس کے لئے عظیم ولی اللہی خاندان کے چشم و چراغ شاہ اسماعیل دہلوی کو منتخب کیا گیا۔ جنہوں نے اپنے خفی آبا و اجداد اور اساتذہ کے برعکس رفع یدین شروع کیا تو اہل دہلی نے دانتوں تلے انگلیاں داب لیں۔ ان کے علم محترم شاہ عبدالقادر محدث دہلوی نے رفع یدین سے ممانعت فرمائی تو فوراً جواب میں

لکھتا - (تفصیلات: انوار آفتاب صداقت، از قاضی فضل احمد لدھیانوی - مطبوعہ کریپی پریس لاہور)

دوسری طرف ان تمام معاملات سے بے نیاز ہو کر اسماعیل دہلوی اپنی ڈگر پر بڑھتے ہی رہے۔ بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا اصول پر مشرت وناموری بھی ان کے قدم چومتی رہی، برٹش گورنمنٹ اسے غیر معمولی اہمیت دے رہی تھی۔ کتابیں مفت تقسیم ہو رہی تھیں۔ لندن میں اس کا انگلش ترجمہ ہو رہا تھا۔ (ملاحظہ فرمائیں: العلامة فضل حق خیر آبادی - از ڈاکٹر قمر النساء عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن - مقالات سرسید - مجلس ترقی ادب لاہور - جلد ۵ ص ۱۷۸)

صاحب تقویۃ الایمان کی انگریز نوازی اب ایسی کوئی ڈھکی چھپی بات نہ رہی جس پر تعجب کیا جائے۔ انگریزی حکومت کی محبت میں سعودی حکومت کی طرح دھابلی اسٹیٹ کے قیام کے لئے تو سرحد کے غیور خوش عقیدہ حنفی پٹھانوں سے لڑتے ہوئے انھوں نے اپنے خون کا آخری قطرہ بھی بہا دیا۔ اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خاں صاحب فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے خوب فرمایا ہے:

وہ وہابیہ نے جسے دیا ہے لقب شہید و ذبح کا یا

وہ شہید لیلیٰ نجد تھا، وہ ذبح تیغ خیار ہے

یہاں پر جناب پروفیسر فیاض کاوش کی اس تحریر پر نظر ڈالنے چلیں تو بہتر ہوگا جو معلومات و دلچسپی سے خالی نہیں۔ لکھتے ہیں: ”شیخ نجدی نے عرب میں ”امیر سعود“ سے مل کر مسلمانوں کا قتل عام کیا۔ ان کے مال و متاع کو مباح کہہ کر لوٹ لیا۔

یہاں سید احمد بریلوی نے مولوی اسماعیل دہلوی سے مل کر ہندوستان میں وہی خونی ڈرامہ کھیلا جسے نجدیوں نے ڈائریکٹ کیا تھا۔ ہر عقل مند یہ ماننے پر مجبور ہوگا کہ یہ سازش انگریز اور صرف انگریز کی تیار کردہ تھی جس پر عمل کرانے کے لئے فرنگیوں کو دو کارندے نجد میں مل گئے تھے۔ ایک محمد بن عبدالوہاب نجدی۔ دوسرا امیر سعود اسی طرح انگریزوں کو دو ایجنٹ ہند میں بھی میسر آ گئے۔ ایک سید احمد رائے بریلوی۔ اور دوسرا مولوی اسماعیل دہلوی۔ یہاں بھی دو۔ وہاں بھی دو۔ یہ مماثلت بھی ویدنی ہے۔ عرب میں ”شیخ نجدی“ نے بے ادبی رسول کا جو ہنگامہ برپا کیا تھا۔ وہی کارنامہ ”شیخ ہندی“ نے یہاں انجام دیا۔ شیخ نجدی نے کتاب التوحید لکھ کر عظمت مصطفیٰ کے نورانی مینار گرائے، تو

”شیخ ہندی“ نے ”تقویۃ الایمان“ لکھ کر توہین مصطفیٰ کے شیطانی ہتھیار سجائے۔ وہاں عرب میں بھی نجدی شمشیر سے خون مسلم بے دریغ بہایا گیا۔ یہاں ہندوستان میں بھی مسلمانوں کی گردن پر ”اسماعیلی خنجر“ آزمایا گیا۔ جس طرح ابن عبدالوہاب نجدی نے اقتدار و حکومت کے بل بوتے پر کتاب التوحید کا عملی نفاذ کیا۔ بالکل اسی طرح مولوی اسماعیل نے ”تقویۃ الایمان“ کے عمل اور حتمی نفاذ کے لئے اقتدار و حکومت کا سہارا لیا۔ جس طرح ابن عبدالوہاب نجدی نے ان مسلمانوں کو قتل کیا جنھوں نے اس کی بدعتیہ گئی کو تسلیم نہیں کیا تھا۔ بالکل اسی طرح مولوی اسماعیل نے بھی اپنے وہابیہ عقائد کے نفاذ کے مخالف مسلمانوں کا بے دریغ قتل عام کیا۔ جس طرح عرب میں برطانیہ کی سازش سے ”ترکی خلافت کا زوال ہوا“ اور وہابی سعودی سلطنت مستحکم ہوئی۔ بالکل اسی طرح ہندوستان میں برٹش پلان کے تحت مغلیہ سلطنت کا خاتمہ ہوا اور سرحد میں انگریز کے زیر سایہ وہابی اسٹیٹ قائم کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی۔ (تنگ دین تنگ وطن - مکتبہ نظامی بھونڈی، ص ۶۳-۶۴)

اس موضوع پر تفصیلی جائزہ کے لئے مندرجہ ذیل کتابوں کا مطالعہ مفید ہوگا۔

- ۱- حقیقت افسانہ جہاد، سید نور محمد قادری - ۲- حقائق تحریک بالا کوٹ، شاہ حسین گریزی - ۳- سید احمد شہید کی صحیح تصویر، وحید احمد مسعود بدایونی - ۴- امتیاز حق، راجا غلام محمد - ۵- تاریخ تناویلیاں، سید مراد علی - ۶- تنگ دین تنگ وطن، پروفیسر فیاض کاوش۔

جماعت غیر مقلدین کے پہلے امام شاہ اسماعیل دہلوی دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے دو اہم کارنامے تو انجام دے ہی گئے۔ اول تو یہ کہ افتراق بین المسلمین کا ایسا بیج بویا جس کے ثمرات آج پورے برصغیر میں پائے جا رہے ہیں۔ معروف عالم دین مولانا محمد رضا بجنوری دیوبندی کہتے ہیں کہ ”افسوس ہے کہ اس کتاب (تقویۃ الایمان) کی وجہ سے مسلمانان ہندوپاک جن کی تعداد بیس کروڑ سے زیادہ ہے اور تقریباً نوے فیصد حنفی المسلمین ہیں، وہ دگر وہ میں بٹ گئے۔“ (انوار الباری جلد ۱۱ ص ۱۰۷) ناشر العلوم بجنور)

ہفت روزہ خدام الدین لاہور کے سابق مدیر محمد سعید الرحمن علوی لکھتے ہیں: دعویٰ اہل حدیث ہونے کا ہے، لیکن حالات یہ ہیں کہ پنچریت، انکار حدیث، قادیانیت سمیت اکثر و بیشتر فرقوں کے بانی غیر مقلدیت کے بطن سے پیدا ہوئے۔ (مقدمہ: اہل حدیث اور انگریز - ص ۳)

دوم یہ کہ مقدس ترین ہستیوں کی شان میں ہرزہ سرانگیں اور گستاخیوں کا جو انھوں نے دروازہ کھولا تھا وہ پھر بند نہ ہو سکا۔ آج ہر چوک اور چوراہے پر یہ معائنہ کیا جاسکتا ہے کہ حدیث کا نام لے کر کوئی بھی ایسا غیر اہل حق و سیدہ کی شان میں کچھ بھی کہہ گزرنے میں ذرا ہلکا محسوس نہیں کرتا۔ یوں تو دیوبندیہ اور غیر مقلدیت ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں اور اقتصادیات میں دونوں کا تقریباً اتفاق بھی ہے، لیکن اس کے باوجود دیوبندی جماعت کی مشہور شخصیت مولانا اشرف علی تھانوی کے غیر مقلدین سے متعلق تاثرات قابل مطالعہ ہیں۔ یہاں موضوع کے اعتبار سے ملاحظہ فرمائیں۔ ایسے ہی اکثر غیر مقلد ہیں، حدیث کا تو نام ہی نام ہے۔ محض قیاسات ہی قیاسات ہیں، اپنے ہی مقلد ہیں، حدیث کی تو ہوا بھی نہیں لگی، اور ایک چیز کا تو ان میں نام و نشان نہیں، وہ ادب ہے، نہایت ہی گستاخ و بے ادب ہوتے ہیں جو جس کو چاہتے ہیں کہہ ڈالتے ہیں، بڑے جری ہیں اس باب میں اور بزرگوں کی شان میں گستاخی کرتے والا بڑے ہی خطرے میں ہوتا ہے سو خاتمہ کا۔“ (افاضات یومیہ - جلد ۱ - ص ۳۰۹)

ایک جگہ لکھتے ہیں: اکثر کے محبت دنیا ہیں، بزرگوں سے بدگمانی اس قدر بڑھی ہوئی ہے جس کا کوئی حد و حساب نہیں اور اس سے آگے بڑھ کر یہ ہے کہ بدزبانی تک پہنچے ہوئے ہیں۔ ادب اور تہذیب ان کو چھو بھی نہیں گئے۔ ہاں بعض محتاط بھی ہیں۔ وکیل ماہم۔ (اور وہ بہت تھوڑے ہیں) (افاضات یومیہ - جلد ۱ - ص ۲۲۲)

موجودہ دور میں خود کو سلفی کہنے والے اس فرقے کی بے ادبی و دریہ وقتی سے بزرگان دین، ائمہ مجتہدین اور سلف صالحین کی شخصیات مجروح نہیں ہوئیں بلکہ مقدس صحابہ کرام و اعظم انبیاء و مرسلین یہاں تک کہ اللہ رب العزۃ جل شانہ کی ذات و صفات بھی محفوظ نہ رہی ہیں۔ مندرجہ ذیل سطروں میں اہم نہایت اختصار کے ساتھ ان کے کتب و رسائل کے حوالے سے کچھ نمونے بخوف طوالت بلا تہرہ پیش کر رہے ہیں۔

آپ اپنے دھڑکتے ہوئے دل پر ہاتھ رکھ کر ان عقائد کو دیکھیں اور خود ہی انصاف کریں کہ اگر ایمان اسی کا نام ہے تو پھر زندگی کسے کہتے ہیں:

کیوں کفر کی جانب کھینچے ہے بزمین

اس کام کے لیے تو مسلمان بہت ہیں

بارگاہ خداوندی میں مولوی اسماعیل دہلوی لکھتے ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ کو جہت اور مکان سے پاک اور منزہ سمجھنا بدعت ہے۔ (ایضاح الحق الصریح ص: ۳۵ تا ۳۶ - مطبوعہ قاری و بی) (۲) مشہور غیر مقلد مصنف و قلم کار قاضی عبدالاحد خان دیوبند نے اپنے فرقہ کے امام مولوی ثناء اللہ امرتسری کا عقیدہ لکھا ہے کہ ”رب تعالیٰ اپنے مثل پیدا کرنے پر قادر ہے۔“ (الفیصلۃ الحجازیہ ص: ۲۳)

مزید لکھتے ہیں: مولوی ثناء اللہ امرتسری اللہ عز و جل کی ہزاروں مثلیں قرار دیتا ہے۔ (الفیصلۃ الحجازیہ ص: ۸)

(۳) مولوی عبدالستار دہلوی کا فتویٰ ہے: ”خدا کو ہر جگہ معتزلہ و جمیہ وغیرہ فرق ضالہ کا باطل عقیدہ ہے۔“ (فتاویٰ ستاریہ ص: ۸۴، جلد ۲)

(۴) مولوی اسماعیل دہلوی کا خیال ہے: ”غیب کا دریافت کرنا اپنے اختیار میں ہو کہ جب چاہے کر لیجیے، یہ اللہ صاحب حق کی شان ہے۔“ (تقویۃ الایمان ص: ۲۰ - مطبوعہ دہلی)

(۵) پس لاسلم کہ کذب مذکور محال بمعنی مسطور باشد الی قول لازم آید کہ قدرت انسانی زائد از قدرت ربانی باشد۔ (رسالہ یکہ روزی فارسی ص: ۱۷ - مطبوعہ ملتان از مولوی اسماعیل دہلوی)

ترجمہ: تو ہم تسلیم نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ کا جھوٹ محال بالذات ہو ورنہ لازم آئے گا کہ انسانی قدرت رب تعالیٰ کی قدرت سے ذلیل ہو جائے گی۔ مولوی ثناء اللہ امرتسری نے بھی لکھا ہے کہ:

”اللہ تعالیٰ جھوٹ بولنے پر قادر ہے کہنا عین ایمان ہے“ (اخبار اہل حدیث، امرتسر - ص: ۲، ۲۷ اگست ۱۹۱۵ء)

در بار رسالت میں: (۱) سب انبیاء و اولیا کے سردار بنییم تھے۔ اور لوگوں نے انہیں کے بڑے معجزے دیکھے۔ انہیں سے سب اسرار کی باتیں سیکھیں۔ اور سب بزرگوں کو انہیں کی پیروی سے بزرگی حاصل ہوئی۔ تو اس لئے انہیں کو اللہ صاحب نے فرمایا کہ اپنا حال لوگوں کے آگے صاف بیان کروں تاکہ سب لوگوں کو حال معلوم ہو جاوے۔ سو انھوں نے بیان کر دیا کہ بلکہ مجھ کو نہ کچھ قدرت نہ کچھ غیر

دانی میری قدرت کا حال تو یہ ہے کہ اپنی جان تک کے بھی نفع نقصان مالک نہیں تو دوسرے کا تو کیا کر سکیں۔ (تقویۃ الایمان ص: ۲۳)

(۲) جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں۔ (تہذیب

۲۴)

۲۵)

۲۶)

۲۷)

(الایمان - ص ۴۲۰، مؤلفہ اسماعیل دہلوی)

(۳) شفیق محمد شفیق کی ”خالص توحید“ کی یہ جارحانہ عبارت دیکھیے: اگر اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشکل کشا ہوتے تو کیا کسی کافر کی طاقت ہوتی کہ زندان مبارک شہید کر کے چلا جاتا۔ (ص ۴۷)

(۴) مولوی اسماعیل غزنوی اہل حدیث کے ذرا قلم کے تیر دیکھیں: جو کوئی یا رسول اللہ (صلعم) یا ابن عباس یا عبدالقادر جیلانی یا کسی اور بزرگ مخلوق کو پکارے یا اس کی دہائی دے۔ اس پکارنے سے اس کا مدعا دفع شر یا طلب خیر ہو یعنی ایسے امور میں امداد حاصل کرنا ہو جو خدا کے سوا کسی اور کے اختیار میں نہیں ہیں مثلاً کسی بیمار کا تندرست کرنا یا دشمن پر فتح حاصل کرنا یا کسی دکھ سے محفوظ رہنا وغیرہ تو ایسے امور میں خدا کے سوا کسی دوسرے سے امداد طلب کرنا شرک ہے، جو لوگ ایسا کریں وہ مشرک ہیں۔ شرک اکبر کے مرتکب ہیں۔ اگرچہ ان کا عقیدہ یہی ہو کہ فاعل حقیقی قطرب المعزت ہے اور ان صالحین سے دعا کرنے کا مقصد محض یہ ہے کہ ان کی سفارش سے مراد برائے گی۔ گویا یہ ایک واسطہ ہیں۔ یعنی ان کا فعل بہر حال شرک ہے اور ایسے لوگوں کا خون بہانا جائز ہے اور ان کے اموال کا لوٹ لینا مباح ہے۔ (تحفہ ہدایہ، ص ۵۹)

(۶) اخبار المحدثات امرتسر ۸ جنوری ۱۹۴۳ء میں حضور اکرم ﷺ سے منسوب کرتے ہوئے یہ شعر لکھتا ہے کہ:

سب انسان ہیں واں جس طرح سر اقلندہ
اسی طرح ہوں میں بھی اک اس کا بندہ

(۷) ”جان لینا چاہیے کہ ہر مخلوق بڑا ہوا چھوٹا وہ اللہ کی شان کے آگے چھارے بھی ذلیل ہے۔“ (تقویۃ الایمان، ص ۱۳)

(۸) سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق مولوی اسماعیل دہلوی کی کتاب ”صراط مستقیم“ کی اس ایمان سوز عبارت کو پڑھیں اور فیصلہ فرمائیں کہ یہ ”صراط مستقیم“ ہوسکتی ہے؟۔ (نماز میں) زنا کے وسوسہ سے اپنی بیوی کی محبت کا خیال بہتر ہے۔ اور شیخ یا اسی جیسے بزرگوں کی طرف خواہ رسالت اب نبی ہوں اپنی ہمت (خیال) کو لگا دینا اپنے تئیں اور گدھے کی صورت میں مستغرق ہونے سے زیادہ بڑا ہے۔

(ترجمہ صراط مستقیم، فارسی، ص ۸۶، مطبوعہ دہلی)

(۹) اس شہنشاہ (اللہ) کی تو یہ شان ہے کہ ایک آن میں ایک حکم گن سے چاہے تو کروڑوں نبی اور ولی اور جن و فرشتہ، جبرئیل اور محمد

ﷺ پیدا کر ڈالے۔“ (تقویۃ الایمان، ص ۳۱، مطبوعہ دہلی)

پیشوائے غیر مقلدین شاہ اسماعیل دہلوی کے اس عقیدے سے ختم نبوت کے انکار کا دروازہ کھلا اور قادیانیت کے فتنے نے سر نکالا۔

(۱۰) حافظ عبداللہ روپڑی کی ذرا بے باکی ملاحظہ فرمائیں: ”نبی پاک ﷺ دوسروں کا قرض اتارنے کے لئے حرام مال کو بھی استعمال میں لاتے رہے ہیں۔“ (بکرا دیلوی، ص ۳۱)

اسے آزاد خیالی، بے راہ روی، بے دینی کے سوا اور کیا نام دیا جائے کہ ان ہی علمائے غیر مقلدین میں سے کسی نے حضرت آدم کی خلافت کا انکار کیا۔ کسی نے حضرت ابراہیم کے معجزات کا رد کیا۔ کسی نے حضرت داؤد و یوسف، اور حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام کے معجزات جھٹلائے۔ غرض یہ کہ سلف سے ناطہ توڑ کر سلفی کہلانے والی اس جماعت کے جس فرد کے دل میں جو سما یا وہ کہہ گذرا اور اس ہوائے نفسانی کو بتی بین ایمان سمجھ بیٹھا۔

تفسیر السلف، تفسیر ثنائی، اربعین، اصلاح عقائد، الحق البتین، القول الفاضل، عیون زمزم، نظر حذیم، الطغر البلیغ علمائے غیر مقلدین کی مذکورہ کتابوں کا مطالعہ حقیقت حال کو آئینہ کرے گا۔

شان صحابہ میں:۔ جانثاران نبوت، نجوم فلک ہدایت، حاملین محبت صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین وہ مقدس و پاک باز مستیاں ہیں جن کو رسول پاک ﷺ کے فیض صحبت میں رہنے کی عظیم ترین سعادت نصیب ہوئی اور جنہوں نے جمال جہاں آرا کو اپنی آنکھوں سے بار بار دیکھا۔ جنہوں نے اللہ و رسول کی رضا کے لئے اپنا تن من و دھن لٹا دیا۔ جنہوں نے دین کی بحیثی کی آبیاری اپنے خون سے کی۔ جنہوں نے اعلائے کلمۃ اللہ و رسول کی رضا کے لیے لازوال و بے مثال قربانیاں دیں، جن کی تعریف و توصیف قرآن و حدیث کے صفحات کرتے ہوں، جنہیں معیار حق اللہ و رسول بتاتے ہوں۔ ان کی شان عظمت کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

(۱) پھر اگر وہ (یہود و نصاریٰ) اسی طرح ایمان لائیں جیسا تم (صحابہ کرام) ایمان لائے ہو جب تو وہ ہدایت پا گئے اور رہ گروانی کریں تو بڑے ضدی ہیں۔ (البقرہ، آیت: ۱۳۷)

(۲) اور جو رسول کی مخالفت کرے راہ حق کے واضح ہو جانے کے بعد اور (صحابہ کرام) مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ اختیار کرے ہم

اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور اسے دوزخ میں داخل کریں گے جو بری جگہ ہے۔ (النساء: ۱۱۵)

اس طرح کی متعدد قرآنی آیات، اصحابی کالنجوم الہم و ما آنا علیہ و اصحابی جیسی مشہور احادیث سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین عقائد و اعمال و دونوں میں معیار حق ہیں اور شریعت اسلامیہ میں ان کے اقوال و افعال حجت ہیں۔

لیکن اعلیٰ کی تقلید سے آزاد ہو کر غیر مقلدیت کے دعویٰ کا دم بھرنے والوں نے تمام نص ناطق کو دور کنار کرتے ہوئے کس طرح ادنیٰ کے قلاوہ کو اپنے گلے کا طوق بنا رکھا ہے اور صحابہ کرام کی بلند پایہ جماعت سے متعلق ان کے فکری انحطاط کا کیا عالم ہے آئیے ان دلسوز مناظر کا ایک سرسری جائزہ لیتے ہیں۔

(۱) نواب صدیق حسن بھوپالی لکھتے ہیں:

”علامہ شوکانی در مؤلفات خود ہزار باری نوید کہ در موقوفات صحابہ حجت نیست۔“ (دلیل الطالب، ص: ۲۱۷ بحوالہ تعارف علما سے اہل حدیث، ص: ۱۴۳) یعنی علامہ شوکانی اپنی تالیفات میں ہزار مرتبہ لکھتے ہیں کہ صحابہ کا قول حجت نہیں، کچھ آگے چل کر لکھتے ہیں کہ ”صحابہ کا اجتہاد امت میں سے کسی فرد پر بھی حجت نہیں۔“ (حرف الجادی، ص: ۱۰۱، ۲۰۷ بحوالہ تعارف علما سے اہل حدیث، ص: ۱۴۳ مطبوعہ دیوبند)

(۲) نواب وحید الزماں صاحب اہل حدیثوں کے اعمال و ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

ولا یلتزمون ذکر الخلفاء ولا ذکر سلطان الوقت لکونه بدعة؛ (ہدیۃ المہدی، جلد ۱، ص: ۱۱۰ بحوالہ تعارف علما سے اہل حدیث)

”اہل حدیث خطبہ جمعہ میں خلفاء راشدین اور بادشاہ وقت کے ذکر کا التزام نہیں کرتے کیوں کہ یہ بدعت ہے۔“

(۳) اس امت کے بہت سے بعد میں آنے والے علما و عوام صحابہ سے افضل تھے علم میں، معرفت الہی میں اور سنت کے پھیلانے میں، اور یہ ایسی بات ہے جس کا کوئی بھی عقلمند انکار نہیں کر سکتا۔ (ترجمہ عربی ہدیۃ المہدی، جلد ۱، ص: ۹۰ بحوالہ تعارف علما سے اہل حدیث، ص: ۱۵۱)

(۴) نواب وحید الزماں صاحب کی قلمی جسارت اور بڑھی تو لکھ مارا: اس سے معلوم ہوا کہ کچھ صحابہ فاسق ہیں جیسا کہ ولید (ابن عقبہ) اور اسی کے مثل کہا جائے گا معایہ (بن ابی سفیان)

عمرو (بن عاص) مغیرہ (بن شعبہ) اور سمرہ (بن جندب) کے حق میں، (کہ وہ بھی فاسق ہیں) (معاذ اللہ من ذالک) (نزل الانبیاء جلد ۲، بحوالہ تعارف علما سے اہل حدیث، ص: ۱۵۲)

(۵) قاری عبدالرحمن پانی پتی غیر مقلدین کے ایک مشہور امام ”مولوی عبدالحق بناری کے بارے میں لکھتے ہیں:

”مولوی عبدالحق بناری نے ہزار ہا آدمی کو عمل بالحدیث کے پردہ میں قید مذہب سے نکالا اور مولوی صاحب نے ہمارے سامنے کہا کہ عائشہ حضرت علی سے لڑ کر مرتد ہو گئی اگر بے توبہ مری تو کافر مری (العلیہ السلام) اور صحابہ کو پانچ پانچ حدیثیں یاد تھیں ہم کو سب کی حدیثیں یاد ہیں۔ صحابہ سے ہمارا علم بڑا ہے، صحابہ کو کم علم تھا۔“ (كشف الحجاب، ص: ۲۱ بحوالہ تعارف علما سے اہل حدیث، ص: ۱۵۴)

تعارف علما سے اہل حدیث کے مؤلف انوار خورشید صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ: ”موجودہ دور میں غیر مقلدین میں سے سب سے زیادہ جن صاحب نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بالخصوص اہل بیت عظام رضی اللہ عنہم پر سب و شتم کیا اور جی کھول کر دشنام دہی اور دیدہ دہی کی ہے وہ حکیم فیض عالم کے نام سے معروف ہیں، اس زمانہ کے خوارج میں موصوف کو خاص مقام حاصل ہے۔ انھوں نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں، تقریباً ہر کتاب میں اسلاف کو بدف تنقید بنایا ہے، یہ کتابیں اس قدر مذموم و مسموم ہیں کہ پڑھنے سے بھی طبیعت متعقبض ہوتی ہے، انفس صدافسوس کہ غیر مقلدین کے ہاں حکیم صاحب کو خوب پذیرائی حاصل ہے اور یہ غیر مقلدین کے بے نظیر و مایہ ناز محقق کہلاتے ہیں۔ اس موقع پر حکیم صاحب کی کتابوں سے کچھ حوالے ذکر کیے جاتے ہیں تاکہ صحابہ کرام و اہل بیت عظام رضی اللہ عنہم اور دیگر اسلاف امت کے متعلق غیر مقلدین کے بے نظیر محقق کی ذہنیت کا آپ کچھ اندازہ کر سکیں۔“

(تعارف اہل حدیث، ص: ۱۵۵، مطبوعہ دیوبند)

اس کے بعد حکیم صاحب کے سب و شتم اور شرے باز یوں کے جو نمونے پیش کیے گئے ہیں، خدا کی پناہ! اپنے ایمان کی خیر منائی پڑتی ہے کہ کہیں اس کا مطالعہ نہ عرومی کا باعث نہ بن جائے۔ بہر حال اتنی تفصیل کے بعد اب اس بات کا بھی بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جب سید الانبیاء اور ان کے مقدس رفقاء کی بارگاہ میں ڈھٹائی کا یہ عالم ہے تو دیگر بزرگان دین اور سلف صالحین سے متعلق ان کے تیور کیا ہوں گے۔ فقیر

کسی مولوی زندہ یا مردہ کا محض مقلد نہیں ہے اور اسی وجہ سے اس گروہ کا نام ان کے مخالفوں نے لاندہب وغیرہ مقلد رکھا ہوا ہے۔ (اشاعت السنۃ جلد ۹ شماره ۳ ص ۲۰ بحوالہ شیشے کے گھرباب دوم اندھیرے سے اجالے تک) (ص ۳۱۲ مطبوعہ رضا اسلامک فاؤنڈیشن بمبئی)

اس پر طرہ یہ کہ وہابی ازم نے اسے شیم چڑھا کر یا بنا دیا۔ یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ ہندوستان میں غیر مقلدیت و دہائیت باہم بقول شاعر:

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی

تا کس نہ گوید بعد از اس من دیگر من تو دیگری

کی حیثیت رکھتے ہیں۔ (ہاں! اس میں کوئی شک نہیں فروغ و ہائیت میں علمائے دیوبند کا نمایاں رول رہا ہے مگر میری سمجھ کے مطابق ان کے جملہ افکار میں کلیۃً اتفاق نہیں یا تو پھر تضاد و متضاد کے وہ شکار ہیں۔ یہ ایک مکمل موضوع ہے)۔ اور وہابی فکر کہاں پہنچا کر دم لیتی ہے اس پر ٹیکٹیکل (Practical) سے گذر چکے مولانا ابوالکلام آزاد سے بہتر اسے کون بتا سکتا ہے۔ اس لیے یہ کہانی ان ہی کی زبان میں ہے:

والد مرحوم کہا کرتے تھے کہ گرامی کی موجودہ ترتیب یوں ہے کہ پہلے وہابیت پھر نیچریت، نیچریت کے بعد تیسری قدرتی منزل جو الحاد قطعی کی ہے اس کا وہ ذکر نہیں کرتے تھے۔ اس لئے کہ وہ نیچریت ہی کو الحاد قطعی سمجھتے تھے۔ لیکن میں اسے تسلیم کرتے ہوئے اتنا اضافہ کرتا ہوں کہ تیسری منزل الحاد ہے، اور ٹھیک ٹھیک مجھے یہی پیش آیا۔ سر سید مرحوم کو بھی پہلی منزل وہابیت ہی کی پیش آئی تھی۔ (آزاد کی کہانی، ص: ۳۰۹ بحوالہ خطرات کے بادل، ص: ۱۹، مطبوعہ نعیمیہ دہلی)

آج کا یہ دور ریسرچ و تحقیق، تلاش و تتبع اور تفکر و تدبر کا ہے۔ بلند نظری اور روشن خیالی کی باتیں ہو رہی ہیں۔ افتراق و تفریق سے بچ کر کامیابی کی راہیں ڈھونڈی جا رہی ہیں..... اگر یہ درست ہے تو وقت آگیا ہے اب کشادہ قلبی اور وسعت ظرفی کے ساتھ اس حقیقت کو تسلیم کر لینا چاہیے کہ راہِ ائمہ مجتہدین اور طریقہ سلف صالحین نہ یہ کہ صراط الذین انعمت علیہم کا مصداق ہے، تو مملکت کے دین و ایمان کے تحفظ کا ایک مستحکم و بابرکت قلعہ ہے بلکہ یہی اتحاد و اتفاق بین المسلمین کی مضبوط اور لمبی و دوری بھی ہے۔ سوادِ اعظم کی اس ووری کو چھوڑ کر مسلکی اتحاد کی دہائیاں دینے والے یا تو اعمقوں کی جنت میں رہتے ہیں یا پھر منافقت کی شاہراہ پر گامزن ہیں۔ ☆☆☆

حنفی، علمائے احناف بالخصوص حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تو انہیں ازلی پیر ہے۔ ان دشنام طرازیوں میں فیض عالم صاحب ہی کی تخصیص نہیں ہے بلکہ یہ غیر مقلدیت، ہنوت و ہرزہ سرائیوں کا ایک ایسا اکھاڑہ ہے جس میں ہر ایک دوسرے پر بازی مارنے کے لئے کوشاں رہتا ہے۔ علامہ عبدالحکیم صاحب شرف قادری تحریر فرماتے ہیں:

مولانا جامی اور مولانا رومی رحمہما اللہ تعالیٰ کی عظمت و ولایت کا ایک جہان محترف ہے، مگر اہل حدیث انہیں کن القاب سے یاد کرتے ہیں؟ مولوی نور محمد کی تصنیف شہباز شریعت کا مطالعہ کیجیے، وہ لکھتے ہیں:

یہ جامی کتنا بھوکیا اندر تجھے کفران والے

جو جامی، رومی دے پچھ لگ اوہ کافر شرن مہ کا لے

مثنوی رومی دے وجہ جامی شارح چک چلایا

بلکیاں کتیاں والے چلوں رکھیں شرم خدایا

یاد رہے کہ علامہ اقبال پیر رومی کے اس قدر عقیدت مند ہیں کہ اپنے کلام میں جب احسان کے ارشادات کا تذکرہ کرتے ہیں اور مولانا جامی کی عظمتوں کو ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں:

کھینچ انداز ملا جامیم

لظم و نثر او علاج خامیم

اللہ تعالیٰ بزرگان دین کی بے ادبی و گستاخی سے محفوظ رکھے۔ (شیشے کے گھرباب دوم اندھیرے سے اجالے تک، ص: ۲۳۰) (مطبوعہ رضا اسلامک فاؤنڈیشن بمبئی)

پنجابی زبان کے ان اشعار میں گستاخیوں کے آثار مترشح ہیں کہ وضاحت کی چنداں ضرورت نہیں۔

دعوتِ فکر:- اگر معاملہ صرف عمل بالحدیث تک کا ہوتا تو بات اتنی تشویش ناک نہ ہوتی مگر قرآنی آیت ”صراط الذین انعمت علیہم“ جو صراطِ مستقیم ہے اگر اسی سے کنارہ کشی کا اعلان کر دیا جائے تو پھر نتیجہ ان ہی صورتوں میں ظاہر ہوگا۔ یقین نہ آئے تو امام اہل حدیث مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب سے ہی ان کے فرقے کا تعارف سن لیں:

”یہ فرقہ اہل حدیث بجز پیغمبر ﷺ کسی صحابی (ابوبکر، عمر فاروق، علی مرتضیٰ، عثمان رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) کسی تابعی (حسن بصری، زہری، سعید بن المسیب وغیرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین) کسی امام (ابوحنیفہ، شافعی، مالک، احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کسی صوفی (جنید بغدادی، شیخ عبدالقادر جیلانی وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

دہلی میں اہلسنت کی کتابوں کا عظیم مرکز مکتبہ جہان نور

20-00	فتوح الغیب	80-00	555 کھانے	70-00	زیر وزیر
15-00	نماز کی تعلیم	90-00	بیس تقریریں	50-00	زنگلہ
15-00	ذکر رضا	80-00	شہید ابن شہید (اول)	65-00	الالہ زار
20-00	سلطنت مصطفیٰ	85-00	شہید ابن شہید (دوم)	40-00	انور احمدی
15-00	اسلام اور جہاد	90-00	تذکرۃ اولیاء	55-00	تبلیغی جماعت
15-00	اسلام اور شادی	80-00	قصیدہ بردہ شریف	25-00	جماعت اسلامی
15-00	قصیدہ غوثیہ	60-00	ارشادات غوث الاعظم	25-00	نقش کر بلا
15-00	تمہید ایمان	60-00	آغا جان نور کا	30-00	تقریرات قلم
15-00	مسائل رمضان	60-00	زیارات مقدسہ	10-00	دعوت انصاف
15-00	رحمت خدا وسیلہ اولیاء	70-00	شام کر بلا	15-00	شریعت
15-00	رسول کریم	60-00	عقائد الاسلام	10-00	نقش خاتم
15-00	جوانی کی حفاظت	60-00	خاک کر بلا	10-00	جلوہ حق
15-00	عورتوں کی نماز	60-00	نمازیں اور دعائیں	10-00	محمد رسول اللہ قرآن میں
70-00	قرآنی عملیات	60-00	اسلام میں پردہ	10-00	دل کی مراد
120-00	قانونی شریعت	60-00	شریعت و طریقت	0-00	دور حاضر میں متکثرین رسالت
90-00	جنتی زیور	70-00	ایکادمی شریعت	10-00	آئیے حج کریں
10-00	میلاد النبی	50-00	نقش سلیمانی	7-00	ایک سفر دہلی شہار پور تک
15-00	ماہ شعبان اور شب براءت	50-00	شان حبیب الرحمن	7-00	قرن تعمیر میں امام احمد رضا
25-00	قادیانی دھرم	50-00	شان صحابہ	7-00	سر کا کا جسم بے سایہ
10-00	سات مسائل	50-00	فضائل درود	5-00	روداد مناظرہ
7-00	زکوٰۃ کی اہمیت	45-00	بارہ تقریریں	240-00	مرآۃ اسرار
10-00	عقائد علمائے دہلی	25-00	مغرب تعویذات سیفی	180-00	بہشت بہشت
10-00	طریقہ تجنید و تدفین	35-00	غوث الوری	185-00	کلید اعجاز
40-00	مسائل حج	25-00	کرامات صحابہ	180-00	جامع کرامات اولیاء
25-00	عرفان شریعت	30-00	شان خطابت	160-00	نبی حکایات (مکمل)
20-00	اسلامی نام	60-00	خطبات اعظمی (مکمل)	170-00	حقیقت غور صابری
7-00	تین نورانی راتیں	60-00	خطبات ربانی (جلد اول)	160-00	بہتہ الاسرار
5-00	طریقہ فاتحہ	70-00	خطبات ربانی (جلد دوم)	120-00	دین مصطفیٰ
5-00	زیارت قبور	25-00	خطبات ہاشمی	110-00	جاء الحق
30-00	تاریخ کا میلاد و رقی	20-00	خطبات ابوالحسنانی	120-00	بارہ ماہ کے فضائل
6-00	ایک ولولہ انگیز تقریر	25-00	اسلامی زندگی	150-00	فتاویٰ یورپ
6-00	علم غیب	20-00	حجی نماز	90-00	سنی بہشتی زیور
20-00	میلاد النبی	20-00	راہ حق	90-00	شیعہ شیدستان رضا
6-00	رسالت محمدی کا عقلی ثبوت	25-00	معراج النبی	80-00	سچا خواب نامہ

حضرت امیر اہل سنت کی مقبول ترین کتاب ”فیضان سنت“ خواجہ علم و فن کی نظر میں

خواجہ عظیم دین، جامع معقول و منقول

حضرت علامہ و مولانا خواجہ مظفر حسین صاحب دامت برکاتہم العالیہ
شیخ الحدیث دارالعلوم نورالحق، چرہ محمد پور، فیض آباد، الہند

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۝ نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

الحمد للہ! فقیر کو یہ شرف و سعادت حاصل ہے کہ فقیر نے بہت سے علماء اہل سنت کی بیش بہا کتب برقرار نظر تحریر کیں۔ خصوصاً فخر الامثل، بحر العلوم حضرت علامہ مفتی افضل حسین صاحب مونگیری ثم پاکستانی قدس سرہ الربانی (سابق صدر المدرسین منظر اسلام، بریلی شریف) کی ہندوستان سے شائع ہونے والی تقریباً تمام کتب پر فقیر کو تقاریر تحریر کرنے کا شرف حاصل رہا ہے۔ دعوت اسلامی کی مجلس رابطہ باعلماء والمشاخ کے نگران نے جب ”فیضان سنت“ جلد اول (۱۴۲۷ھ) کا جدید ایڈیشن بغرض مطالعہ و تقریظ حاضر کیا تو میرے دل کی کلیاں کھل اٹھیں اور قلم برداشتہ یہ تحریر حاضری۔

قرآن کریم جو کہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے، جس میں صراطِ مستقیم کی ہدایت کے لیے جا بجا ”امرو نہی“ کی شمع روشن کر دی گئی ہے۔ اور لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنة (ترجمہ: کنز الایمان) بے شک تمہیں رسول اللہ کی پیروی بہتر ہے (پ: ۲۱ سورہ الاحزاب ۲۱) فرما کر ایک بہترین نمونہ عمل کی نشاندہی کر کے ان کی پیروی کو جزو حیات قرار دیا گیا ہے۔ یعنی قرآن کریم ایک کتاب ہے اور حضور سر پانور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے قول و فعل گویا اس کتاب کی عملی تفسیر ہے۔ جس پر عمل کر کے انسان خاک سے بلند ہو کر ملکوتی صفات کا حامل بن جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے یہ اقوال و افعال جنہیں سنت کہتے ہیں، احادیث کریمہ، اقوال مشائخ اور علماء کرام کی کتابوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ ہزاروں ہزار فضل و کرم کی برسات ہوا امیر اہل سنت و امیر دعوت اسلامی، عاشق مدینہ حضرت علامہ و مولانا **محمد الیاس عطار قادری** رضوی ضیائی دامت برکاتہم العالیہ پر کہ انہوں نے ان لعل و جواہر اور گوہر پاروں کو جن چین کر یکجا فرما دیا اور ”فیضان سنت“ کے حسین نام سے موسوم کر کے یاد نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں دھڑکنے والے دلوں کی خدمت میں پیش فرمایا۔ زبان و بیان کی روانی اور طرزِ تحریر کی شیرینی کے ساتھ جب یہ کتاب سامنے آئی تو لوگ اسے برستی آنکھوں اور ترستے دلوں کے ساتھ پڑھنے اور اس پر عمل کرنے لگے۔

بندۂ ناچیز جو بھی اس کتاب سے اتنا متاثر ہوا کہ جب اس کا پہلا ایڈیشن مجھے ملا تو با وضو بیٹگی آنکھوں سے چل پر رکھ کر پڑھتا رہا اور بار بار پڑھتا رہا اور اب تو یہ جدید ایڈیشن کچھ اور بھی خوبوں کے ساتھ بن سنور کر سامنے آیا ہے۔ حوالہ جات سے مرصع، تجزیات سے آراستہ اور مزید اضافات سے سجا ہوا ہے۔ نیز اس کتاب کی ایک خاص اور اچھوتی خوبی یہ ہے کہ اس میں جگہ بے جگہ تبلیغ قرآن و سنت کی عالمگیر غیر سیاسی تحریک، دعوت اسلامی کے سنتوں کی تربیت کے مدنی قائلوں کی ”ایمان افروز بہاریں“ اپنی خوشبوئیں لٹا رہی ہیں۔

میری معلومات کے مطابق کثیر الاشاعت ہونے کے اعتبار سے یہ پہلی اردو کتب ہے جو پاکستان میں چھپی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے دنیا کے کئی ممالک میں پہنچ گئی ہے۔ سنہ میں آیا ہے کہ دعوت اسلامی میں ایسے ایسے دیوانے بھی ہیں کہ تقریباً ساڑھے پندرہ سو صفحات پر مشتمل کتاب فیضان سنت (جلد اول) ان میں سے کسی نے ۱۴ مردن میں تو کسی نے فقط سات ایام میں مکمل پڑھ لی۔ اس بات سے اس کتاب مستطاب کی خوبیوں اور تحریروں پر دل پذیر کی چاشنیوں کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ میری اپیل ہے کہ لوگ اسے خرید کر اپنے گھر کے ہر طاق پر سجائے رکھیں تاکہ جہاں سے جی چاہے اسے حاصل کر کے پڑھتے رہیں، دوستوں کو بطور تحفہ خرید کر پیش کریں۔ بہن، بیٹی کی شادی کے موقع پر بطور جہیز اس کتاب کو عنایت کریں۔ بالخصوص اہل ثروت اس کتاب کو خرید کر مساجد، مدارس اور خانقاہوں میں وقف کریں۔ تمام مبلغین و مبلغات دعوت اسلامی اور عوام و خواص بھی اس کا درس گھر گھر، مسجد مسجد، دکان دکان، کارخانوں، بازاروں اور چوکوں پر جاری کریں۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو ہماری ترک شدہ کسی سنت کو رائج کرے، اس کے لیے سو شہیدوں کا ثواب ہے۔ آئیے، ہم اور آپ ترک شدہ سنتوں پر عمل کرنے اور اس کو رائج کرنے کا عہد کریں اور اس عہد کو نباہ کر سو شہیدوں کا نہیں بلکہ ہزاروں شہیدوں کا ثواب حاصل کریں۔

خواجہ مظفر حسین رضوی، ۲۶ محرم الحرام ۱۴۲۸ھ (شیخ الحدیث دارالعلوم نورالحق، چرہ محمد پور، فیض آباد یو پی، الہند)



البرکات ایجوکیشنل انسٹی ٹیوٹ، علی گڑھ

البرکات ایجوکیشنل سوسائٹی کا قیام ۱۹۹۵ء میں حضرت امین ملت پروفیسر **سید شاہ محمد امین میاں** صاحب سجادہ عین آستانہ برکاتیہ مارہرہ شریف کی صدارت و سرپرستی میں مکمل میں آیا۔ آج ماشاء اللہ تمام عمارتیں مکمل ہو چکی ہیں اور مندرجہ ذیل تعلیمی سرگرمیاں جاری ہیں:

البرکات انسٹی ٹیوٹ آف مینجمنٹ اسٹڈیز:- یہ ادارہ AICTE سے منظور شدہ اور U.P. Technical University سے الحاق ہے اس دوسرے MBA کورس میں طالب علم B.A. کرنے کے بعد UPSEE ٹیسٹ کے ذریعہ البرکات میں داخل ہو سکتے ہیں۔ MBA کے طلبہ کے لئے ہوسٹل کی سہولت البرکات کے کمپس میں موجود ہے۔

البرکات پبلک اسکول:- اس اسکول کا الحاق CBSE سے ہے۔ یہاں فی الحال پے گروپ سے دسویں تک کی تعلیم دی جا رہی ہے۔ یہاں داخلوں کے لئے مارچ اپریل کو ٹیسٹ منعقد ہوگا۔ بچوں کے لئے ہاسٹل کی سہولت موجود ہے۔

البرکات جامعہ ہمدرد اسٹڈی سینٹر:- اس ادارے کا الحاق جامعہ ہمدرد یونیورسٹی، نئی دہلی سے ہے۔ بارہویں کلاس پاس کرنے کے بعد طلبہ کو تین سہ ماہی BCA، BBA کورس میں داخل کیا جاتا ہے۔

البرکات انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشن:- اس میں B.Ed کی تعلیم دی جائے گی۔ یہ ادارہ NCTE سے منظور شدہ ہے اور آگرہ یونیورسٹی سے الحاق ہوگا۔ البرکات انسٹی ٹیوٹ آف اورینٹل اسٹڈیز:- اس ادارے میں تقابلی ادیان و علوم دینیہ کے ساتھ ساتھ اسلامک اسٹڈیز کے اہم موضوعات پر تحقیق کا کام ہوگا۔

رابطے کا پتہ: البرکات ایجوکیشنل انسٹی ٹیوٹ، انوپ شہر روڈ، علی گڑھ (یو پی)

Ph. 0571-3299871, 3291307, 3291308, 3291309, Fax: 0571-2720967

website: www.albarkaat.com



مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم "اتبعوا السواد الأعظم"
ولما اندرست المذاهب الحقّة الا هذه المذاهب كان اتباعها اتباع السواد الأعظم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: "سواد اعظم کی پیروی کرو"

چونکہ ان مذاہب اربعہ کے علاوہ بقیہ حق مذاہب باقی نہیں رہے، لہذا انہی کا اتباع ہی سواد اعظم کا اتباع ہے۔

(عقد الجید فی احکام الاجتہاد والفتی، مطبع نجفی دہلی ۱۳۳۳ھ)

ماہنامہ جام نور کا "اجتہاد و تقلید" نمبر پڑھ کر آئیے ہم عہد کریں کہ فروعی مسائل میں کسی امام مجتہد کا اتباع کریں گے
اور بے جا اجتہاد کر کے شریعت کو باز نہ کیجئے اطفال نہیں بننے دیں گے

اسلامی کتب، آڈیو کیسٹ اور سی ڈی مفت حاصل کرنے کے لیے ہم سے رابطہ کریں

*Contact for free Islamic Literature,
Audio Cassettes & CDs etc*

SUNNI NOORIE MASJID
DARUL ULOOM RAZA-E-MUSTAFA

15, Hill Road, Opp. Damian, Near Mehboob Studio
Bandra(West) Mumbai-400050 India

Tel: (91-22) 2645 6670 / 2645 6664, Fax : (91-22) 2641 1100

E-Mail: yahya@bom3.vsnl.net.in

مذہبی صحافت میں ایک صحت مندانقلاب کا داعی
ملت کا ترجمان ماہنامہ جام نور کا

اجتہاد و تقلید نمبر

خدا کرے! امت مسلمہ کے اندر اسلاف سے حسن عقیدت، حسن ظن اور اس کی باغیانہ ذہنیت میں اعتدال پیدا کر دے
قارئین جام نور میرے والدین کریمین

الحاج لعل محمد خان عرف لکن خان مرحوم
مخدومہ گرامی ثمر النساء صاحبہ مرحومہ

کی مغفرت اور ترقی درجات کے لیے دعاء فرمائیں

وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ط أَمَا يَلْفَنَ عِنْدَكَ الْكِبَرُ أَخَذَهُمَا أَوْ كَلَّهُمَا
فَلَا تَقُلْ لَهُمَا آفٌ وَلَا تُنْهَرُهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ۝ وَخَفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ
رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيْنِي صَغِيرًا ۝ (پ: ۱۵، ع: ۲۰، نئی اسرائیل ۲۳، ۲۴)

ترجمہ - اور تمہارے رب نے حکم فرمایا کہ اس کے سوا کسی کو نہ پوجو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ اگر تیرے سامنے
ان میں ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان سے ہوں نہ کہنا اور ان کے لیے عاجزی کا بازو بچھا، نرم دلی سے، اور عرض کر
کہ اے میرے رب تو ان دونوں پر رحم کر جیسا کہ ان دونوں نے مجھے بھٹ پین (بچپن) میں پالا۔ (کنز الایمان)

Thy Lord hath decreed that ye worship none but Him, and that ye be kind to
parents. Whether one or both of them attain old age in thy life, say not to them a
word of contempt, nor repel them but address them, in terms of honour. And, out
of kindness, lower to them the wing of humility, and say: "My Lord! bestow on
them Thy Mercy even as they cherished me in childhood."

عالمی دعا

محمد عارف نسیم خاں (ایم۔ ایل۔ اے) سابق وزیر خوراک صوبہ بہار شٹر

۹ شمع اپارٹمنٹ، شمس الدین گرو، جری مری، کراہ، اندھیری روڈ، ممبئی۔ 400072 فون: 022-28516127